

27.2

یوسف بن ہاشم



اسلم راہی ایم اے

لازوال تاریخی ناول

یوسف بن تاشفین

اسلم راہی ایم اے

مکتبہ القریش

قذافی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-7231595 - 042-7352835

یوسف بن تاشقین:

اسلم راہی ایم اے

95275

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر	:	عبدالحفیظ قریشی
مطبع	:	نیر اسد پرنٹرز لاہور
سن اشاعت	:	2009ء
تعداد	:	600
کمپوزنگ	:	کلائمکس کمپیوٹرز
قیمت	:	550/- روپے

فون: 7231595 - 7352835

مکتبہ القریشی اردو بازار لاہور۔

پیش لفظ

امیر یوسف بن تاشفین ایک سچا اور پکا مسلمان تھا۔ ایک اعلیٰ حکمران کی ساری خوبیاں اُس میں موجود تھیں۔ اُس کے اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کا ہر کوئی معترف تھا۔ ایک نڈر، جوانمرد اور پُر جوش مجاہد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نایاب سالار، خدا ترس امیر، پابندِ شرع، متقی اور کشادہ ذہن حکمران تھا۔

اُنڈلس کے مسلمانوں کے پکارنے پر اُس نے لبیک کہی اور دشمن قوتوں کو روندتے ہوئے اور اُنہیں شکست دیتے ہوئے اُنڈلس کے مسلمانوں کا دفاع کیا۔ امیر یوسف بن تاشفین اڑتیس سال کی حکمرانی کے بعد سو سال کی عمر میں اس عالم فانی سے کوچ کر گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یوسف بن تاشفین کی سلطنت کا رقبہ بنو اُمیہ اور بنو عباس کی سلطنت سے بھی زیادہ تھا۔ ہر جمعہ کو کم از کم تین لاکھ مسجدوں میں اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور تیرہ بادشاہ اُس کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو عباسی خلافت کا ایک نمائندہ خیال کرتا تھا۔

یہ ناول اسی نایاب، بے مثل حکمران سے متعلق ہے اور اُمید ہے کہ یہ ناول آپ کے معیار پر پورا اترے گا اور آپ کی پسند کا باعث بنے گا۔

اسلم راہی ایم۔ اے



طلیطلہ شہر کے قصر شاہی میں کھتالیہ، جلیقیہ اور نبرہ کے علاقوں کا نصرانی بادشاہ افونش ششم قصر کی سنہری سہ نشین پر بیٹھا ہوا تھا۔

اس کے ایک طرف اس کی ملکہ لپتہ، ملکہ کے ساتھ افونش ششم کی انتہا درجہ کی خوبصورت، پُر جمال، نو عمر اور نوخیز بیٹی مغریطہ بیٹھی تھی۔ جبکہ دوسری سمت لیون شہر کے اسقف الوتیس اشستور اس اور اردو ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی افونش کے بہترین سالاروں میں سے فانی، فارنوس، یوریس بھی اپنے اپنے منصب پر نشستیں سنبھالے ہوئے تھے۔ یاد رہے کہ فانیز، افونش ششم کے لشکریوں کا سپہ سالار اعلیٰ تھا۔ جبکہ افونش ششم کے قریب اس کا وزیر شروان بھی ایک نمایاں جگہ نشست سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کے علاوہ اس قصر میں جس قدر نشستیں تھیں وہاں امراء، سالار اور سلطنت کے دیگر سرکردہ لوگ اپنے اپنے منصب کے مطابق نشستیں سنبھال چکے تھے۔

سب سے آخر میں خود افونش، اس کی بیوی لیستہ اور بیٹی مغریطہ آئی تھیں۔ ان کی آمد پر لوگوں نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا تھا۔

قیوں جب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تب افونش نے پہلے وہاں بیٹھے لوگوں کا بنظر غائر جائزہ لیا، اس کے بعد ہلکا سا تبسم اس کے چہرے پر نمودار ہوا۔ ساتھ ہی وہاں بیٹھے لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کبھی ہم پر یہ دور تھا کہ ہم صرف کھتالیہ کے حکمران تھے۔ اب یہ دور بھی ہے کہ کھتالیہ کے علاوہ جلیقیہ اور نبرہ کے وسیع و عریض علاقے ہماری سلطنت کا حصہ ہیں اور اب جنوب کی سمت کے مسلمانوں کے وسیع علاقے بھی ہمارے تسلط میں آچکے ہیں اور

حد یہ ہے کہ طلیطلہ شہر جس کی ماضی میں ہسپانیہ کے اندر سب سے زیادہ شان و شوکت ہوتی تھی وہ بھی ہمارے تسلط میں آ گیا ہے۔ اب ہم اپنی شان و شوکت اور اپنی سلطنت کی حدود کو مزید وسعت دینا چاہتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ ہماری اس تجویز سے کوئی بھی اختلاف رائے نہیں رکھے گا۔ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو اٹھ کر اپنے خیالات کا اظہار کرے۔

اس پر امراء اور سالاروں میں سے باری باری لوگ اٹھ کر بڑے خوش کن انداز میں اپنے بادشاہ افونش کے خیالات کی تائید کرنے لگے تھے۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوا تب افونش نے اپنے وزیر شیروان کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جیسا کہ اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ تم سے گفتگو ہو چکی ہے۔ مسلمانوں کی سلطنت جو کسی دور میں بڑی مضبوط اور مستحکم تھی، مختلف حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ جست و خیز کرتے ہوئے ایک کے بعد دوسری مسلمان ریاست کو اپنے علاقوں میں شامل کرتے ہوئے ہسپانیہ میں مسلمانوں کی بساط کو پیٹ کر رکھ دیں۔ ایسا کرنے کی ابتداء ہم بہت پہلے کر چکے تھے جس کے نتیجے میں یہ طلیطلہ شہر ہمارے قبضے میں آ گیا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں تم آج ہی اپنا ایک وفد اشبیلیہ کے مسلمان حکمران معتمد کی طرف روانہ کرو۔ اس وقت ہسپانیہ میں مسلمان حکمرانوں میں سے معتمد ہی سب سے زیادہ پُر قوت، صاحبِ تدبیر اور قوتِ ارادی کا مالک خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی طرف ایک وفد بھجواؤ۔ ماضی میں جب ہم نے اس کے علاقوں پر یلغار کرنا شروع کی تھی تو اس نے خراج دینا منظور کیا تھا لیکن خراج کی رقم آج تک ہمیں ملی نہیں ہے۔ چنانچہ تم آج ہی ایک وفد اشبیلیہ کی طرف روانہ کرو جو معتمد سے خراج کی اس رقم کا تقاضا کرے۔ اگر معتمد جس قدر خراج کی رقم اس کی طرف بنتی ہے، ادا کر دے تو کچھ عرصہ ہم خاموش رہیں گے اور اگر وہ رقم جو ہم حساب کر کے اس کی طرف بھجوائیں گے، نہ دے تو پھر وہی ہو گا جو ہم چاہتے ہیں۔ ہم اپنا لشکر لے کر اس پر چڑھ دوڑیں گے اور اس کے سارے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیں گے۔ ہاں اگر معتمد نے ہماری مانگ کے مطابق خراج کی رقم ادا کر دی ہے تب کچھ عرصہ خاموش رہیں گے۔ اس کے بعد کوئی اور بہانہ بنائیں گے جسے بنیاد بنا کر معتمد پر حملہ آور ہو کر اس کے علاقوں کو اپنی گرفت میں کرنے کی کوشش کریں گے۔ میرے خیال میں، میں نے جو کچھ

کہا ہے اسے تم سمجھ گئے ہو گے۔“

اپنے وزیر شیروان سے نگاہیں ہٹانے کے بعد افونش نے اپنے سپہ سالار فائیز کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”فائیز! اپنے بڑے سالاروں مارنوس اور یوریس سے ساتھ مل کر اپنے لشکریوں کو تیار اور مستعد رکھنا۔ اشبیلیہ کا مسلمان حکمران معتمد اگر خراج ادا کرنے سے انکار کرتا ہے تو پھر ہم اس کے خلاف ایسی کارروائی کریں گے جس کے نتیجے میں اسے اپنے علاقوں سے خروم ہونا پڑے گا اور اس کے سارے علاقے ہماری سلطنت میں شامل ہوں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش جب خاموش ہوا تب اپنی نشست پر بیٹھے ہی بیٹھے فائیز نے گردن جھکا کر افونش کو تعظیم دی۔ ساتھ ہی کہنے لگا۔

”مالک! اگر آپ برانہ مانیں تو اس موقع پر میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

ہلکا سا تبسم اس موقع پر افونش کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

”کہو! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ جو کہو گے ہم غور سے سنیں گے۔“

افونش کے ان الفاظ سے فائیز کو کچھ حوصلہ ہوا کہنے لگا۔

”مالک! اگر اشبیلیہ کا مسلمان حکمران معتمد خراج ادا کر دیتا ہے تو پھر اس پر حملہ آور ہونے کے لیے کوئی اور بہانہ تلاش کرنے کی خاطر ہم کچھ عرصہ خاموش رہیں گے۔ اس دوران اپنی عسکری تیاری کو بھی اپنے عروج پر اور اپنی انتہا پر پہنچا دیں گے اور اگر وہ خراج دینے سے انکار کرتا ہے، اس کے ساتھ ٹکراؤ کی نوبت آتی ہے تو اس سلسلے میں، میں چاہتا ہوں ہم محتاط رہیں۔ اگر خراج دینے سے انکار کرے تو ہمیں پہلے مرحلے میں اپنے لشکر کے ایک حصے کو متعین کر کے اس لشکر کو معتمد کے علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لیے بھیجنا چاہیے۔ اگر وہ ہمارا چھوٹا لشکر معتمد کے علاقوں کے اندر یلغار کرنے میں کامیاب رہے تو پھر باقی لشکر کو بھی تیاری کا حکم دے دیا جائے۔ میں خود اس لشکر کی کمانداری کروں گا اور اشبیلیہ تک یلغار کرتا چلا جاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ کوئی بھی مسلمان قوت ہماری راہ روک نہیں سکے گی۔ پہلے چھوٹے لشکر کو اشبیلیہ کے علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لیے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ اشبیلیہ کی مسلمان ریاست کی عسکری قوت کا اندازہ لگایا جائے اور یہ اندازہ لگانے کے بعد ہی اشبیلیہ پر آخری ضرب لگائی جائے گی۔“

جب تک سپہ سالار فائز بولتا رہا، افونش خاموش رہا، مسکراتا رہا۔ جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا افونش کہنے لگا۔

”فائز! جو کچھ تم نے کہا ہے ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی ہوگا۔“

اپنے وزیر اور سپہ سالاروں کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد افونش، اسقف الوتیس اور اسقف اردونو کی طرف متوجہ ہوا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ دونوں حضرات کے ذمے میں نے سب سے اہم کام لگا رکھا ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنے کارندوں کے ذریعے مسلمانوں کے اندر انتشار برپا کرتے رہیں۔ آپ کے کارندے مسلمان علاقوں کے اندر مسلمانوں کے بھیس میں رہتے ہوئے ان کے اندر افواہیں پھیلائیں، عربوں اور بربروں کے درمیان طبقاتی تضاد پیدا کرنے کی کوشش کریں، ان کے اندر کوئی مرکزی حکومت قائم نہ ہونے دیں۔ اگر ایسا ہو جائے گا تو یاد رکھنا مسلمانوں کے اندر قومی کردار کا خلا پیدا ہو جائے گا جس سے فائدہ اٹھا کر ہم ان مسلمانوں کو ہسپانیہ سے نکال باہر کریں گے۔“

اگر مسلمانوں کے درمیان کوئی بڑی اور مرکزی حکومت قائم نہ ہونے پائے تو پھر ہمیں ان کی طرف سے ایک طرح کی آسودگی رہے گی۔ اس لیے مرکزی اور مضبوط حکومت میں قوت کا مرکز خود بادشاہ کی ذات ہوتی ہے یا دوسرے لفظوں میں بادشاہ کی ذات ہی حکومت کی قوت اور طاقت کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ لہذا جب تک بادشاہ خود اپنی ذات میں قوت اور طاقت کے پیکر ہوں ان کی حکومت بھی مضبوط اور مستحکم رہتی ہے اور جب وہ کمزور ہوں، ان کی حکومت بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ جب کمزور حکمران سربراہ سلطنت ہوتے ہیں، مرکزی حکومت کمزور ہو جاتی ہے تو ان حالات میں بادشاہ، امراء اور وزراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ جاتے ہیں اور حکومت محلاتی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ بادشاہ کو ہر وقت اپنی جان کے لالے پڑے رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ امور سلطنت کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکتے۔ جس کا نتیجہ اندرونی خلفشار کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور نتیجتاً حکومت کے اعمال اور کارندے بدعنوانوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ نظم و نسق کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور اس کا بیرونی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دور دراز صوبوں کے والی خود مختار ہو جاتے ہیں اور یوں کوئی مضبوط مرکز نہ ہونے کی وجہ سے سلطنت کا

جنازہ نکل جاتا ہے۔

دوسری ذمہ داری میں نے آپ لوگوں پر لگا رکھی ہے کہ مسلمانوں کے اندر طبقاتی تضاد پیدا کریں۔ بربروں کو عربوں اور عربوں کو بربروں سے بدظن کرتے رہیں۔ اگر ہم لوگ بربروں اور عربوں کو لڑانے میں کامیاب ہو جائیں اور اس میں ہم کسی حد تک کامیاب ہو بھی چکے ہیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے اندر ہر شخص، ہر گروہ، ہر طبقے کو فقط اپنے ہی مفادات کا خیال رہے گا اور ان کے ہاں خود غرضی زمانے کا دستور بن جائے گی جس کی بنا پر ان کے ہاں نا اتفاقی پیدا ہو جانا ایک لازم امر ہو جائے گا۔ اس نا اتفاقی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر شخص دوسرے کو دشمن خیال کرے گا یا کم از کم وہ ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھیں گے۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں مسلمانوں کو اپنے سود و زیاں کا احساس نہیں رہے گا۔ وہ نہ اندرونی، نہ بیرونی خطرات کو سمجھ سکیں گے اور نہ ان کو متحد ہو کر کسی کے مقابلے پر آنا نصیب ہو گا اور جب مسلمانوں کے اندر اتحاد نہیں رہے گا تو ان کا شیرازہ بکھر جائے گا اور جب اس بکھرتے ہوئے شیرازے پر ہم ضرب لگائیں گے تو مسلمانوں کی کوئی طاقت ہماری راہ نہ روک پائے گی اور بڑی آسانی سے ہم مسلمانوں کے علاقوں کو اپنی مملکت میں شامل کر لیں گے۔

تیسرا کام مسلمانوں کے اندر اپنے کارندے اور جاسوس بھیج کر یہ کرنا ہے کہ ان کے اندر ان کا جہاد کا سب سے بڑا جذبہ اور قومی ایثار اور قربانی کے جذبے کا بالکل فقدان ہو جائے۔ یاد رکھو! یہ دنیا ایک عجائب خانہ ہے۔ اس میں ہر نوع دوسری نوع کے ساتھ اور ہر قوم دوسری قوم کے ساتھ برسرِ پیکار ہے تاکہ وہ اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکے۔ چنانچہ تاریخ ہی ہمیں بتاتی ہے کہ اس دنیا میں جب قوم میں جذبہ جہاد باقی نہیں رہتا وہ یا تو صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے یا مغلوب اور مفتوح ہو کر فاتح قوم کی غلام بن جاتی ہے۔

میرے خیال میں اسی نقطے کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کے ہاں جہاد کو فرض قرار دیا گیا ہو گا اور اس کی اہمیت پر بحال طور پر زور دیا ہو گا۔ آپ سب جانتے ہوں گے کہ جب تک مسلمان جذبہ جہاد سے سرشار رہے اور ایثار و قربانی ان کا شیوہ زندگی رہا، وہ ہمیشہ فاتح اور فوز مند رہے اور عزت و آبرو سے زندگی بسر کرتے رہے اور جب وہ اس جذبے سے محروم ہوئے، ذلیل و خوار ہونا شروع ہو گئے۔

ہسپانیہ میں بنو امیہ کے زوال اور انحطاط کا یہی سبب تھا کہ ان میں جذبہ جہاد باقی نہ رہا تھا۔ میرے عزیز ساتھیو! سلاطین رزم آرائی کے بجائے بزم آرائی کو ترجیح دینے لگیں، ایثار اور قربانی کی بجائے خود غرضی کا شکار ہو جائیں تو زندگی اور کامیابیاں بھی ان سے منہ موڑ لیتی ہیں اور ان کی عظیم الشان سلطنت ان کی شان و شوکت ان کا جاہ و جلال ہمیشہ کے لیے ان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو اپنے سامنے کمزور کرنے اور انہیں نیچا دکھانے کے لیے ہمیں نہ صرف انہیں ان کے جذبہ جہاد سے محروم کرنا ہے بلکہ ان کے اندر قومی ایثار اور قربانی کے جذبے کو بھی ختم کرنا ہے اور میرے خیال میں میرے محترم اسقفو! تم اس کام کو اپنے کارندوں کے ذریعے بڑے اچھے اور احسن طریقے سے سرانجام دے سکتے ہو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش خاموش ہوا۔ چند لمحے گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، اس کے بعد اس نے اپنے وزیر شروان، اپنے سپہ سالار فانیز اور دونوں اسقفوں یعنی الوتیس اور اردونو کو مزید چند ہدایات کیں پھر وہ اپنی انتہا درجہ کی حسین اور خوبصورت بیٹی مغریطہ اور اپنی ملکہ لیستہ کے ساتھ قصر کے اس کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد باقی لوگ بھی قصر سے نکلنا شروع ہو گئے تھے۔



اشبیلیہ کا مسلمان حکمران معتمد اپنی زندگی رنگ رلیوں میں بسر کرنے کا عادی تھا۔ امور سلطنت کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی۔ ایک اچھا شاعر بھی تھا۔ چنانچہ ایک نظم میں لکھتا ہے۔

”بغیر شراب کے زندگی، زندگی نہیں۔“

اس معتمد کا زیادہ وقت جلسوں اور ضیافتوں میں صرف ہوتا تھا اور جو باقی بچتا تھا وہ اس کی چار حسین اور خوبصورت بیویوں کے لیے مختص تھا اور وہ اس وقت کو اپنے حرم کی حسین عورتوں کی صحبت میں گزارتا تاکہ ان کے ساتھ لطف و محبت سے نام پیدا کرے۔ اس کی بیویوں میں سب سے زیادہ، ہر دل عزیز ملکہ رمیکہ تھی۔ وہ اسے جنون کی حد تک پیار کرتا تھا۔ اس معتمد سے متعلق مغربی مورخین لکھتے ہیں:

”رمیکہ سے معتمد کا عشق کبھی کم نہ ہوا بلکہ اس کی محبت اسی طرح

زوروں پر رہی جس زور سے شروع میں تھی۔“

ساتھ ہی مغربی مورخین یہ بھی لکھتے ہیں:

”لیکن مسلمانوں کے ملکوں میں عشق کے قواعد اور قوانین کچھ عجیب ہیں۔ ان قوانین کی رو سے غیر عورتوں کی طرف تھوڑی بہت توجہ ہو جانے سے بیوی کے حق میں کسی قسم کی بے وفائی نہیں ہوتی۔“

گو معتمد کی طبیعت گاہے گاہے دوسری طرف مائل ہو جاتی تھی لیکن اقلیم دل کی اصل مالکہ ملکہ رمیکہ ہی تھی اور ایسی حرکتوں پر وہ شوہر کو خطاوار نہ سمجھتی تھی۔

دوسری بیوی جسے معتمد بے حد پسند کرتا تھا وہ امندہ نام کی تھی۔ اس عورت نے غضب کی دلفریب صورتی پائی تھی۔ جب کبھی معتمد اس کا جام محبت پیتا تو اپنے ساغر میں دو چار پھول امندہ کے ہاتھ کے پڑے ہوئے ضرور نظر آتے تھے۔

معتمد جس وقت پرانے شعراء کے کلام کا مطالعہ کرتا یا خود شعر کہنے بیٹھتا تب اس کی تیسری بیوی قمر ضرور اس کے پہلو میں ہوتی اور اگر کمرے میں شعاع آفتاب گستاخیاں کرتی آتی تو قمر ہی بادشاہ پر سے دھوپ روکنے کھڑی ہوتی اور بادشاہ کہتا۔

”سچ ہے، چاند ہی سورج کو گہنا سکتا ہے۔“

اس معتمد کی چوتھی بیوی بڑی شوخ، شرمیلی اور کسی قدر دلکش تھی۔ معتمد اسے پیار سے لولو کہتا تھا۔ یہ بڑی ضدی خاتون تھی۔ جب اسے زہر چڑھتا تو معتمد بڑی بڑی منتیں کر کے اس کا غصہ دور کرتا۔ ایک مرتبہ معتمد اور اس کے تعلقات خراب ہوئے تو صلح و صفائی کے لیے معتمد نے اپنی اس بیوی کے نام ایک نامہ لکھا۔ اس نے جواب تو دیا لیکن نامے کی پیشانی پر اپنا نام نہ لکھا جیسا کہ دستور تھا۔ معتمد نے خط پڑھ کر کہا۔

”اس کا مطلب ابھی تک معافی نہیں ہوئی۔ دیکھو اس نے اپنا نام نہیں لکھا۔ جانتی ہے کہ اس نام پر جان دیتا ہوں۔ مگر غصے کو کیا کرے، سب کچھ لکھا مگر نام نہ لکھا۔ اسے شکایت یہ رہتی ہے کہ جہاں میرا نام دیکھتے ہیں اسے پیار کر لیتے ہیں۔ واللہ! میں اب نام ہی نہیں لکھوں گی جو دیکھیں اور پیار کریں۔“

معتمد کی ایک اور بیوی بھی تھی۔ اس کا نام جنیبیہ تھا۔ یہ معتمد کی تیمارداری خوب کرتی تھی اور معتمد دعا مانگتا تھا کہ وہ بیمار پڑا رہے اور اس کی یہ بیوی اس کی تیمارداری کرتی رہے۔

بہر حال یہی معتمد اشبیلیہ میں اپنے قصر میں اپنی بیویوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ

اسے اطلاع دی گئی کہ نصرانی حکمران افونش کا ایک وفد خراج وصول کرنے آیا ہے۔ اس اطلاع پر معتمد نے خاص توجہ نہ دی۔ اپنے چوہدار کو حکم دیا کہ اپنے دو بڑے سالاروں مسلم اور شیب کے ذمے یہ کام لگایا جائے کہ وہ اس وفد سے بات کریں اور انہیں خراج ادا کر کے فارغ کریں۔ چنانچہ معتمد نے خراج کا یہ معاملہ اپنے سالاروں مسلم اور شیب کے ذمے ڈال دیا تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ نصرانی حکمران افونش کے سفیروں نے اشبیلیہ شہر کے باہر جب اپنے خیمے نصب کیے تب مسلم اور شیب کے ساتھ معتمد کے وزیر ابوبکر بن زیدون خراج کی رقم لیے سفیروں کے پاس پہنچ گئے۔

چنانچہ وہ رقم جب افونش کے سفیروں کے حوالے کی گئی تب سفیروں نے اس پر بد اعتمادی کا اظہار کیا اور ان میں سے ایک بولا اور ابوبکر بن زیدون کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں ایسا بے وقوف نہیں ہوں کہ ان سکوں کو قبول کروں۔ اس لیے کہ ان میں جعلی سکے ہیں جو قابل قبول نہیں ہیں۔ اسی سال تو میں آپ لوگوں سے خالص سونالے کر جاؤں گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر دوسرے سال تمہارے شہروں پر قبضہ کیا جائے گا۔“ جس شخص نے یہ الفاظ ادا کیے تھے وہ ایک طرح سے افونش کے اس وفد کا سربراہ تھا۔ یہودی تھا۔ اس کا نام شالیب تھا۔ چنانچہ اس یہودی شالیب نے جب یہ گستاخی کی تب اس کی اس گفتگو کی اطلاع ابوبکر بن زیدون نے معتمد کے چوہدار کے ذریعے معتمد تک پہنچائی۔ معتمد یہ معاملہ جان کر غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ چنانچہ حکم دیا کہ اس یہودی سمیت افونش کے وفد کے جو لوگ آئے ہیں ان سب کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ معتمد کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ جس وقت افونش کے سفیر معتمد کے سامنے پیش کیے گئے تو اس گروہ میں جو عیسائی تھے ان کو تو معتمد نے زندان کی طرف بھیجنے کا حکم دے دیا۔ یہ سن کر وہ لرز کانپ گئے۔ لیکن معتمد نے اس حکم پر سختی سے عمل کروایا اور ان سارے نصرانیوں کو اس نے زندان میں ڈلوادیا۔ باقی یہودی رہ گیا تھا جس نے بد تمیزی کے الفاظ ادا کیے تھے۔ چنانچہ اس یہودی کے متعلق معتمد نے یہ فیصلہ دیا کہ اس کو فوراً صلیب پر چڑھا دیا جائے۔

یہودی جو پہلے بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا تھا، جب معتمد نے اس کے لیے حکم

جاری کیا کہ اسے مصلوب کر دیا جائے تب وہ سر سے لے کر پاؤں تک کاٹنے لگا اور کپکپاتے ہوئے اور تقریباً روتے ہوئے کہنے لگا۔

”امیر! مجھ پر رحم کیجئے۔ میں آپ کو اپنے وزن کے برابر سونا دوں گا۔“

معتمد اس وقت غصے کی حالت میں تھا، اس یہودی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خدا کی قسم! اگر تو مجھے تمام ہسپانیہ اور جو اس کے مغرب کے علاقے ہیں وہ بھی جزیے میں دے دے تو ہرگز قبول نہ کروں۔ تیرے لیے پھانسی کا حکم ہوا ہے۔ سو تجھے دار پر ضرور چڑھایا جائے گا۔“

چنانچہ معتمد کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس یہودی کو مصلوب کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ جب چند یوم تک افونش کے وفد کے وہ اراکین واپس نہ آئے تو افونش فکر مند ہوا۔ اس کے بعد اس کے مخبروں نے اطلاع دی کہ اشبیلیہ میں حادثہ پیش آ گیا ہے جس کی بنا پر نصرانیوں کو تو معتمد نے زندان میں ڈال دیا ہے جبکہ وفد کا سربراہ یہودی جس کا نام شالیب ہے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔

افونش کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی اس وقت وہ طلیطلہ کے قصر میں اپنی بیوی لیستہ اور حسین پر جمال اور خوبصورت بیٹی مغریطہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ خبر سن کر جہاں افونش بے پناہ غصے کا اظہار کرنے لگا وہاں اس کی بیٹی کی پیشانی پر بھی بل پڑ گئے تھے۔ جبکہ مغریطہ کا خوبصورت چہرہ بھی بتاتا تھا کہ غضب ناک کی لہریں اس کے چہرے پر پھیل گئی تھیں۔ پھر اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے افونش نے مسیح اولیاء کی قسم کھاتے ہوئے کہا۔

”میں معتمد سے اس کا بدلہ لوں گا اور ایسا بدلہ لوں گا جسے بدلہ کہتے ہیں۔ میں اس کی ریاست کو ایسے لڑنے والوں کے ذریعے سے غارت اور تباہ کر دوں گا جن کی تعداد میرے سر کے برابر ہوگی اور اس وقت تک دم نہ لوں گا جب تک آبنائے جبل طارق تک نہ پہنچ جاؤں۔“

چنانچہ یہ خبر سننے کے بعد افونش نے اپنے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا۔ اس اجلاس میں اس کی سلطنت کے تین بڑے سالار فانیز، مارنوس اور یوریس بھی شامل تھے۔ جب یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا فانیز سے افونش نے ردعمل سے متعلق سوال کیا تو فانیز کہنے لگا۔

میں آپ کے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کے ہاں قابل قبول نہ ہو لیکن میں ایک اچھا مشورہ دوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے اشبیلیہ سے اپنے قیدیوں کی رہائی کا سامان کیا جائے، اس کے بعد ایک چھوٹا قدم اٹھایا جائے اور وہ یہ کہ ایک لشکر تیار کر کے اشبیلیہ کی حدود پر حملہ کیا جائے اور پہلے معتمد کی طاقت اور قوت کا اندازہ لگایا جائے، اس کے بعد کسی بڑی کارروائی کی ابتداء کی جائے۔ اس لیے کہ ہمارے بڑے لشکر اس وقت یہاں سے دور تھتالیہ، جلیقیہ اور نبرد میں پڑے ہوئے ہیں۔ لہذا اس معاملے کو نمٹانے کے لیے ہمیں اسی لشکر سے کام لینا ہے جو اس وقت ہمارے پاس طلیطلہ کی حفاظت کے لیے موجود ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش کے لشکریوں کا سپہ سالار جب خاموش ہوا تب افونش غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”تمہارے خیال کے مطابق ہمیں پہلا قدم کیا اٹھانا چاہیے؟“

اس پر فائیز کہنے لگا۔

”میرے خیال میں ایک اور وفد سفارت کے طور پر معتمد کی طرف روانہ کیا جانا چاہیے اور اس سے پوچھنا چاہیے کہ وہ ہمارے قیدیوں کو کس شرط پر رہا کرتا ہے۔ جو شرط معتمد پیش کرے اس شرط کو تسلیم کر لیا جائے اور جب ہمارے قیدی ہمارے پاس پہنچ جائیں پھر معتمد کے خلاف اپنی کارروائیوں کی ابتداء کر دی جائے گی۔“

اپنے سپہ سالار فائیز کے اس مشورے کے بعد افونش نے اپنے دیگر سالاروں اور امراء کی طرف دیکھا، ان سے مشورہ کیا۔ جب سب نے اس سے اتفاق کیا تب اسی روز ایک وفد تیار کر کے معتمد کی طرف روانہ کیا گیا۔ چنانچہ یہ وفد معتمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے افونش کا یہ پیغام دیا کہ وہ نصرانی قیدیوں کو کیسے چھوڑے گا اور قیدیوں کو رہا کرنے کے لیے اس کی کیا شرائط ہیں۔

معتمد نے جواب دیا کہ المدود کا شہر جس پر افونش نے ماضی میں قبضہ کر لیا تھا وہ اسے واپس کر دیا جائے تو نصرانی قیدیوں کو رہا کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ یہ وفد واپس افونش کے پاس گیا۔ جو شرط معتمد نے پیش کی تھی وہ افونش تک پہنچائی۔ افونش نے اس شرط کو تسلیم کر لیا۔ شہر معتمد کے حوالے کر دیا۔ جس کے جواب میں نصرانی قیدی اشبیلیہ سے نکل کر طلیطلہ پہنچ گئے تھے۔

وہ نصرانی قیدی جب طلیطلہ پہنچے تو اس وقت افونش اپنے سالاروں اور امراء سے اشبیلیہ کے مسلمان حکمران معتمد کے متعلق ہی اہم فیصلے کر رہا تھا اور اس مجلس میں اس کی بیٹی بھی شامل تھی۔ چنانچہ فیصلہ یہی ہوا کہ اب جبکہ نصرانی قیدی طلیطلہ پہنچ گئے ہیں، پہلے معتمد کے ساتھ چھوٹی موٹی جھڑپیں شروع کرنی چاہئیں۔ اس کے بعد اس پر ضرب لگا کر اس کے علاقوں پر قبضہ کر لینا چاہیے۔ اس فیصلے کو سارے سالاروں اور امراء نے پسند کیا تھا۔ چنانچہ وہ سب سالاروں اور امراء جب اس کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تب افونش کی حسین اور خوبصورت بیٹی مغریطہ، افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بابا! میں جانتی ہوں کہ چند روز تک اشبیلیہ والوں سے ہماری جھڑپوں کی ابتداء ہو جائے گی۔ بابا! میں اب بچی نہیں رہی، جوانی کی حدود میں داخل ہو چکی ہوں۔ لہذا میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ میں آپ کی بیٹی ہی نہیں، بیٹا بھی ہوں اور آنے والے دنوں میں اشبیلیہ کے مسلمانوں کے ساتھ ہماری جھڑپیں اور ہمارا ٹکراؤ شروع ہونا ہے، ان میں، میں ایک سالار کی حیثیت سے حصہ لوں گی۔“

افونش نے پہلے تو اپنی بیٹی مغریطہ کی اس خواہش کو رد کرنا چاہا، ٹالنا چاہا لیکن جب مغریطہ بضد ہوئی تب افونش مان گیا۔ اس پر حسین اور خوبصورت مغریطہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے باپ کے پاس سے اٹھ کر عسکری تربیت کے لیے طلیطلہ کے مستقر کی طرف چلی گئی تھی۔





اشبیلیہ کی ایک سزائے کا مالک عمر بن سربج اپنی سزائے کے صحن میں اپنے کارندوں کو ہدایات دے رہا تھا کہ ایک شخص سزائے کے صدر دروازے سے داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہی عمر بن سربج بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے زور سے چلا اٹھا۔

”میرا بھائی..... میرا دوست..... منصور بن عبداللہ آیا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی وہ بھاگا اور آنے والے کو اس نے گلے لگاتے ہوئے پرجوش انداز میں اس کا خیر مقدم کیا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر سزائے میں اپنے کمرہ خاص میں لے گیا۔ دونوں جب نشستوں پر بیٹھ گئے تب سزائے کا مالک عمر بن سربج آنے والے اپنے دوست کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”منصور بن عبداللہ! میرے بھائی!..... میں دیکھتا ہوں اس بار تم اکیلے آئے ہو۔ نہ تمہارے ساتھ کوئی سامان ہے نہ تمہارا کوئی کارندہ تمہارے ہمراہ ہے۔“

دراصل منصور بن عبداللہ افریقہ کا ایک تاجر تھا جو اکثر و بیشتر مال لے کر ہسپانیہ آیا کرتا تھا اسی بناء پر عمر بن سربج نے اس سے پوچھا تھا کہ اس کا مال اور اس کے کارندے کہاں ہیں۔

جواب میں منصور بن عبداللہ سزائے کے مالک عمر بن سربج کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن سربج! اس بار تجانتے ہو کہ میں کافی عرصے بعد آیا ہوں۔ اس بار صرف ملطیہ ہی لے کر آیا تھا۔ گو میں کافی تعداد میں کئی کشتیوں میں لاد کر لایا تھا لیکن اس بار وہ ہسپانیہ میں ایسی بکی کہ ہاتھوں ہاتھ گئی۔ چونکہ اس کی فروخت کی وجہ سے میں بڑا مصروف رہا چنانچہ مال کے لین دین کے دوران میں تمہاری طرف نہیں آسکا۔ جب سارا سامان بیک گیا تو میں نے اپنے کارندوں اور اپنے کچھ عزیزوں کو تو واپس بھیج دیا

ہے لیکن میں تم سے ملے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس لیے تمہاری طرف چلا آیا۔“
 عمر بن سربیع نے ایک بار پھر منصور بن عبداللہ کو لپٹا لیا۔ کہنے لگا۔
 ”یہ جو تمہاری ملت یہ ہاتھوں ہاتھ کی ہے تو اس کی ایک وجہ ہے۔“
 (در اصل ملت یہ ایک ڈھال کا نام تھا جو صرف افریقہ ہی میں بنتی تھی۔ اس کو ملت یہ اس لیے کہتے تھے کیونکہ اس کی نسبت لمطہ شہر سے کی جاتی تھی اور یہ شہر سوس کے نواح میں ایک چھوٹا سا شہر ہوا کرتا تھا۔ اس کے اور لمارہ کے درمیان بیس دن کی مسافت تھی۔ مشہور مؤرخ بن حوقل نے اپنی کتاب المسالک والممالک میں لکھا ہے کہ یہ ایسی ڈھال تھی کہ دنیا میں ایسی مضبوط اور پائیدار ڈھال کہیں نہیں ملتی تھی اور لمطہ نام کے قصبے کو ڈھالوں کی کان کہا جاتا تھا۔ دنیا میں ایسی عمدہ ڈھال کہیں نہیں پائی جاتی تھی جس کی بنا پر اس ڈھال کی بڑی قدرت و قیمت تھی)
 چنانچہ عمر بن سربیع، منصور بن عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”میرے عزیز بھائی! ہسپانیہ کے حالات کچھ اچھے نہیں رہے۔ دن بہ دن خراب ہوتے جا رہے ہیں۔“

عمر بن سربیع کو یہاں تک کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس لیے کہ افریقہ سے آنے والا اس کا تاجر دوست منصور بن عبداللہ دکھ اور غم کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔
 ”ابن سربیع! میرے بھائی! میں خود بھی ہسپانیہ کے اندر ایک تبدیلی اور انقلاب دیکھتا ہوں اور یہ تبدیلی پہلے نہ تھی۔ میں جس طرف بھی گیا، اندازہ لگایا کہ ہسپانیہ میں عربوں اور بربروں کے درمیان ایک حد فاصل اور ایک طرح کی اجنبیت پھیلتی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ میرے بھائی! میرے لیے جو تشویش کی بات ہے وہ یہ کہ طلیطلہ جیسا بڑا شہر جو اس سے پہلے مسلمانوں کے پاس ہوا کرتا تھا، اب ہسپانیہ میں قیام کے دوران مجھے پتہ چلا کہ اس پر تو نصرانی حکمران افولش نے قبضہ کر لیا ہے اور افولش نے ان دنوں ایک لشکر کے ساتھ طلیطلہ ہی میں قیام کیا ہوا ہے۔“

منصور بن عبداللہ کے ان الفاظ پر عمر بن سربیع اداس اور افسردہ ہو گیا۔ دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”میرے بھائی! ہسپانیہ میں ان دنوں عجیب سی طوائف الملو کی کا دور دورہ ہے۔ یہاں جتنے بڑے شہر ہیں یوں جانواتے ہی حکمران ہیں اور ہر شہر پر کسی نہ کسی قبیلے کی

حکمرانی ہے۔ اپنے مرکزی شہر قرطبہ کو دیکھو، وہاں بنو حمود اور بنو جہور کی حکمرانی ہے۔ مالقہ شہر پر بنو حمود چھائے ہوئے ہیں۔ اشبیلیہ پر بنو عباد کی حکومت ہے۔ دانیہ شہر پر بنو عامر حکمرانی کر رہے ہیں۔ مرسیہ پر سکالیہ والے ہیں۔ بلنسیہ پر بنو عامر ہیں۔ المریہ پر صقالیہ ہیں۔ غرناطہ پر بنو زیری کی حکومت ہے۔ قرحونہ شہر پر بنو برزال حکمران ہیں۔ طلیطلہ شہر پر کبھی بنو ذوالنون حکمران ہوا کرتے تھے لیکن اب تو طلیطلہ شہر پر افونش نے قبضہ کر لیا ہے۔ سر قسطہ جیسے بڑے شہر پر بنو ہود کی کمزور حکومت ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد عمر بن سربج جب خاموش ہوا تب اسی جیسے دکھ بھرے انداز میں منصور بن عبداللہ کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! ہسپانیہ کے مختلف شہروں پر مختلف افراد اور مختلف قبائل کی حکمرانی کوئی اچھی علامت نہیں۔ اس کا مطلب ہے ہسپانیہ میں ان دنوں مسلمانوں کی کوئی مرکزی اور مضبوط حکومت نہیں ہے۔ میرے بھائی! اگر ایسا ہے تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ ہسپانیہ میں مسلمانوں کے دن گنے چا چکے ہیں؟ اور میرا اندازہ ہے کہ یہ جتنے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران ہیں ان کا آپس میں اتفاق بھی نہیں ہوگا۔ بھائی! اگر میرا اندازہ درست ہے تو پھر یہ نصرانی حکمران افونش ان چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں پر چڑھ نہیں دوڑے گا اور ہر ایک کے علاقے پر قبضہ کر کے انہیں ہسپانیہ سے چلتا نہ کر دے گا؟“

یہاں تک کہنے کے بعد منصور بن عبداللہ خود ہی رک گیا۔ پھر اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے منہ میں خاک ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ہسپانیہ میں تو ماضی کی طرح مضبوط اور مستحکم حکومت قائم ہونی چاہیے۔ پر میرے بھائی! میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ہسپانیہ میں عربوں اور بربروں کے درمیان یہ دوریاں کیسے پیدا ہو گئی ہیں؟ جبکہ افریقہ میں ایسا تو نہیں ہے۔“

جواب میں عمر بن سربج نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”ابن عبداللہ! میرے بھائی! اس کے دو بڑے عوامل ہیں۔ پہلا یہ کہ نصرانی حکمران افونش نے جگہ جگہ اپنے کارندے پھیلا رکھے ہیں جو مسلمانوں کے دو گروہوں یعنی عربوں اور بربروں کے درمیان نفرت اور دوریاں پیدا کر رہے ہیں اور اس کی

دوسری وجہ پہلی وجہ سے بھی زیادہ بڑی اور اہم ہے اس لیے کہ دوسری وجہ کے دو پہلو ہیں۔ گویا اس وجہ کے دو ذمہ دار حکمران ہیں۔ ایک غرناطہ کا بادشاہ بادیس اور دوسرا اشبیلیہ کا سابق حکمران المعتد جو اشبیلیہ کے موجودہ حکمران معتمد کا باپ تھا۔ ان دونوں کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں کی حالت ہسپانیہ میں کمزور ہوئی بلکہ عربوں اور بربروں کے درمیان ایک منافرت اور نفرت کی فضا بھی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ بادیس بربر تھا۔ بذات خود برا انسان نہیں تھا لیکن چونکہ اس کی عسکری طاقت کمزور تھی لہذا نصرانی حکمران افونش اسے دھمکیاں دیتا رہتا تھا اور اسی کے اشارے پر یہ عربوں کے خلاف کارروائیاں کرتا رہتا تھا جس بنا پر اس بادیس کی وجہ سے عربوں میں بربروں کے خلاف بدگمانیاں پیدا ہونا شروع ہوئی تھیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ افونش ہی کے کہنے پر غرناطہ کے حکمران نے غیر مذہب والوں کو بھی اپنے د بار میں خوب جگہ دے رکھی تھی۔ اس کا وزیر ایک یہودی تھا جس کا نام سموئیل تھا۔ یہ برا انسان نہیں تھا لیکن چونکہ یہ معاشی طور پر مسلمانوں کے خلاف حرکتیں کرتا تھا لہذا دوسرے علاقوں کے مسلمان اس کے خلاف تھے۔ افونش نے غرناطہ کے حکمران بادیس کو عربوں کے خلاف ایسا کر دیا تھا کہ بادیس جب بھی موقع ملتا عربوں کے خلاف حرکت میں آنے سے چوکتا نہیں تھا۔

غرناطہ کا حکمران ہسپانیہ میں سارے بربروں کا اپنے آپ کو سردار اور سربراہ خیال کرتا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ افونش کی مدد سے ہسپانیہ میں عربوں کی بجائے سارے ہسپانیہ پر بربروں کی حکومت قائم کر دی جائے۔ اس نے ارادہ کر رکھا تھا کہ اب کسی کو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود ہی ہسپانیہ کا خلیفہ بنے گا۔ سب سے پہلے اس کی نظریں مالقہ پر جمیں۔ وہ ان دنوں یہ خیال کرنے لگا کہ غرناطہ سے نکل کر اسے مالقہ پر قبضہ کر لینا چاہیے تاکہ اس کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہو۔ میرے عزیز بھائی! یہ بادیس انتہا درجہ کا غیر ذمہ دار شخص ہے۔ اسے نہ دین سے کوئی محبت تھی نہ مسلمانوں سے ہمدردی۔ بس اپنی حکومت اور اپنی حکمرانی کا شیدا اور شوقین تھا اور افونش کے کہنے پر اگر مسلمانوں کے خلاف اسے بڑی ضرب بھی لگانی پڑتی تو بھی اس سے گریز کرنے والا نہیں تھا۔

جہاں تک برائی کے دوسرے پہلو کا تعلق ہے یعنی المعتد کا تو اپنے باپ قاضی ابوالقاسم محمد صاحب اشبیلیہ کی وفات پر اس کی عمر چھبیس برس تھی اور یہ حکمران بنا۔ اس

کا نام عباد تھا لیکن زیادہ تر لوگ اسے معتضد کے نام سے ہی جانتے تھے۔ معتضد ان لوگوں میں سے تھا جن کے حالات اور خصائل پڑھ کر انسان کو حیرت ہوتی ہے اور جنہیں ایک قوم کے تمدن نے اپنی پیرانہ سالی بلکہ پیری کے زمانے میں پیدا کیا تھا۔ جہاں غرناطہ کا حکمران بادیس عربوں کا بدترین دشمن تھا۔ وہاں یہ عباد یعنی معتضد جو اپنے آپ کو عربوں کا سردار سمجھتا تھا، بادیس کے خلاف عربوں کا دشمن تھا اور یہ دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد عمر بن سربج رکا، پھر منصور بن عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! بادیس کی طرح معتضد بھی بدظن، منتقم اور ضدی و خود سر تھا۔ شراب سے وہ بھی بدست رہتا تھا بلکہ فسق و فجور میں بادیس سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ فطرتاً عیش پسند تھا۔ حیوانی خواہشیں کبھی سیر ہونا نہ جانتی تھیں۔ کسی والی، ملک کی حرم سرا میں عورتیں اس کثرت سے نہ تھیں جتنی اس عباد یعنی معتضد کے حرم میں تھیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ آٹھ سو حسین اور خوبصورت لڑکیاں اس کے حرم کی زینت تھیں۔

گو غرناطہ کا حکمران بادیس اور اشبیلیہ کا سابق حکمران معتضد ایک جیسے ہی عیش پسند تھے مگر باوجود اس مشابہت کے بادیس اور معتضد کی خصالتیں ایک جیسی نہ تھیں۔ بادیس کبھی کبھی انسان دوستی کا بھی مظاہرہ کرتا تھا۔ ادب و تہذیب اور علمی حسن اور لطافت سے اسے نفرت تھی۔ قصر الحمرا کے عالی شان دیوان میں شاعروں کا گزر نہ تھا کیونکہ صاحب الحمرا بادتا بر زبان بولتا تھا۔ شعراء کے قصائد جو عربی میں ہوتے تھے، مشکل سے سمجھ سکتا تھا۔

اس کے برعکس معتضد کی تعلیم و تربیت بہت غور اور احتیاط سے ہوئی تھی۔ یہ درست ہے کہ وہ عالم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا اور اس نے زیادہ پڑھا بھی نہ تھا۔ لیکن ذہین تھا اور حافظہ بہت اچھا پایا تھا اور ایک اوسط درجے کے لائق اور قابل آدمی سے وہ بہت بڑھا ہوا تھا۔

معتضد کی لکھی ہوئی نظمیں حسن کلام کے علاوہ اس لحاظ سے بھی دلچسپ ہیں کہ ان کو پڑھ کر شاعر کی طبیعت اور فطرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اپنے ہم عصر شعراء میں وہ ایک لائق ناظم سمجھا جاتا تھا۔ علم دوست اور ہنر پرور تھا۔ شاعروں کو اچھے کلام پر بہت

98275

انعام دیتا تھا۔ عالیشان محل اور عمارات بنانے کا بہت شائق تھا۔ جو کچھ تھوڑا بہت علم و فضل رکھتا تھا اس سے بھی شانِ حکومت بڑھانے میں کام لیتا تھا۔ نام اس کا عباد تھا لیکن عباسی خلیفہ معتضد عباسی کا لقب اختیار کرتے ہوئے معتضد کہلاتا تھا۔ جبکہ غرناطہ کے حکمران بادیس کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ پہلا عباسی معتضد خلیفہ کون تھا؟ کب گزرا؟ منصور بن عبداللہ! میرے عزیز بھائی! یہ دونوں ہی شراب خور تھے۔ مگر بادیس ایک بدتہذیب عسکری سوار کی طرح بدست ہو جاتا تھا لیکن معتضد کبھی شائستگی اور تہذیب کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ شراب کی مستی میں بھی کوئی ایسی بات نہ کرتا تھا جس سے بدتمیزی ظاہر ہو۔ بادہ نوشی کے جلسوں میں بھی ایک حُسن پیدا کرتا، شراب خوب پیتا مگر شراب اور جو نظمیں وہ خود یا ایسے جلسوں کے انیس لکھتے تھے ان میں نفاست اور نازک خیالی موجود ہوتی تھی۔

معتضد کے قوائے جسمانی ایسے مضبوط تھے کہ کثرت عیاشی اور محنت شاقہ دونوں کو بخوبی برداشت کر لیتا تھا۔ عیش پرستی میں بھی بے روک ٹوک شدت سے نفس کو سیر کر کے امور سلطنت میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا۔ منصب شاہی کی خدمات ادا کرنے میں جان تک کھپا دینے کا شوقین تھا اور جو وقت لہو لعب میں ضائع کرتا اس کی تلافی میں ایسی کوشش کرتا جو انسان کی قوت سے بالاتر ہوتی تھی۔ مگر اس تلافی کے بعد پھر شراب پینے کی ضرورت ہوتی تاکہ کام کی قوت پیدا ہو۔ اور یہ عجیب بات تھی کہ جس ظالم کی غفلت آمیز نگاہوں سے حسینانِ عرب لرز جاتی تھیں وہی ظالم انہی حسینوں میں سے بعض کے عشق میں نہایت شیریں، نازک اور پاکیزہ اشعار بھی کہتا تھا۔

یہاں تک کہنے کے بعد عمر بن سرلیج رکا، کچھ سوچا پھر دوبارہ کہنے لگا۔

”منصور بن عبداللہ! میرے بھائی! بس یوں جانو غرناطہ کا حکمران بادیس اور اشبیلیہ کے سابق حکمران معتضد میں وہی فرق تھا جو ایک وحشی ظالم اور ایک مہذب ظالم میں ہو سکتا ہے۔ سب باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ ان دونوں ظالموں میں وحشی ظالم بادیس کم درجے کا ظالم تھا۔ بادیس کی قتل و غارت گری میں ایک قسم کی صفائی قلب ظاہر ہوتی تھی۔ معتضد کی نیت اور طبیعت کا پتہ اس کے قریبی دوستوں کو بھی نہ چلتا تھا۔ معتضد کی نگاہیں دوسرے کے دل میں گھس کر اندر کی بات لے اچکتی تھیں لیکن اپنے دل کا حال مجال نہ تھی کہ چہرے کی شکن یا آواز کی لغزش سے دوسرے پر کھل

جائے۔ بادیس جو غرناطہ کا بادشاہ تھا اکثر لڑائی کے میدان میں اپنی جان جوکھوں میں ڈال دیتا تھا لیکن صاحب اشبیلیہ معتضد اگرچہ ہمیشہ لڑائیوں میں مصروف رہا۔ مردانگی میں بھی کسی طرح کم نہ تھا مگر سوائے ایک یا دو لڑائیوں کے خود لشکر لے کر میدان میں نہ اترتا تھا۔ اس کے باوجود پرانے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ معتضد اپنے حجرے میں بیٹھ کر لشکر کے لیے جو لڑائیوں کے نقشے اور منصوبہ بندی تیار کرتا تھا وہ بادیس کے بذات خود جنگ میں حصہ لینے سے بہتر ہوا کرتی تھیں۔ لڑائی میں بادیس کی ترکیبیں اور حیلے ایسے بھدے ہوتے تھے کہ دشمن انہیں جلد بے کار ثابت کر دیتا تھا لیکن معتضد کے حربی حیلے اس خوبی اور احتیاط کے ساتھ سوچے جاتے تھے کہ اس کے بہت کم مقاصد ناکام ہوتے تھے۔ چنانچہ اس کی ذات سے کچھ عجیب و غریب قصے بھی وابستہ ہیں جو میرے بھائی! میں تم سے کہتا ہوں۔

ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ معتضد کے قرمونہ کے حکمرانوں کے ساتھ تعلقات خراب ہو گئے اور دونوں کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ معتضد نے قرمونہ میں ایک عرب کو خفیہ طریقے سے اس کام پر مقرر کر رکھا تھا کہ بربروں کی نقل و حرکت اور ان کی چالوں کی برابر اطلاع دیتا رہے۔ اس خوف سے کہ اس عرب اور معتضد میں جو خط و کتابت ہوتی رہتی ہے کسی دوسرے کے ہاتھ نہ لگ جائے اور کسی کو شبہ نہ گزرے کہ شہر میں جاسوس لگ ہوئے ہیں، ان خطوط کے بارے میں نہایت احتیاط کی ضرورت تھی جو معتضد برتا کرتا تھا۔

لوگ اس کی خط و کتابت کی ایک مثال کچھ اس طرح دیتے ہیں کہ معتضد نے ایک دن اپنے قصر میں ایک کسان کو بلایا جو اشبیلیہ کے نواح کا رہنے والا تھا۔ یہ کسان نہایت سیدھا سادھا، بے وقوف سا انسان تھا۔ جب وہ کسان حاضر ہوا تو معتضد نے اس سے کہا۔

”اپنی بدنما قبائلاں دو اور یہ جنبہ جو میں تمہیں پیش کرتا ہوں یہ بہت اچھے کپڑے کا بنا ہوا ہے۔ اگر تم اسے پہن لو گے اور میرے کہنے پر عمل کرو گے تو یہ جنبہ تمہیں انعام میں دے دیا جائے گا۔“

کسان یہ سن کر بہت خوش ہوا اور فوراً اپنی پرانی قبائلاں کو جبہ پہن لیا۔ اس کو اس کا شبہ بھی نہ گزرا کہ جنبہ کے استر میں ایک جگہ ایک خط سیا ہوا ہے جو معتضد نے قرمونہ

میں کام کرنے والے اپنے ایک عرب جاسوس کے نام لکھا تھا۔
چنانچہ جبہ پہن کر کسان نے وعدہ کیا کہ حضور جو حکم دیں اسے بجالاؤں گا۔
معتضد کہنے لگا۔

”ہاں یہ درست ہے کہ تم کو صرف یہ کرنا ہے کہ یہاں سے قرمونہ چلے جاؤ۔ جب
شہر کے قریب پہنچو تو کہیں سے لکڑیاں کاٹ کر ان کا ایک گٹھا باندھ لینا۔ اس کے بعد
شہر کے دروازے سے داخل ہو کر جہاں لکڑ ہارے لکڑیاں بیچنے کے لیے جمع ہوتے ہیں،
وہیں تم بھی جا کھڑے ہونا۔ لیکن جب تک تمہاری لکڑیوں کے کوئی پانچ درہم تمہیں نہ
دے تم لکڑیوں کے اس گٹھے کو فروخت مت کرنا۔“

غریب کسان مطلق نہ سمجھا کہ یہ عجیب ہدایات کس غرض سے کی گئی ہیں۔ وہ فوراً
حکم بجالانے کو تیار ہوا اور قرمونہ روانہ ہو گیا۔

شہر کے قریب پہنچ کر لکڑیوں کا ایک گٹھا تیار کیا۔ لیکن یہ کام کبھی نہ کیا تھا۔ درختوں
کی شاخیں اور ٹہنیاں اناپ سناپ توڑ کر ایک گٹھا باندھ لیا اور لکڑ ہاروں والے بازار
میں جا کھڑا ہوا۔ ایک خریدار وہاں سے گزرا اور اس نے گٹھے کے دام پوچھے۔
کسان نے کہا۔

”پانچ درہم ہوں گے۔ چاہے لو یا نہ لو۔“

خریدار نے دام سنتے ہی ہنس کر کہا۔

”شاید لکڑیاں آبنوس کی ہیں۔“

اس موقع پر قریب ہی ایک اور شخص کھڑا تھا۔ یہ بات سن کر وہ کہنے لگا۔

”آبنوس کی نہیں، عود ہندی کی ہیں۔“

غرض اس اناڑی لکڑ ہارے کی لوگ ہنسی اڑاتے رہے۔ جب شام ہوئی تو معتضد کا
جاسوس جس کے لیے معتضد نے اس کسان کو جبہ پہنا کر بھیجا تھا اس بازار سے گزرا۔
چنانچہ اس نے بھی گٹھے کے دام پوچھے اور پانچ درہم سنتے ہی اس نے فوراً وہ گٹھا خرید لیا
اور کسان سے کہا۔

”لکڑیاں اپنے کندھے پر رکھو اور میرے گھر پہنچا دو۔ میں تمہارے ساتھ ہو لیتا

ہوں۔“

چنانچہ کسان نے ایسا ہی کیا۔ جب کسان جاسوس کے گھر پہنچا تو گٹھا کندھے سے

اتار کر نیچے رکھا۔ جاسوس نے پانچ درہم اس کے حوالے کیے۔ کسان درہم لے کر گھر سے نکلنے لگا تو جاسوس بولا۔

”کہاں جاتے ہو؟“

کسان نے کہا۔

”شہر سے باہر جاتا ہوں کیونکہ یہاں کارہنے والا نہیں ہوں۔“

جاسوس نے کہا۔

”ایسا خیال بھی نہ کرنا۔ تمہیں معلوم نہیں یہاں راستے میں ڈاکو بہت ہیں۔ آج یہیں ٹھہر جاؤ۔ کھانا کھا کر سو رہو اور صبح ہوتے ہی اپنے گھر چلے جانا۔“

کسان نے جاسوس کا شکریہ ادا کیا۔ اس مہمان نوازی کو قبول کیا اور جب اچھے اچھے کھانوں کی شکل دیکھی تو دن بھر لوگوں نے جو ہنسی اڑائی تھی اس کا رنج و ملال دل سے اتر گیا۔ پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔

جب کھانے سے فارغ ہوا تو جاسوس نے اس سے پوچھا۔

”تم کہاں کے رہنے والے ہو؟“

کسان نے کہا۔ ”اشبیلیہ شہر کے نواح کارہنے والا ہوں۔“

جاسوس نے کہا۔

”تم بڑے دل گردے کے آدمی ہو۔ اتنی دور سے یہاں چلے آئے ہو۔ یہ تو تم نے بھی سنا ہوگا کہ برابر آج کل عربوں پر کیسے مظالم ڈھا رہے ہیں۔ راستے میں جو مسافر ملتا ہے اسے ختم کر دیتے ہیں۔ لہذا میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بڑا ہی ضروری کام تھا جو تم یہاں چلے آئے ہو۔“

کسان نے کہا۔

”روزی تو ہر صورت پیدا کرنی ہی پڑتی ہے۔ مجھ غریب کو مار کے کسی کو کیا مل

جائے گا؟“

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ کسان کو پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے نیند آنے لگی۔

جاسوس نے اسے سونے کی جگہ دی۔ کسان بغیر کپڑے اتارے سونے کے لیے لیٹنے لگا تو جاسوس نے کہا۔

”رات گرم ہے۔ اپنا جب اتار دو تا کہ آرام سے سو سکو۔ تمہیں میں سونے کے لیے

دوسرے کپڑے دیتا ہوں۔“

کسان مان گیا۔ جب اتار کر ایک طرف رکھ دیا اور غافل سو گیا۔

کسان کے سوتے ہی جاسوس نے جب اٹھا کر اس کا استر پھاڑا اور معتضد کا بھیجا ہوا خط جو وہاں سیا ہوا تھا اسے نکال کر پڑھا اور فوراً اس کا جواب لکھ کر جہاں سے استر پھاڑا تھا وہیں رکھ کر پھر اسے سی دیا۔ پھر جب وہیں ڈال دیا جہاں کسان اسے پھینک کر سو گیا تھا۔

چنانچہ اگلی صبح کسان سو کر اٹھا، جب پہنا، میزبان کا شکریہ ادا کیا اور اشبیلیہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اشبیلیہ شہر پہنچتے ہی کسان معتضد کے سامنے حاضر ہوا اور جو کچھ گزرا تھا، عرض کیا۔ معتضد نے کہا۔

”ہم تم سے بہت خوش ہوئے۔ تم تو انعام کے مستحق ہو۔ یہ جبہ جو تم پہنے ہوئے ہو ہمیں واپس دے دو۔ یہ اب بوسیدہ اور پرانا ہو چکا ہے۔ اس کی جگہ ہم تمہیں اچھے اچھے کپڑوں اور انعام سے نوازتے ہیں۔“

کسان اتنا سنتے ہی خوشی کے بارے آپے سے باہر ہو گیا۔ نئے کپڑے پہنے۔ جب معتضد کو دے دیا، اپنے دوستوں اور پڑوسیوں سے کہنے لگا، بادشاہ نے مجھے خلعت دی ہے۔ لیکن اس غریب کسان کو معلوم ہونا تو کجا، شبہ بھی نہ گزرا کہ وہ ایک ایسے غیر معمولی خط کا نامہ بر بنایا گیا تھا کہ اگر بربروں کو ذرا بھی خبر ہو جاتی اور وہ خط کسان کے پاس سے نکل آتا تو پھر اس غریب کسان کی جان جانی یقینی تھی۔

معتضد سے ایک اور عجیب و غریب واقعہ بھی وابستہ ہے۔ وہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ معتضد نے اشبیلیہ میں ایک نابینا کی بہت سی جائیداد اپنے قبضہ میں کر لی۔ باقی جو بچا وہ اس نابینا نے خود ضائع کر دیا۔ غرض بالکل مفلس غریب ہو کر فقیر ہو گیا اور اسی حالت میں مکہ چلا گیا اور وہاں پہنچ کر رات دن معتضد کے حق میں بددعا شروع کر دی جس نے اسے مفلس اور محتاج کر دیا تھا۔

معتضد کو یہ حال معلوم ہوا تو ایک آدمی کو جو حج کرنے جا رہا تھا، بلوایا اور اسے ایک صندوقچہ دیا جس میں دینا بھرے ہوئے تھے لیکن ان دیناروں پر کوئی نہایت تیز زہر مل دیا گیا تھا۔ معتضد نے اس آدمی سے کہا کہ جب مکہ پہنچو تو یہ صندوقچہ شہر کے فلاں نابینا

کو دینا۔ اس سے میرا سلام کہہ کر کہنا کہ یہ سوغات معتضد نے تمہیں بھیجی ہے۔ لیکن تم خود اس صندوقے کو نہ کھولنا۔

چنانچہ جب وہ آدمی مکہ پہنچا تو معتضد کی سوغات لے کر اس نابینا کے پاس گیا اور وہ صندوقے سے دے دیا۔

غریب نابینا نے صندوقے لے کر کہا۔

”واللہ! اسے ہلانے سے تو نقدی کی آواز آتی ہے۔ اس میں تو دینا بھرے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن کیا بات ہے، اشبیلیہ میں تو معتضد مجھ پر ظلم کرے اور حجاز میں مجھے دینا بھیجے۔“

جو آدمی صندوقے لایا تھا اس نے کہا۔

”بادشاہوں کے مزاج میں تلون ہوتا ہے۔ یا ممکن ہے کہ معتضد نے تمہارے ساتھ جو نائنصافی کی تھی اب اس پر دل پکڑا گیا اور اس نے تمہارے نقصان کی تلافی کرنی چاہی ہے۔ بہر کیف مجھے اس سے بحث نہیں۔ مجھے معتضد نے جس کام کو کہا تھا وہ میں نے کر دیا۔ اب تم یہ صندوقے لو۔ یہ تمہارے لیے ایک نعمت غیر مترکہ ہے۔“

نابینا صندوقے بغل میں جس قدر ممکن تھا اپنے گھر کی طرف چلا گیا اور وہاں پہنچ کر دروازہ احتیاط سے بند کر کے صندوقے جلدی سے کھلا۔ کہا جاتا ہے جب انسان مفلس ہوتا ہے، اتفاق سے اسے دولت مل جاتی ہے تو وہ نقدی دیکھ کر بے انتہا خوش ہوتا ہے اور اس کی چمکتی ہوئی صورت اپ اس کی نظر لوٹنے لگتی ہے۔

اشبیلیہ کا وہ نابینا آنکھوں میں اس قدر نور نہیں رکھتا تھا کہ اس قسم کی لذت سے لطف اندوز ہوتا جو کام بصارت دیا کرتی ہے۔ اس کی جگہ لامسہ اور سماعت مدد دیتے ہیں۔ غرض اس خوشی کے عالم میں وہ نابینا اشرفیوں کو کبھی مٹھی میں اٹھاتا، کبھی انگلیوں سے انہیں الٹ پلٹ کر، کبھی چھنکارتا اور کبھی انہیں گنتا، یہاں تک کہ منہ سے انہیں چومنے لگا۔ بس اس نقدی کے سکون کا منہ کو چھونا تھا کہ زہر نے فوراً اثر کیا اور رات نہ ہونے پائی تھی کہ وہ غریب نابینا دنیا سے چل بسا۔

منصور بن عبداللہ! میرے بھائی! میں نے تمہیں کہا کہ غرناطہ کا حکمران بادیس اور اشبیلیہ کا سابق حکمران معتضد ہی مسلمانوں کے اندر نا اتفاقی اور دوریاں پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ بادیس اور معتضد کہنے کو تو دونوں ہی ظالم تھے لیکن ان دونوں کے ظلم میں

بھی ایک امتیاز قائم ہو سکتا ہے۔ بادیس حالت غیض و غضب میں دشمن کو اکثر اپنے ہاتھ سے قتل کرتا تھا لیکن معتضد سرکاری جلاد کی خدمت خود ادا کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ خون میں اپنے ہاتھ رنگنا معتضد کو گوارا نہ تھا لیکن اس کی عداوت میں جو سختی اور دیر پائی تھی وہ بادیس کی عداوت میں نہ تھی۔ بادیس کا دشمن جب قتل ہو جاتا تھا تو بادیس کے دل کو سکون ہو کر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تھا اور مقتول دشمن کا سر کاٹ کر حسب دستور ایک لکڑی کے سرے پر نصب کروا دیا کرتا تھا۔

لیکن اس کے برعکس معتضد کی دشمنی ایک ایسی اشتہا تھی جو کبھی سیر نہ ہوتی تھی۔ اس کی عداوت دشمن کے قتل ہونے کے بعد بھی دشمن کا پیچھا نہ چھوڑتی تھی۔ اس کی خونی اشتہا ایسی تھی کہ دشمن کے کٹے ہوئے سر اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں دیکھنے میں اسے ایک خاص لذت محسوس ہوتی تھی۔

میرے بھائی! یوں جانو اس معتضد اور بادیس کی وجہ سے عربوں اور بربروں کے درمیان چپقلش سی چل پڑی تھی اور یہ چپقلش اور مخالفت اس وقت اپنے عروج کو پہنچ گئی جب معتضد نے بربروں کے شہر رندہ کو اپنا ہدف بنایا اور اس شہر کو فتح کیا۔ رندہ بربروں کا شہر تھا اور رندہ کے فتح ہونے پر معتضد بہت خوش ہوا اور فوراً شہر کو زیادہ مستحکم کرنے کے لیے اس کی تعمیر شروع کی۔ جب نئی دیواریں اور مورچے، دمدے وغیرہ تیار ہو گئے تو ان کے معائنے کے لیے آیا اور سب چیزوں کو دیکھ کر جوش مسرت میں اس نے کچھ اس طرح کے اشعار کہنے جن سے اس کی خوشی اور بادیس کے غم کا اظہار ہوتا تھا۔

چنانچہ رندہ کو فتح کرنے کے بعد معتضد تو کامیابی سے سرخرو نہایت خوش و خرم زندگی بسر کر رہا تھا مگر غرناطہ کا بربر حکمران بادیس پریشان تھا۔ بڑا فکر مند تھا۔ اس کی پریشانیاں بڑھتی گئی تھیں۔ یہ سن کر کہ بربروں کے اتنے رئیس رندہ میں مارے گئے۔ بادیس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ غم اور غصے میں چیخنے لگا۔ پھر جب سنا کہ رندہ کے عرب باشندے قومی جوش میں تن واحد ہو کر بربروں کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو بڑے مایوسانہ خیالات نے بادیس کے دل کو مضطرب کر دیا۔ چنانچہ وہ یہ سوچنے لگا کہ رندہ کا انتقام وہ غرناطہ کے عربوں سے لے۔ آخر اس کے دل میں یہ وہم پیدا ہو گیا کہ غرطہ میں جو بے شمار عرب ہیں وہ کہیں اشبیلیہ کے حکمران معتضد سے ساز باز کر کے اس کے لیے خطرے کا باعث نہ بن جائیں۔ اس طرح بادیس پر مجنونانہ سی کیفیت

طاری ہونے لگی۔

دوسری طرف غرناطہ کی یہ حالت تھی کہ غرناطہ کے عربوں اور بربروں کے درمیان بھی ایک طرح کی چپقلش تھی اور ان کی سب سے بڑی وجہ غرناطہ کے حکمران بادیس کا یہودی وزیر تھا۔

چنانچہ جب رندہ کی فتح پر شاعروں نے معتضد کو اس کی فتوحات پر مبارکباد دی تو انہوں نے یہ بھی کہا کہ اے معتضد! تو نے اس قوم کو سزا دی ہے جو یہودیوں کے برابر ہے۔ گو وہ اپنے آپ کو بربر کہتی ہے۔

چونکہ بادیس عربوں کی نسبت یہودیوں پر زیادہ اعتماد اور اعتبار رکھتا تھا لہذا اہل اشبیلیہ کے نزدیک غرناطہ کے لوگوں سے لڑنا جہاد تھا اور ان خیالات نے ان میں اتنی قوت پیدا کر دی کہ بادیس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کو ہمہ وقت تیار رہنے لگے۔

اب معتضد نے مزید پر پھیلانا شروع کیے۔ ہرکیش، شریش اور رندہ پر حملہ آور ہو کر ان پر اپنی گرفت کی۔ جو لوگ وہاں سے بھاگ کر بے خانماں ہوئے ان کی حالت رحم کے قابل تھی۔ معتضد نے ان کے گھر وں کو واپس نہ جانے دیا اور بادیس نے غرناطہ میں ان کے رہنے کی ممانعت کر دی۔ مجبور ہو کر یہ لوگ بے چارے آبنائے جبل طارق عبور کر کے روزی کی فکر میں افریقہ میں سبطہ کی طرف چلے گئے۔

اس سے جہاں بادیس انتقام پر اتر آیا، وہاں معتضد کے حوصلے بھی بڑھے۔ چنانچہ اس نے اپنا دوسرا قدم اٹھایا۔ جزیرۃ الخضرہ کا حکمران ان دنوں ایک بربر تھا۔ نام اس کا قاسم حموری تھا۔ معتضد وہاں بھی حملہ آور ہوا اور جزیرۃ الخضرہ پر بھی اس نے قبضہ کر لیا اور یہ فتح غرناطہ کے حکمران بادیس کے سینے پر گویا سانپ بن کر لوٹ گئی تھی۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے غرناطہ کے حکمران بادیس نے ایک بہت بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور وہ ایک خوفناک تدبیر تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ غرناطہ میں جس قدر عرب موجود ہیں ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ بادیس نے سوچا کہ جمعہ کا دن قریب ہے، جب مسجد میں سب لوگ جمع ہوں گے بس اسی دن عربوں کا کام تمام کر دیا جائے گا۔

بادیس میں خامی یہ تھی کہ وہ اپنے وزیر سمویل سے مشورہ کیے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اس وزیر سے اپنا خیال ظاہر کیا اور یہ بھی کہا کہ وزیر چاہے اس کے خیال کو پسند کرے یا نہ کرے مگر ہو گا وہی جو بادیس نے سوچا ہے۔

چنانچہ بادیس نے جب اس پر ظاہر کیا کہ وہ جمعے کے دن عربوں پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے تو یہودی وزیر نے بادیس کی تدبیر کو اچھا نہ سمجھا اور چاہا کہ بادیس کو اس سے باز رکھے۔ نہایت ادب سے کہنے لگا۔

”ابھی توقف فرمایا جائے اور ان نتائج پر بھی غور کر لیا جائے جو ایسے کام سے پیدا ہونے والے ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ کام اس طرح انجام پا جائے جیسا آپ چاہتے ہیں اور تمام خطروں کو بغیر سوچے آپ نے عربوں کو ہلاک بھی کر دیا تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہسپانیہ کے باقی شہروں کے عرب اس حادثہ عظیم کی طرف سے جو ان کے ہم قوم لوگوں پر وارد ہوگا، غافل ہو جائیں گے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ اس صورت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں گے؟ نہیں..... ہرگز نہیں..... میری آنکھوں میں تو ابھی سے یہ تصویر پھرنے لگی ہے کہ عرب قہر اور غضب میں بھرے ہوئے شمشیر بکف آپ کی طرف بڑھے چلے آتے ہیں۔ مجھے تو ابھی سے نظر آ رہا ہے کہ بے شمار دشمن سمندر کی موجوں کی طرح آپ پر اٹد آئے ہیں اور ان کی تلواریں آپ کے سر پر چمک رہی ہیں۔“

گو یہودی وزیر نے اچھا مشورہ دیا تھا، اچھی تقریر کی تھی لیکن باوجود اس تقریر کے بادیس پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنے ارادے پر بدستور پختہ رہا۔ اس نے یہودی وزیر سے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے دے۔

غرض بادیس نے تیاری کر کے حکم جاری کیے کہ جمعہ کو تمام لشکری پورے ہتھیار لاکر میدان میں حاضر ہوں۔ ان کا معائنہ کیا جائے گا۔

سموئیل اس اثناء میں حرکت میں آیا۔ بے کار نہ بیٹھا۔ چند عورتوں کے ذریعے جو عربی رئیسوں کے ہاں آتی جاتی تھیں، اطلاع کرا دی کہ آئندہ جمعہ کو مسجد میں نہ آئیں بلکہ کہیں چھپ کر بیٹھ جائیں۔

عرب اس طرح ہوشیار ہو گئے اور جمعہ کو چند معمولی آدمی مسجد میں آئے۔ جب بادیس کا یہ منصوبہ نہ چلا تو اس نے بہت غصے کی حالت میں سموئیل کو طلب کیا اور افشائے راز ظاہر کرنے پر اس کو نہایت ست کہا۔ اس پر وزیر نے عرض کیا۔

”میں نے راز کی کوئی بات کسی پر ظاہر نہیں کی۔ رہا عربوں کا مسجد میں نہ آنا تو اس کی وجہ ظاہر ہے چونکہ آپ نے حالت امن میں تمام لشکریوں کو مسلح کر کے بلا کسی سبب

کے حاضر ہونے کا حکم دیا تھا اس لیے قدرتی طور پر لوگوں کو خطرے کا اندیشہ گزرا۔ میں تو اس موقع پر آپ سے یہ کہوں گا کہ بجائے غصہ کرنے کے حضور کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اگر عربوں کو آپ کے ارادے کا علم ہو جاتا تو ممکن تھا آپ کے مقابلے کو اٹھ کھڑے ہوتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ غصہ دور کر کے اس معاملے پر غور فرمائیے، وہ وقت آنے والا ہے کہ میں نے جو رائے دی تھی اس سے آپ اتفاق کریں گے۔“



زندہ شہر پر قبضہ کرنے اور اس کے بعد جزیرۃ الخضرہ کو اپنی گرفت میں لانے کے بعد جہاں بادیس کو مایوسی ہوئی وہاں معتضد کے حوصلے بلند ہو گئے۔ چنانچہ اب اس نے یہ ارادہ اور قصد کر لیا کہ سلطنت سپین کے سابقہ دار الحکومت یعنی قرطبہ پر قبضہ کرے اور اس طرح وہ سارے ہسپانیہ کا امیر اور بادشاہ اور خلیفہ بن سکتا ہے لیکن جب اس سے اس کام کے لیے کوشش کی تو اسے اس معاملے میں سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ معتضد کے لشکر کئی بار قرطبہ کے علاقوں پر حملہ آور ہوئے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

اس صورت حال سے مایوس ہو کر معتضد نے اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کو جو امیر لشکر بھی تھا حکم دیا کہ مدینہ زہرہ پر جو قرطبہ کے نواح میں تھا اور جو نصف کے قریب جنگوں کی وجہ سے کھنڈر ہو چکا تھا، قبضہ کیا جائے۔ اسماعیل نے اس حکم کو بجالانے میں کسی قدر پس و پیش ظاہر کیا۔ اس کے علاوہ کچھ عرصہ سے اسماعیل اور اس کے باپ معتضد میں تعلقات کشیدہ چلے آ رہے تھے۔ باپ کی سخت مزاجی اور ظلم کی شکایت ہمیشہ اسماعیل کیا کرتا تھا۔ اسماعیل کا کہنا تھا کہ جب بھی مجھے کوئی لڑائی لڑنا پڑی یا کوئی قلعہ فتح کرنا پڑا تو میرا باپ ہمیشہ مجھے چھوٹا سا لشکر نہیں کرتا جس کی وجہ سے اکثر مجھے میری جان کا خطرہ ہی رہتا تھا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد عمر بن سریع رکا، اپنا گلا صاف کیا، اس کے بعد اندلس کے حالات کی مزید تفصیل بتاتے ہوئے وہ منصور بن عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز بھائی! اسماعیل کی ان شکایتوں کو باہر کے ایک آدمی نے بھی دل میں بٹھا دیا جس کا نام عبداللہ بزیانی تھا۔ ماضی میں جب غرناطہ کے بادشاہ بادیس نے مالقہ پر قبضہ کیا تھا تو یہ عبداللہ بھاگ کر اشبیلیہ چلا آیا تھا۔ اس کی بڑی تمنا یہ تھی کہ کہیں

حاجب کا عہدہ مل جائے۔ اس سے بحث نہ تھی کہ کس بادشاہ کے پاس ملے۔
 غرض اس عبداللہ بزیلیانی نے اسماعیل کو اس بات پر اشتعال دلایا کہ باپ سے
 باغی ہو کر کسی مقام پر قبضہ کر لو اور یہ مقام جزیرۃ الخضرہ سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن
 عبداللہ کو اس معاملے میں کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ مدینۃ الزہرہ پر قبضہ کرنے کا حکم جس
 وقت اسماعیل کو ملا تو اس وقت باپ کے ساتھ یعنی معتضد کے ساتھ اس کے تعلقات
 بہت کشیدہ تھے۔ اسماعیل نے مزید لشکر مانگا، معتضد نے انکار کر دیا۔ اسماعیل نے منت
 سماجت کی کہ چھوٹے لشکر سے قرطبہ جیسی ریاست پر کامیابی کے ساتھ حملہ کرنا میرے
 بس کی بات نہیں ہے اور اگر غرناطہ کا بادشاہ بادیس قرطبہ والوں کی مدد کے لیے کمک
 لے کر آ گیا جیسا کہ ظاہر ہے وہ ایسا کرے گا تو پھر اشبیلیہ کا لشکر دو طرف سے گھر
 جائے گا اور لشکر کی تباہی ہوگی۔ مگر معتضد نے ایک عذر بھی نہ سنا اور غصے میں آ کر
 اسماعیل کو نامرد اور بزدل کہا اور یہ بھی کہا کہ تو نے جانے میں دیر کی تو تیرا سر قلم کر دوں
 گا۔

اسماعیل اس ذلت پر بیچ و تاب کھاتا غصے کی حالت میں مدینۃ الزہرہ کی طرف
 چلا۔ اس سلسلے میں عبداللہ بزیلیانی سے مشورہ کیا۔ اس نے اسماعیل کو آسانی سے یقین
 دلایا کہ جس بات پر وہ مدت سے باہم مشورہ کیا کرتے تھے اس کے حاصل کرنے کا
 اب موقع آ گیا ہے۔ اشبیلیہ سے دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد اسماعیل نے لشکر کو
 روک دیا اور اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہا۔

”میں کسی اور کام کے لیے جو قرطبہ کی مہم سے بھی زیادہ ضروری ہے اور جس کے
 لیے میرے باپ کا حکم آیا ہے، فوراً اشبیلیہ واپس جاتا ہوں۔“

یہ کہہ کر اسماعیل، عبداللہ بزیلیانی کو ہمراہ لیے تیس سواروں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتے
 ہوئے اشبیلیہ پہنچا۔

اس کا باپ معتضد اس وقت شہر میں نہ تھا بلکہ دریا کے پار ایک قصر میں جس کا نام
 قصر زاہد تھا، ٹھہرا ہوا تھا۔ اسماعیل نے دیکھا کہ قلعہ اشبیلیہ کے دروازوں پر پہرہ معمولی
 ہے چنانچہ رات کے وقت قلعے پر اسماعیل نے قبضہ کر لیا اور باپ کے خزا۔ سے روپیہ
 نکال کر خچروں پر رکھا اور اس خیال سے کہ دریا میں اتر کر قصر تک کوئی خبر نہ پہنچا دے
 قلعے کے اندر جس قدر کشتیاں دریا میں تھیں ان کو ڈبو دیا۔ پھر اپنی ماں اور اپنے حرم کی

دیگر مستورات کو ہمراہ لیے جزیرۃ الخضرہ کی طرف روانہ ہوا۔

گو اسماعیل نے بہت احتیاط کی تھی کہ باپ کے کانوں تک اس واقعہ کی خبر نہ پہنچے مگر اسماعیل کے ایک سوار نے اس حرکت کو ناپسند کر کے جس طرح گھوڑے پر بیٹھا تھا ویسے ہی گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور دریا پار کر کے معتضد کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ معتضد نے یہ سنتے ہی سواروں کا ایک دستہ اسماعیل کے تعاقب میں روانہ کیا اور تمام قلعہ داروں کے پاس مسلح قاصد دوڑا دیئے۔ سب قلعوں میں خبر پہنچا دی گئی کہ اسماعیل نے یہ حرکت کی ہے۔ کہیں بھی اسے پناہ نہ دی جائے۔

چنانچہ اسماعیل جس قلعے پر پہنچا اس کا دروازہ اس کی آمد پر بند کر دیا گیا۔ اس پر اس نے اس خوف سے کہ کہیں قلعہ داروں کے محافظ لشکر اس پر حملہ نہ کر دیں، ایک قلعے کے حاکم جس کا نام حساوی تھا، پناہ کی درخواست کی۔

حساوی نے اس شرط پر پناہ دینے کا وعدہ کیا کہ اسماعیل کو ہستانی سلسلے کے نیچے ہی قیام کرے۔ اس کے بعد حساوی اپنے مسلح لشکر کے ساتھ نیچے آیا۔ اسماعیل کو سمجھایا کہ باپ سے مصالحت کر لے۔ اسماعیل نے یہ دیکھ کر کہ بات بگڑ چکی ہے، حساوی کا کہنا مان لیا۔

اس کے بعد اسماعیل کو حساوی قلعے کے اندر لے گیا۔ اس کی شان کے مطابق اس کی خاطر مدارت کی لیکن ساتھ ہی اس نے معتضد کو سارے واقعے کی تفصیل بھی لکھ بھیجی اور آخر یہ لکھا کہ اسماعیل کو اپنی غلطی پر سخت ندامت ہے اور آپ سے عفو تقصیر کا خواستگار ہے۔“

کچھ عرصے بعد حساوی کے خط کا ایسا جواب آیا جس سے سب کو اطمینان ہو گیا کیونکہ اس خط میں معتضد نے اپنے بیٹے اسماعیل کی خطا معاف کر دینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ اس جواب سے مطمئن ہو کر اسماعیل اشبیلیہ چلا گیا۔

معتضد نے بیٹے کو اس کے مال سے جو اس نے نکالا تھا، تہنیت ہونے میں کسی طرح کی دخل اندازی نہ کی لیکن پہرے بٹھا دیئے کہ اسماعیل کی نقل و حرکت پر ہر وقت نظر رکھی جائے۔

اسماعیل اپنے باپ کی چالوں سے خوب واقف تھا اور سمجھ گیا تھا جو معافی اسے دی گئی ہے وہ محض ایک فریب ہے چنانچہ اس نے پہرے داروں اور چند غلاموں کو بھاری

رقم دے کر رات کے وقت ایک جگہ جمع کیا اور ہمت بڑھانے کے لیے انہیں خوب شراب پلوائی پھر ان کی مدد سے قصر کی دیوار پر چڑھا جہاں سے باپ پر اچانک حملہ کرنا ممکن تھا۔ وہ یہ سمجھا تھا کہ باپ قصر میں سو رہا ہوگا اور میں اس کو اسی حالت میں ہلاک کر دوں گا۔

مگر معتضد بالکل خلاف توقع دفعۃً ایک دستہ لشکر کالے کر سامنے آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی اسماعیل کے ساتھ والے بھاگ گئے۔ اسماعیل نے بھی چاہا کہ شہر کی فصیل پر چڑھ کر نکل جائے مگر لشکریوں نے تعاقب کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ معتضد غصے سے بے تاب تھا۔ بیٹے کو گھسیٹتا ہوا قصر میں لے گیا اور تمام ملازموں کو علیحدہ ہو جانے کا حکم دے کر اسماعیل کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔

بیٹے کے قتل کے بعد معتضد نے اسماعیل کے ساتھیوں اور خادموں اور اس کے حرم کی عورتوں سے بدلہ لیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں اور ناک کاٹ دیئے گئے اور اہل سازش کو اعلانیہ اور پوشیدہ دونوں طریقوں سے قتل کیا گیا۔ جب غصہ اتر گیا تو معتضد اس ظلم اور سفار کی پر رنج اور افسوس کا شکار ہو گیا۔ جس فرزند نے باپ سے بغاوت کی ہو، جس نے باپ کو قتل کرنا چاہا ہو، جس نے باپ کا خزانہ لوٹا ہو اور باپ کی حرموں کو بھی گرفتار کر لیا ہو اس میں شبہ نہیں کہ ایسا بیٹا نہایت سنگین جرموں کا مرتکب ہوا تھا۔ ان خیالات سے معتضد اپنے دل کو تسلی دینا چاہتا تھا مگر تسکین نہ ہوتی۔ ہر وقت یہی خیال آتا تھا کہ اسماعیل سے اسے کیسی محبت تھی۔ معتضد باوجود ظالم ہونے کے اپنے بچوں سے بہت محبت رکھتا تھا۔ یہ بیٹا وہ تھا جس کے مزاج میں احتیاط تھی، جو مشورہ دینے میں بڑا صاحب رائے تھا اور میدان کارزار میں بڑا بہادر اور شجاع تھا۔ بڑھاپے کا عصا اور باپ کے کاموں کو آگے بڑھانے والا تھا۔ اس کے سارے بیٹوں میں اگر کوئی کام کا بیٹا نظر آتا تھا تو یہی تھا۔ مگر اب اپنے ہی ہاتھ سے اسے قتل کر کے معتضد اپنی تمام امیدوں پر خاک ڈال چکا تھا۔

اس بھیانک واقعہ کے تین دن بعد اشبیلیہ کا ایک وزیر معتضد کی خدمت کی حاضر ہوا۔ اس وقت اس کا چہرہ ایسا ہیبت ناک ہو رہا تھا کہ اس کی طرف دیکھنا نہ جاتا تھا۔ وزیر اور اس کے ہمراہی مارے خوف کے لرزنے لگے۔ سلام کرنے کے بعد مشکل سے کچھ الفاظ ادا کرنا ہی چاہتے تھے کہ معتضد نے نہایت غضب آلود نگاہ ان پر ڈالی پھر

گرج کر کہا۔

”بدبختو! تم کیوں چپ کھڑے ہو؟ میری مصیبت پر دل میں خوش ہوتے ہو گے۔
میری نگاہوں سے دور ہو جائے۔“

شاید یہ پہلا موقع تھا کہ اس مغلوب الغضب فولاد سے زیادہ سخت ارادے اور
حوصلے کے انسان نے اپنے دل کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا اور وہ دل جو کسی سے
مغلوب نہ ہونا جانتا تھا اس وقت ایسا مجروح تھا کہ جس کے زخموں کا مندل ہونا ایک
مدت گزرنے کے بعد شاید ممکن بھی ہوتا مگر زخموں کے داغ کبھی مٹنے والے تو نہیں
ہوتے۔ غرض معتمد نے قرطبہ کی جمہوری ریاست کو مطیع کرنے کا خیال اس وقت چھوڑ
دیا اور یہ ریاست اس تعجب میں کہ میں کیونکر سلامت رہ گئی، کچھ دن اور باقی رہی مگر جو
عظیم الشان منصوبے معتمد نے سوچ رکھے تھے وہ کچھ دن ملتوی رہ کر رفتہ رفتہ پھر دل
میں ابھرنے لگے۔ یوں چند دن تو ہسپانیہ کے اندر عربوں اور بربروں کے درمیان
چپقلش خاموش رہی لیکن معتمد نے پھر پیرزے نکالنے شروع کر دیئے۔

ماضی میں غرناطہ کے بربر حکمران بادیس نے مالقہ پر قبضہ کر لیا تھا اور اب معتمد کی
نگاہیں مالقہ پر جم گئی تھیں۔ بادیس بذات خود ظالم تھا۔ غرناطہ کے بہت سے لوگ بھی اس
کے مظالم سے تنگ تھے اور مالقہ والے بھی اس سے تنگ تھے۔ وہ بھی اشبیلیہ پر نگاہ
رکھتے تھے کہ شاید وہاں سے کوئی اٹھے اور بادیس کے مظالم سے انہیں نجات دے۔

چنانچہ معتمد نے مالقہ کے عربوں کے ساتھ ساز باز شروع کی اور مالقہ کے عربوں
نے معتمد سے درپردہ گفتگو ہونے کے بعد مالقہ شہر میں بغاوت کا سامان کیا۔ بادیس کی
غفلت اور بے پروائی نے اس سازش کو اور ترقی دی۔ بادیس اب اکثر مخمور رہتا تھا۔
سلطنت کے کاروبار کی طرف کبھی کبھی متوجہ ہوتا تھا۔ بغاوت کا جو دن عربوں نے مقرر
کیا تھا اس دن مالقہ اور اس کے اردگرد کے علاقوں کے پچیس قلعوں میں غدر پڑ گیا۔ ان
حالات میں معتمد نے ایک لشکر اپنے دوسرے بیٹے معتمد کی سرکردگی میں روانہ کیا تاکہ
مالقہ کی سرحد پر باغیوں کی مدد کی جاسکے۔

بربر اس ناگہانی آفت سے بالکل بے خبر تھے۔ چنانچہ اس بغاوت کی وجہ سے
بربروں کا خوب قتل ہوا۔ جو باقی بچے وہ بھاگ کر بمشکل اپنی جانیں بچا سکے۔ ایک ہفتے
کے اندر مالقہ کی پوری ریاست معتمد کے بیٹے معتمد کے قبضے میں آ گئی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ایک بار پھر عمر بن سربج رکا، اس کے بعد منصور بن عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”ابن عبداللہ! میرے بھائی! یہ معتمد وہی ہے جو آج کل اشبیلیہ کا حکمران ہے۔ یہ سارے حالات میں تمہیں تفصیل سے اس لیے بتا رہا ہوں کہ ہسپانیہ کے اندر جو تھوڑے سے عرصے میں خوفناک تبدیلیاں رونما ہو گئی ہیں ان سے تم آگاہ ہو سکو۔ یہ ساری تفصیل میں تمہیں اس شرط پر بتا رہا ہوں کہ اس کے بعد تم مجھے افریقہ کے حالات تفصیل سے بتاؤ گے۔ ایسا میں اس لیے چاہتا ہوں کہ اگر اندلس کے حالات زیادہ خراب ہو جائیں تو ہم اندلس کے رہنے والے کم از کم یہ تو امید رکھیں کہ افریقہ کی سرزمینوں سے کوئی مجاہد اٹھے اور دشمنوں کے خلاف مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا کرے اور ان کی قوت کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔“

ہاں..... تو میں کہہ رہا تھا کہ معتمد کے بیٹے اور اشبیلیہ کے موجودہ حکمران معتمد نے مالقہ پر حملہ آور ہو کر قبضہ کر لیا۔ پر معتمد کے مزاج میں سستی ہے۔ ہر شخص کا اعتبار جلد کر لیتا ہے۔ مالقہ کے لوگوں نے جو اس کے حسن اخلاق کے گرویدہ ہو گئے تھے، ضیافتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ معتمد دعوتوں میں مصروف ہوا۔ لشکر کے بربر افسروں نے جو اس کے بادیس سے درپردہ سازش اور معتمد سے دشمنی رکھتے تھے ان لوگوں نے معتمد کو یقین دلایا کہ مالقہ شہر تو فتح ہو گیا ہے۔ شہر کا قلعہ بھی جلد فتح ہو جائے گا۔ لہذا فکر مندی کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان حالات میں معتمد کو بے پرواہ کر دیا اور اپنے لشکر سمیت دشمن سے بے پرواہ ہو کر رنگ رلیوں میں مصروف ہو گیا۔

یہ غفلت مہلک ثابت ہوئی۔ قلعہ مالقہ کے بربروں کو ایسے وسائل مل گئے کہ بادیس کو اس حال کی خبر کر دی کہ اس وقت اشبیلیہ کے لشکر پر اچانک حملہ کرنا آسان ہے۔ بادیس کو اس خبر کا پہنچنا تھا کہ غرناطہ کا لشکر مالقہ کی طرف روانہ ہوا اور پہاڑوں میں سے نزدیک کا راستہ نکال کر مالقہ میں ایسے چپ چاپ پہنچ گئے کہ معتمد کو ان کے آنے کی خبر مطلق نہ ہوئی۔

اب اشبیلیہ والوں کی حالت یہ تھی کہ غرناطہ کے لشکر کو ان سے لڑنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اتنی رحمت گوارانہ کرنا پڑی کہ نہتے اور نشے میں چور اشبیلی لشکر کے گلے کاٹ ڈالیں۔ معتمد اس حملے سے بھاگ کر رندہ شہر چلا گیا اور مالقہ کا تمام علاقہ پھر

غرناطہ کے بادشاہ بادیس کے قبضہ میں چلا گیا۔

معمد کے باپ معتضد نے جب اس شکست کا حال سنا تو اس نے اپنے فرزند کی اس مجرمانہ غلت پر غصے کا اظہار کیا۔ آگ بگولہ ہو گیا۔ یہ غفلت ایسی تھی جس سے ایک اچھا لشکر غارت ہو گیا اور ایک پورا علاقہ ہاتھ سے نکل گیا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ معمد کو زندہ میں قید رکھا جائے اور اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کے قتل پر جو رنج ہوا تھا، اسے بھول کر اس کے بھائی کی فکر میں ہوا کہ اس پر بھی سزائے قتل کا حکم نافذ کرے۔

معمد اس کا اندازہ نہ کر سکا کہ باپ کو اس پر کس قدر غصہ ہے۔ باپ کو خوش کرنے کے لیے معمد نے کچھ اشعار لکھ کر بھیجے جن میں اس کی سخاوت اور رحم دلی کی تعریف کر کے کوشش کی کہ گزشتہ فتوحات کو یاد دلا کر باپ کے دل کو تسکین دے۔ ان اشعار میں معمد نے سارا قصور اپنے سر سے ٹال کر دعا باز بربروں کے سر تھوپا اور اپنی ناکاؤں پر جو رنج اور افسوس اسے ہوا تھا اس کو بڑی آب و تاب سے بیان کیا۔

اس طرح معمد باپ سے معافی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد معتضد بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا اور اس عالم فانی سے کوچ کر گیا۔ اب اس کی جگہ اشبیلیہ کا حکمران اس کا بیٹا معمد ہوا۔ یہی معمد آج کل اشبیلیہ کا حکمران ہے۔ یہ 432 ہجری میں پیدا ہوا۔ گیارہ برس کی عمر تھی کہ باپ نے اسے صوبہ ولبد کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس کے بعد تھوڑا سا زمانہ گزرا تھا کہ اسے لشکر کی سپہ سالاری بھی سونپ دی۔

اسی زمانے میں معمد کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو عمر میں اس سے نو برس بڑا تھا اور جس کی قسمت میں تھا کہ آئندہ معمد پر اپنی طبیعت کا بہت بڑا اثر پہنچائے۔

اس شخص کا نام محمد بن عمار اور کنیت ابو بکر تھی۔ شہر شلب کے ایک قریے میں مفلس اور گناہ باپ کے گھر پیدا ہوا۔ بنیادی طور پر عرب تھا۔ علم ادب پہلے شلب میں اور پھر قرطبہ میں حاصل کیا اس کے بعد پریشان گردی میں عمر گزرے لگی۔ اس کی وجہ معاشی یہ تھی کہ جس کسی سے کچھ وصول ہونے کی توقع ہوتی اس کا قصیدہ لکھتا۔

نامور شعرائے سوائے وزیروں اور بادشاہوں کے کسی کا قصیدہ لکھنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے لیکن اس نوجوان ابن عمار جس کے بوسیدہ کپڑوں، سر پر چمکی ہوئی ٹوپی اور پرانی قبا پر کوئی ہنستا اور رحم کھاتا تھا، اسی کو غنیمت سمجھتا کہ کوئی نو دولت مند اس کا قصیدہ سن کر کچھ کر دے۔

ایک دن بہت بری حالت میں یہ شخص شلب شہر میں آیا۔ تنگ دستی کی یہ حالت تھی کہ جس جانور پر سوار تھا اس کے لیے دانہ خریدنے کو بھی دام پاس نہ تھے۔ اتفاق سے اسے شلب کے ایک شخص کا خیال آیا کہ شاید وہ کچھ دے دے۔ یہ ایک دولت مند تاجر تھا۔ اگرچہ جاہل تھا مگر اپنی تعریف میں شعر سننے کا ہمیشہ مشتاق رہتا تھا۔ ابن عمار نے فوراً ایک قصیدہ لکھا اور اپنی مصیبت کی ایک داستان لکھ کر مع قصیدہ کے تاجر کے پاس بھیجی۔ تاجر قصیدہ سن کر بہت خوش ہوا۔ ایک تو برے میں جو بھر کر مفلس شاعر ابن عمار کے پاس بھیجے۔ جب یہ کم قیمت انعام پہنچا تو ابن عمار کو خیال آیا کہ افسوس کہ تاجر سے اتنا بھی نہ ہوا کہ تو برے میں جو کی جگہ گیہوں ہی بھر کر بھیجتا۔ پھر بھی یہ جو غنیمت ہوئے۔

شلب ایسی جگہ تھی کہ اس کی پُر فضا اور دل فریب وادیوں میں یہاں کا ایک معمولی کسان بھی شعر کہہ سکتا تھا۔ چنانچہ اسی پُر فضا مقام میں شعر کہتے ہوئے ابن عمار اشبیلیہ کے موجودہ حکمران معتمد کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں عیش پسند، ہمت اور جرأت کے کاموں میں شوق سے شریک ہونے والے تھے اور شاعری کی خصوصیت سے جو ہر شناس تھے اس لیے ان میں بہت جلد دوستی پیدا ہو گئی۔

ابن عمار کا جو زمانہ خوشی اور خرامی میں گزرا وہ معتمد کو دل سے کبھی نہ بھولا تھا۔ دراصل ابن عمار دولت کی چھاؤں اور عیش و آرام کے سائے میں نہ پلا تھا۔ ابتدائے عمر میں اسے افلاس اور تنگ دستی، مشکلوں اور مایوسیوں کا تجربہ ہوتا رہا تھا۔ ابن عمار کے خیال اور تصور میں معتمد کی سی تازگی نہ تھی۔ نہ معتمد کی طرح وہ خوش رہتا تھا، نہ معتمد کی سی جوانی اور جوانی کا جوش اس میں موجود تھا۔ کلام میں ایک دبا ہوا شکوہ اور رکی ہوئی فریاد ہوا کرتی تھی جو بغیر زبان سے نکلے نہ رہتی تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک دن معتمد نے ابن عمار کو شام کے وقت ایک ضیافت میں مدعو کیا۔ ضیافت ہوئی، اس میں شراب نوشی کا معمول سے زیادہ چرچا ہوا۔ جب اور مہمان رخصت ہو گئے تو معتمد نے ابن عمار سے کہا کہ تمہنہ جاؤ۔ ابن عمار نے اس کی تمہیل کی اور دونوں باتیں کرتے کرتے سو گئے۔

ابن عمار تھوڑی دیر سویا تھا کہ اس کے کان میں آواز آئی۔

”اے نامراد! ایک دن یہیہ تجھ کو مار ڈالے گا۔“

ابن عمار ڈر کر جاگ اٹھا مگر یہ سمجھ کر کہ خمار میں برے خیالات آرہے ہیں بہت

کوشش سے اس آواز کا خیال دور کر کے پھر سو گیا مگر ذرا سی دیر سونے کے بعد پھر وہی منحوس آواز سنائی دی۔

اس کے بعد دوبارہ سونے کی کوشش کی مگر وہی آواز بار بار اسے ستاتی تھی۔ چنانچہ اسے یقین ہو گیا کہ یہ آواز محض وہم نہیں بلکہ ندائے غیب ہے۔ اب سوائے اس کے دوسری کوئی بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چپکے سے اٹھا، محل کی ڈیوڑھی میں گیا اور وہاں ایک کون میں بوریے میں لپٹ کر اس ارادے سے کھڑا ہو گیا کہ دروازہ کھلتے ہی محل سے نکل جائے گا اور پھر ساحل کا راستہ لے کر وہاں کسی بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہو کر افریقہ چلا جائے گا۔

معتمد کی آنکھ کھلی اور ابنِ عمار کو نہ پایا تو اس نے اس زور سے آواز لگائی کہ خدام جاگ اٹھے۔ معتمد نے خدام کو حکم دیا کہ ابنِ عمار کو تلاش کیا جائے۔ خادموں نے سارا قصر چھان مارا مگر ابنِ عمار کہیں نہ ملا۔ معتمد خود تلاش میں شریک ہوا اور یہ دیکھنے کو کہ قصر کا دروازہ کھلا ہے یا بند، ڈیوڑھی کی طرف گیا۔ وہاں ابنِ عمار چھپا کھڑا تھا۔ بے اختیار کچھ ایسی جنبش کی کہ بوریہ جس میں لپٹا ہوا تھا، ہلا۔ معتمد کی نظر اُدھر گئی۔ پوچھا کہ اس بوریے میں کیا ہے؟

خدام فوراً دوڑ کر بوریے کے پاس پہنچے تو ابنِ عمار بوریے میں سے نکلا۔ حالت قابلِ رحم تھی۔ صرف پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپ رہا تھا۔ شرم اور ندامت سے آنکھیں نیچے کیے ہوئے تھا۔

معتمد دوست کی یہ حالت دیکھ کر رو دیا اور کہنے لگا۔

”ابنِ عمار! یہ کیا حالت ہے؟“

مگر پھر یہ دیکھ کر کہ ابنِ عمار کانپ رہا ہے اسے اپنے کمرے میں لے گیا اور معلوم کرنا چاہا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ مگر ابنِ عمار بہت دیر تک کوئی جواب نہ دے سکا۔ کچھ تو خوف اور کچھ اپنی شرم ناک حالت سے ہوش و حواس معطل ہو گئے تھے۔ کبھی ہنستا تھا اور کبھی روتا تھا۔ آخر جب کچھ ٹسکین ہوئی تو سارا واقعہ معتمد سے بیان کیا جسے سن کر معتمد ہنس پڑا اور بڑی محبت اور دردمندی سے کہنے لگا۔

”شراب کے بخارات نے دماغ پر اثر کر کے یہ فضول خیال تمہارے دماغ میں پیدا کیا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ بھلا تم سمجھ سکتے ہو کہ تمہارے مار ڈالنے کا خیال

میرے دل میں کیونکر آ سکتا ہے؟ تم مری جان اور زندگی ہو۔ تم کو قتل کرنا خود اپنے آپ کو قتل کرنا ہے۔ بس اب اس خیال کو دور کرو اور اس کا کبھی ذکر مت کرنا۔“

ایک دن ایسا ہوا کہ معتمد اور ابن عمار دریا کی سیر کر رہے تھے۔ ہوا کے چلنے سے دریا کی سطح پر ہلکی ہلکی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔ معتمد نے فوراً اس مضمون کا مصرعہ موزوں کیا۔

”نسیم کے جھونکوں سے پانی کی موجیں ذرہ بن گئی ہیں۔“

ابن عمار دوسرا مصرعہ کہنے کے لیے ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں دریا کے کنارے ایک انتہائی حسین اور نوخیز لڑکی نے جو قریب ہی کھڑی تھی، بے تکلفی سے اس سے پہلے اس شعر کا دوسرا مصرعہ کہہ دیا۔

”لڑنے والے کے لیے کیا خوب ذرہ ہوتی اگر پانی کی موجیں برف ہوتیں۔“

معتمد کو حیرت ہوئی کہ کس بلا کی تیز عورت ہے جس نے مصرعہ لگانے میں ابن عمار کی تقدیم کی اور ابن عمار بھی وہ جس کی شاعری کی ہر طرف دھوم مچی ہوئی ہے۔ اس حیرت کے عالم میں معتمد دنگ رہ گیا۔ اس عورت کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی اچھی صورت کا دل پر اثر ہوا۔ خواجہ سرا جو کچھ فاصلے پر پیچھے آ رہا تھا۔ اسے حکم دیا۔

”اس شاعرہ کو قصر میں لے جا کر بٹھاؤ۔“

اتنا کہہ کر خود بھی قصر میں گیا۔ جس وقت وہ سینہ سامنے آئی تو معتمد نے اس کا حسب نسب دریافت کیا۔ عورت نے جواب دیا۔

”میرا نام اعتماد ہے لیکن بالعموم مجھے رمیکہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس لیے کہ میں رمیک نام کے ایک شخص کی لونڈی ہوں اور نچر ہانکنا میرا کام ہے۔“

اتنا سن کر معتمد نے پوچھا۔ ”کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟“

رمیکہ نے جواب دیا۔ ”نہیں۔“

معتمد نے کہا۔ ”یہ خوب ہوا..... میں تمہیں تمہارے آقا سے خرید کر تم سے شادی کروں گا۔“

معتمد جب تک زندہ رہا، رمیکہ کے ساتھ اس کے عشق میں کبھی کمی نہ ہوئی۔ کوئی دل لبھانے والی چیز معتمد کی نظر میں ایسی نہ تھی جو رمیکہ میں موجود نہ ہو۔ بعض اوقات رمیکہ کو خوش کرنے کے لیے معتمد عجیب عجیب حرکتیں کرتا تھا گویا شادی کے بعد معتمد

ایک طرح سے رمیکہ کی گرفت میں چلا گیا تھا۔

شادی کے بعد رمیکہ کو جو نیا شوق اچھلتا وہ شوہر کے لیے مسرت اور مایوسی دونوں کا باعث ہوتا۔ کوئی فرمائش ایسی نہ تھی جو پوری نہ کی جاتی۔ چاہے اس میں کتنی ہی دولت اور زحمت صرف ہو۔ رمیکہ جس بات کا ارادہ کر لیتی پھر دنیا ادھر سے ادھر ہو جاتی مگر اپنی بات سے ٹلتی نہ تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فروری کا مہینہ تھا، قصر کی کھڑکی سے رمیکہ باہر دیکھ رہی تھی، یکا یک برف رُوئی کے گالوں کی شکل میں گرنی شروع ہوئی۔ جس ملک میں جاڑہ شدت کا نہ ہوتا ہو وہاں کبھی اتفاق سے برف کا گرنا ایک عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے۔ برف کے سفید سفید گالے دیکھ کر رمیکہ رونے لگی۔ معتمد نے پوچھا۔

”کیوں کیا ہوا؟..... کیوں روتی ہو؟“

رمیکہ نے سسکیاں لے لے کر جواب دیا۔

”تمہارے برابر کوئی برا اور ظالم نہ ہوگا۔ ذرا دیکھو! یہ برف گرتی ہوئی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ کس طرح اس کے گالے درخت کی شاخوں کو لپٹ گئے ہیں۔ اور تم بڑے نا احسان مند ہو۔ تمہیں اتنا بھی خیال نہ آیا کہ ہر جاڑے مجھے اس صحت افزاء مقام پر لے کر آتے۔ اگر یہاں ممکن نہ تھا تو پھر ایک ایسی جگہ کی سیر کروادی ہوتی جہاں برف ہمیشہ گرا کرتی ہے۔“ یہ کہتے کہتے رمیکہ کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ معتمد نے آنسو پونچھ کر کہا۔

”کیوں پریشان ہوتی ہو؟..... لو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب سے ہر جاڑے برف گرنے کی بہار تم دیکھا کرو گی۔“

ایک اور موقع پر رمیکہ نے دیکھا کہ کچھ غریب عورتیں اینٹیں بنانے کے لیے پاؤں سے مٹی گوندھ رہی ہیں۔ رمیکہ یہ دیکھ کر پھر رو کر معتمد سے کہنے لگی۔

”ہائے جس دن سے ایک غریب گھر سے نکال کر جہاں میں خوش اور آزاد رہتی تھی، تم نے آداب شاہی کی زنجیروں میں جکڑ کر مجھے اس تاریک محل میں بند کیا ہے وہ دن اور آج کا دن، جسے آرام کہتے ہیں وہ مجھے کبھی نصیب نہیں ہوا..... ذرا دریا کے کنارے ان غریب عورتوں کو دیکھو۔ کیا اچھا ہوتا کہ میں بھی انہی کی طرح پاؤں سے مٹی گوندھتی ہوتی۔ مگر افسوس تم نے ملکہ بنا کر مجھے قید میں ڈال دیا ہے۔ ان غریب عورتوں

کی طرح مٹی گوندھنے کا لطف مجھے کب نصیب ہو سکتا ہے۔“
 معتمد محل کے صحن میں گیا اور خدام شاہی کو حکم دیا کہ کافور، شکر اور مشک عنبر کے ڈھیر
 صحن میں لگا دیئے جائیں۔ جب یہ چیزیں حاضر کر دی گئیں تو دوسرا حکم ہوا کہ ان سب
 اشیاء کو آمیختہ کر کے عرق گلاب سے نرم کیا جائے یہاں تک کہ وہ نرم گیلی مٹی کی طرح
 ہو جائے۔

جب یہ سب کچھ ہو گیا تو معتمد نے رمیکہ کو آواز دی۔

”اب ذرا یہاں قدم رنجہ فرمائیے۔“

رمیکہ آئی۔ خواصے اور سہیلیاں بھی ساتھ تھیں۔ اور یہ بھی دیکھا کہ نازک پاؤں
 سے پامال کرنے کے لیے مٹی تیار تھی۔ اتنا سنتے ہی رمیکہ اپنی خواصوں اور سہیلیوں کے
 بالا خانے سے نیچے اتری اور ننگے پاؤں ہو کر اس مشک و عنبر کی کیچڑ کو خوب خوش ہو کر
 روندنا شروع کر دیا۔

اس کھیل میں بڑی دولت صرف ہوئی تھی۔ چنانچہ معتمد نے ایک موقع پر اپنی نازک
 مزاج سلطانہ کو یہ شغل یاد بھی دلایا۔ وہ موقع یہ تھا کہ ایک دن پھر رمیکہ نے اسی قسم کی
 دولت ضائع کرنے والی فرمائش معتمد سے کی اور کہا۔

”مجھے تم سے شکایت کیوں نہ ہو؟ میرے برابر مصیبت زدہ کون عورت ہوگی؟ خدا
 جانتا ہے کہ ایک بار بھی تم مجھے خوش نہیں کرتے۔“

اتنا سنتے ہی معتمد نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

”کیا جس دن پاؤں سے مٹی گوندھ رہی تھی اس دن بھی خوش نہیں تھی؟“

رمیکہ یہ فقرہ سن کر شرمندہ ہو گئی اور پھر کبھی کوئی فرمائش نہ کی۔

یہاں تک کہنے کے بعد عمر بن سرج برکا، کہنے لگا۔

”منصور بن عبداللہ! میرے بھائی! یہ سارے واقعات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے
 کہ ہمارے مسلمان اپنی زندگی کے لمحات کو کیسے بے ہودہ کاموں میں صرف کر کے ضائع
 کر رہے ہیں۔“

منصور بن عبداللہ! میرے بھائی! معتمد کے باپ معتضد کی بڑی خواہش تھی کہ
 قرطبہ پر قبضہ کر لے۔ اس کے مرنے کے بعد جب معتمد اشبیلیہ کا بادشاہ بنا تو اس نے
 قرطبہ پر اپنی گرفت کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس کے لیے معتمد کو ایک مناسب موقع

بھی مل گیا۔

ہوایوں کہ قرطبہ کا حاکم ابوالولید بن جمہور بوڑھا ہو گیا تھا۔ چنانچہ قرطبہ کے امور چلانے کے لیے اس نے اپنے دو بیٹوں کو مقرر کیا۔ ایک بیٹے کا نام عبدالملک اور دوسرے کا نام عبدالرحمن تھا۔ عبدالملک کو سلطنت کے انتظامات کے لیے مقرر کیا گیا جبکہ دوسرے بیٹے عبدالرحمن کو خزانے اور عام انتظامات سپرد کیے گئے۔ اس کے علاوہ عبدالملک جو چھوٹا تھا اسے لشکر کی سپہ سالاری بھی دی گئی تھی۔

حکمرانی کرتے ہوئے دونوں بھائیوں میں اختلافات پیدا ہو گئے لیکن ان اختلافات کو قرطبہ کے وزیر ابن سکا نے سنبھالے رکھا۔ وہ بڑا باتدبیر اور عقلمند انسان تھا۔ چنانچہ معتمد نے قرطبہ پر قبضہ کرنے کے لیے ابن سکا کو راستے سے ہٹانے کی تدبیر کی۔ اس تدبیر میں وہ کامیاب ہوا۔ عبدالملک اور عبدالرحمن کے درمیان اس نے بدگمانیاں پھیلا دیں جس کے نتیجے میں عبدالملک نے ابن سکا کو قتل کر دیا جس کا نتیجہ ریاست کے حق میں بہت مضر ثابت ہوا۔ اس لیے کہ سلطنت کے بہت سے عہدے دار ابن سکا کے ہمنوا تھے۔ انہوں نے سلطنت کا حصہ بننے سے انکار کر دیا۔

اب قرطبہ میں عبدالملک کے لیے حالات بدترین ہونے لگے۔ اندرونی خلفشار کے ساتھ ساتھ عبدالملک طلیطلہ کے حکمران ماموں سے بھی خطرہ محسوس کرنے لگا۔ اس لیے کہ اس وقت افونش نے طلیطلہ پر قبضہ نہیں کیا تھا۔ ابوالحسن یحییٰ مامون وہاں کا حکمران تھا۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے عبدالملک نے اپنی حکومت قائم رکھنے کی خاطر اشبیلیہ کے حکمران معتمد کی مدد طلب کی۔ معتمد تو پہلے ہی اس کا منتظر تھا۔ فوراً ایک زبردست کمک عبدالملک کے لیے روانہ کی۔ لیکن اس کمک سے عبدالملک کو کوئی نفع نہ ہوا۔ کیونکہ اشبیلیہ سے جو کمک معتمد نے بھیجی تھی، اس کے سالار نے معتمد کی ہدایت کے مطابق اہل قرطبہ سے اس امر پر اتفاق کر لیا کہ عبدالملک کے ہاتھ سے تمام اختیارات نکال کر قرطبہ کو سلطنت اشبیلیہ میں شامل کر لیا جائے۔

یہ سازش ایسے خفیہ طریقے سے کی گئی کہ عبدالملک کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ اس کو اپنی نسبت کوئی خوف اور اندیشہ بھی پیدا نہ ہوا۔ یوں قرطبہ پر معتمد کا قبضہ ہو گیا اور وہاں معتمد نے اپنے بیٹے عباد کو حاکم مقرر کر دیا۔ یہ عباد معتمد اور اس کی ملکہ رمیکہ کا فرزند

تھا۔

یہ حالت دیکھتے ہوئے طلیطلہ کا حاکم ماموں بڑا فکرمند ہوا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ قرطبہ پر معتمد کا قبضہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے عیسائی حکمران افونش سے مدد طلب کی تاکہ اس کے ساتھ مل کر قرطبہ معتمد سے خالی کرا لے۔ لیکن بد قسمت مامون نہیں جانتا تھا کہ جس افونش کو وہ پکار رہا ہے آنے والے دنوں میں وہی اس کے مرکزی شہر طلیطلہ نہیں، اس کے علاقوں پر بھی قبضہ کرے گا۔ چنانچہ افونش اور مامون نے ایک متحدہ لشکر تیار کیا۔ قرطبہ پر حملہ آور ہوئے لیکن معتمد کے بیٹے عباد نے دونوں کو شکست دے کر مار بھگایا۔

یہ صورت حال طلیطلہ کے حاکم مامون کے لیے بڑی مایوس کن تھی۔ چنانچہ قرطبہ پر قبضہ کرنے کے لیے اس نے ایک شخص ابن عکاشہ کو مقرر کیا۔

ابن عکاشہ بڑا ظالم اور خونخوار آدمی تھا۔ کسی زمانے میں پہاڑوں میں رہ کر قزاقی کا پیشہ کر چکا تھا لیکن بہت ہوشیار اور عقلمند انسان بھی تھا اور قرطبہ کے حالات سے باخوبی واقفیت بھی رکھتا تھا۔ وہاں کے امور ملکی میں دخل اور واقفیت بھی رکھتا تھا۔

دوسری طرف قرطبہ کے لوگ معتمد کے بیٹے عباد سے کچھ اچھی امیدیں رکھتے تھے لیکن عباد کی عمر بھی اتنی نہ تھی کہ اپنی ذات سے حکومت کرتا۔ تمام اختیارات لشکر کے سالار محمد بن مرتن کے سپرد کر دیئے۔ ابن مرتن پہلے نصرانی تھا، بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابن مرتن گوسپاہی اچھا تھا مگر ظالم اور مفسد بڑا تھا۔

قرطبہ کے لوگوں کو اس سے نفرت تھی۔ قرطبہ میں بہت سے لوگ ایسے بھی موجود تھے جو ابن عکاشہ سے اعلانیہ تعلقات قائم کرنے میں مطلق تذبذب نہ رکھتے تھے۔

ابن عکاشہ بھی اپنی تمام تدبیروں کو پورے طور پر پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ چنانچہ قرطبہ کے ایک سالار کو معلوم ہو گیا کہ یہ پرانا قزاق ابن عکاشہ اکثر رات کو قرطبہ کے دروازے پر آیا کرتا ہے اور وہاں جو لشکری مقیم ہیں ان کے ساتھ ایسی باتیں کرتا ہے جس کی نسبت بہت کچھ شبہ ہو سکتا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد عمر بن سریع دم لینے کے لیے رکا۔ پھر دوبارہ اپنے دوست منصور بن عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”اس واقعہ کی خبر حاکم قرطبہ عباد کو پہنچائی گئی۔ عباد نے خود کچھ خیال نہ کیا اور خبر

لانے والے کو اپنے سالار ابن مرتن کی طرف روانہ کر دیا۔ ابن مرتن نے حکم دیا کہ اس واقعہ کی اطلاع ماتحت سالاروں کو کر دی جائے۔ غرض ایک نے دوسرے پر ذمہ داری ڈالنا شروع کر دی تھی۔

دوسری طرف ابن عکاشہ بہر حال ہوشیار آدمی تھا۔ تھا۔ ایک رات جبکہ بہت اندھیرا تھا اور طوفان بھی آیا ہوا تھا، ابن عکاشہ کو موقع مل گیا۔ اپنے لوگوں کو ساتھ لیے اس طرح شہر میں داخل ہوا کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ ابن عکاشہ اور اس کے آدمی عباد کے قصر تک آئے اور یہ دیکھ کر کہ پہرہ کچھ نہیں ہے، دروازے توڑنے لگے۔ اتنے میں اندر کے دربان کو معلوم ہو گیا۔ اس نے دوڑ کر عباد کو اطلاع کر دی۔ عباد چند غلاموں اور لشکریوں کو لے کر نکلا اور ابن عکاشہ کو روکا۔ باوجود نو عمر ہونے کے بڑے دلیرانہ انداز میں لڑا اور ایک بار اس نے ابن عکاشہ اور اس کے ساتھیوں کو قصر سے باہر نکال دیا۔ لیکن عباد کی بد قسمتی کہ لڑتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا، زمین پر گرا اور گرتے ہی ایک دشمن نے کام تمام کر دیا اور اس کی لاش کو گھسیٹ کر باہر پھینک دیا گیا۔

ابن عکاشہ یہ کام کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ لشکر کے سالار ابن مرتن کے مکان کی طرف گیا۔ اسے خیال تک نہ تھا کہ اس وقت کوئی حملہ ہونے والا ہے۔ وہ نشاط کی محفل سجائے بیٹھا رقص دیکھ رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ سالار عباد کی طرح جواں مرد بھی نہ تھا۔

جب اس نے اپنے مکان کے صحن کے اندر تلواروں کی آواز سنی تو فوراً چھپ گیا۔ لیکن جہاں چھپا تھا، دشمن نے وہ مقام معلوم کر کے اسے بھی قتل کر دیا۔ صبح ہوتے ہی ابن عکاشہ نے لشکر کو ساتھ لیے شرفائے قرطبہ کے گھروں تک گشت لگایا۔ اس موقع پر شہر کی مسجد کے ایک امام نے جو مسجد کو جا رہے تھے، راستے میں ایک نیم برہنہ لاش پڑی دیکھی۔ لاش گو خاک و خون میں آلود تھی مگر انہوں نے پہچان لیا کہ لاش قرطبہ کے حاکم عباد کی تھی۔ امام نے عباد کی آخری خدمت یہ کہ کہ جو قباوہ خود پہنے ہوئے تھے اسے اتار کر لاش پر ڈال دیا۔ ایسا کرنے کے بعد مسجد کے وہ امام پیچھے ہٹے ہی تھے کہ ابن عکاشہ اپنے مسلح جوانوں کے انبوه کثیر کے ساتھ وہاں پہنچا۔ اس انبوه میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو ہر ہنگامے میں مجوناہ طریقے سے شریک ہو جایا کرتے تھے۔ ابن عکاشہ کے حکم سے لاش کا سر کاٹ لیا گیا اور اسے ایک نیزے کے پھل پر لگا کر

قرطبہ کے گلی کوچوں میں گشت کرانا شروع کر دیا گیا۔ اس وقت عبادہ کا لشکر جو قرطبہ میں موجود تھا، اس نے جب یہ کیفیت دیکھی تو لشکری ہتھیار پھینک کر بھاگ گئے۔ ابن عکاشہ نے اب اہل شہر کو جامع مسجد میں جمع کیا اور ان سے عہد لیا کہ مامون حاکم طلیطلہ کی بیعت قبول کر لیں۔ گو حاضرین میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو معتمد کے خیر خواہ تھے لیکن سب پر خوف ایسا طاری تھا کہ ابن عکاشہ کا حکم مان لیا۔

طلیطلہ کا سابق حکمران ابن عکاشہ کی اس کارگزاری پر بے حد خوش ہوا۔ چنانچہ قرطبہ پہنچا۔ ابن عکاشہ کی بے حد شکرگزاری ظاہر کی۔ کثیر انعام اور خلعت دے کر ظاہر کیا کہ ابن عکاشہ پر اس کو پورا اعتماد اور بھروسہ ہے۔ لیکن مامون دل میں اس پرانے رہن سے ڈرتا تھا جو جرائم کرتے کرتے بالکل سنگدل ہو گیا تھا۔ مامون سمجھتا تھا کہ اگر ضرورت ہوئی تو ابن عکاشہ اس کو بھی عباد کی طرح پیوندِ خاک بنا دے گا۔

غرض مامون اس فکر میں ہوا کہ کسی حیلے سے اپنی حکومت کو اس خطرناک آدمی سے محفوظ رکھے۔ مامون نے اپنے اس خیال کو درباریوں سے پوشیدہ نہ رکھا۔ چنانچہ اس کی بھنک ابن عکاشہ کو بھی پڑ گئی اور جب مامون نے قرطبہ میں قیام کیا ہوا تھا، ابن عکاشہ نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

دوسری طرف اشبیلیہ میں جب اس دو گونہ مصیبت کی خبر پہنچی کہ قرطبہ بھی ہاتھ سے گیا اور معتمد کا بیٹا عباد بھی مارا گیا تو معتمد کے رنج و الم کی انتہا نہ رہی۔ عباد کو معتمد بڑا پیارا بچہ سمجھتا تھا۔ اسے وہ بڑا عزیز رکھتا تھا لیکن معتمد کی طبیعت کا بھی خاصہ دیکھنے کہ اس کو نہ بیٹے کے مرنے کا اتنا غم تھا، نہ دشمن سے انتقام لینے کا اتنا خیال تھا۔ جس قدر اس شخص کے احسان کا دل پر اثر تھا جس نے اس کے لختِ جگر عباد کی برہنہ لاش پر اپنے گلے سے عبا اتار کر ڈال دی تھی۔ معتمد کو اس کا سخت صدمہ تھا کہ اس محسن کا احسان نہیں اتار سکتا تھا کیونکہ اس کے نام تک کا علم نہ تھا۔ معتمد بار بار ایک قدیم شاعر کا شعر جو ایسے موقع پر لکھا گیا تھا، دہرایا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا۔

”افسوس جس شخص نے اپنی قبا سے میرے فرزند کی لاش کو ڈھکا

تھا، گو میں اسے نہیں جانتا۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ وہ شریف اور فیاض

انسان تھا۔“

معتمد نے ابن عکاشہ سے انتقام لینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چنانچہ ایک لشکر تیار کیا اور

اس لشکر کی خود کمانداری کرتے ہوئے اس نے قرطبہ کا رخ کیا۔ شہر پر ایسا زور دار حملہ کیا کہ شہر کو اس نے فتح کر لیا۔ معتمد شہر کے ایک دروازے سے داخل ہوا تو اس وقت ابن عکاشہ فرار ہونے کے لیے دوسرے دروازے سے نکلا تھا۔ معتمد اس کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ ابن عکاشہ نے جب دیکھا کہ معتمد اس کے تعاقب میں ہے، بھاگنے نہیں دے گا تو یہ سمجھ کر کہ جس کے بیٹے کو قتل کیا ہو، اس سے رحم کی اُمید فضول ہوگی، اپنے پورے لوگوں کو جمع کر کے پوری تندہی سے معتمد کا مقابلہ کرنے اور اس پر جوابی حملہ کرنے کی ٹھانی۔ چنانچہ ابن عکاشہ جنگلی بجاہ کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ معتمد کے لشکر میں گھس پڑا لیکن معتمد اس وقت غصے اور غضب ناک کی حالت میں تھا۔ ایسے انداز میں ابن عکاشہ پر حملہ آور ہوا کہ ابن عکاشہ کو قتل کر دیا۔ چنانچہ معتمد کے حکم سے ابن عکاشہ کی لاش صلیب پر ایک کتے کے ساتھ لٹکائی گئی اور قرطبہ کی فتح کے بعد طلیطلہ کا کچھ علاقہ جو وادی الکبیر اور وادی آنہ کے درمیان پڑتا تھا اس کو بھی معتمد نے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

گو معتمد نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا، طلیطلہ کے کچھ علاقوں کو بھی ہتھیایا لیکن اس کے باوجود معتمد ان دنوں عیسائی بادشاہ افونش کا باج گزار تھا۔ گو وہ اس کوشش میں تھا کہ خراج دینے سے انکار کر دے، اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کر کے افونش کا مقابلہ کرے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس لیے کہ مسلمان حکمرانوں میں سے کبھی کوئی معتمد کا ساتھ دیتا اور کبھی معتمد کے خلاف افونش سے مل جاتا تھا۔

چنانچہ معتمد اتنی قوت حاصل کرنے کے باوجود بھی افونش کے سامنے جھکنے پر مجبور تھا۔ افونش کو جب خبر ہوئی کہ معتمد طاقت حاصل کرتا جا رہا ہے تو ایک لشکر لے کر نکلا اور اشبیلیہ کے علاقوں پر حملہ کر دیا۔ اُس کی اس حرکت سے مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ معتمد جانتا تھا کہ اس میں اتنی عسکری طاقت نہیں کہ افونش کا مقابلہ کرے۔ دوسری طرف افونش بڑا ہی بد مزاج بادشاہ تھا۔ ملوک الطوائف سے سالانہ خراج لینے کو کافی نہ سمجھتا۔ بار بار مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر قبضہ کرنے کی دھمکی دیتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے اشبیلیہ پر حملہ آور ہونے کا قصد کیا تو اس موقع پر ابن عمار نے ایک داش مندانہ فیصلہ کیا اور اُس کے اس فیصلے سے جنگ ٹل گئی۔

ہوایوں کہ ابن عمار جانتا تھا کہ افونش کو بڑا لالچی ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کے

مزاج سے واقف ہو جائے تو پھر ایک عرب حکمران کی طرح اس عیسائی فرماں روا پر قابو پانا بالکل آسان ہے۔

غرض افونش کی اس کمزوری سے ابنِ عمار نے نفع حاصل کرنا چاہا۔ لڑ کر مقابلہ کرنے کی بجائے اس نے حکم دیا کہ فلاں شطرنج نکلوائی جائے۔ یہ شطرنج صنعت میں ایسی عجیب و غریب تھی کہ اس کی مثل کسی اور بادشاہ کے ہاں نہ تھی۔ اس کے مہرے آبنوس اور صندل کے تھے جن پر سونے کا کام ہوا تھا۔ جب یہ شطرنج نکالی گئی تو ابنِ عمار کسی بہانے سے افونش کے لشکر میں پہنچا۔

افونش بہت لالچی بھی تھا۔ ابنِ عمار نے جب یہ شطرنج نکالی تو افونش کے منہ میں پانی بھر آیا۔ افونش نے اس موقع پر ابنِ عمار سے پوچھا۔

”کیا تمہیں شطرنج کھیلنے کا شوق ہے؟“

ابنِ عمار کہنے لگا۔

”میرے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ میں شطرنج اچھی کھیلتا ہوں۔“

ابنِ عمار نے جب وہ شطرنج بادشاہ کے سامنے کھولی تو بادشاہ دنگ رہ گیا۔ ابنِ عمار کہنے لگا۔

”یقیناً میں شطرنج کھیلوں گا۔ مگر ایک شرط کے ساتھ۔ وہ یہ کہ میں اور آپ ایک بازی کھیلیں گے۔ اگر آپ جیت جائیں تو شطرنج آپ کی اور اگر میں جیتوں تو جو مانگوں سو ملے۔“

افونش نے اسے منظور کر لیا۔ چنانچہ دونوں میں شطرنج کا کھیل شروع ہوا۔ افونش نے صلیب کا نشانہ بنایا اور کام شروع کیا۔ چنانچہ افونش نے اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے کے بعد ابنِ عمار کی شرط کو قبول کیا تھا۔ کھیل شروع ہوا۔ اس کھیل میں ابنِ عمار نے افونش کو ہرا دیا۔ چنانچہ جیتنے کے بعد ابنِ عمار نے افونش سے کہا۔

”اب مجھے حق حاصل ہو گیا ہے کہ جو چاہوں سو مانگوں۔“

افونش نے کہا۔ ”مانگو کیا مانگتے ہو؟“

ابنِ عمار نے فوراً کہا۔

”میں جو کچھ مانگتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ اپنا لشکر یہاں سے اٹھا کر اپنے ملک کو

واپس چلے جائیں۔“

اتنا سنتے ہی افونش کا رنگ فق ہو گیا۔ کبھی اٹھ کر کمرے میں ٹھہلتا، کبھی بیٹھ جاتا اور پھر اچھل کھڑا ہوتا اور ٹھہلنے لگتا۔ تھوڑی دیر بعد دربار کے رئیسوں اور اپنے امراء کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم نے دیکھا کہ مجھے کس طرح دھوکا دیا گیا ہے اور تم سب اس دھوکے کا باعث ہو۔ میں خوب سمجھتا تھا کہ ایسی ہی کوئی درخواست یہ عرب کرے گا۔ مگر تم نے اطمینان دلایا اور تمہارے کہنے پر میں نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ اب تمہارے مشورے کا کڑوا پھل مجھے چکھنا پڑ رہا ہے۔“

چنانچہ افونش نے شرط کی عہد شکنی کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اس موقع پر اُس کے چند ساتھیوں نے کہا۔

”ایک بادشاہ کو عہد شکنی زیب نہیں دیتی۔“

چنانچہ ان کے کہنے پر مجبوراً لشکر لے کر واپس چلا گیا۔ اس طرح ابن عمار اشبیلیہ کو بچانے میں کامیاب ہو گیا اور اُس کی اس کامیابی نے ایک طرح سے اس میں ترمرد اور غرور بھی بھر کر رکھ دیا تھا۔

اب ابن عمار نے فیصلہ کیا کہ وہ شطرنج کھیل کر افونش کو نیچا تو دکھا چکا ہے، اپنی سیاست، اپنے عسکری حربوں سے کچھ اور علاقے فتح کر کے اپنی شہرت میں اضافہ کرے۔ چنانچہ معتمد سے اجازت لے کر اس نے مرسیہ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کام کے لیے وہ قرطبہ سے نکلا۔ سب سے پہلے ابن عمار ایک قلعے کے قریب پہنچا جس کا نام بلج بن بشر کے نام سے اب تک قلعہ بلج مشہور تھا۔ بلج بن بشر دوسری صدی ہجری میں شامی عربوں کا جو افریقہ میں بربر سے ہزیمت اٹھا کر اندلس میں وارد ہوئے تھے، سردار تھا اور جن دنوں ابن عمار بلج میں داخل ہوا ان دنوں وہاں کا حاکم ایک شخص ابن رشیق تھا۔

اس ابن رشیق نے جب سنا کہ معتمد کا وزیر ابن عمار آ رہا ہے تو قلعہ سے اس کی ملاقات کو نکلا اور درخواست کی شب کو قلعے میں آرام فرمائیں۔ ابن عمار نے ابن رشیق کی درخواست قبول کی۔ ابن رشیق نے اس معزز مہمان کی خاطر مدارت میں کوئی بات ایسی فروگزاشت نہ کی کہ ابن عمار کے دل میں ابن رشیق کی عزت و تکریم کا پایہ بلند نہ

ہوتا۔ اس مہمان داری میں قلعہ بلج کے حاکم کو ضرورت سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ یعنی ابن عمار نے اسے اپنا رازدار بنا لیا۔

لیکن ابن رشیق رازدار بنانا آگے چل کر ابن عمار کی ایک سخت غلطی ثابت ہوا۔ اب ابن عمار، ابن رشیق کو ساتھ لیے شہر مریہ کے محاصرے کے لیے چلا۔ راستے میں حسن مولا کے لوگوں نے اطاعت قبول کی۔ شہر حسن مولا کے مفتوح اور مطیع ہو جانے سے مریہ کے لوگوں کو سخت نقصان ہوا۔ کیونکہ مریہ میں رسد کا سامان اسی شہر سے پہنچا کرتا تھا۔

چنانچہ ابن عمار نے اس لشکر کے ساتھ جو اسے مہیا کیا گیا تھا، مریہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن عمار کو یقین تھا کہ شہر والے جلد اطاعت قبول کر لیں گے۔ چنانچہ محاصرے پر ابن رشیق کو چھوڑ کر اور کچھ دستے متعین کر کے ابن عمار کچھ محافظ دستوں کے ساتھ اشبیلیہ واپس چلا گیا۔

اشبیلیہ میں قیام ہی کے دوران ابن عمار نے فتح کی خبر سنی اور جب اسے یہ خبر سنائی گئی کہ مریہ فتح ہو گیا ہے تو معتمد سے اجازت لے کر ابن عمار نے ارادہ ظاہر کیا کہ وہ فتح ہونے والے شہر کا خود جا کر معائنہ کرے۔ معتمد نے بلا تامل اجازت دے دی۔

یہ اجازت ملنے کے بعد ابن عمار اس خیال سے کہ اہل مریہ میں خوب داد عیش دے گا، شاہی اصطلب سے بہت سے گھوڑے اور خچر اور دوسرے سواری کے جانور لیے جو تعداد میں تقریباً دو سو تھے، ان سب پر نہایت قیمتی پارچہ جات کی گٹھڑیاں رکھیں اور اپنا پرچم اڑاتا ہوا طبل اور علم کے ساتھ مریہ روانہ ہوا۔

جس شہر سے گزرا وہاں کے خزانے پر بھی ہاتھ پھیرتا چلا گیا۔ چنانچہ مریہ میں پورے جلوس کے ساتھ بڑی شان سے داخل ہوا۔ دوسرے دن دربار کیا اور اس میں شاہانہ انداز اختیار کیے۔ اسی قسم کی اونچی ٹوپی پہنی جو اشبیلیہ کا حکمران معتمد دربار کے موقعوں پر پہنا کرتا تھا۔ عرضیاں جس قدر پیش ہوئیں ان پر اپنے فیصلے لکھے۔ یہ فیصلے اس نے اپنی طرف سے کیے اور کسی پر بھی اس نے معتمد کا نام نہ لکھا۔

اس قسم کی باتوں سے ظاہر ہونے لگا تھا کہ ابن عمار اپنے آقا معتمد سے منحرف ہے۔ کم از کم معتمد کو بھی یہی خیال پیدا ہوا لیکن معتمد کو ان حرکتوں پر غصہ نہ آیا بلکہ افسوس اور مایوسی ہوئی۔ ابن عمار کی دوستی کا نقش جو گزشتہ پچیس برسوں سے نظر کے سامنے تھا،

یکلخت محو ہو گیا۔ معتمد سمجھا کہ دل صداؤں نے اب تک دھوکے میں رکھا، وزیر ابن عمار کے دوستی اور جانثاری کے دعوے سب جھوٹ اور باطل تھے۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ابن عمار کی نمود اور نخوت تمسخر کی حد تک پہنچ گئی تھی تاہم یہ امر یقین نہ تھا کہ وہ اپنے آقا اور محسن معتمد سے باغی یا اس کا بدخواہ ہو گیا ہو۔ ابن عمار میں حدتِ نفس اور کسی نقش سے جلد متاثر ہو جانے کا مادہ معتمد کی نسبت بہت کم تھا۔ اس وجہ سے وہ معتمد کی دوستی اور خلوص کا پورا بدل نہ دے سکا۔ مگر پھر بھی اسے خدشہ ہوا کہ اس کی حرکتیں ناقابل برداشت ہیں تو چند اشعار لکھ کر معتمد کی طرف بھجوائے تاکہ وہ اس سے خوش ہو جائے۔

ان دنوں ابن عمار کے کچھ دشمن بھی حرکت میں آگئے تھے۔ ان دشمنوں میں سب سے نمایاں بلندیہ شہر کا حاکم عبدالعزیز تھا جو مرسیہ کے سابق حاکم ابن طاہر کا بڑا دوست تھا۔ گو مرسیہ پہنچنے پر ابن عمار نے ابن طاہر سے نہایت اخلاق سے پیش آنے کا ارادہ کیا۔ ایک نہایت پر تکلف خلعت ابن طاہر کو پیش کرنے کو اس کے پاس بھیجا۔ ابن عمار ایسا اس لیے چاہتا تھا کہ ابن طاہر سے مرسیہ کی حکومت چھن گئی تھی۔ ابن طاہر ریاست سے بے دخل ہو جانے پر ہر وقت بد مزاج رہتا تھا۔ ابن عمار کا قاصد جو خلعت اپنے ساتھ لایا تھا، یکھ کر قاصد سے کہنے لگا۔

”اپنے آقا سے کہہ دینا، میں تو صرف ایک جے اور سر کی ٹوپی کا آپ سے خواستگار ہوں۔“

قاصد یہ جواب سن کر ابن عمار کے پاس آیا۔ ابن عمار کے پاس اس وقت بہت سے درباری حاضر تھے۔ قاصد نے ابن طاہر کا جواب سنایا۔ ابن عمار جواب سن کر دانتوں سے ہونٹ کاٹنے لگا اور کچھ دیر بعد بولا۔

”ابن طاہر کے ان الفاظ کا مطلب میں خوب سمجھتا ہوں۔ جبہ اور ٹوپی میں اس وقت پہنا کرتا تھا جب مفلس اور تنگ دست تھا۔ اسی حالت میں ابن طاہر کے سامنے ہو کر اس کی تعریف میں شعر پڑھے تھے۔“

ابن عمار نے ابن طاہر کے ان الفاظ کو جنہوں نے واقعی اس کے دل کو مجروح کیا تھا، کبھی معاف نہ کیا۔ فوراً اپنا ارادہ بدل کر بان طاہر کو مرسیہ کے قریب ایک قلعے میں قید کر دیا۔

ابن عزیز والی بلسیہ جو ابن طاہر کا دوست تھا۔ اس نے ابن طاہر کی سفارش میں معتمد کو خط لکھا۔ معتمد نے ابن عمار کو فرمان بھیجا کہ ابن طاہر کو فوراً رہا کر دیا جائے۔ ابن عمار نے معتمد کے اس حکم کی کوئی پرواہ نہ کی لیکن ابن عبدالعزیز کی مدد سے ابن طاہر کسی نہ کسی طرح قید سے نکل بھاگا۔ ابن عمار کو اس پر سخت غصہ آیا اور اس پر ایک نظم لکھی جس میں اہل بلسیہ میں اس بات کا جوش پیدا کرنا تھا کہ وہ اپنے بادشاہ ابن عبدالعزیز سے بغاوت کریں۔

معتمد کو جب ابن عمار کی ان حرکتوں کی خبر لگی اور اس نظم کا حال معلوم ہوا تو اسے بہت غصہ آیا اور ابن عمار کی نظم کی اس طرح خاک اڑائی کہ ابن عمار اپنے آپ کو ہلکا سمجھنے لگا۔ معتمد نے اس کی نظم کے خلاف جو اشعار لکھے تھے ان اشعار نے ابن عبدالعزیز جو بلسیہ کا حکم تھا، اسے بے حد محفوظ کیا۔ ابن عمار نے معتمد کے اشعار پڑھے۔ بہت چاہا کہ اپنے غصے کو روکے مگر بن نہ پڑا۔ ذم گھٹنے لگا اور بالکل آپے سے باہر ہو کر معتمد اور ملکہ رمیکہ اور معتمد کے قبیلے بنی عیاد کی ہجو ان الفاظ سے بھی زیادہ دل جلے الفاظ میں لکھ دی۔

اب نوبت یہ آگئی تھی کہ وہ مفلس اور تنگ دست اور آوارہ گرد ابن عمار جو ایک تاریک جھونپڑی میں پیدا ہوا تھا اور جسے معتمد کی فیاضی نے حالت گمنامی سے اعلیٰ ترین مرتبے پر پہنچایا تھا، اتنی جرأت کر رہا تھا کہ معتمد اور اس کے قبیلے کی بدتعریفی کی اور معتمد کو اور اس کے آباؤ اجداد کو ہجو میں گننام کسان ظاہر کیا۔

ابن عمار کی یہ ہجو معتمد کے پاس پہنچ گئی اور ابن عمار کی یہ بے ہودہ اور نامعقول ہجو ایسی تھی کہ معتمد، اس کی ملکہ رمیکہ اور معتمد کے بیٹے اسے معاف کر ہی نہیں سکتے تھے۔

آخر کار ابن عمار کو اشبیلیہ لایا گیا اور زندان میں ڈال دیا گیا۔

اشبیلیہ میں قیام کے دوران معتمد اور ابن عمار کے درمیان نفرت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اس دوران ابن عمار سے کچھ مزید غلطیاں بھی ہوئیں جو یقیناً معتمد کے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ ابن عمار نے جب مزید حماقتیں کیں جب معتمد کا خون جوش کھا گیا اور اپنے باپ کی بے درد طبیعت جو درندے کی طرح اپنے شکار کو پھاڑ کھاتی تھی، اپنے عروج پر آگئی۔ چنانچہ ایک دم اپنے قریب رکھا ہوا نیزہ اٹھایا اور وحشیانہ انداز میں زندان کی طرف بھاگ کھڑا ہوا جہاں ابن عمار کو اسیر کر رکھا تھا اور نیزہ مار کر معتمد نے

ابن عمار کا خاتمہ کر دیا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد عمر بن سرج رکا، کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”منصور بن عبداللہ! میرے عزیز بھائی! یہ ہیں اندلس کے حالات۔ یہاں اس وقت کوئی مرکزی حکومت نہیں۔ جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں جو کمزور ہیں۔ ان میں سب سے طاقتور ایشیلیہ کا حکمران معتمد ہے اور وہ بھی عیسائی حکمران افونش کا باج گزار ہے۔ افونش گا ہے گا ہے مسلمانوں کے علاقوں پر چڑھ دوڑتا ہے، لوٹ مار کا بازار گرم کر کے چاروں طرف تباہی کا کھیل کھیل کر واپس چلا جاتا ہے۔

افونش جو لیون، کشتالیہ اور جلیقیہ کے علاوہ نبرہ کے علاقوں کا بلا شرکت غیرے شہنشاہ تھا، اس نے اپنی عسکری طاقت اور قوت میں بڑا اضافہ کر لیا تھا اور مصمم ارادہ کیے ہوئے تھا کہ تمام جزیرہ نمائے ہسپانیہ کو مسلمانوں سے فتح کرے گا اور پھر اس کا قصد کرنے اور اسے عملی صورت دینے کی اس میں قوت بھی تھیں مگر اس کام میں اسے عجلت کرنا منظور نہ تھا۔ وہ یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ جب چاہے گا مسلمانوں سے ہسپانیہ کو خالی کرا لے گا۔ وہ اس زمانے میں سامان حرب بڑی مستعدی سے فراہم کرتا جا رہا تھا اور فی واقعہ یہی سامان اس کو اپنی مراد تک پہنچا سکتا تھا۔ ہسپانیہ میں اموی سلطنت کی بربادی کے بعد جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں مسلمانوں نے قائم کر لی تھیں ان سب پر افونش کا سخت دباؤ تھا اور ہر وقت انہیں دھمکی دیتے ہوئے اور کبھی ان پر حملہ آور ہوتے ہوئے ان کا خون نچوڑتا رہتا تھا۔ ایسا کر کے افونش نے سارے چھوٹے بڑے حکمرانوں کے خزانے تک خالی کر دیئے تھے۔

اب ہسپانیہ کے اندر ساری ہی مسلمان ریاستیں افونش کی خراج گزار تھیں۔ جب تک افونش کے قیدی جو ایشیلیہ میں قید تھے، جنہیں بعد میں معتمد نے رہا کر دیا تھا، وہ طلیطلہ نہیں پہنچے تھے۔ اس وقت تک افونش بالکل خاموش اور پرسکون رہا۔ جب وہ قیدی طلیطلہ شہر پہنچ گئے تب افونش نے اپنے سالاروں اور امراء کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کر لیا تھا۔

جب سارے سالار اور امراء اس کے پاس جمع ہو گئے تب افونش بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”ایشیلیہ کے مسلمان حکمران معتمد کی اتنی جرأت اور جسارت ہو گئی ہے کہ ہم نے

جو اپنے آدمی اس سے خراج لینے کے لیے روانہ کیے، انہیں اس نے زندان میں ڈال دیا۔ وقتی طور پر ہم خاموش رہے کہ کہیں ہم انتقامی کارروائی کریں تو وہ ہمارے آدمیوں کو موت کے گھاٹ نہ اتار دے۔ اب جبکہ ہمارے آدمی واپس آگئے ہیں تو میں چاہوں گا کہ معتمد کے خلاف اب ایسی کارروائی کی جائے کہ معتمد کے سارے علاقوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ میرے عزیز ساتھیو! جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے متعلق تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش جب خاموش ہوا تب اس کے لشکریوں کا سپہ سالار اعلیٰ فائز افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مالک! اپنے لشکر کے ساتھ اشبیلیہ پر چڑھائی کرنا ہمارے لشکر کی توہین اور اہانت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ چھوٹا سا ایک لشکر ترتیب دیا جائے اور اس کی کمانداری اپنے کسی سالار کو سونپنے کے بعد اسے حکم دیا جائے کہ اشبیلیہ کے علاقوں پر یلغار شروع کر دے۔ ایک قصبے کے بعد دوسرا قصبہ اور ایک شہر کے بعد دوسرا شہر ان کا ہدف بنتا رہے۔ تباہی اور بربادی پھیلاتے رہیں اور مجھے امید ہے کہ کسی بھی موقع پر اشبیلیہ کا حکمران معتمد خم ٹھونک کر ہمارے اس چھوٹے لشکر کے سامنے نہیں آئے گا۔“

مالک! معتمد عرب ضرور ہے مگر شاعر ہے۔ وہ ایک اچھا شعر تو کہہ سکتا ہے، تیغ زنی میں اپنی مہارت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ جب ہمارا وہ لشکر اس کے علاقوں پر حملہ آور ہوگا تو وہ یقیناً اپنی طرف سے بڑی رقم کی پیش کش کر کے ہم سے استدعا کرے گا کہ ہم اپنے لشکر کو واپس بلا لیں۔

اگر وہ ایسا کرتا ہے تو لشکر کو واپس بلا لیں گے اور چند ہفتوں کا وقفہ ڈال کر وہی لشکر پھر معتمد کے علاقوں پر چڑھ دوڑے گا۔ اس طرح معتمد بار بار ہم سے التماس کرے گا، بار بار ہمیں رقم کی ادائیگی کرے گا اور ہم اپنے لشکر کو واپس بلا تے رہیں گے۔ کیا ایسا کر کے ہم معتمد کو اقتصادی طور پر کنگال کر کے اسے اس قابل نہیں کر سکتے کہ وہ جنگ کیے بغیر ہی ہمارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے؟“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش کا سپہ سالار اعلیٰ فائز جب خاموش ہوا تب اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے افونش کہنے لگا۔

”فائز! میں سمجھتا ہوں تیری تجویز بڑی عمدہ اور بڑی قابل فخر ہے۔ میرے عزیز!

یہ بھی ایک حقیقت ہے، ہمارے زیادہ تر عساکر اس وقت لیون، کشتالیہ، جلیقیہ اور نبرہ میں مقیم ہیں۔ بہر حال جو لشکر اس وقت ہمارے ساتھ طلیطلہ میں ہے اس کا ایک حصہ اشبیلیہ پر حملہ آور ہونے کے لیے چند روز تک روانہ کیا جائے۔ اب میں تم پر چھوڑتا ہوں کہ اس لشکر کا سالار کسے بنایا جائے۔“

اس موقع پر فائیز کے پہلو میں جو بڑے سالار فارنوس اور یوریس بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے یوریس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”اس مہم کو میں اپنے ذمے لینے کے لیے تیار ہوں۔ آپ مجھے اس لشکر کی کمانداری سونپ دیں۔ دیکھیں میں معتمد کے علاقوں میں کیسے یلغار اور کیسی ترک تازہ کرتا ہوں۔ اگر وہ چند دنوں کے اندر ہی اندر آپ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہ ہو جائے تو آپ مجھے میرے منصب میں تنزل کر دینا۔“

یوریس جب خاموش ہوا تب بڑے غور سے اپنے باپ افونش کی طرف دیکھتے ہوئے حسین اور خوبصورت مغریطہ کہنے لگی۔

”بابا! یہ جو لشکر اشبیلیہ کے حکمران معتمد کے علاقوں میں ترک و تاز اور یلغار کرنے کے لیے جائے گا اس میں، میں بھی شامل ہوں گی اور مجھے امید ہے کہ آپ کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ آپ نے حرب و ضرب کے مکتب میں میری بہترین عسکری تربیت کا سامان کیا ہے۔ اگر میں نے عملی طور پر ایسی مہموں میں حصہ نہیں لیتا تو پھر مجھے وہ تربیت حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“

جواب میں افونش مسکرا دیا اور مغریطہ کی اس گفتگو کے جواب میں اس کی ماں اور افونش کی ملکہ لیستہ بھی ہلکے ہلکے تبسم میں مغریطہ کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ افونش بڑے پیار سے مغریطہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”بیٹی! تو جس خواہش کا اظہار کر رہی ہے، کوئی تیری اس خواہش کو رد نہیں کر سکتا۔ تجھے اس لشکر میں شامل ہونے کی اجازت ہے۔ لیکن تم سے صرف یہ کہا جاتا ہے کہ بیٹی! کسی بھی موقع پر ناحق اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالنا۔ لشکر کے اندر رہنے کی کوشش کرنا اور یہ بھی کوشش کرنا کہ تم لشکر کے وسطی حصے میں رہو۔ تمہارا لشکر میں شامل ہونا بھی لشکریوں کے لیے سودمند رہے گا۔ اس لیے کہ تمہاری موجودگی سے وہ انوکھے جذبے اور ولولے کے ساتھ مسلمانوں پر ضرب لگائیں گے اور مسلمانوں کے علاقوں میں

ہر طرف تباہی اور بربادی کی بساط بچھاتے چلے جائیں گے۔“
اپنے باپ کا یہ فیصلہ سن کر مغریطہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

اس کے بعد افونش نے اپنے سالاروں اور دیگر امراء سے مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ دو دن بعد ایک لشکر معتمد کے علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لیے طلیطلہ سے نکلے گا اور اس لشکر کی کمانداری یوریس کرے گا اور افونش کی حسین اور خوبصورت بیٹی مغریطہ بھی اس لشکر میں شامل ہوگی۔

اگلے روز جس وقت افونش کی ملکہ لیستہ اور حسین اور خوبصورت مغریطہ کی ماں اپنی خواب گاہ میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی کہ خواب گاہ کے دروازے پر پُر جمال مغریطہ نمودار ہوئی۔ دروازے پر آکر وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکنے کے انداز میں رکی تھی۔ اس کے اس طرح رکنے کو اس کی ماں لیستہ نے شاید محسوس کیا تھا لہذا اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور مغریطہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میری بچی! تو دروازے پر کیوں رک گئی ہے؟ آگے آ..... تیری حالت سے لگتا ہے کہ آج کوئی خاص معاملہ پیش آیا ہے۔“

اس پر مغریطہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بڑھی، لیستہ نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ پھر اپنے ساتھ ہی نشست پر بٹھایا۔ لیستہ اپنی بیٹی مغریطہ کو مخاطب کر کے کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی مغریطہ غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھی۔

”ماں! مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تھی جسے میں نے آج تک آپ سے چھپا کر رکھا۔ اس معاملے سے متعلق چونکہ ایک اچھی خبر میرے باپ افونش کے پاس آ گئی ہے لہذا میں وہ سارا معاملہ آپ کے سامنے عیاں کر دینا چاہتی ہوں۔“
مغریطہ کے ان الفاظ پر لیستہ پریشان ہو گئی تھی۔ کہنے لگی۔
”بیٹی! کھل کر کہو کیا معاملہ ہے؟“

جواب میں مغریطہ نے کچھ سوچا پھر اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔
”اماں! چند ہفتے پہلے ایک تاجر میرے باپ افونش کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اس نے طلسمیرہ شہر کی رہنے والی ایک لڑکی کے حسن اور خوبصورتی کی تعریف کی تھی۔ اس لڑکی کا نام رواندہ تھا۔ اس تاجر نے جس وقت یہ گفتگو کی تھی، اس وقت میں بابا کے

باس موجود تھی۔ کیونکہ معاملہ معمولی نوعیت کا تھا لہذا میں نے آپ سے اس کا ذکر نہ کیا۔ لیکن اس تاجر سے رواندہ نام کی لڑکی کی خوبصورتی اور اس کے حسن کا سن کر میرے باپ کے منہ میں پانی ضرور بھر آیا۔ اس وقت جو پہلا سوال میرے باپ نے کیا وہ یہ تھا کہ کیا رواندہ نام کی لڑکی میری بیٹی یعنی مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے؟ تب اس تاجر نے میرے باپ سے کہا کہ آپ کی بیٹی مغریطہ سے بھی وہ لڑکی بہت حسین، پرکشش اور خوبصورت ہے۔

اماں! اس واقعہ کے بعد بات سمجھ آگئی ہوگی لیکن میں نے اس معاملے کو نگاہ میں رکھا۔ چند دن بعد میرے باپ نے اپنا ایک خاص آدمی طلبیہ شہر کی طرف روانہ کیا اور اس کے ذمے یہ کام لگایا کہ اس لڑکی کا احوال معلوم کرے۔ چند دن بعد میرے باپ کا وہ قاصد لوٹ کر آیا۔ اس نے یہ تفصیل کہی کہ لڑکی انتہا کی خوبصورت، عورت از قد ہے اور اس پورے علاقے میں اس کے حسن، اس کی خوبصورتی کا بڑا چرچا اور شہرت ہے اور وہ ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہے اور باپ اس کا شہر کا بہت بڑا تاجر ہے۔

اپنے آدمی سے یہ تفصیل جاننے کے بعد چند دن کا وقفہ ڈالنے کے بعد میرے باپ نے کچھ مسلح جوانوں کو طلبیہ شہر کی طرف روانہ کیا تاکہ لڑکی کو اس کے ماں باپ سمیت طلبیہ شہر میں طلب کیا جائے۔ اس لیے کہ میرا باپ اس لڑکی کو اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ میں اس کام کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ چنانچہ آپ کو بتائے بغیر میں نے اپنا ایک خاص آدمی جسے میں نے ایک بھاری رقم کا لالچ دیا تھا، طلبیہ شہر کی طرف روانہ کیا اور اس کے ذریعے میں نے رواندہ اور اس کے ماں باپ کو اصل صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

سن میری ماں! میرے باپ کے آدمی جب ہاں پہنچے تو ان کے پہنچنے سے پہلے ہی رواندہ کے ماں باپ نے رواندہ کو کہیں چھپا دیا تھا۔ شاید وہ خود بھی بھاگنا چاہتے تھے کہ اتنی دیر تک میرے باپ کے آدمی وہاں پہنچ گئے اور وہ رواندہ کے ماں باپ سے ملے، رواندہ کا تذکرہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ رواندہ اور اس کے ماں باپ تینوں کو افونش نے طلبیہ طلب کیا ہے۔ رواندہ کے ماں باپ نے اس موقع پر یہ بہانہ کیا کہ ان کی بیٹی رواندہ جبل البشارت کی ایک بستی کی طرف اپنی عزیزوں کی طرف گئی ہوئی ہے۔ چنانچہ میرے باپ کے مسلح جوان رواندہ کے ماں باپ کو پکڑ کر یہاں طلبیہ میں لے آئے اور

شہر کے اندر جو میرے باپ کی طرف سے حاکم ہے اس کے ذمے یہ کام لگایا کہ جونہی رواندہ واپس آئے اسے باحفاظت طلیطلہ پہنچا دیا جائے۔

میرا باپ چاہتا تھا کہ ہر حالت میں رواندہ کو اپنے حرم میں داخل کرے۔ چنانچہ جب رواندہ کے ماں باپ یہاں پہنچے تو میرے باپ نے ان کی رہائش کا بہترین اہتمام کیا لیکن وہ دونوں میاں بیوی بھی بڑے عقل مند تھے۔ چند دن یہاں رہنے کے بعد ایک روز رات کے وقت چپکے سے کھسکے اور طلیطلہ سے بھاگ گئے۔ دو تین دن تک کسی نے ان کی خبر نہ لی۔ تب انہوں نے جہاں جانا تھا، وہاں پہنچ گئے ہوں گے۔ لیکن جب تین دن بعد میرے باپ نے اپنا آدمی ان کی طرف بھیجا تا کہ انہیں بلایا جائے اور یہ پوچھا جائے کہ رواندہ ابھی تک کیوں واپس نہیں آئی تب پتہ چلا کہ وہ میاں بیوی دونوں طلیطلہ سے بھاگ چکے ہیں۔ اب گزشتہ کئی دنوں سے بڑی رازداری کے ساتھ میرا باپ رواندہ کے علاوہ اس کے ماں باپ کی تلاش میں ہے لیکن ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کسی کو کچھ خبر نہیں کہ رواندہ کہاں ہے؟ اور یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ اس کے ماں باپ طلیطلہ سے بھاگ کر کدھر گئے ہیں۔ سن میری ماں! رواندہ کی ماں کا نام اموسیہ، اس کے باپ کا نام ایتیش ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مغریطہ رکی پھر اپنی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ پھر کہہ رہی تھی۔

اماں! یہ بات چند ہفتوں تک میں نے آپ سے نہ کہی، اسے راز رکھا۔ دراصل میں اس معاملے کو کامیاب کرنا چاہتی تھی۔ اب جبکہ رواندہ کا کچھ پتہ نہیں چل رہا، رواندہ کے ماں باپ بھی یہاں سے بھاگ گئے ہیں تب میں نے ارادہ کیا اس کی تفصیل آپ سے کہوں۔ میری ماں! یہ سب کچھ میں نے آپ کی بہتری کے لیے کیا۔ اگر میرا باپ ایسی حسین اور خوبصورت لڑکی کو اپنے حرم میں داخل کر لیتا تو پھر حرم میں میری ماں! تمہاری حیثیت کچھ نہ رہتی۔ میرا باپ رواندہ ہی کی طرف متوجہ رہتا اور تمہاری حیثیت ایک ملازمہ سے زیادہ نہ ہوتی۔“

اس موقع پر چند لمحوں تک تو صغیٰ انداز میں لیستہ نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا، پھر گلے لگا کر اسے پیار کیا، پھر اس کا گال چومتے ہوئے کہنے لگی۔

”بیٹی! تم جیسی محبت کرنے والی بیٹی سے مجھے ایسی ہی امید تھیں۔ پر سن! اس

معا ملے کا ذکر کسی اور سے نہ کرنا بیٹی۔ یہ تیرے میرے درمیان راز ہے۔ اگر تیرے باپ کو پتہ چل گیا تو تو جانتی ہے وہ بڑا انتقام لینے والا ہے اور تیری اس حرکت پر وہ انتہا درجہ کا غضب ناک ہوگا۔ لہذا بالکل اس معاملے میں خاموشی اور چپ اختیار کر لینا۔“

اپنی ماں کی اس گفتگو سے مغریطہ خوش اور مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر اپنی ماں سے اجازت لے کر اس کی خواب گاہ سے نکل گئی تھی۔



عمر بن سرلیج اور منصور بن عبداللہ اسی طرح سرائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور عمر بن سرلیج جب ہسپانیہ کی بد حالی کی تفصیل منصور بن عبداللہ سے کہہ چکا تو کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر عمر بن سرلیج منصور بن عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں نے تجھے ہسپانیہ اور خصوصیت کے ساتھ اشبیلیہ کے حکمران معتمد سے متعلق تفصیل سے بتا دیا ہے۔ اب تو مجھے بتا کہ افریقہ کے حالات کیسے ہیں؟ اور کیا وہاں سے ہسپانیہ کے مسلمانوں کو کوئی مدد ملنے کی امید ہے؟“

جواب میں منصور بن عبداللہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اسی لمحہ سرائے میں چند افراد داخل ہوئے تھے۔ منصور بن عبداللہ اور عمر بن سرلیج دونوں بڑے غور سے اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ پھر منصور بن عبداللہ سرائے کے مالک عمر بن سرلیج کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ جو لوگ سرائے میں داخل ہوئے ہیں میں دیکھتا ہوں ان میں ایک تو تمہارا بڑا بھائی مسلم بن سرلیج ہے اور اس کے ساتھ تمہارا بھتیجا اور مسلم کا بیٹا زیدون بن مسلم ہے۔ ان دونوں باپ بیٹے کو تو میں اچھی طرح جانتا ہوں، ان سے کئی ملاقاتیں بھی ہو چکی ہیں۔ ان کے ساتھ جو باقی تین جوان ہیں ان میں سے ایک کو بھی میں جانتا ہوں۔ وہ تمہارے وزیر ابوبکر کا بیٹا قیطان بن ابوبکر ہے۔ لیکن باقی دو جوان میرے لیے اجنبی ہیں۔ ان میں سے ایک جو دائیں جانب ہے، میں دیکھتا ہوں نو عمر ہونے کے ساتھ بڑا دراز قد، خوبصورت اور کڑیل جسم والا ہے۔ کیا تم ان سے متعلق مجھے کچھ تفصیل نہیں کہو گے۔؟“

اس پر عمر بن سرلیج جلدی جلدی بولتے ہوئے کہنے لگا۔

”ان کے آنے تک میں باقی دو کے متعلق مختصر یہ کہتا ہوں کہ جس جوان کی شخصیت اور جس کے کڑیل ہونے کی تو نے تعریف کی ہے اس کا نام زکریا بن ادریس، دوسرے کا نام غیر در بن شیبہ ہے۔ جہاں تک غیر در بن شیبہ کا تعلق ہے تو یہ ہمارے ایک بڑے سالار شیبہ کا بیٹا ہے۔ دوسرا زکریا بن ادریس طلیطلہ شہر کا رہنے والا ہے۔ افونش نے جب طلیطلہ پر حملہ کیا تھا تو اس وقت اس نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ خصوصیت کے ساتھ ان مسلمانوں کا جنہوں نے افونش کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔ اسی قتل و غارت گری میں زکریا کے اہل خانہ مارے گئے۔“

زکریا بن ادریس کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ گرفتار ہو گیا تھا۔ افونش کے ایک سالار نے نام جس کا فائیز ہے اور جو ان دنوں افونش کے لشکریوں کا سپہ سالار اعلیٰ ہے وہ زکریا بن ادریس کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ شخصیت میں اعلیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ زکریا بن ادریس تیغ زنی اور دوسرے حرب و ضرب کے ہنر میں بھی نایاب ہے تب اس نے اسے خرید لیا۔ اس لیے کہ پہلے زکریا بن ادریس کو ایک صاحب ثروت نصرانی نے اس چھوٹے نصرانی سالار سے خرید کر غلام بنا لیا تھا جس نے زکریا بن ادریس کو گرفتار کیا تھا۔ جب طلیطلہ میں اس کی شخصیت اور اس کی تیغ زنی میں مہارت کی شہرت پھیلنے لگی تب افونش کے سپہ سالار فائیز نے اسے خرید لیا۔ فائیز اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ لشکر میں شامل کر کے اس سے بہت کام لینا چاہتا تھا۔ لیکن فائیز کے پاس قیام کے دوران یہ زکریا بن ادریس بھاگنے کے مواقع تلاش کرتا اور پھر ایک دن جب اسے موقع مل گیا تو یہ طلیطلہ سے بھاگ کر اشبیلیہ آ گیا۔ یہاں اس کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اسی دوران غیر در بن شیبہ سے اس زکریا بن ادریس کی دوستی ہو گئی جو اسے یہاں میرے پاس لے آیا تھا اور اس نے میری سرانے میں قیام کر لیا تھا۔ میں ان سے کوئی معاوضہ نہیں لیتا اس لیے کہ میں اسے عالم اسلام کا نایاب تیغ زن خیال کرتا ہوں اور پھر سب سے بڑی بات میرا بڑا بھائی مسلم بن سرلیع، زکریا بن ادریس کو اپنے بیٹے کی طرح عزیز رکھتا ہے اور میرا بھتیجا زیدون بن مسلم بھی اس کو اپنا بھائی بنائے ہوئے ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے عمر بن سرلیع کو رک جانا پڑا اس لیے کہ وہ سب قریب آ گئے تھے۔ ان کے قریب آنے پر عمر بن سرلیع اور منصور بن عبداللہ دونوں کھڑے ہوئے۔

پُر جوش انداز میں ایک دوسرے سے ملے۔ دوبارہ جب سب بیٹھ گئے تب عمر بن سربج اپنے بڑے بھائی مسلم بن سربج کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”یہ جو آپ ان سب نوجوانوں کو اپنے ساتھ لے کر سرائے میں آئے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش آنے والا ہے۔“

اس پر مسلم بن سربج نے اپنے چھوٹے بھائی عمر بن سربج پر ایک گہری نگاہ ڈالی، پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

”عمر! میرے بھائی..... یوں جانو میرے سامنے اس وقت دو انتہائی اور بڑے اہم کام ہیں۔ پہلا جس کی تیاری ہم مکمل کر چکے ہیں وہ یہ کہ ہمارے مخبر یہ اطلاع دے چکے ہیں کہ چند یوم تک افونش کا ایک لشکر اس کے سالار یوریس کی سرکردگی میں حرکت میں آئے گا اور وہ ہمارے علاقوں میں داخل ہونے کے بعد جگہ جگہ حملہ آور ہوتے ہوئے لوٹ مار کے علاوہ تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنے کی کوشش کرے گا۔ اُس کی اس یلغار کو روکنے کے لیے میں نے معتمد سے بات کی ہے اور اس کام کے لیے غیر در بن شیب کا انتخاب کیا گیا ہے۔ میرا بیٹا زعیدون بن مسلم بھی اس کے ساتھ کام کرے گا۔ ان دونوں کے تحت ایک لشکر دیا جائے گا جو افونش کے سالار یوریس کی اپنے علاقوں میں ترک تاز کو روکنے کی کوشش کرے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مسلم بن سربج جب خاموش ہوا تب عمر بن سربج نے ایک گہری مگر شفقت بھری نگاہ زکریا بن ادریس پر ڈالی پھر کہنے لگا۔ ”کیا میں وجہ جان سکتا ہوں کہ اس مہم کا سالار زکریا بن ادریس کو کیوں نہ بنایا گیا؟“

اس موقع پر ہلکا سا تبسم مسلم بن سربج کے چہرے پر نمودار ہوا تھا، کہنے لگا۔

”میرے بھائی! تیرا کہنا ٹھیک ہے۔ اس وقت زکریا بن ادریس یقیناً اشبیلیہ کے سب سے اچھے سالاروں اور تیغ زنوں میں شمار کیا جاتا ہے لیکن اس کے ذمے میں نے ایک انتہائی اہم کام لگایا ہے اور یہ آج رات ہی یہاں سے اپنی ایک نئی مہم کی طرف کوچ کر جائے گا۔“

اپنے بڑے بھائی مسلم بن سربج کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے عمر بن سربج بول اٹھا۔

”میرے عزیز بھائی! زکریا بن ادریس کے ذمے آپ کون سا کام لگا رہے ہیں؟“

جواب میں مسلم بن سرج پھر مسکراتے ہوئے بول اٹھا۔

”میرے بھائی! سن..... طلبیرہ شہر کا ایک نصرانی ہے۔ نام اس کا انتیش ہے۔ وہ اپنی بیٹی اور بیوی کے ساتھ شہر میں پرسکون خوشگوار زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ شہر کے چند چوٹی کے تاجروں میں سے ایک تھا۔ بس اس کی بد قسمتی کہ اس کی اکلوتی بیٹی انتہا درجہ کی خوبصورت اور پر جمال ہے۔ اس لڑکی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان دنوں اس جیسی کوئی حسین اور پرکشش لڑکی نہیں ہوگی۔ شخصیت میں بھی باکمال ہے۔ اس لڑکی کے حسن اور شخصیت کی کشش کے چرچے جب افونش نے سنے تو اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہا لیکن لڑکی کے ماں باپ کو اس معاملے کی خبر ہوگئی۔ لڑکی کا نام رواندہ ہے۔ چنانچہ اس کے ماں باپ نے لڑکی کو طلبیرہ شہر سے باہر ایک قریبی بستی میں اپنے عزیزوں کے ہاں چھپا دیا اور خود افونش کے حکم پر طلیطلہ منتقل ہو گئے اور موقع ملتے ہی وہاں سے بھاگ کر اشبیلیہ میں آ گئے ہیں۔ یہاں سب سے پہلے انہوں نے مجھ سے ملاقات کی۔ اپنی بیٹی کا ذکر کیا اور اس کی رہائی کے لیے التماس کی۔ دونوں میاں بیوی کے پاس دولت کی کمی نہیں۔ یہاں انہوں نے اپنی رہائش کے لیے ایک حویلی بھی خرید لی ہے۔ چنانچہ میں نے ان کی فریاد سن کر اس کا ذکر ان چاروں بچوں سے کیا تو میں نے یہی اندازہ لگایا کہ یہ کام صرف زکریا بن ادریس ہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ آج رات زکریا اس لڑکی کو طلبیرہ شہر کے نواح سے نکال کر اشبیلیہ میں اس کے ماں باپ کے پاس لانے کے لیے کوچ کرے گا۔ میں اس کے ساتھ آیا ہوں تاکہ اس کی تیاری کو آخری شکل دی جائے۔ ساتھ ہی ہم سب کو دعا بھی کرنی چاہیے کہ زکریا بن ادریس جس کی حیثیت اب میرے بیٹے کی سی ہے یہ رواندہ نام کی حسین اور خوبصورت لڑکی کو طلبیرہ شہر کے نواح سے نکال کر اشبیلیہ لانے میں کامیاب ہو جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مسلم بن سرج جب خاموش ہوا تب عمر بن سرج اور منصور بن عبداللہ دونوں کچھ دیر تک تو صغی سے انداز میں زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر منصور بن عبداللہ انتہائی شفقت اور انتہائی ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز میں زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے ابن ادریس! میری خداوند قدوس کے حضور دعا ہے کہ وہ تجھے اس مہم میں کامیاب اور کامران رکھے۔ میرا دل کہتا ہے کہ تو اس مہم سے کامیاب لوٹے گا اور تیری

اس کامیابی پر تیری شہرت اور جِ ثریا تک جائے گی۔ بچے! میں ایک بار پھر دعا کرتا ہوں کہ خداوند قدوس تجھے اپنے اس مقصد میں کامیاب اور کامران رکھے۔“

زکریا بن ادریس نے جواب میں منصور بن عبداللہ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر مسلم بن سرلیج، زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے! تو اپنے کمرے کی طرف جا۔ اپنی ضرورت کا سارا سامان خرچین میں ڈال کر نیچے آ۔ اتنی دیر تک میں تیرے لیے زاوراہ کے علاوہ تیرے گھوڑے پر زین ڈال کر اسے تیار کرتا ہوں اور پھر ہم سب دعاؤں کے ساتھ تجھے تیری مہم پر رخصت کرتے ہیں۔“

جواب میں زکریا بن ادریس مسکرایا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا تو اس نے کندھے پر چرمی خرچین لٹکا رکھی تھی۔ عین اسی لمحہ اشبیلیہ کی مسجد میں مغرب کی اذان سنائی دی تھی۔ سب نے مل کر نماز ادا کی، مل کر ہی کھانا کھایا، اس کے بعد زیدون بن مسلم بھاگ کر زکریا بن ادریس کے گھوڑے کو اصطبل سے نکال لایا۔ گھوڑے پر زین ڈالی جا چکی تھی۔ اتنی دیر تک غیر در بن شیب بھی حرکت میں آیا، سرائے کے اندرونی حصے سے ایک خرچین اور پانی کا مشکیزہ نکال کر زکریا بن ادریس کے گھوڑے کی زین سے باندھ دیا تھا۔ پھر باری باری سب زکریا بن ادریس سے گلے ملے۔ آخر میں مسلم بن سرلیج سے ملنے کے بعد زکریا بن ادریس اس کے کہنے پر اپنے گھوڑے پر بیٹھا۔ اس موقع پر خدشات کا اظہار کرتے ہوئے منصور بن عبداللہ بول اٹھا اور مسلم بن سرلیج کو اس نے مخاطب کیا۔

”ابن سرلیج! جیسا کہ زکریا بن ادریس کی آپ نے اور آپ کے بھائی نے تعریف کی ہے، ایسے نوجوان بڑے نایاب ہوتے ہیں۔ یہ طلسمیہ کے نواح میں اس لڑکی کو کیسے تلاش کرے گا؟ اور وہ لڑکی اس کے ساتھ اشبیلیہ آنے کے لیے اس پر اعتماد اور بھروسہ کرے گی؟“

مسلم بن سرلیج جو معتمد کے لشکر میں بڑے سالاروں میں شامل تھا، مسکرایا اور کہنے لگا۔

”زکریا بن ادریس رواندہ نام کی اس لڑکی کے ماں باپ سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکا ہے۔ ان دونوں میاں بیوی نے کچھ ایسی نشانیاں دی ہیں جن کی بنا پر وہ

لڑکی زکریا بن ادریس پر نہ صرف بھروسہ اور اعتماد کرے گی بلکہ بخوشی اس کے ساتھ طلبیہ سے نکل کر اشبیلیہ آنے پر تیار ہو جائے گی۔“

مسلم بن سرج کے اس جواب پر منصور بن عبداللہ مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر مسلم بن سرج نے آگے بڑھ کر زکریا بن ادریس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے زکریا بن ادریس جست لگا کر اپنے گھوڑے سے اتر گیا اور مسلم بن سرج کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ آپ کیا ظلم کر رہے ہیں؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں اور آپ میرے گھوڑے کی باگ پکڑ کر چلیں؟“

اس پر مسلم بن سرج نے تیز نگاہوں سے زکریا بن ادریس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”کیا تجھے یاد نہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی رحلت سے پہلے ایک مہم کے لیے اسامہ بن زید کو سالارِ اعلیٰ مقرر کیا تھا اور شاید تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ جب اسامہ بن زید اس مہم کے لیے روانہ ہوئے تھے تو خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق نے ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر انہیں الوداع کیا تھا۔ میرے عزیز! ابو بکر صدیق اگر یہ کام کر سکتے ہیں تو تو مجھے اس سعادت سے کیوں محروم کرنا چاہتا ہے؟ اپنے گھوڑے پر سوار ہو۔ میں تیرے گھوڑے کی باگ پکڑ کر سرائے کے باہر تک چلتا ہوں۔ ساتھ ہی دعا کرتا ہوں کہ خداوند قدوس تجھے اس مہم میں کامیاب رکھے۔“

مسلم بن سرج کے کہنے پر زکریا بن ادریس دوبارہ اپنے گھوڑے پر ہو بیٹھا تھا۔ مسلم بن سرج اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر سرائے سے باہر لایا۔ باقی سب لوگ بھی پیچھے پیچھے تھے۔ پھر زکریا بن ادریس نے سب سے الوداع کہا، اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنی منزل کی طرف کوچ کر گیا تھا۔





سورج غروب ہو گیا تھا۔ اپنے گھوڑے کی باگ تھامے زکریا بن اور لیس ایک روز تیزی سے پھیلتی تاریکی میں طلسمیہ شہر کی ایک نواجی بستی کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ اس وقت اس کے گلے میں سنہرے رنگ کی ایک کافی بڑی صلیب لٹک رہی تھی جسے اس نے اپنے لباس سے باہر خوب نمایاں کر رکھا تھا۔ پہلی دستک پر کوئی رد عمل نہ ہوا تو تھوڑی دیر کے وقفے کے بعد اس نے دوسری دستک دے ڈالی۔ دوسری دستک کے بعد مکان کے اندر ایک ہلچل ہوئی۔ پھو دروازے کے قریب کوئی آیا اور دھیمی آواز میں پوچھا۔

”کون ہے.....؟“

زکریا بن اور لیس نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”مجھے کسی ایک شخص سے ملنا ہے جس کا نام حسون ہو۔ میں بڑی دور کی منزل سے

آیا ہوں۔“

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ سامنے ڈھلی ہوئی عمر کا ایک شخص کھڑا تھا۔ دروازے پر زکریا بن اور لیس کو کھڑے دیکھ کر دروازہ کھولنے والے اس بوڑھے شخص نے چند لمحوں تک بڑی گہری نگاہوں سے زکریا بن اور لیس کا جائزہ لیا پھر کہنے لگا۔

”تمہارا چہرہ میرے لیے اجنبی ہے۔ میں نے پہچانا نہیں تم کون ہو؟“

اس پر اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر زکریا بن اور لیس اس بوڑھے کے مزید قریب

ہوا اور بڑی رازداری سے کہنے لگا۔

”اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ حسون ہیں۔ مجھے اس حسون سے ملنا ہے جس کی

بیوی کا نام سریشہ ہے اور ان دونوں کا ایک بیٹا ہے جس کا نام نیا نوس ہے۔ کیا میں نے

صحیح دروازے پر دستک دی ہے؟“

حسون اس موقع پر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔ اثبات میں گردن ہلائی پھر زکریا بن ادریس کو مخاطب کرتے ہوئے رازداری سے کہنے لگا۔

”میرے عزیز! اندر آ جا۔ اپنے گھوڑے کو بھی اندر لے آ۔“

چنانچہ زکریا بن ادریس نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑی، مکان میں داخل ہوا۔ اس بوڑھے نے زکریا بن ادریس کے داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیا پھر بڑی رازداری میں زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرا ہی نام حسون ہے۔ میری بیوی کا نام سریشہ ہے اور میرے بیٹے کا نام نیا نوس ہے۔ مجھے تیری ذات سے متعلق عجیب سے شبہات گزر رہے ہیں۔ میرا دل اور ضمیر کہتا ہے کہ تم دشمن نہیں دوست ہو۔ میرا دل یہ بھی کہتا ہے کہ تم کسی کی جان بچانے کے درپے ہو۔ یہاں کھڑے ہو میں تم سے تمہارا تعارف حاصل نہیں کروں گا۔ پہلے میرے ساتھ آؤ۔“

زکریا بن ادریس چپ چاپ بوڑھے حسون کے پیچھے ہولیا۔ ایک طرف چھوٹا سا اصطبل تھا۔ حسون نے پہلے زکریا بن ادریس سے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ گھوڑے کو اس نے اصطبل میں باندھا۔ اس موقع پر اس کے قریب جا کر زکریا بن ادریس کہنے لگا۔

”میرے گھوڑے کی زین نہ اتاریے گا نہ اس کے ساتھ بندھا ہوا سامان علیحدہ کیجئے گا۔ میں یہاں شب بسر نہیں کروں گا۔ بس چند لمحے آپ کے پاس بیٹھوں گا اس کے بعد اپنے کام کی تکمیل کر کے یہاں سے چلتا ہوں گا۔“

اس موقع پر حسون نے جستجو بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا تاہم گھوڑے کو اصطبل میں باندھنے کے بعد اس نے اس کے آگے چارہ ڈال دیا تھا۔ پھر زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اب تم میرے ساتھ آؤ۔“

زکریا بن ادریس اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ حسون اسے اپنی حویلی کے دیوان خانے میں لے گیا۔ اندر اس کی بیوی سریشہ اور بیٹا نیا نوس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حسون کہنے لگا۔

”محترم اجنبی! وہ سامنے دائیں جانب میری بیوی اور بائیں جانب میرا بیٹا نیا نوس ہے۔ بیٹھو پھر میں تم سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرتا ہوں۔“

زکریا بن ادریس جب ایک نشست پر بیٹھ گیا تب حسون، اس کی بیوی سریشہ اور بیٹا نیا نوس بھی نشست پر بیٹھ گئے۔ حسون گفتگو کا آغاز کرنا ہی چاہتا تھا کہ زکریا بن ادریس اس سے پہلے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ میری وجہ سے کسی تجتس، کسی پریشانی، فکر مندی میں نہ پڑیے گا۔ یوں جائیں میں آپ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے آیا ہوں۔ مجھے ایک ایسے شخص نے ایک کام کی تکمیل کے لیے روانہ کیا ہے جس کا نام انیتش ہے۔ اس کی بیوی کا نام اموسیہ ہے۔ شاید آپ دونوں کو اچھی طرح جانتے ہوں۔“

حسون کے بوڑھے ذہن میں اس وقت نہ جانے کیسے خدشات جنم لے رہے تھے۔ ایک دم نے اپنے سر کو جھٹکا، پھر کہنے لگا۔

”میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کس کام کی غرض سے اس بستی کی طرف آئے ہیں۔ قبل اس کے کہ میں آپ سے آپ کا نام اور پتہ پوچھوں کیا آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ انیتش اور اس کی بیوی اموسیہ ان دنوں کہاں ہیں؟“

ہلکا سا تبسم اس موقع پر زکریا بن ادریس کے چہرے پر نمودار ہوا تھا پھر حسون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ انوش کے کہنے پر انیتش اور اس کی بیوی اموسیہ دونوں طلیطلہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ طلیطلہ میں کچھ دن انہوں نے قیام بھی کیا اور اس کے بعد صلاح مشورہ کر کے اور موقع پاتے ہی طلیطلہ سے نکل کر اشبیلیہ چلے گئے۔ اشبیلیہ میں انہوں نے ایک حویلی خرید لی ہے اور اسی میں انہوں نے قیام کر لیا ہے۔ لیکن وہ پریشان اور فکر مند ہیں۔ اس لیے کہ ان کی زندگی کا اساس البیت جسے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں میاں بیوی کی زیست کا ایک حصہ گوہر ہے جو یہاں آپ کی بستی میں کہیں کھو گیا ہے۔ میں اسی گوہر کو لینے آیا ہوں تاکہ اسے لے جا کر اس کے باپ انیتش اور ماں اموسیہ کے پاس پہنچا دوں۔“

زکریا بن ادریس یہیں تک کہنے پایا تھا کہ حسون مسکراتے ہوئے بول اٹھا۔

”جس گوہر کا میرے عزیز! تو ذکر کر رہا ہے، اس گوہر کا قیام میرے ہی ہاں ہیں۔“

اس گوہر کا نام رواندہ ہے۔ اب میں کھل کر گفتگو کرتا ہوں۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو تم ایتیس اور اس کی بیوی اموسیہ کی طرف سے ان کی بیٹی رواندہ کو لینے آئے ہو۔ بیٹے! اگر معاملہ یہی ہے جو میں نے اندازہ لگایا ہے تو پھر اپنا نام تو کہو۔“

زکریا بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میرا نام زکریا بن ادریس ہے۔ آپ کا کہنا درست ہے۔ میں رواندہ ہی کو لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور یہاں سے نکال کر اسے ایشیلیہ پہنچانا اس وقت میری زندگی کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔“

زکریا بن ادریس کی اس گفتگو سے حسون، اس کی بیوی اور بیٹا تینوں خوش ہو گئے تھے یہاں تک کہ حسون پھر زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! میں اب تم سے مزید کوئی سوال نہیں کروں گا۔ میں تم سے یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ تمہارے پاس کیا معاملہ ہے جسے سامنے رکھ کر ہم تم پر اعتماد اور بھروسہ کریں اور رواندہ کو تمہارے ساتھ جانے دیں۔ میں رواندہ کو یہاں بلاتا ہوں اور وہ تم سے خود گفتگو کرے گی۔“

زکریا بن ادریس نے جب اس سے اتفاق کیا تو حسون اپنے پہلو میں بیٹھے اپنے بیٹے نیاوس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! اٹھ..... رواندہ کو یہاں میرے پاس لے کر آ۔“

اس پر نیاوس وہاں سے اٹھ کر ایک کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بڑی رازداری میں حسون زکریا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”دراصل رواندہ نے گزشتہ کئی دنوں سے میرے مکان کے تہہ خانے میں قیام کیا ہوا ہے۔ گا ہے گا ہے تہہ خانے سے نکل کر اوپر آتی ہے، اس کے بعد اپنی حفاظت کی خاطر دوبارہ تہہ خانے میں چلی جاتی ہے۔ میں نے اسے بلوایا ہے۔ تمہارے ساتھ جانے کے سلسلے میں وہ خود ہی تم سے گفتگو کرے گی۔“

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ کمرے میں نیاوس کے پیچھے پیچھے ایک دراز قد اور اعلیٰ شخصیت کی مالک لڑکی کچھ اس طرح داخل ہوئی جیسے اچانک اس کمرے میں شرار برق نمودار ہو گیا ہو۔ زکریا بن ادریس کی جب پہلی نگاہ اس لڑکی پر پڑی تو اسے یوں لگا جیسے خون کی حدت دکھتی آگ کی چنگاریاں چار سو اٹھ کھڑی ہوں۔

وہ لڑکی جو رواندہ تھی، زیت کے قرطاس پر رقص کرتے امرت خزانوں جیسی حسین، تاریخ کے حقائق کو سنواری رفتار کی لذت جیسی پرکشش، وقت کی گردشوں میں فطرت کے بزم ارتقاء کو سنواری گل اندام جذبوں جیسی خوبصورت اور مدتوں سے بند کھلنے والے صحیفوں کی کرنوں کے اتہاس کے رنگوں جیسی پر جمال تھی۔ پہلی نظر میں اسے دیکھنے والا اس کے حسن کی تاب نہ لاتے ہوئے دنگ رہ جاتا تھا۔ اس کے چہرے پر روز و شب کے ہنگاموں میں تمناؤں کا رقص بکھیرتے جذبوں جیسی کشش تھی۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وقت کی نغمگی کے سیلاب میں چاروں سمت جاگتے لمحوں کی انگڑائیاں اٹھ کھڑی ہوں۔ نغمہ و آتش کے سنگم سے ملکوتی پھبن کے ساتھ نمودار ہونے والے عناصر کی طرح رواندہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

زکریا بن ادریس نے دیکھا اس کے خدو حال کی رعنائی، اس کے ہاتھ کی موزونیت، اس کی پتلی، پچیلی خم کھاتی کمر، نازک سجیلے ہاتھ، تیکھی انوکھی انگلیاں عجیب سماں باندھ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے ساری دنیا کی زیب و زینت کو مجسم کر کے نعمات کے دھاروں کی بزم میں لا کھڑا کیا گیا ہو۔

اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد رواندہ، حسون کی بیوی سریشہ کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی۔ اس موقع پر حسون تھوڑی دیر تک بڑی رازداری میں اس سے گفتگو کرتا رہا، پھر رواندہ زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟“

”میرا نام زکریا بن ادریس ہے۔“

”کہاں کے رہنے والے ہیں؟“

”اشبیلیہ کا رہنے والا ہوں۔“

”وہاں کس کو جانتے ہیں؟ اور کس نے آپ کو مجھے لانے کے لیے بھیجا ہے؟“

روانہ نے پھر پوچھا۔

”انیتش نام کا ایک شخص ہے، اس کی بیوی کا نام اموسیہ ہے۔ وہ دونوں یہاں سے طلیطلہ گئے تھے لیکن موقع پا کر طلیطلہ سے اشبیلیہ بھاگ گئے۔ وہاں انہوں نے اپنی رہائش کے لیے ایک حویلی خرید لی ہے۔ انہوں نے ہی مجھے اپنی بیٹی کو یہاں سے نکال کر اشبیلیہ لانے پر مقرر کیا ہے۔ اگر تم ہی رواندہ ہو تو پھر.....“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس رکا، اپنے لباس کے اندر سے اس نے ایک انتہائی قیمتی جواہر جڑی انگشتری نکالی اور وہ اس نے رواندہ کی طرف بڑھادی تھی۔ اس انگشتری کو دیکھ کر رواندہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ چہرے پر تبسم پھیل گیا تھا۔ آنکھوں میں دور دور تک کھلکھلاتی چاندنی کا سماں بندھ گیا تھا۔ الٹ پلٹ کر اس نے انگوٹھی کو دیکھا پھر انگوٹھی زکریا بن ادریس کو لوٹاتے ہوئے کہنے لگی۔

”اس انگوٹھی کو اپنے پاس رکھیں۔ اب میں آپ سے مزید کوئی سوال نہیں کروں گی۔ میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔“

رواندہ کے ان الفاظ پر حسون، سریشہ اور نیا نوس تینوں خوش ہو گئے تھے۔ پھر حسون زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! پہلے تمہارے کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ساتھ ہی تم دونوں کے لیے زاد راہ بھی تیار کرتے ہیں۔ اتنی دیر تک میرا بیٹا نیا نوس رواندہ کے لیے گھوڑے کو بھی تیار کر دیتا ہے۔ پھر تم یہاں سے کوچ کر جانا۔“

جواب میں زکریا نے حسون کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”جہاں تک میرے کھانے کا تعلق ہے اس کی زحمت نہ کیجئے گا۔ میں یہاں سے قریبی ایک سرائے میں دن کا ایک حصہ گزار کر نہ صرف آرام کر چکا ہوں بلکہ کھانا بھی کھا چکا ہوں۔ زاد راہ تیار کرنا آپ کے لیے آسان ہو تو بہتر ورنہ یہ میں راستے میں بھی حاصل کر سکتا ہوں۔ دراصل میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ رات ہی رات میں ان مسافتوں کو عبور کر جاؤں جہاں میرے لیے خطرات اٹھ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ افونش نے یقیناً رواندہ کو حاصل کرنے کے لیے اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا رکھے ہوں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری سستی کی وجہ سے رواندہ کو کوئی نقصان پہنچے۔ اگر ایسا ہوا تو اس کے ماں باپ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ لہذا.....“

یہاں تک کہتے کہتے زکریا بن ادریس کو رک جانا پڑا کہ سریشہ بول اٹھی۔

”بیٹے! میں زاد راہ تیار کرنے میں دیر نہیں کروں گی۔ اتنی دیر تک رواندہ بھی اپنا سامان باندھ لیتی ہے۔“

پھر سریشہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے بیٹے نیا نوس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹے! تم اصطبل میں جاؤ۔ رواندہ کے لیے گھوڑا تیار کرو۔ میں زادراہ کا اہتمام کرتی ہوں۔ اتنی دیر تک رواندہ بھی تیار ہو جاتی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی نیا نوس، سریشہ اور رواندہ وہاں سے ہٹ گئے تھے جبکہ زکریا بن اور لیس حضون کے پاس بیٹھ کر اشبیلیہ شہر کے متعلق گفتگو کرنے لگا تھا۔

سب سے پہلے نیا نوس گھوڑے کو تیار کر کے لوٹا، اس کے بعد رواندہ بھی چڑے کی ایک خرچین لیے اس کمرے میں آگئی تھی۔ شاید اس خرچین میں اس نے اپنا سارا سامان ڈال لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سریشہ بھی آگئی۔ ایک بار سب اصطبل کی طرف گئے۔ نیا نوس دونوں گھوڑوں کو باہر نکال لایا تھا۔ سریشہ نے گھوڑے کی زین کے ساتھ زادراہ اور کچھ پھل باندھ کر لٹکا دیئے تھے۔ اس موقع پر صحن میں کھڑے ہو کر حضون نے آسمان کی طرف دیکھا پھر تفکرات بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”آسمان پر گہرے بادل بنے ہوئے ہیں بیٹے! سردی کا موسم ہے۔ اگر بارش ہوگئی تو تم دونوں مشکلات کا سامنا کرو گے اور راستے میں کہیں پھنس نہ جاؤ۔ ذرا رکو، میں ابھی آتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی حضون گھر کے اندرونی حصے کی طرف گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اس کے ہاتھ میں ایک موٹا دبیز کمبل اور ساتھ ہی دو بڑی بڑی چرمی چادریں تھیں۔ ان تینوں کو تہہ کر کے اس نے رواندہ کے گھوڑے کی زین سے باندھ دیا تھا۔ جب وہ ایسا کر چکا تب بڑی ممنونیت سے زکریا بن اور لیس نے ان تینوں کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ پر اعتماد اور بھروسہ کیا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن اور لیس جب رکا تب حضون کسی قدر بے چینی اور فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابن اور لیس! رواندہ کا باپ میرا قریبی عزیز ہے۔ اس پر جو آج کل مصیبت کا دور گزر رہا ہے وہ ہم سب کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ بیٹے! یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے میں تم سے التماس کروں گا کہ.....“

اس سے آگے حضون کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لیے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے

زکریا بول اٹھا تھا۔

”اس سے آگے شاید آپ یہ کہنا چاہیں گے کہ میں راستے میں رواندہ خاتون کی حفاظت کروں۔ تو اس کے لیے میں آپ سے گزارش کروں کہ یہ مجھے فرض سونپا گیا ہے اور جب تک میرے جسم میں خون کا آخری قطرہ ہے میں اسے احسن طریقے سے نبھاؤں گا۔ میں آپ پر یہ بھی انکشاف کروں گا کہ جب تک زندہ رہوں گا، کوئی بھی رواندہ خاتون کو گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ میں اسے باحفاظت اشبیلیہ میں سب کے ماں باپ کے پاس پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس رکا تو اس کے الفاظ سے جہاں رواندہ خوشی کا اظہار کر رہی تھیں وہاں حسون، اس کی بیوی اور بیٹا بھی مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ پھر حسون نے دوبارہ پوچھا۔

”بیٹے! یہاں سے نکلنے کے بعد تم کون سا راستہ اختیار کرو گے تاکہ میں بھی جانوں کہ تم اپنے لیے واپسی کا کون سا راستہ اختیار کر رہے ہو اور وہ تم دونوں کے لیے محفوظ بھی ہے کہ نہیں۔“

اس موقع پر زکریا بن ادریس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، کہنے لگا۔
 ”میں یہاں سے نکلنے کے بعد پہلے سیدھا مغرب کا رخ کروں گا چند میل آگے جانے کے بعد بائیں جانب کوڑوں گا اور دریائے آنہ کا رخ کروں گا۔ دریا سے ہٹ کر میں رواندہ خاتون کے ساتھ سفر کرتا رہوں گا اور اس جگہ جا کر رکوں گا جہاں دریائے آنہ کے دوسری سمت ماروہ شہر پڑتا ہے۔ وہاں لکڑی کا ایک پل ہے۔ اس پل کو عبور کرنے کے بعد جنوب کا رخ کیا جائے تو شاہراہ سیدھی جبل مورینہ میں سے ہوتی ہوئی اشبیلیہ شہر کی طرف چلی جاتی ہے۔ اس شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے مجھے امید ہے کہ ہم باحفاظت اشبیلیہ شہر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

زکریا بن ادریس خاموش ہوا تو تو صغی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے حسون کہنے لگا۔ ”بیٹے! یہ ایک بہترین، مختصر اور محفوظ راستہ ہے اور مجھے امید ہے کہ تم دونوں باحفاظت اشبیلیہ پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اور پھر میرا دل یہ بھی کہتا ہے کہ رواندہ کو یہاں سے اشبیلیہ لے جانے کے لیے میرے عزیز ایتش نے ایک انتہائی مناسب اور عمدہ نوجوان کا انتخاب کیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں تم ابھی نو عمر ہو لیکن لگتا ہے

حرب و ضرب کے فتون میں یکتا اور نایاب ہو۔“

حسون کے ان الفاظ پر ایک گہری نگاہ حسین اور خوبصورت رواندہ نے زکریا بن ادریس پر ڈالی تھی۔ زکریا بن ادریس اس موقع پر حسون کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ نے میرے متعلق یہ اندازہ کیسے لگایا.....؟“

جواب میں حسون مسکرایا اور کہنے لگا۔

”بیٹے! میں تیرے گھوڑے کا جائزہ لے چکا ہوں۔ گو تمہاری پٹی میں تمہاری تلوار اور وہ خنجر بھی دیکھتا ہوں لیکن تمہارے گھوڑے کی زین کے ساتھ ڈھال ہے، دو چھوٹے نیزے ہیں جو بوقت ضرورت پھینک کر حفاظت کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور ان سے بڑھ کر لمبے دستے والا چار منہ کا ایک مدھانی نما ہلکا پھلکا کلہاڑا ہے۔ میں سمجھتا ہوں تم حرب و ضرب کے یہ سارے طور طریقے.....“

اس موقع پر زکریا بن ادریس، حسون کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔

”سب سے بڑا محافظ میرا اللہ ہے۔ وہی سب کا نگہبان، وہی سب کی حفاظت کرنے والا ہے۔ آپ میرے لیے اور رواندہ خاتون کے لیے دعا کیجئے کہ ہم باحفاظت اپنی منزل پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں۔ میری زندگی کا یہ پہلا امتحان ہے اور میری بھی خداوند قدوس سے دعا ہے کہ میں اس کام میں سرخروں ہوں۔ اب مجھے اجازت دیں کہ ہم رخصت ہوں۔“

حسون، سریشہ اور نیا نوس نے اس سے اتفاق کیا۔ سب سے پہلے سریشہ گلے لگ کر رواندہ سے ملی، حسون نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کی پیشانی چومی، پانچوں گھر سے نکلے۔ اس وقت گلی ویران تھی۔ حسون نے ادھر ادھر دیکھا پھر کہنے لگا۔

”بچو! جلدی جلدی اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور یہاں سے روانہ ہونے والی بات کرو۔ میں دیکھتا ہوں گلی میں اس وقت ویرانی ہے۔ کوئی دیکھ نہیں رہا۔“

اس پر زکریا بن ادریس اور رواندہ دونوں جلدی جلدی اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور پھر ایڑ لگاتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئے تھے۔





زکریا بن ادریس اور رواندہ بنت انیش دونوں درمیانہ روی سے رات بھر سفر کرتے رہے۔ جس وقت مشرق سے روشنی کے آثار نمودار ہوئے اس وقت وہ وادی آنہ میں پہنچ چکے تھے۔ دونوں نے دیکھا مشرق کی طرف سے گہرے سیاہ رنگ کے بادل اٹھ رہے ہیں جو اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ طوفان آئے گا یا زوردار بارش ہو گی۔ اس موقع پر رواندہ بار بار بڑی بے چینی سے زکریا کی طرف دیکھتی تھی لیکن ہچکچاتے ہوئے اس سے مخاطب نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے زکریا بھی جان گیا کہ شاید وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔ اس موقع پر زکریا اسے مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ رک گیا۔ اس لیے کہ ذرا فاصلے پر اسے کچھ سوار شاہراہ پر کھڑے دکھائی دیئے۔ ان کی تعداد چھ کے لگ بھگ تھی۔

رواندہ کو مخاطب کرتے کرتے زکریا بن ادریس رک گیا تھا۔ پہلے پیٹی کے ساتھ میان میں لٹکتی تلوار کے دستے کا جائزہ لیا۔ بائیں جانب پیٹی کے اندر جو خنجر تھے، ان کی طرف دیکھا پھر گھوڑے کے ساتھ جو نیزے، ڈھال اور چار منہ کا مدھانی نما لمبے دستے والا اس کا کلہاڑا لٹک رہا تھا سب پر باری باری اس کی نگاہیں جم گئیں۔ اُس کی اس حرکت سے رواندہ بے حد پریشانی اور فکر مندی کا شکار ہو گئی تھی اس لیے کہ اس نے بھی اپنے سامنے شاہراہ پر چھ سواروں کو دیکھ لیا تھا۔ پھر ہکلاتی اور کپکپاتی ہوئی آواز میں رواندہ، زکریا کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ اپنے سامنے شاہراہ پر دیکھیں۔ کیا ہمارے لیے کوئی خطرہ تو نہیں؟“

زکریا نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، کہنے لگا۔

”رواندہ خاتون! خطرہ تو ہے۔ تم دیکھتی ہو سامنے چھ سوار ہیں۔ میرے خیال میں

محترم حضون کی بستی میں کسی نے ہمیں رخصت ہوتے دیکھ لیا تھا سو کسی کو ہماری روانگی کی اطلاع کر دی۔ خاتون! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تعداد میں چھ ہیں۔ دس ہوتے تب بھی سینہ تان کر ان سے تمہاری حفاظت کا سامان کرتا۔ اپنے گھوڑے کو روکنا مت۔ جس رفتار سے ہم جا رہے ہیں اسی رفتار سے آگے بڑھتے رہیں گے۔ ان کے قریب جا کر اپنے گھوڑے کو میرے قریب لے آنا۔ یہ لوگ کوئی مختصر راستہ اختیار کر کے ہماری راہ روکنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ تمہارے گھوڑے کے ساتھ جو ڈھال ہے اسے اپنے سامنے رکھنا۔ تلوار بھی سنبھال لینا۔ ہو سکتا ہے کسی موقع پر تمہیں اپنی حفاظت کا سامان کرنا پڑے۔ اس لیے کہ میں پیش بندی کا قائل ہوں۔“

زکریا بن ادریس کی اس گفتگو سے رواندہ کا چہرہ ہلدی ہو کر رہ گیا تھا۔ آنکھوں میں ڈر، خوف اور خدشات رقص کرنے لگے تھے۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے ہلکا سا تبسم زکریا کے چہرے پر نمودار ہوا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”رواندہ خاتون! پریشان اور فکر مند مت ہونا۔ تمہارے باپ اور وقت نے مجھے تمہارا محافظ مقرر کر دیا ہے اور پھر دیکھو میں تمہارے تحفظ کا کیا سامان کرتا ہوں۔ قسم اس کائنات کے پیدا کرنے والے رب کی یہ تو صرف چھ ہیں، دس بھی ہوتے تو میں تمہاری حفاظت کی خاطر ان کے سامنے چھاتی تان کر کھڑا ہو جاتا۔“

زکریا کے ان الفاظ سے رواندہ کو کچھ تقویت ہوئی تھی۔ اتنی دیر تک وہ راہ روکنے والوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ پھر راہ روکنے والوں میں سے ایک زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے نوجوان! اپنے چہرے صلیے سے تو نوعمر لگتا ہے۔ خام کار اور ناتجربہ کار بھی ہے۔ جس لڑکی کو تو اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہے یہ لڑکی کسی کا مقدر، کسی کا حق ہے۔ ہم تم پر نہ جبر کرنا چاہتے ہیں اور نہ ظلم۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ تم کون ہو، اس لڑکی کو کن حالات اور کن خدشات کے تحت کہاں لے جانا چاہتا ہو۔ ہم تم سے صرف یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ لڑکی ہمارے حوالے کر دو اور خود باحفاظت جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو۔ ہم نہ تمہاری راہ روکیں گے نہ تم سے کوئی تعرض کریں گے نہ تم سے کوئی مطالبہ کریں گے۔ ہمارا مطالبہ صرف یہ لڑکی ہے اور یاد رکھنا یہ لڑکی ایک ایسی ہستی سے منسوب ہو چکی ہے جو آنے والے دور میں پورے ہسپانیہ کا شہنشاہ بننے والا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد جب وہ رکاب زکریا سے مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”اگر میں اس لڑکی کو تمہارے حوالے نہ کروں تب؟“

اس پر جو پہلے مخاطب ہوا تھا، اس نے ایک ہولناک قہقہہ لگایا، پھر درندوں کی طرح دھاڑتے ہوئے بول اٹھا۔

”اگر تو ایسا کرے گا تو یاد رکھنا یہ چنگاریوں کی طرح سلگتا وقت تیرا مذاق اڑاتے ہوئے ہمارے سامنے تیرے رخ کو دھواں دھواں، تیرے فکر و خیال کو دھول دھول بنتے دیکھے گا۔ دیکھو ہمارے بادشاہ افونش نے اس لڑکی کے باپ کے سارے عزیز، رشتہ داروں کی بستیوں پر پہرے لگا رکھے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے تیرے ساتھ اس کے بھاگنے کی اطلاع ہمیں کچھ تاخیر سے ملی ورنہ ہم تمہیں اس بستی کے قریب ہی روک لیتے جہاں سے تو نکلا تھا۔ اب بھی اپنے ارادے سے باز آ جا۔ اگر تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم نکل جائیں گے تو یہ تیری بھول ہے۔ ہم پتھر کی طرح مصمم ہیں، شہد کی مکھی کی طرح مخنتی اور مشتاق ہیں اور اپنے کام کی تکمیل کے بغیر نہیں ہٹیں گے۔“

اگر تو اڑا رہا تو یاد رکھنا ہم تیری رگیں باندھ کر مٹی کے گھروندے کی طرح تیرا خاتمہ کر کے تجھ سے تیرے عالم برزخ کی طرف روانہ کر دیں گے۔ سن اجنبی! ہم یہ نہیں پوچھیں گے کہ تو کون ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟ ہم تجھ پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم تو اس لڑکی کو خوشیوں کی گیت مالا، خوش نصیبیوں کی فصل، رسم گل کی داستانوں آسائشوں کے رنگ محل، خوابوں کی نشاط انگیزیوں کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ ہم اسے انجم افروز مستقبل اور ستاروں کی طرح جگمگاتے ماہ و سال کے درمیان کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ تو اس لڑکی کو انگار لمحوں اور وقت کی اڑتی بد نصیبی کی گرد کی طرف لے جانے کا عزم کیے ہوئے ہے۔

جتنا فاصلہ اس لڑکی کے ساتھ طے کر چکے ہو اسے غنیمت جانو۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ چند لمحے ہم تمہیں سوچنے کا موقع دیتے ہیں۔ اگر زہنی زندگی تمہیں عزیز ہے تو دس قدم پیچھے ہٹنے کے بعد اپنے گھوڑے کا رخ موڑو اور ہمارے ایک طرف سے گزرتے ہوئے آگے نکل جاؤ۔ اس کے بعد ہم تم سے نہیں پوچھیں گے کہ تم نے کہاں جانا ہے، تمہاری بستی کون سی ہے۔ اس لڑکی کو لے کر ہم طلیطلہ شہر میں اپنے بادشاہ افونش کا رخ کریں گے اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر اس وادی آنہ میں وقت کی آنکھ

تمہاری لاش کو لہو لہو، خون خون ہوتے دیکھے گی۔“

اس شخص کی اس گفتگو سے زکریا بن ادریس کی حالت سے لگتا تھا جیسے اس کے سینے میں آندھیاں، آنکھوں میں جنگاڑیاں ناچ اٹھی ہوں۔ جب وہ شخص خاموش ہوا تب ہولناک لہجے میں زکریا بن ادریس اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”زیادہ بھرنے اور پھیلنے کی کوشش مت کرو۔ اگر تم نے میری راہ روکے رکھی اور زبردستی مجھ سے لڑکی کو حاصل کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا اس بساطِ ارض و سما میں تمہاری زندگی کے افق پر رنگوں کے خدو خال کے جمال کو میں ناامیدیوں اور دکھ کے دھاروں میں بدل دوں گا۔ تمہاری زیت کے سلسلوں کی بساط کو موت کے اضطراب میں اور تمہاری حیات کی چھلکتی چھاگل سوچوں کو منشر کرتے آتش فشانی دھاروں کی صورت اختیار کرے گی۔ میری راہ سے ہٹ جاؤ۔ میں نے ہر صورت میں تمہیں لڑکی کو لے کر اپنی منزل کی طرف جانا ہے۔ اگر راہ سے نہیں ہٹو گے تو پھر اپنے دل کے قرطاس پر لکھ رکھو ایسا کر کے تم اپنے لیے تپتے بے سکون سایوں، سوکھے پتوں کی داستانوں، دکھ کے ہولناک قصوں، پھڑکتے لمحات کی المناکیوں، مایوسیوں کے مرکز، ناامیدیوں کے محور، پریشان نوحوں کی گونجوں، آشوب بھرے عزائم، خوف پھیلاتے سموں کو آواز دے گے۔ مجھ سے ٹکراؤ گے تو بے بس ہو جاؤ گے۔ میرے ساتھ آگ اور آہن کا کھیل کھیلنے کی کوشش کرو گے تو میں تم پر جبر مسلسل کی طرح اس طرح وارد ہوں گے کہ تم سب یہ بھی بھول جاؤ گے کہ بھنور کدھر اور ساحل کہاں ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تو راہ روکنے والوں میں سے وہی جو پہلے مخاطب ہوا تھا، ہولناک قہقہہ لگاتے ہوئے کہنے لگا۔

”باؤ لے ہو گئے ہو کیا؟..... نو عمر ارو خام کار ہونے کے باوجود ہمیں دھمکی دیتے ہو کہ اگر ہم نے تم سے آگ اور آہن کا کھیل کھیلا تو تم ہم پر جبر مسلسل کی طرح وارد ہو جاؤ گے۔ تمہاری حیثیت ہمارے سامنے ایسی ہی ہے جیسے خونخوار اور آدم خور بھیڑیوں کے درمیان گھرا ہوا ایک بے بس مینہ۔ اب ہم تمہیں زیادہ وقت نہیں دیں گے۔ فی الفور لڑکی سے علیحدہ ہو کر چلے جاؤ ورنہ ہم تمہیں بھیڑیوں کی طرح یہاں چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔“

اس شخص کے ان الفاظ سے زکریا بن ادریس کی حالت بدل گئی تھی۔ اپنے بائیں

ہاتھ سے اس نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی وہ چھوڑ دی، جھٹکے کے ساتھ تلوار نکال لی، ڈھال سنبھالی۔ ڈھال کی اوٹ میں ہی اس نے اپنی پیٹی سے ایک خنجر نکال کر سرعت سے مارا۔ خنجر مارتے ہی زکریا بن اور لیس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی تھی۔ گھوڑے کو ایڑ لگنا تھی کہ سدھایا ہوا گھوڑا آندھی اور طوفان کی طرح بھاگا اور پھر ان کے قریب جا کر زکریا بن اور لیس کی تلوار بلند ہو کر گری اور ان میں سے ایک کا خاتمہ کرتی ہوئی چلی گئی۔ ایک دم گھوڑے کو موڑتے ہوئے زکریا بن اور لیس رواندہ کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اُس کی اس کارگزاری پر رواندہ کسی قدر سکون محسوس کر رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر اب پہلے کی نسبت کچھ طمانیت آگئی تھی۔

دوسری طرف زکریا بن اور لیس کا گھوڑا باری باری اپنے چاروں پاؤں کو اٹھاتے ہوئے کچھ اس انداز میں کلیں کرنے لگا تھا جیسے وہ اپنی پہلی کارروائی پر اپنی کامیابی پر شاداں و سرشار ہو۔ اس موقع پر زکریا بن اور لیس نے پھر راہ روکنے والوں کو مخاطب کیا۔

”میں نے کہا نہ تھا میرے ساتھ آگ اور آہن کا کھیل نہ کھیلنا۔ اب جبکہ تم نے اس کی ابتداء کر ہی دی ہے تو پھر بھاگنا نہیں۔ دیکھتے رہو میں تم سب کو کیسے ہولناک ہزیمت، اندر کے روگ، باطن کے آشوب، آنکھوں کے خوف اور چہروں کے کرب میں مبتلا کرتا ہوں۔ ظالمو! تم چھ تھے، اب چار رہ گئے ہو۔ اور اب مزید کم ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

اس کے ساتھ ہی زکریا بن اور لیس نے پہلے اپنی تلوار اپنے گھوڑے کی گردن کے قریب بندھی چرمی خول میں ڈال دی، بڑے ماہرانہ انداز میں گھوڑے کی گردن کے پچھلے اور اگلی ٹانگ کے اوپر والے حصے کو چند لمحے تک تھپتھپایا، جس کے جواب میں گھوڑا بڑی تیزی سے کنوتیاں بدلنے لگا تھا، ہنہانے لگا، نتھنے بھی پھڑ پھڑاتا جا رہا تھا جیسے وہ کسی نئی کارروائی کی ابتداء کرنے کے لیے بالکل تیار اور مستعد ہو۔ اس کے ساتھ ہی زکریا نے اپنے گھوڑے کی زین سے بندھا مدھانی نما چارمنہ کا ہلکا پھلکا لمبے دستے والا کلہاڑا سنبھالا اور بڑے خوفناک انداز میں اسے اپنے ہاتھ پر گھمانے لگا تھا۔ گھمانے کا انداز ایسے ہی تھا جیسے وہ کلہاڑا راہ روکنے والوں کو دے مارے گا۔ اس موقع پر وہ بھانپ گئے تھے کہ جس طرح اس نے پہلے خنجر مار کر ہماری توجہ مارنے والے ساتھی کی طرف کی ہے، اب وہ کلہاڑا مار کر ہماری توجہ دوسری طرف مبذول کر کے ہم پر وارد ہونا

چاہتا ہے۔ لہذا انہوں نے اپنے سامنے اپنی ڈھالیں کر لی تھیں۔ ڈھالوں کا سامنے آنا تھا کہ ان کے لیے ایک طوفان کھڑا ہوا۔ اس لیے کہ اسی لمحہ ہلکی سی ایک مہینز کے ساتھ گھوڑا طوفانی انداز میں دوڑا اور پھر ایک ساتھ بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ زکریا نے اپنا کلہاڑا ان پر برسایا اور کلہاڑے کے دو ہی وار نے ان میں سے دو کا خاتمہ کر دیا تھا۔ آندھی اور طوفان کی طرح زکریا مڑ کر پھر رواندہ کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ اُس کی اس کارگزاری پر اب رواندہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم تھا۔

باقی دو بچنے والوں کو زکریا بن اور لیس خشونت آمیز برق کی کڑک جیسے انداز میں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں تمہاری حالت بدل گئی ہے۔ پہلے تم چھ تھے، اب دورہ گئے ہو اور یہ اندازہ لگانے میں بھی حق بجانب ہوں کہ اس وقت تمہاری نس نس کو خوف زدہ کرتی اُبجھن و خرابی تمہارے اندر رقص کر رہی ہے۔ تم نے مجھے دھمکی دی تھی، مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے دعوے کیے تھے، زبردستی مجھ سے لڑکی کو چھیننے کی دھمکیاں دی تھیں۔ پھر دیکھو میں نے تمہارے اندر ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ تم مجھے نو عمر، خام کار قرار دیتے رہے جبکہ ہمیں نے اپنے رب کی مدد اور ہنرمندی سے تم چھ کو دو میں تبدیل کر دیا ہے۔ اب تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو بھاگ نہیں پاؤ گے۔ وقت کی اس گردش میں اب تمہاری ہر بانس شعلے کی زبان بنے گی۔ تمہارے لیے ہر سو، ہر سمت آہیں اُٹھیں گی۔ عنقریب خوفزدہ چہروں اور پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ تمہاری حیات کے ساز ٹوٹنے والے ہیں۔ منتظر رہو۔“

اس کے ساتھ ہی اپنا کلہاڑا زکریا نے زین سے باندھ لیا، تلوار سنبھالی، بائیں ہاتھ میں ڈھال کی گرفت مضبوط کی، گھوڑے کو ایڑ لگائی، گھوڑا پھر بھاگا، باقی بچنے والے دونوں اکٹھے ہو گئے تھے اور آگے بڑھ کر زکریا نے ان پر حملہ کر دیا تھا۔ کچھ دیر تک زکریا بن اور لیس ڈٹ کر ان سے تیغ زنی کا مقابلہ کرتا رہا۔ وہ زیادہ دیر تک اس کا سامنا نہ کر سکے اور باری باری زکریا بن اور لیس نے ان دونوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

رواندہ ابھی تک دور ہی کھڑی تھی۔ زکریا بن اور لیس کی اس کارگزاری پر اب اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ وہ پرسکون تھی۔ چہرہ تہمتا اٹھا تھا۔ آنکھوں کے اندر خوشیوں اور سرشاریوں سے بھر پور لہریں رقص کرنے لگی تھیں۔

دوسری طرف زکریا بن ادریس نے سارے مرنے والوں کی تلاشی لی۔ ان کے پاس جس قدر نقدی تھی، نکال کر محفوظ کر لی، ان کے ہتھیار بھی سنبھال لیے اور ان کے چھ گھوڑوں کو ایک دوسرے سے جکڑنے کے بعد جب وہ فارغ ہوا تو اتنی دیر تک رواندہ بھی اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا کر اور گھوڑے سے اتر کر آن کھڑی ہوئی تھی۔ اس موقع پر رواندہ زکریا بن ادریس کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ زکریا پہلے ہی اسے مخاطب کر کے کہنے لگے۔

”رواندہ خاتون! تمہارے چہرے کا انداز بتاتا ہے کہ تم کچھ کہنا چاہتی ہو۔ دیکھو! میرا شکر یہ ادا مت کرنا۔ اس کے علاوہ جو بھی تم کہنا چاہو میں بڑے غور سے سنوں گا۔ تمہارے ماں باپ نے یہ فرض مجھے سونپا تھا لہذا جب میں فرض کی ادائیگی کرتا ہوں تو پھر کسی کے ممنون اور کسی کے شکر گزار ہونے کا متمنی نہیں رہتا۔ بس یوں جانو یہ میرا فرض تھا جو میں ادا کر چکا۔ میرے خیال میں اب ہمیں ان چھ کے گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے اپنے سفر کو جاری رکھنا چاہیے۔“

یہاں تک کہتے کہتے زکریا کو رک جانا پڑا اس لیے کہ رواندہ نے مسکراتے ہوئے مشرق کی طرف اشارہ کیا پھر کہنے لگی۔

”یہ جو مشرق کی طرف سے طوفان اٹھ رہا ہے اس کا کیا ہوگا؟“

اس پر زکریا بن ادریس نے ایک لمبا سانس لیا، کہنے لگا۔

”رواندہ خاتون! اس طوفان کو ہم تک پہنچنے میں ابھی دیر لگے گی۔ اتنی دیر تک اگر ہم اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آگے بڑھیں گے تو ہم افونش کی حدود سے نکل کر محفوظ علاقوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم یہ آسانی سے کر سکتے ہیں۔ محفوظ علاقوں میں داخل ہونے کے بعد نہ ہمیں کسی کے تعاقب کا خطرہ رہے گا نہ ہی یہ خدشہ رہے گا کہ کوئی ہماری راہ روک کھڑا ہوگا۔“

جواب میں بڑی سنجیدگی میں رواندہ کہنے لگی۔

”اگر یہ بات ہے تو میں آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی وہ مڑ کر اپنے گھوڑے کی طرف بڑھی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے زکریا بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے گھوڑے پر بیٹھا پھر دونوں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے اور مرنے والوں کے سارے گھوڑوں کو اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے بڑی تیزی سے آگے بڑھنے

لگے تھے۔

جس وقت وہ چند درختوں کے گھنے جھنڈ کے قریب پہنچے تو پیچھے سے پہلے تیز بگولے اٹھنے لگے۔ شاید وہ مشرق سے اٹھنے والے طوفانوں کا پیش خیمہ تھے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے زکریا نے مڑ کر پیچھے دیکھا، رواندہ بھی پیچھے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ پھر زکریا نے آگے بڑھ کر چھ گھوڑوں کو روک دیا اور رواندہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہماری پشت پر تیز آندھی اور طوفان قریب آگئے ہیں۔ ہو سکتا ہے بارش بھی ہو جائے۔ اس صورت میں ہم ٹھٹھر کر رہ جائیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آندھی اور طوفان کی وجہ سے ہمارے گھوڑے بھی بدک کر ہم سے جدا ہو جائیں۔ یہ جو دائیں جانب درختوں کا ایک گھنا جھنڈ ہے یہ ہمارے لیے بڑا سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کی طرف آؤ۔“

رواندہ چپ چاپ اس کے ساتھ ہو لی تھی۔ زکریا بن اور لیس نے سب سے پہلے گھوڑے سے اتر کر سارے گھوڑوں کو دو درختوں کے ساتھ باندھا، دونوں درختوں کے تنے خوب موٹے اور تنوں کے قریب ہی گھنی شاخیں بھی تھیں۔ زکریا نے جلدی جلدی ایک چرمی چادر کو دو توں درختوں کے پھاٹھ اس طرح باندھ دیا کہ درختوں کے بیچ کا فاصلہ اس نے چرمی چادر سے ڈھانپ لیا تھا پھر درختوں کی کچھ ٹہنیوں کے ساتھ باندھتے ہوئے سارے گھوڑوں کو بھی ان چاروں کے سامنے کر دیا تھا۔ پھر رواندہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر آندھی آتی ہے تو اس کا اتنا خطرہ نہیں ہے، گزر جائے گی۔ ہاں اگر بارش شروع ہوگئی تو یہ جو میں نے دونوں چادریں تانی ہیں، اس کی وجہ سے نہ صرف ہم بارش میں بھگنے سے بچ جائیں گے بلکہ ہمارے گھوڑے بھی محفوظ رہیں گے۔“

اس موقع پر رواندہ نے کچھ سوچا، پھر قریب ہی ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”اس درخت کی طرف دیکھیں۔ وہ سوکھا ہوا ہے۔ اگر بارش کا سلسلہ لمبا ہو گیا، سردی تیز ہوگئی تو کیا ہم.....“

جست لگانے کے انداز میں زکریا اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا۔

”میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

”اس سلسلے میں، میں بھی آپ کی مدد کرتی ہوں۔“ رواندہ کہنے لگی۔

”نہیں، نہیں۔ تم یہاں گھوڑوں کے پاس بیٹھو۔ میں دیکھو کیا کرتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی اپنا چار منہ کا کلہاڑا اتار کر زکریا اس خشک درخت کی طرف بڑھا۔ اس کے کافی حصے کو کاٹ کر کھینچتے ہوئے اس جگہ لے آیا تھا جہاں گھوڑے بندھے تھے۔ ہوائیں اب طوفانی شکل اختیار کرنے لگی تھیں۔ زکریا نے جلدی جلدی اس درخت کے ٹکڑے کاٹ کر اس کے خشک پتوں کو ایک جگہ جمع کر لیا۔ ان پتوں پر پہلے چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں رکھیں، اس کے بعد لکڑیاں ڈال دیں۔ ساتھ ہی پتوں کو آگ لگا دی۔

گو ہوا تیز چل رہی تھی لیکن سامنے جو چمڑے کی چادر تان دی گئی تھی اس سے ہوا آگ پر اثر انداز نہیں ہو رہی تھی۔ پہلے پتے جلے، پھر چھوٹی ٹہنیوں نے آگ پکڑ لی۔ اس کے بعد الاؤ جب بھڑک اٹھا تو تیز ہواؤں کی وجہ سے الاؤ کی گرمی گھوڑوں تک بھی پہنچنے لگی تھی۔ گوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہوا تھم گئی اور تیز بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

زکریا اور رواندہ دونوں آگ کے الاؤ کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ کچھ دیر خاموشی رہی، دونوں گم صم بیٹھے رہے۔ پھر رواندہ نے بولنے میں پہل کی۔ زکریا کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”یہ جو آپ نے دونوں چادریں تانی ہیں، ایک کو چھت کی جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے، دوسری کی ایک دیوار بنا دی ہے، اس سے ہم سردی اور بارش دونوں سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ اور یہ جو الاؤ بھڑک اٹھا ہے اس کی وجہ سے ہم ہی نہیں، ہمارے گھوڑے بھی سردی سے محفوظ رہیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رواندہ کچھ دیر کورکی، پھر دوبارہ زکریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”کیا ایسا ممکن نہیں کہ یہاں ہم کھانا بھی کھالیں؟ کیا یہ جگہ ہمارے لیے خطرے کا باعث تو نہیں بن سکتی؟“

جواب میں زکریا کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا، کہنے لگا۔

”اس وقت ہم افونش کی عملداری سے باہر ہیں اور ہمیں اب افونش اور اس کے

لشکریوں کے تعاقب کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

زکریا کے ان الفاظ پر روانہ خوش ہو گئی تھی۔ جلدی جلدی گھوڑے کی خرچین سے اس نے کھانے پینے کا سامان نکالا، الاؤ کے پاس لگایا۔ دونوں چپ چاپ کھانا کھانے لگے تھے۔ کھانے کے بعد دونوں نے چھاگل سے پانی پیا پھر بچنے والا زادِ راہ سنبھال اور لپیٹ کر روانہ نے پھر خرچین میں ڈال کر گھوڑے سے باندھ دیا تھا۔ بارش کچھ دیر تک موسلا دھار برتی رہی، پھر اس میں کمی آتی گئی یہاں تک کہ بارش تھم گئی۔

زکریا بن ادریس اٹھ کھڑا ہوا اور روانہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”رواندہ خاتون! ہم نے کھانا بھی کھا لیا، طوفان بھی گزر گیا، بارش بھی ہو لی، افونش کے جو آدمی ہمارے تعاقب میں تھے ان کا بھی خاتمہ ہو گیا، اب آؤ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوں۔“

جواب میں روانہ نے زکریا بن ادریس کے ان الفاظ پر مسکراتے ہوئے گردن ہلائی تھی۔ زکریا نے جلدی جلدی دونوں چری چادریں کھول کر پہلے کی طرح تہہ کر کے سنبھال لی تھیں۔ گھوڑوں کو کھولا گیا، دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے پھر چھ گھوڑوں کو اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے وہ بڑی تیزی سے اپنی منزل کی طرف کوچ کر گئے تھے۔





دونوں آگے پیچھے ایک روز اشبیلیہ شہر میں داخل ہوئے۔ مختلف شاہراہوں سے ہوتے ہوئے ایک حویلی کے سامنے زکریا بن ادریس رک با، گھوڑے سے اُترا، اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھتے ہوئے رواندہ بھی اپنے گھوڑے سے اتر گئی تھی، پھر آگے بڑھ کر زکریا نے حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا رواندہ کا باپ انیتش تھا اور اس کے پیچھے رواندہ کی ماں اموسیہ بھی کھڑی تھی۔ ان دونوں نے جب حویلی سے باہر زکریا بن ادریس کے ساتھ اپنی بیٹی رواندہ کو دیکھا تو ان دونوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ یہی حالت رواندہ کی بھی تھی۔ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے رواندہ حویلی کی دہلیز پھلانگتی، بھاگتی اچھلتی کودتی آگے بڑھی اور سب سے پہلے پُر جوش انداز میں اپنی ماں سے بغلگیر ہوئی۔ اس کے بعد انیتش نے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کیا تھا۔ ان کی یہ حالت دیکھتے ہوئے زکریا بن ادریس مسکرا رہا تھا تاہم وہ حویلی کے باہر ہی کھڑا تھا۔ چھ گھوڑے جو وہ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے وہ بھی ایک طرف کھڑے تھے۔ رواندہ سے ملنے کے بعد گھوڑے کے انداز میں انیتش نے زکریا بن ادریس کی طرف دیکھا، پھر انتہائی پدانہ شفقت میں کہنے لگا۔

”ابن ادریس! بیٹے! تم ابھی تک حویلی سے باہر کھڑے ہو۔ اندر آؤ، میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

اس موقع پر زکریا بن ادریس باہر ہی کھڑا رہا اور انیتش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”محترم انیتش! آپ نے جو کام مجھے سونپا تھا اسے میں مکمل کر چکا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی بیٹی آپ کے پاس پہنچ چکی ہے۔ میرا کام ختم ہوا۔ میں اب

جاتا ہوں۔“

زکریا کے ان الفاظ پر اموسہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔ انہیں باہر نکلا، آگے بڑھ کر اس نے زکریا کا بازو پکڑا اور کہنے لگا۔

”ابنِ اوریس! تم میری زندگی کے سب سے بڑے محسن اور میرے اہل خانہ کے سب سے اعلیٰ اور ارفع مرتبہ ہو۔ یہ کیسے اور کیونکر ممکن ہے کہ تم حویلی میں داخل ہوئے بغیر ہی باہر کھڑے ہو کر اپنے کام کی تکمیل کی اطلاع دے کر واپس چلے جاؤ۔ بیٹے! اندر آؤ۔ ان گھوڑوں کو بھی اندر لاؤ اور اصطلیل میں باندھو۔“

زکریا بن اوریس مسکرایا، کہنے لگا۔

”ایسی زحمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

پھر اس نے سارے گھوڑوں کو باہر باندھ دیا۔ جس گھوڑے پر سوار ہو کر رواندہ آئی تھی، اسے وہ حویلی کے اندر لے گیا اور حویلی کے اندر جو چھوٹا سا اصطلیل تھا، گھوڑے کو اس کی طرف لے جاتے ہوئے کہنے لگا۔

”یہ گھوڑے رواندہ کا ہے۔ میں ذرا اسے اصطلیل میں باندھ دوں۔“

اس کے ساتھ ہی گھوڑے کو اصطلیل میں باندھنے کے بعد زکریا نے اس کے منہ سے دھانہ اتار کر زین سامان سمیت اتار کر وہیں رکھ دی تھی پھر وہ انہیں کے ساتھ ہو لیا۔ چاروں آ کر دیوان خانے میں بیٹھ گئے تھے۔

اس موقع پر گفتگو کا آغاز رواندہ کی ماں اموسہ نے کیا۔ کہنے لگی۔

”ابنِ اوریس! میرے بیٹے! اس موقع پر میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ اتنا کچھ کہ میں خود بھی اندازہ نہیں لگا سکتی۔ پر سوچتی ہوں اس گفتگو کے لیے اور تمہاری توصیف کے لیے میں کیسے اور کون سے الفاظ کا انتخاب کروں؟“

جواب میں زکریا بن اوریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میں آپ دونوں سے گزارش کروں گا کہ اس کام کے سلسلے میں میری تعریف نہ

کیجئے گا، نہ ہی میرا شکریہ ادا کیجئے گا۔ اگر آپ دونوں میں سے کسی نے ایسا کیا تو میں یوں جانوں گا میرے اور آپ لوگوں کے درمیان اجنبیت کی ایک دیوار ہے اور اس اجنبیت کی دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہو کر آپ میرا شکریہ ادا کرنے جا رہے ہیں۔“

زکریا بن اوریس کے ان الفاظ پر اموسہ اور انہیں دونوں میاں بیوی چپ ہو رہے

تھے۔ پھر انیتش اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا۔

”ابنِ اوریس! بیٹے! تھوڑی دیر رو، میں ابھی آتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی انیتش اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں نقدی سے بھری ایک جرمی تھیلی تھی۔ پہلے وہ زکریا بن اوریس کے پہلو میں بیٹھ گیا پھر نقدی کی وہ تھیلی اس نے ابنِ اوریس کی گود میں رکھ دی۔ کہنے لگا۔

”بیٹے! یہ مت خیال کرنا کہ میں تمہیں رواند کو یہاں لانے کا معاوضہ دے رہا ہوں۔ یہ ایک باپ کی طرف سے بیٹے کے لیے تحفہ ہے۔ اور مجھے امید ہے تم اسے قبول کرو گے۔“

زکریا بن اوریس نے پہلے اس تھیلی کا منہ کھول کر دیکھا، مسکرایا، تھیلی کا منہ بند کیا، تھیلی کو واپس انیتش کی گود میں رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ نے اتنی شفقت سے یہ تھیلی مجھے تحفے کے طور پر پیش کی، اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ جواب میں، میں آپ کو تحفہً ہی تھیلی پیش کرتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں میں ایک بے ضرورت سا انسان ہوں۔ مجھے نقدی کی ان تھیلیوں سے کوئی غرض و غایت نہیں رہتی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن اوریس رکا، تب اموسیہ بڑی شفقت میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”بیٹے! یہاں سے جانے میں جلدی نہ کرنا۔ میں ابھی کھانا تیار کرتی ہوں۔ چاروں مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کے بعد اگر تم کہیں جانا چاہو گے تو میں تمہاری راہ نہیں روکوں گی۔ ساتھ ہی میں تم سے یہ بھی التماس کروں گی کہ گاہے گاہے ہمارے ہاں آتے جاتے رہنا۔ اس حویلی کو اپنا سمجھنا۔“

اموسیہ کی اس گفتگو کا جواب زکریا بن اوریس دینا ہی چاہتا تھا کہ اسی لمحہ کسی نے حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔ اس پر زکریا بن اوریس اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور انیتش کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ لوگ بیٹھیں۔ میں دیکھتا ہوں کون ہے۔“ اس کے ساتھ ہی وہ دیوان خانے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ جونہی وہ دیوان خانے میں داخل ہوا، تجسس بھرے انداز

میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے انتیش نے پوچھ لیا۔
”بیٹا! کون تھا؟“

جواب میں زکریا کہنے لگا۔

”میں اب جاتا ہوں۔ ایک شخص مجھے بلانے آیا تھا۔ اسے ہمارے بڑے سالار مسلم بن سرج نے بھیجا تھا۔ انہیں میرے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے لہذا انہوں نے مجھے بلایا ہے۔ شاید کوئی ضروری کام ہو گا۔ آپ لوگ بیٹھیں، میں اب جاتا ہوں۔ اپنی بیٹی رواندہ کو سمجھا دیجئے گا کہ اب اس شہر میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس میں آپ لوگ میری ضرورت محسوس کریں تو میں آپ کی خدمت کرتے ہوئے خوشی محسوس کروں گا۔ اب مجھے اجازت دیں۔ میں جاتا ہوں۔“

انتیش اٹھ کھڑا ہوا اور گھورنے کے انداز میں کہنے لگا۔

”بیٹے! نقدی کی یہ تھیلی تو لیتے جاؤ۔“

زکریا بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میں اس کا کیا کروں گا؟ آپ جانتے ہیں میرا کوئی آگے پیچھے نہیں ہے۔ کوئی بھائی بہن، ماں باپ نہیں ہے۔ یہ نقدی کی تھیلی لے کر میں کیا کروں گا؟ خود بھی بڑا بے ضرورت سا انسان ہوں۔ لہذا آپ یہ رکھیں۔ آپ کے کام آئے گی۔“

اس کے ساتھ ہی زکریا بن ادریس دیوان خانے سے نکلا، باہر آیا، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، باقی گھوڑوں کو اپنے آگے آگے ہانکتا ہوا وہ ایک طرف ہولیا تھا۔



گھوڑوں کو آگے آگے ہانکتا ہوا زکریا بن ادریس تھوڑی دیر بعد عمر بن سرج کی حویلی میں داخل ہوا۔ اس وقت حویلی میں اشبیلیہ کے حکمران معتمد کا بڑا سالار مسلم بن سرج اور وزیر ابوبکر کے علاوہ کچھ سرکردہ لوگ بھی موجود تھے۔ انہیں دیکھتے ہی زکریا بن ادریس اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ سب سے باری باری بغل گیر ہو کر ملا پھر سب لوگ جن نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک نشست پر زکریا بن ادریس بھی بیٹھ گیا اور عمر بن سرج کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن سرج! میرے محترم! میرے گھوڑے کے علاوہ چھ اور گھوڑے بھی ہیں۔ فی الحال یہیں رہیں گے۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ لشکر میں شامل جن لوگوں کے

پاس لاغریا کمزور گھوڑے ہیں، یہ گھوڑے ان میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ اس لیے کہ یہ گھوڑے تو اتنا اور خوب پلے ہوئے ہیں۔“

زکریا بن ادریس کے ان الفاظ پر مسلم بن سرج اور اس کا بھائی عمر بن سرج دونوں خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے بعد زکریا بن ادریس نے مسلم بن سرج کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”آپ نے آدمی بھیج کر مجھے بلایا تھا۔ خیریت تو ہے؟“

اس پر مسلم بن سرج کہنے لگا۔ ”بیٹے! سب سے پہلے ہم تمہیں مبارکباد دیتے ہیں کہ تم انتیش کی بیٹی کو بھنور سے نکال کر اشبیلیہ لانے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ اس کے لیے تمہاری جس قدر تعریف کی جائے کم ہے اور جس مقصد کے لیے تمہیں بلایا گیا ہے وہ یہ کہ ایک اور لشکر یہاں سے غیر در بن شیب کی مدد کے لیے روانہ کیا جا رہا ہے۔ معتمد کا حکم ہے کہ یہ جو نیا لشکر غیر در بن شیب کی مدد کے لیے بھیجا جائے گا اس کے کماندار تم ہو گے۔ ساتھ ہی یہ بھی احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں کہ جب تم غیر در بن شیب کے ساتھ جا کر شامل ہو جاؤ گے تو تمہاری حیثیت سالارِ اعلیٰ کی ہوگی۔ غیر در بن شیب تمہارے نائب کی حیثیت سے کام کرے گا۔ میرا بیٹا زیدون بھی لشکر میں شامل ہے۔ اس کی حیثیت بھی تمہارے ماتحت کی سی ہوگی۔ یہ احکامات معتمد جاری کر چکے ہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ تم کب تک یہاں سے نئے لشکر کو لے کر کوچ کر سکتے ہو؟“

اس موقع پر ہلکا سا تبسم زکریا کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ کہنے لگا۔ ”میں تو ابھی اسی وقت کوچ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ لشکر کو تیار اور مستعد کر دیں۔“

مسلم بن سرج مسکرایا اور کہنے لگا۔

”جس لشکر نے تمہاری کمانداری میں یہاں سے کوچ کرنا ہے وہ تو بالکل تیار ہے۔ دراصل ہم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ چند دن رک کر آرام کر لو، اس کے بعد کوچ کرنا اور تم بخوشی آج ہی کوچ کرنے کے لیے تیار ہو تو آج ہی تمہارے کوچ کا اہتمام کر دیا جائے گا۔ تمہارے متعلق تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے پیغام غیر در بن شیب اور میرے بیٹے زیدون تک پہنچا دیا گیا ہے اور وہ یقیناً تمہارا استقبال کریں گے۔ تمہاری غیر موجودگی میں یہ تبدیلی ہوئی کہ افونش کا ایک لشکر اس کے سالار یورس کی سرکردگی میں ہمارے علاقوں میں داخل ہوا تھا۔ اس نے چاروں طرف یلغار کرتے ہوئے لوٹ مار کا بازار

گرم کرنے کی کوشش کی لیکن غیر در بن شیبہ اور میرا بیٹا زیدون اس سے ٹکرائے اور اسے مار بھگایا۔ اب جو خبریں آرہی ہیں وہ یہ کہ اس ٹکراؤ میں افونش کے لشکر کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس پسپائی کی وجہ سے افونش بڑا غضب ناک ہے۔ چنانچہ اس نے ایک اور لشکر اپنے دوسرے سالار مارنوس کی سرکردگی میں دیا ہے۔ یورلیس کے لشکر کا جو نقصان ہوا تھا اس کی بھی کمی پوری کر دی گئی ہے۔ چنانچہ افونش کے دونوں سالار یورلیس اور مارنوس ایک خاصا بڑا لشکر لے کر پھر ہمارے علاقوں کا رخ کریں گے اور چاروں طرف تباہی بربادی کا کھیل کھیلنے کی کوشش کریں گے۔“

مسلم بن سربیع جب خاموش ہوا تب زکریا بن ادریس کہنے لگا۔ ”میں یہ تو نہیں کہتا کہ جیسا کھیل وہ ہمارے علاقوں میں کھیلیں گے، اس سے بدتر کھیل ہم اہم کے علاقوں میں کھیلیں گے لیکن میں آپ کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم افونش کے دونوں سالاروں یورلیس اور مارنوس کو اپنے علاقوں کے اندر عبائی اور بربادی پھیلانے کی اجازت نہیں دیں گے اور ان پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ ہمارے علاقوں میں لوٹ مار کرنے کی بجائے وہ اپنے علاقوں کی طرف لوٹ جانا زیادہ پسند کریں گے۔“

زکریا بن ادریس کی اس گفتگو سے مسلم بن سربیع خوش ہو گیا تھا۔ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا۔

”بیٹے! شام تک آرام کر لو۔ عشاء کی نماز کے بعد تم اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کرنا۔ جس سمت غیر در بن شیبہ اور میرے بیٹے زیدون نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا ہے، وہاں تک کچھ راہبر تمہاری راہنمائی کرتے ہوئے تمہیں وہاں لے جائیں گے اور مجھے امید ہے کہ تمہارے وہاں پہنچنے کے بعد جب دشمن سے ہمارا ٹکراؤ ہوگا تو شکست و ریخت افونش کے سالاروں اور لشکریوں کا ہی مقدر بنے گی۔“

اس کے ساتھ ہی مسلم بن سربیع اور باقی لوگ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسلم بن سربیع کے کہنے پر زکریا بن ادریس سرائے کے اندر اس کمرے کی طرف چلا گیا جو اس کے لیے رہائش کے طور پر مختص تھا۔





تاروں کی پوشاک پہنے رات روحوں کو تسکین، دلوں کو امید افزائی دیتی بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ چاروں طرف پھیلے اندھیروں کے اندر شب سماعت کو فطرت کے سہانے نغمے، آنکھوں میں سرشاری کے رنگین خواب سجانے لگی تھی۔ شعور کو سوچوں کے شعلوں سے خالی کرتے ہوئے بڑی تیزی سے ارض و سما کی مسافتیں طے کرتی چلی جا رہی تھی۔

ایسے میں اپنے سرحدی علاقوں میں غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے پڑاؤ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنے منجر چاروں طرف پھیلا رکھے تھے۔ لشکر کا ایک حصہ جاگ رہا تھا۔ بہت سے چھوٹے سالار بھی ان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے غیر در بن شیب بول اٹھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! افونش نے ہی خیال کیا تھا کہ وہ قعر گنما سے نکل کر اور ہماری سانسوں کا بوجھ بن کر ہمارے دفاع کے حصار کو توڑ دے گا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ظلم و عذاب کی یلغار کی طرح بدبختی کی آندھیوں کی صورت میں ہم پر چھا جائے گا۔ لیکن فی الحال تو ہم نے اس کے سالار کو ناکام اور نامراد کر کے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ پر میرے عزیز ساتھیو! یہ کیفیت زیادہ عرصہ تک نہ چل سکے گی۔ افونش تہیہ کیے ہوئے ہے کہ وہ ہماری خوشیوں کے موتیوں کو محرومیوں کے سنگریزوں میں تبدیل کر کے رہے گا۔ ہماری آوازوں، ہماری صداؤں، ہمارے نغموں کو بے معنی، فرسودہ الفاظ کا روپ دے گا۔

ہماری بدبختی یہ ہے کہ ہسپانیہ کے اندر کوئی مضبوط اور مرکزی حکومت نہیں ہے۔

مسلمان حکمران چھوٹی چھوٹی ریاستیں سجائے بیٹھے ہیں۔ کسی کے دل میں بھی مسلم قوم کی بہترین کے لیے تلاطم بھرا طوفان نہیں اٹھتا۔ کہیں سے بھی افونش کی یلغار کو روکنے کے لیے ہیجان بھری آندھیاں نمودار نہیں ہوتیں۔ ہمارے چھوٹے چھوٹے حکمران عیش و عشرت میں ڈوبے نخوتوں کو گلے لگائے زہر انگلی عشرتوں کو اپنائے ہوئے اپنی قوم کی بدبختی کی حکایات اپنے ہاتھوں سے لکھ رہے ہیں۔ کاش! ہسپانیہ کے اندر کوئی مرکزی حکومت ہوتی، کوئی زندہ دل قوم سے محبت رکھنے والا حکمران ہوتا تو آج افونش کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ ہمارے سب سے بڑے شہر طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہ ہمارے دوسرے شہروں پر چڑھ دوڑنے کی جرأت اور جسارت کرتا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد غیر در بن شیب رکا، کچھ سوچا، پھر پہلے سے زیادہ دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! گو افونش کے سالار یورلیس کو وقتی طور پر ہم نے مار بھگایا ہے اور اپنے علاقوں میں اسے شکست و ریخت کا کھیل نہیں کھیلنے دیا لیکن اب جو خبریں آ رہی ہیں ان کے مطابق افونش ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رہا ہے۔ یورلیس کے ہمارے ساتھ ٹکرانے کے باعث اس کے لشکر میں جو کمی آئی ہے اسے پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے ایک اور لشکر بھی تیار کیا ہے جس کی کمانداری اس نے اپنے دوسرے سالار مارنوس کو دی ہے اوزاب سنا ہے کہ افونش کے یہ دونوں سالار ایک جہاز لشکر کے ساتھ ہمارے علاقوں کا رخ کریں گے اور تباہی و بربادی کا کھیل کھیلیں گے۔“

کاش! افونش کے ان دونوں سالاروں کی آمد سے پہلے پہلے زکریا بن اورلیس ایک اور لشکر لے کر یہاں پہنچ جائے۔ زکریا ایک ایسا بیٹا، ایک ایسا فرزند، ایک ایسا مجاہد، ایک ایسا سالار ہے جو اپنی ہنرمندی، اپنی عسکری صناعت سے ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔ اگر وہ ہمارے پاس پہنچ جائے تو مجھے یقین ہے ہم بڑی آسانی کے ساتھ افونش کے دونوں سالاروں یورلیس اور مارنوس کو مار کر بھگا سکتے ہیں۔

یہاں تک کہتے کہتے غیر در بن شیب کو رک جانا پڑا اس لیے کہ اسی وقت ایک منجر بھاگتا ہوا وہاں آیا اور غیر در بن شیب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تھوڑی دیر تک زکریا بن اورلیس ایک لشکر کے ساتھ ہمارے پڑاؤ میں داخل

ہوئے ہیں۔“

یہ الفاظ سن کر غیر در بن شیب، زیدون بن مسلم اور وہاں بیٹھے دیگر سالاروں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پھر غیر در بن شیب، زیدون بن مسلم اور دوسرے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خداوند قدوس زکریا بن ادریس کی عمر لمبی کرے۔ کیا وقت، پر پہنچ رہا ہے۔ میرے عزیز بھائیو! آؤ اپنے اس نایاب سالار کا استقبال کریں۔“

غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کے علاوہ دوسرے سالار وہاں سے ہٹنے ہی والے تھے کہ ایک طرف سے ایک سوار اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا۔ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم نے جب غور سے اس کی طرف دیکھا تو وہ خود زکریا بن ادریس تھا۔ دونوں اس کی طرف بھاگے۔ ان کے اس طرح بھاگنے پر زکریا بن ادریس بھی اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ دونوں سے پُر جوش انداز میں بغلگیر ہوا، پھر کہنے لگا۔

”تم لوگ جہاں بیٹھ کر گفتگو کر رہے تھے، وہیں بیٹھ رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھوں گا۔ میں جو لشکر لے کر آیا ہوں، وہ پڑاؤ کر رہا ہے۔ کھانے کا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کھانا ہم راستے میں کھا کر آئے ہیں۔ آرام کرنے سے پہلے میں تم لوگوں سے دشمن سے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہوں گا۔“

زکریا بن ادریس کی آمد پر غیر در بن شیب، زیدون بن مسلم اور دوسرے سارے سالار خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس پر وہ پلٹے، وہیں بیٹھ گئے جہاں پہلے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ہی زکریا بن ادریس زمین کی ننگی پیٹھ پر ہو بیٹھا تھا۔ قبل اس کے کہ کوئی گفتگو کا آغاز کرتا، زکریا بن ادریس غیر در بن شیب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن شیب! میرے عزیز بھائی! دراصل مدعا کی طرف آنے سے پہلے میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ میرے عزیز! تو گزشتہ چند دن سے ان سارے علاقوں میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیے ہوئے ہے۔ زیدون بن مسلم کی مدد سے افونش کے ایک سالار یوریس کو مار بھگا بھی چکا ہے لہذا ان علاقوں میں تم میری نسبت زیادہ معلومات رکھتے ہو۔ سو میرے بھائی! میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں جو لشکر لے کر آیا ہوں اس لشکر سمیت میں خود بھی تمہارے ماتحت نائب کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جو کام بھی تم مجھے سونپو گے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اسے نہ صرف احسن طریقے سے اس کے انجام تک پہنچاؤں گا بلکہ دشمن پر تمہاری خواہش، تمہاری امیدوں کے مطابق

ضرب لگاؤں گا۔ اب بولو تم کیا کہتے ہو؟“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب زیدون بن مسلم تو پہلے ہی عجیب سے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا، غیر در بن شیب بھی اسے گھورتے ہوئے کہنے لگا۔

”زکریا بن ادریس! میرے بھائی! یہ تم نے کیسی گفتگو کر دی ہے؟ یوں جانو ایسی گفتگو کر کے تم نے میری اور میرے ساتھیوں کی دل شکنی کی ہے۔ اشبیلیہ کے سارے لوگ ہی نہیں ہمارے سارے سالار اور لشکری بھی جانتے ہیں کہ غیر در بن شیب سے زکریا بن ادریس کہیں اعلیٰ اور ارفع پائے کا سالار اور تیج زن ہے۔ اس بنا پر میرے بھائی! تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ تم میرے ماتحت میرے نائب کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے تیار ہو۔ جبکہ آج دوپہر کے وقت اشبیلیہ سے کچھ قاصد میرے پاس پہنچ گئے تھے جنہوں نے نہ صرف تمہاری آمد کی اطلاع کر دی تھی بلکہ یہ بھی انکشاف کر دیا تھا کہ جو پہلے سے میرے پاس ہے اور جو لشکر زکریا بن ادریس لے کر آ رہا ہے اس سارے متحدہ لشکر کا سالار اعلیٰ زکریا بن ادریس ہو گا جبکہ میں اور زیدون بن مسلم آپ کے نائب کی حیثیت سے کام کریں گے۔ جب یہ فیصلہ ہو چکا ہے، جب یہ احکامات ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں پھر میرے بھائی! تم نے کیسے اپنے آپ کو کسر نفسی میں ڈالتے ہوئے ہمارے ماتحت اور ہمارے نائب کی حیثیت سے کام کرنے کی پیشکش کر دی ہے؟“

غیر در بن شیب جب خاموش ہوا تب تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے زکریا بن ادریس کہنے لگا۔

”ابن شیب! میں جانتا ہوں اشبیلیہ سے ایسے احکامات پہنچ چکے ہیں۔ لیکن میرے عزیز بھائی! میری آمد سے پہلے ہی تم کئی دن سے یہاں کام کر رہے ہو۔ ان علاقوں کے نشیب و فراز سے واقف ہو۔ دشمن نے جو تمہارے خلاف یلغار کی ہے، اسے ایک بار شکست دے کر بھگا بھی چکے ہو۔ لہذا ذاتی طور پر میں یہ چاہتا ہوں کہ متحدہ لشکر کی کمانداری تم کرو اور میں تمہارے ماتحت کام کروں۔“

اس بار غیر در بن شیب اپنی آواز میں زور پیدا کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابن ادریس! میرے بھائی! تم کس قسم کی گفتگو کر رہے ہو؟ تمہاری موجودگی میں جو کام مجھے زیب دیتا ہی نہیں ہے، اسے کرنے کی میں کیسے حامی بھروں؟ اس سے پہلے

جو لشکری میری کمانداری میں تھا، یقیناً میں اس کا سالار تھا اور زیدون بن مسلم میرے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ لیکن اب متحدہ لشکر کے سالارِ اعلیٰ آپ ہیں اور میرے عزیز بھائی! میں اور زیدون بن مسلم تمہارے ماتحت اور تمہاری نیابت میں کام کرتے ہوئے فخر محسوس کریں گے۔ میرے بھائی! اب اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کرنا۔ میری یہ تم سے التماس ہے۔ خدا کے لیے ہم سے وہ کام نہ لو جو تمہاری موجودگی میں ہم کرنے کے اہل نہیں ہیں.....“

یہاں تک کہتے کہتے غیر در بن شبیب کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لیے کہ اسی لمحہ کچھ گھڑ سوار اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے اس جگہ آئے تھے جہاں زکریا بن ادریس کے ساتھ سب گفتگو کر رہے تھے۔ ان کے آنے پر غیر در بن شبیب، زیدون بن مسلم دونوں چونکے تھے۔ اس لیے کہ آنے والے ان کے منجر تھے۔ جب وہ قریب آئے تب سب سے پہلے تو آنے والے زکریا بن ادریس کو وہاں دیکھ کر بے پناہ خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ آگے بڑھ کر پُر جوش انداز میں اس سے ملے، پھر آنے والوں میں سے ایک زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ بھی ایک لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ گئے ہیں۔ پڑاؤ میں داخل ہونے کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ آپ ایک نیا لشکر لے کر آئے ہیں۔ آپ کا آنا ہمارے حق میں بہتر ہی ہوگا۔“

اس موقع پر غیر در بن شبیب ان آنے والے منجروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! اگر تم کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو تو کہو۔ اس وقت ہمارے لشکر کے کماندار اور سالارِ اعلیٰ زکریا بن ادریس ہیں۔ جو لشکر یہ اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں اور جو لشکر پہلے سے میرے اور زیدون بن مسلم کے ساتھ کام کر رہا ہے، یہ بھی ان کی کمانداری میں آئندہ کام کرے گا۔ اب تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“

اس موقع پر زکریا بن ادریس بھی بڑے غور سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ آنے والوں میں سے ایک دھیمے لہجے اور رازدارانہ انداز میں کہنے لگا۔

”افونش نے اپنے سالار یوریس کو جو لشکر دے کر بھیجا تھا اس نے اس سے یہ امیدیں وابستہ کی تھیں کہ یوریس اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے علاقوں میں دور تک یلغار کرے گا اور افونش کے لیے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن یوریس

جب یہاں سے شکست اٹھا کر طلیطلہ کی طرف گیا تب افونش بڑا مایوس ہوا۔
 اب اس نے دو اقدام کیے ہیں۔ اول یہ کہ یورپس کے جو لشکر کا نقصان ہوا تھا وہ
 افونش نے پورا کر دیا ہے۔ ایک مزید لشکر اس نے تیار کیا ہے۔ اس کی کمانداری اپنے
 دوسرے سالار مارنوس کے سپرد کی ہے۔ یوں یورپس اور مارنوس دونوں اپنے اپنے لشکر
 لے کر ہمارے علاقوں کی طرف بڑھیں گے۔ ایک ساتھ ہمارے علاقوں میں ترک تاز
 اور پلغار نہیں کریں گے بلکہ وہ مختلف محاذ قائم کر کے ہمارے علاقوں کو نقصان پہنچائیں
 گے۔ دراصل افونش اور اس کے سالاروں کو ابھی تک یہی خبر ہے کہ اشبیلیہ کے حکمران
 معتمد نے اپنے دو سالاروں غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم کو اس کے لشکر یوں کا
 مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ چنانچہ اب اس نے دو لشکر ہمارے علاقوں کی لوٹ مار
 کے لیے روانہ کیے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا لشکر اس حالت میں دو حصوں
 میں بٹے گا، کمزور ہو جائے گا اور اس کے دونوں سالار مارنوس اور یورپس مسلمانوں کے
 علاقوں میں دور تک پلغار کرتے چلے جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخر کچھ دیر کورکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ
 کہہ رہا تھا۔

”میرے محترم ساتھیو! افونش ایسا ایک منصوبہ بندی کے تحت کر رہا ہے اور یہ
 منصوبہ بندی اس کے لشکر یوں کے سالار اعلیٰ فائیز نے تیار کی ہے۔ دراصل چھوٹے
 لشکروں کے ذریعے ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہو کر فائیز اور افونش دونوں ہماری عسکری
 قوت اور طاقت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد کسی بڑی مہم جوئی کی ابتداء
 کریں گے۔“

افونش نے جو دوسرا اقدام کیا ہے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کچھ
 ہی عرصہ پہلے اس نے مسلمانوں کے شہر طلیطلہ پر قبضہ کیا ہے۔ اس کے پاس ایک لشکر
 طلیطلہ میں موجود ہے۔ لیکن اس کے لشکر کی اکثریت اس وقت قشتالیہ، جلیقیہ اور نبرہ کی
 چھاؤنی میں پڑی ہوئی ہے۔ لہذا اس نے سلطنت کا کام چلانے والے اپنے بیٹے کو حکم
 دیا ہے کہ تینوں مقامات یعنی قشتالیہ، جلیقیہ اور نبرہ سے لشکر طلیطلہ کی طرف بھیجا جائے
 تاکہ ایک جہاز لشکر تیار کر کے مسلمانوں کے علاقوں پر ہلہ بول دیا جائے۔ یاد رکھیے گا
 افونش مسلمانوں کو ہسپانیہ سے نکالنے کا مصمم ارادہ کر چکا ہے اور اس کے لیے اس نے

اپنی طاقت اور قوت میں خوب اضافہ کر رکھا ہے۔“
یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا مخبر جب خاموش ہوا تب کچھ دیر سب چپ رہ کر سوچتے رہے۔ یہاں تک کہ زکریا بن ادریس نے آنے والے مخبروں کو مخاطب کیا۔
”میرے عزیز ساتھیو! کیا تم بتا سکتے ہو کہ افونش کے سالار یورپس مارنوس جو مختلف لشکر لے کر ہمارے علاقوں کا رخ کر رہے ہیں وہ کس کس مقام سے ہمارے علاقوں میں داخل ہو کر عارت گری کا کھیل کھیلیں گے؟“

جواب میں جو مخبر پہلے بولا تھا، وہی بول اٹھا تھا۔

”جہاں تک یورپس کا تعلق ہے تو وہ انہی علاقوں کی طرف آئے گا جہاں اس وقت ہمارے لشکر کا پڑاؤ ہے۔ اس لیے کہ یورپس ایک بار ان علاقوں پر حملہ آور ہو چکا ہے لہذا ان علاقوں میں وہ دوبارہ اپنی قسمت آزمائے گا۔ میرے خیال میں وہ دونوں دو روز تک ہمارے علاقوں میں داخل ہو کر اپنی کارروائیوں کی ابتدا کریں گے اور ہمارے علاقوں میں داخل ہونے سے پہلے وہ اپنے مخبروں کے ذریعے یہ خبریں دور دور تک پھیلا دیں گے کہ افونش کے دو لشکر مسلمانوں کے علاقوں پر یلغار کرنے کے لیے بڑھے ہیں۔ ایسا وہ اس لیے کریں گے تاکہ ہماری طاقت اور قوت بھی دو حصوں میں بٹ جائے اور ان کی کامیابی یقینی ہو جائے۔“

جہاں تک مارنوس کا تعلق ہے تو وہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ چند میل شمال میں اپنی کارروائیوں کی ابتداء کرے گا۔ یورپس کی نسبت مارنوس زیادہ وحشی اور قتل و عارت گری کا شوقین سالار ہے۔“

اس مخبر کے ان الفاظ پر زکریا بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”یہ تو وقت بتائے گا کہ مارنوس ہمارے علاقوں میں وحشی پن کا اظہار کرتا ہے یا ہم اس کی وحشت نکال کر رکھتے ہیں۔ عزیز ساتھیو! آج کی شب آرام کرو۔ کل عشاء کے بعد میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ یہاں سے شمال کی طرف کوچ کروں گا۔ تم میں سے چند میرے ساتھ رہیں گے تاکہ ان علاقوں تک میری رہنمائی کریں۔ ساتھ ہی ادھر ادھر پھیل کر مارنوس سے متعلق مجھے اطلاعات بھی فراہم کرتے رہیں۔ اب تم جاؤ، جا کر آرام کرو۔“

اس کے ساتھ ہی وہ مخبر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد زکریا بن

اور لیس کچھ دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا یہاں تک کہ اس نے غیر در بن شیب، زیدون بن مسلم اور دیگر سالاروں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”میرے عزیز اور قابل قدر ساتھیو! افونش اگر ہمارے علاقوں میں ترک تاز کرنے کے لیے دو لشکر بھیج رہا ہے تو ہم نے ثابت کرنا ہے کہ ہم اپنے علاقوں کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ میں کل عشاء کے بعد شمال کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔ مارنوس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم! تم دونوں پہلے کی طرح یورلیس سے نکرانا اور میری خداوند محترم کے حضور دعا ہے کہ افونش کے لشکروں کے مقابلے میں ہمیں کامیابی اور کامرانی عطا فرمائے۔“

ساتھ ہی اس موقع پر میرے عزیز ساتھیو! میں کچھ خدشات کا بھی اظہار کروں گا۔ میرا دل کہتا ہے کہ یورلیس اور مارنوس کو تم ہم مار بھگائیں گے لیکن افونش اپنے شمال کے سارے لشکروں کو طلیطلہ میں جمع کر رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ ہسپانیہ میں مسلمانوں کے خلاف کوئی بہت بڑا قدم اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ ایسا ہو رہا ہے تو یہ ہسپانیہ میں مسلمانوں کی بد قسمتی اور ان کی بد بختی کی ابتداء ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن اور لیس چند لمحوں تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا، اس کے بعد بڑی کرب خیز آواز میں دوبارہ کہہ رہا تھا۔

”ہماری بد بختی یہ ہے کہ ہمارے اندر کوئی مضبوط مرکزی حکومت ہی نہیں ہے۔ غیر ذمہ دار حکمرانوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی ہیں جن کی نہ کوئی عسکری طاقت ہے نہ کوئی اخلاقی معیار ہے۔ اور یہ افونش کے سامنے ریت کی دیوار سے بھی بدتر ثابت ہوں گے۔ ہسپانیہ میں اس وقت ایسے بھی حکمران ہیں جو وطن سے صحبت کے معنی سے بھی محروم ہیں۔ اپنی قوم پر منڈلاتے دکھ کے بادلوں سے بھی بے خبر ہیں۔ ہمارے یہ چھوٹے چھوٹے حکمران ظلم کر کے اپنے گریبان و آستین کو تو جرم آلود کر سکتے ہیں، خون بے گناہ سے اپنے ہاتھ تر کر سکتے ہیں مگر سیاہ تقدیر جیسے منڈلاتے حالات کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ ہسپانیہ میں جس قدر ہمارے حکمران ہیں، عیش و عشرت میں پڑے ہوئے ہیں۔ نہیں دیکھتے کہ چاروں طرف ان کے لیے تباہی کے بادل اٹھ رہے ہیں۔ جبکہ وہ خود گلابوں کی مہک، ریشمی تجسیم کے حُسن، شانیوں کے الہڑ پن، انگڑائیوں کے پیراہن میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ہونٹوں سے ٹپکتے

نرم بو سے قوم کے لیے شفق رنگ مسرت کی سحر نہیں لا سکتے۔ قوم کی خوشی کے لیے چہرے لہو لہو، بدن پارہ پارہ کرنے پڑتے ہیں۔ پھول جسموں میں رہ کر رنگوں کی صداؤں، آوازوں کی خوشبوؤں اور مہتاب چہروں سے تو لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے لیکن اپنی قوم کی عظمت کی داستانیں رقم کرنے کے لیے خون آلود تلام کا لباس پہننا پڑتا ہے۔ وطن کی حفاظت کے لیے اپنے کھیتوں، اپنے تانستانوں کا باغبان بننا پڑتا ہے۔ کالے باطن والے لوگوں کے مقابلے میں اپنے عوام کا خادم ہونا پڑتا ہے۔ وطن کے سہاگ کے لیے آگ و خون کے آشوب سے گزرنا پڑتا ہے اور حرمتوں کے لہو کورسنے سے بچانے کے لیے زندگی پر ہمیشہ موت کو ترجیح دینا پڑتی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس لہو بھر کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ کچھ دیر ہونٹ کاٹا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

”کاش کوئی کیمیا گر میری قوم کو یہ بتاتا کہ غلامی کی زنجیروں سے بچنے کے لیے قضا کے بگولوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ محکومیت کی قید سے اپنا دامن بچانے کی خاطر بدی کی گھٹاؤں کے مقابلے میں چڑھتے طوفانوں کی صورت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ ظالم و وحشی تماشے کھڑے کرنے والوں پر ضرب لگانے اور انہیں مار بھگانے کے لیے آگ کے تند طوفانوں سے کھیلنا پڑتا ہے۔ ہماری بدبختی یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں میں ایسے بھی ہیں جو نماز پڑھ کر ڈسنے والے سانپ کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ جو ہونٹوں پر تسبیح، سینوں میں مکرو فریب کے جال رکھتے ہیں۔ جو زہر آلود مصلوں پر بیٹھ کر وقت کے استحکام کی تانت کے تناؤ کو ڈھیلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

زکریا بن ادریس کے ان الفاظ نے سارے سالاروں کو متاثر کیا تھا۔ سب کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ یہاں تک کہنے کے بعد زکریا نے ان کا جائزہ لیا پھر اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! میں جذباتی ہو گیا تھا۔ تمہاری اذیت کا باعث بننے کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔“

اس موقع پر زیدون بن مسلم بڑی عقیدت اور ارادت مندی سے زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! جو الفاظ آپ نے ادا کیے ہیں قسم خداوند قدوس کی اگر میں کسی علاقے کا حکمران ہوتا تو ان الفاظ کو سنہرے حروف میں لکھ کر ہر روز ان کا مطالعہ کرتا اور اپنے ضمیر، اپنے شعور اور اپنے دل کا احتساب کرتا کہ کیا میں ان الفاظ کا بھرم رکھنے کے قابل ہوں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زیدون بن مسلم جب خاموش ہوا تب ہلکے سے تبسم میں زکریا سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! میں دیکھ چکا ہوں کہ تم نے اپنے لشکر کا ایک حصہ بیدار رکھ کر پہرہ دینے کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ اٹھو، آرام کرو۔ کل کا دن تیاری کے لیے ہمارے پاس ہے اور کل عشاء کے بعد میں یہاں سے کوچ کروں گا۔ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم! میرے عزیز بھائیو! میں جانتا ہوں یوریس اس باہم دونوں کے خلاف انتقامی کارروائی پر اترے گا۔ تم دونوں اس سے پہلے اسے شکست دے چکے اور اب وہ اپنی شکست کے داغ دھونے کی کوشش کرے گا۔ لیکن مطمئن رہنا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ وہ تمہارے مقابلے میں بڑا لشکر لے کر آیا ہے اور تم پر بھاری ثابت ہو رہا ہے تو میرے بھائیو! اس کے خلاف جارحیت اختیار مت کرنا۔ اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھنا۔ وقت گزارنے کی کوشش کرنا۔ مجھے امید ہے کہ مارنوس سے نمٹنے کے بعد میں یوریس کے خلاف تمہاری مدد کو پہنچوں گا۔ اس طرح ہم دشمن کے دونوں لشکروں کو مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کے علاوہ باقی سارے سالاروں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر سب وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

اگلے روز زکریا بن اوریس اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ عشاء کے بعد اپنی منزل کی طرف کوچ کر گیا تھا۔





حسین اور خوبصورت رواندہ ایک روز اپنے باپ انیتش اور ماں اموسیہ کے ساتھ اپنے دیوان خانے میں بیٹھی گھریلو موضوع پر گفتگو کر رہی تھی کہ حویلی کے صدر دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس موقع پر انیتش خود اپنی جگہ پر کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔

”میں دیکھتا ہوں دستک دینے والا کون ہے۔“

رواندہ فوراً اٹھی، اپنے باپ کا بازو پکڑ کر فوراً بٹھا دیا، پھر کہنے لگی۔

”بابا! آپ بیٹھیں۔ میں خود جاتی ہوں اور دیکھتی ہوں دستک دینے والا کون ہے۔“

اس کے ساتھ ہی رواندہ بڑی تیزی سے دیوان خانے سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو دنگ رہ گئی۔ اس لیے کہ دروازے پر ایک انتہائی درجہ کی خوبصورت، نو عمر لڑکی کھڑی تھی۔ رواندہ کو دیکھتے ہی وہ لڑکی مسکرائی، پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”جس قدر تمہاری خوبصورتی کے چہ چہ تھے، میں نے تمہیں اس سے کہیں زیادہ

خوبصورت پایا ہے۔“

اس لڑکی کی اس گفتگو سے رواندہ کسی قدر پریشان اور فکر مند ہو گئی تھی۔ دروازے کے ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ کہنے لگی۔

”معاف کرنا..... میں نے تمہیں پہچانا نہیں۔“

اس پر وہ لڑکی مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”پہلے مجھے اندر آنے کے لیے تو کہو۔ کیا باہر ہی کھڑا رکھو گی اور اسی حالت میں

میرا تعارف حاصل کرنا چاہو گی؟“

رواندہ شرم ساری ہو گئی۔ ایک طرف ہٹ گئی۔ کہنے لگی۔

”اندرا آ جاؤ.....“

چنانچہ وہ لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اتنی دیر تک دیوان خانے سے نکل کر بیٹش اور اموسیہ بھی باہر برآمدے میں آن کھڑے ہوئے تھے۔ رواندہ دروازہ بند کر کے اس لڑکی کے ہاتھ دیوان خانے کی طرف ہولی۔ سب دیوان خانے میں بیٹھ گئے۔ پھر آنے والی اس لڑکی نے گفتگو کا آغاز کیا اور کہنے لگی۔

”آپ تینوں پریشان ہو رہے ہوں گے کہ میں کون ہوں اور بن بلائے آپ لوگوں کے پاس نزول کر گئی ہوں میں اپنا تعارف کرواتی ہوں۔ میں اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر کی بیٹی صدف بنت ابوبکر ہوں۔ آپ دونوں میاں بیوی کے اشبیلیہ شہر میں داخل ہونے اور حویلی خرید کر رہائش اختیار کرنے کی خبریں تو پہلے ہی ہمارے پاس پہنچ چکی تھیں لیکن صرف چند دن پہلے یہ پتہ چلا کہ آپ کی بیٹی رواندہ جس کی خوبصورتی اور حسن کے چہرے ایک طرح سے پورے ہسپانیہ میں ہیں، وہ بھی باحفاظت اور باعافیت آپ کے پاس اشبیلیہ پہنچ گئی ہے۔ سب سے پہلے تو میں آپ کی بیٹی کی آمد پر آپ کو مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ ساتھ ہی میں اپنی بہن رواندہ کو اشبیلیہ شہر میں خوش آمدید بھی کہتی ہوں۔ ساتھ ہی میں آپ لوگوں سے یہ بھی التماس کرتی ہوں کہ آپ میرے سات ہمارے ہاں چلیں۔ آج آپ تینوں کا شام کا کھانا ہمارے ہاں ہوگا۔ یہ مت خیال کیجئے گا کہ میں اپنی طرف سے آپ کو دعوت دینے اور لینے آگئی ہوں، نہیں، بلکہ ایسا میرے والد محترم ابوبکر، میری ماں خزیرہ اور بھائی قیطان بن ابوبکر کے مشورے سے کیا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری اس دعوت، میری اس پیشکش کو نہ ٹالیں گے نہ انکار کریں گے۔“

صدف بن ابوبکر کی اس گفتگو کے جواب میں رواندہ تو مسکراتے ہوئے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھ رہی تھی، اس موقع پر بیٹش نے گہری نگاہوں سے اپنی بیوی اموسیہ کی طرف دیکھا اور جواب میں اموسیہ ہلکے ہلکے تبسم میں صدف بنت ابوبکر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹی! تیرا کہا ہم ٹالیں گے نہیں۔ اگر تو اتنے پیارا، اتنی اپنائیت سے ہمیں دعوت دینے آئی ہے تو ہم تیرے ساتھ ضرور چلیں گے۔ ہم تو ابھی تک اس شہر میں اجنبی ہیں۔ آپ لوگوں کی مہربانی کہ آپ ہم لوگوں کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔“

اموسیہ کا یہ جواب سن کر صدف کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کہنے لگی۔

”اگر یہ بات ہے تو اٹھیں، میرے ساتھ چلیں۔“

اس پر روانہ، انیش اور اموسیہ تینوں تیار ہو گئے اور صدف کے ساتھ ہو لیے

تھے۔

تینوں صدف کے ساتھ اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر کی بجی اور آراستہ حویلی میں داخل ہوئے۔ شاید ان کی آمد کی اطلاع پہلے سے کسی نے حویلی میں کر دی تھی لہذا حویلی کے صحن میں آ کر وزیر ابوبکر، اس کی بیوی خریرہ، بیٹے قیطان بن ابوبکر نے ان کا استقبال کیا اور سب کا ایک دوسرے سے تعارف بھی صدف بنت ابوبکر نے کرا دیا تھا۔

کچھ دیر تک سب دیوان خانے میں بیٹھے رہے اس کے بعد وزیر ابوبکر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا، قیطان بن ابوبکر بھی کھڑا ہو گیا۔ پھر ابوبکر اپنی بیوی خریرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں اور قیطان تھوڑی دیر کے لیے مستقر کی طرف جاتے ہیں۔ ہمارے بڑے سالاروں میں سے مسلم بن سرج اور شیب بھی وہاں پہنچ چکے ہیں۔ شاید جنگ کے محاذ سے کوئی خبر آئے۔ اب تک جو خبریں ہم تک پہنچی ہیں ان کے مطابق افونش نے دو بڑے بڑے لشکر اپنے سالار مارنوس اور یوریس کی سرکردگی میں ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہونے کیلئے روانہ کئے ہیں۔ پہلے تو یوریس اکیلا حملہ آور ہوا تھا، اس کا مقابلہ غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم نے خوب کیا تھا اور اسے مار بھگایا تھا۔ اب دوسرا سالار مارنوس بھی ایک خاصا بڑا لشکر لے کر آ رہا ہے۔ یوریس کو بھی مزید لشکری مہیا کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی ہماری طرف سے بہترین اور عمدہ سالار زکریا بن ادریس بھی سرحد پر پہنچ چکا ہے اور مجھے امید ہے کہ زکریا بن ادریس کی کمانداری میں غیردر بن شیب، زیدون بن مسلم اور دیگر سالار افونش کے دونوں سالاروں اور ان کے لشکریوں کو مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میں اور قیطان دونوں باپ بیٹا اس سلسلے میں مستقر کی طرف جا رہے ہیں۔ دیکھیں گے کہ جنگ کے محاذ سے کوئی نئی خبر تو نہیں آئی۔“

اس کے ساتھ ہی ابوبکر اور اس کا بیٹا قیطان دونوں دیوان خانے سے نکلے اور چلے

گئے تھے۔

ابوبکر اور قیطان کے جانے کے بعد صدف اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنی ماں

خریرہ کو بھی باہر آنے کے لیے کہا۔ ساتھ ہی صدف رواندہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔
 ”میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔ اس کے بعد سب مل کر کھانا تیار کرتے ہیں۔
 شام کا کھانا سب اکٹھے کھائیں گے۔ اس کے بعد آپ لوگ اپنی حویلی کی طرف
 جائیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی صدف باہر نکلی۔ اس کے پیچھے اس کی ماں خریرہ بھی ہوئی تھی۔
 دوسرے کمرے کے قریب جا کر صدف نے اپنی ماں کو کمرے میں داخل ہونے کا اشارہ
 کیا۔ چنانچہ خریرہ جب اس کمرے میں داخل ہوئی تو بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے
 صدف اسے مخاطب کر کے بڑی رازداری سے کہنے لگی۔

”اماں! یہ رواندہ نام کی لڑکی تمہیں کیسی لگی؟“

جواب میں خریرہ کھل کر مسکرا دی۔ کہنے لگی۔

”بیٹی! جس قدر تعریف تو نے اس لڑکی کی کی تھی وہ اس تعریف سے بھی کم نہیں آگے

ہے۔ میں یوں کہہ سکتی ہوں کہ میں نے ایسی خوبصورت لڑکی پہلے نہیں دیکھی۔“

جواب میں صدف پہلے کی نسبت زیادہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں! آج پہلی ملاقات ہے۔ ہم کچھ نہیں بولیں گے۔ ان لوگوں سے چند

ملاقاتیں ہو جائیں، پھر رواندہ کو اس کے ماں باپ سے ہم اپنے بھائی قیطان کے لیے

مانگیں گے اور مجھے امید ہے کہ رواندہ کے ماں باپ انکار نہیں کریں گے۔ میرے بھائی

کے لیے اس سے بڑھ کر حسین اور خوبصورت لڑکی کوئی مل ہی نہیں سکتی۔ اگر یہ لڑکی

میرے بھائی قیطان کی بیوی بن کر ہماری حویلی میں آگئی تو ماں! یاد رکھنا یہ ہماری حویلی

کو چار چاند لگا کر رکھ دے گی۔“

جواب میں خریرہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”بیٹی! تیری زبان مبارک ہو۔ اللہ کرے رواندہ کے ماں باپ رواندہ کا رشتہ

میرے بیٹے قیطان کو دینے پر رضامند ہو جائیں۔ پر دیکھ بیٹی! اس وقت ہمیں یوں

علحدگی میں گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ اس وقت وہ تینوں دیوان خانے میں بیٹھے ہوئے

ہیں۔ ان کے پاس جا کر بیٹھنا چاہیے۔“

صدف نے اپنی ماں سے اتفاق کیا تھا۔ پھر دونوں ماں بیٹی دیوان خانے میں آن

بیٹھیں۔ کچھ دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، اس کے بعد نشست اور اموسیہ

دونوں میاں بیوی تو دیوان خانے میں ہی بیٹھ کر گفتگو کرتے رہے جبکہ صدف، اس کی ماں خریرہ رات کا کھانا تیار کرنے کے لیے مطبخ کی طرف گئیں اور صدف اپنے ساتھ روانہ کو بھی لیتی گئی تھی۔

شام کا کھانا روانہ اور اس کے ماں باپ نے وزیر ابوبکر کی حویلی میں سب کے ساتھ کھایا اور عشاء کے قریب تینوں اپنی حویلی میں چلے گئے۔ اس طرح صدف بنت ابوبکر کے خاندان کے ساتھ روانہ اور اس کے ماں باپ کی یہ پہلی ملاقات تھی۔



رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ چاروں طرف ایک ویران سناٹا اور لرزا دینے والا خوف طاری تھا۔ ایسے میں زکریا بن اور لیس اپنے لشکر کے ساتھ ایک محفوظ جگہ گھات لگائے انوش کے سالار مارنوس اور اس کے لشکر کا منتظر تھا۔ یہاں تک کہ اس کے مخبروں نے اسے خبر دی کہ دشمن کا لشکر مسلمانوں کے علاقوں پر یلغار کرنے کے لیے صرف پانچ میل کے فاصلے پر رہ گیا ہے۔

یہ خبر سن کر زکریا بن اور لیس نے اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ چھوٹے سالار آدمی اور طوفان کی طرح حرکت میں آئے۔ لشکر کو انہوں نے مستعد اور استوار کر دیا تھا۔ ایسے میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے زکریا بن اور لیس نے قبلے کا تعین کیا، گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا، قبلہ رو ہو کر سجدے میں گیا، اس کے بعد وہ انتہائی عاجزی، انتہائی کرب اور رقت میں دعا مانگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”اے اللہ! تو ہی ڈوبتے رنگوں کے عکس کو جلا بخشتا ہے۔ تو ہی کھر درے حروف کو معافی سے آراستہ کرتا ہے۔ میرے مالک! بے چہرہ ہیولوں کو تو ہی چہرہ عطا کرتا ہے اور تو ہی ایسی راہوں کو جو کہیں نہیں جاتیں، استوار کر دیتا ہے۔ میرے اللہ! تو ہی ریوڑوں سے پھڑے میمنوں کی حفاظت کرتا ہے۔ وقت کی اڑتی گرد میں تو ہی تدبیریں الٹتا، تقدیریں پلٹتا ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے زکریا بن اور لیس خاموش ہو گیا۔ اس لیے کہ دعا مانگتے ہوئے رو پڑا تھا۔ کچھ دیر کی ہچکیوں اور سسکیوں کے بعد اس کی آواز پھر سنائی دی۔

”میرے مالک! دشمن میری قوم کی زبان کا کاشا، حلق کا پھندا، موت کا

گھنچہ، نحوست کا لمحہ بننے کے درپے ہے..... میرے مولا! وقت کی گردشیں آشوب کی بے کراں ابتلاؤں سے مسلح ہو کر ہماری سانسوں کی ڈوریاں کاٹنے کے درپے ہیں۔ میرے اللہ! مجھے اور میرے ساتھیوں کو توفیق عطا فرما کہ ہم تلواروں کی سرگوشیوں، تیروں کی سرسراہٹوں، تکبیروں کے آبشاروں میں دشمن کے عزائم کو شکن شکن، اس کے ارادوں کو لہو لہو کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

اے کائنات کے مالک! حرا کی روشنی کے تقدس، بدو روحنین کی مقدس روایتوں کے صدقے میں مجھے اور میرے ساتھیوں کو توفیق عطا فرماتا کہ ہم اپنی قوت کی عظمت کی داستانیں رقم کر سکیں۔ اے دو جہاں کے مالک! ہم تیری بندگی اور عبادت کرتے ہیں۔ ضرورت کے وقت تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ تیرے سوا ہمارا نہ کوئی پاسبان ہے نہ پشت بان۔ میرے اللہ! دشمن کے مقابلے میں فطرت کے نورسی کامیابی و ضمیر کا تجلی سے فوز مندی عطا کرنا۔“

یہاں تک دعا مانگنے کے بعد زکریا بن اور لیس اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ رات کی تاریکی میں سارے چھوٹے سالاروں نے دیکھا اس کی آنکھوں سے نمی ڈھلک کر اس کے چہرے تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، اپنے لشکر کو اپنے طور پر اس نے استوار کیا اور جس طرح سے افونش کا سالار مارنوس اپنے لشکر کو لے کر آ رہا تھا، اس طرف بڑھا۔

مارنوس رات کی تاریکی میں جب قریب آیا تب اچانک زکریا بن اور لیس اونچے کوہساروں کا سینہ چیر کر نکلتی وحشت بدوش تابکاری، طوفانی زقند، تمدن کی کند سے لیس نعرے لگاتے بگولوں کی یلغار کی طرح حرکت میں آیا۔ اس کے بعد وہ تخریب کے موسموں کو زیر کر دینے والی قضا اور موت کی طاقت، گرم بیابانوں کی ریگ کی طرح چھا جانے والے رموز کن فیکوں کے رازداں اور آئینہ گردش دوراں میں نزع کی بے صورت حکایات کھڑی کرنے والی فطرت کی قہرمانیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

مارنوس اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ اس وقت سنبھلا جب زکریا بن اور لیس اپنے لشکر کو طوفانی انداز میں بڑھاتا ہوا قریب آ گیا تھا۔ تاہم مارنوس نے اپنے لشکر کو سنبھال لیا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے خلاف بھیانک جنگ کی ابتداء کر چکے تھے۔ رات کی گہری تاریکی میں تلواروں، ڈھالوں کے ٹکرانے کی آوازوں میں مرنے

والوں کی چیخیں دبنے لگی تھیں۔

جس وقت جنگ اپنے عروج پر آئی، اچانک زور زور سے اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے زکریا بن ادریس رات کی گہری تاریکی میں کہہ رہا تھا۔

”رسولِ عربی ﷺ کی اُمت کے دلیر جوانو!..... میری ملت کے جری پاسبانو! میری قوم کے دلاورو!..... اُمتِ مسلمان کے مجاہدو!..... دشمن کی رزم آرائی کے سامنے بگولوں کی طرح اٹل ہو جاؤ۔ زمین و آسمان اور سارے جہاں کے مالک کی مدد اور حمایت تمہارے ساتھ ہے۔ دیکھو تم روشنی کے سفیر ہو۔ مشعلوں کی طرح تلواریں اٹھا کر دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو جاؤ۔ وہ اللہ جو سب سے بلند اور بالا ہے وہ ان چنگھاڑتے درندوں، سرپیٹتے جنونیوں کے مقابلے میں تمہیں کامیابی اور فوز مندی عطا فرمائے گا۔ میرے جانثار ساتھیو!..... جس طرح مکہ کے اُفق پر ابا بلیس نمودار ہوئیں، اپنی چونچوں میں کنکر اٹھائے حملہ آور ہوئیں، فیل اور فیل بانوں سب کو بھس بنا کر رکھ دیا، اس طرح تم بھی اس وادی کے گھاس کے ہر تیکے کو خنجر، ہر پتھر کو شمشیر بنا کر رکھ دو۔ اپنے گرم لہو کی شجاعت سے دشمن کے مقابلے میں طوفان بن کر دشمن کے وسطی حصے کی طرف بڑھتے چلے جاؤ..... اللہ تمہارا حامی اور ناصر ہے۔“

اس کے ساتھ ہی زکریا بن ادریس بھی زور دار انداز میں حملہ آور ہوتا ہوا بڑی تیزی سے افونش کے سالار مارنوس کے وسطی حصے کی طرف بڑھا تھا۔

مارنوس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح حملہ آوروں کو مار بھگائے لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد ایک طرح سے زکریا بن ادریس نے اس کے لشکر کا قتل عام شروع کر دیا تھا اور اسے مارنوس نے خود بھی محسوس کر لیا تھا۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مارنوس نے ایک طرف سے کھسک کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن زکریا بن ادریس نے اس کے ہر جتن، اس کی ہر کوشش کو ناکام بنا کر رکھ دیا تھا، اب صورتِ حال یہ تھی کہ زکریا بن ادریس نے اپنے لشکریوں کو لٹکارتے ہوئے اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کر دی تھی جس کے نتیجے میں تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد زکریا بن ادریس اور اس کے لشکریوں نے نہ صرف افونش کے لشکر کا صفایا کر دیا بلکہ اس ٹکراؤ میں افونش کا سالار مارنوس بھی موت کے گھات اتار دیا گیا۔

افونش کے لشکر کے مقابلے میں زکریا بن ادریس کی یہ شاندار فتح تھی۔ نہ صرف یہ کہ افونش کے لشکر کا خاتمہ کر دیا گیا بلکہ اس کا سالار مارنوس بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اس کے بعد رات کی تاریکی میں سب سے پہلے زکریا بن ادریس نے دشمن کے لشکر کی ہر چیز پر قبضہ کیا، اس کے بعد اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے کے بعد بڑے بڑے گڑھے کھود کر لاشوں کو وہاں دفن کر دیا گیا تاکہ لاشوں کے تعفن کی وجہ سے کوئی وبا نہ پھیلے۔ پھر اس نے اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف پیش قدمی کی تھی۔



دوسری طرف افونش کا سالار یوریس اپنے جرار لشکر کے ساتھ آمدی اور طوفان کی طرح اس سمت بڑھا تھا جہاں غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم دونوں اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھے۔ مجبوروں نے انہیں یوریس کی آمد کی اطلاع کر دی لہذا وہ یوریس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار اور مستعد تھے۔ یورس کو چونکہ چند دن پہلے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا لہذا وہ غیردر اور زیدون دونوں کے خلاف انتقامی کارروائی پر اتر اہوا تھا اور ہر صورت میں انہیں شکست دے کر اپنی شکست کا انتقام لینا چاہتا تھا چنانچہ اپنے انہی جذبات کے تحت وہ آتے ہی غیردر اور زیدون پر زمین کو فصلوں سے محروم کرتی بجزلحوں کی یورش، بے نام خواہشوں کی سرگوشیوں میں آلام کی گراں باری اور ویران سلگتے صحرا میں حلقہ در حلقہ اترتی سراپی لہروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یوریس کے ان حملوں کے جواب میں غیردر اور زیدون بھی فوراً حرکت میں آئے اور وہ بھی یوریس کے لشکر پر نوحہ کرتے وقت میں اپنے اعصاب کے عذاب طاری کرتی کڑے کوسوں کی فرقتوں، ہر شے کو چاٹتی سرد مہری کی ہواؤں، سسکیاں بھرتے طوفانوں اور بادوباراں کی کندہ کاری کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس طرح رات کی گہری تاریکی میں دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے سلامتی کے گوشوں کے اندر آگ و خون کے پیغام رقص کرنے لگے تھے۔ جس وقت غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم دونوں یوریس کے جرار لشکر سے ٹکرا رہے تھے اس وقت اچانک اجالوں کی پرچھائیوں سے محروم طول اور تنہا اور سلگتی رات میں خوابوں کی پاتال تک کو برباد کرتی بد بختیاں کھڑی کرتی سیال آتش اور سنگ و خشت کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اس لیے کہ ایک طرف سے زکریا بن ادریس اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ کڑکتے ہوئے اور کرب کے عذاب کھڑے کرتی تابکاری کی طرح نمودار ہوا۔ اس کے بعد وہ رنج و غم کے کھلیان استوار کرتی ہیجان انگیزیوں کے شرر، زندگی میں کرب و درد کے باب کھولتے اور محبت کو نفرت میں تبدیل کرتے قضا کے نقاروں میں قعر گمنامی سے نکلتے آسب اور جنونی کیفیت کے شرار و برق کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اب یوریس کی حالت عجیب تھی۔ اس سے پہلے وہ بڑھ چڑھ کر غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ اس لیے کہ دونوں کے مقابلے میں اس کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی۔ اب جو اس کے لشکر کے ایک پہلو پر زکریا بن ادریس بھی حملہ آور ہو گیا تب بڑی تیزی سے اس کے لشکر کے اندر در ماندہ اور فرماندہ کرتی محرومیاں اور بدھسیاں اپنا رنگ دکھانے لگی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ ہر آنکھ نے دیکھا کہ وقت کی دھول میں یوریس کے لشکر میں جذبات خون آلود، فاصلوں کی زنجیروں میں ستم خوردہ ادبار ناچ اٹھے تھے۔ اس کے لشکر میں چاروں طرف سزاؤں کی داستائیں، خطاؤں کی کہانیاں، عذابوں کے قصے اور لہو لہو افسانے اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔

یوریس کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جبکہ یوریس کسی نہ کسی طرح اپنے بچے کچھے لشکر کو لے کر طلیطلہ کی طرف بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ زکریا بن ادریس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم تینوں نے اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ چند روز تک وہیں قیام رکھا تا کہ افونش کا کوئی سالار پھر مسلمانوں کے علاقوں میں کارروائیاں کرنے کے لیے پیش قدمی نہ کرے۔ اس کے بعد وہ اشبیلیہ شہر کی طرف چلے گئے تھے۔





افونش کو گو اپنے سالار مارنوس کے مارے جانے اور یورلیس کے دوسری بار شکست کھانے کا بڑا صدمہ تھا لیکن جس وقت یہ دونوں سالار زکریا بن ہادرلیس، غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم سے برسرِ پیکار تھے، افونش کے پاس اس کے علاقوں قشالیہ، جلیقیہ، نبرہ سے بڑے بڑے لشکرِ طلیطلہ پہنچ گئے۔ قشالیہ سے اس کا سالار کوماس ایک بہت بڑا لشکر لے کر آیا تھا۔ جلیقیہ سے اسپانا نام کا سالار لشکر لے کر پہنچا تھا۔ جبکہ نبرہ کی عظیم ریاست سے وہاں کا سپہ سالار پلازیوس ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ پہنچ گیا تھا۔ اس کے علاوہ افونش کے بیٹوں میں سے ایک برگانزا بھی ایک بہت بڑا لشکر لے کر طلیطلہ میں وارد ہو گیا تھا۔ اس طرح طلیطلہ شہر اور اس کے نواح میں افونش کے پاس لاکھوں پر مشتمل ایک بہت بڑا اور جزار لشکر تیار ہو گیا تھا۔

چنانچہ جب اسے جنگ کے دوران مارنوس کے مارے جانے اور یورلیس کی شکست کی خبر پہنچی تو اس نے اس واقعے کو اتنی اہمیت نہ دی تاہم یورلیس کو اس نے اپنے پاس طلب کر لیا۔ جس وقت یورلیس افونش کے سامنے پیش ہوا اس وقت افونش کے پاس اس کا سپہ سالار اعلیٰ فانیز، بیٹا برگانزا، نئے سالاروں میں سے کوماس، اسپانا اور پلازیوس کے علاوہ افونش کی بیٹی مغریطہ، ملکہ لیستہ اور کچھ دیگر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

یورلیس کو جب افونش کے سامنے پیش کیا گیا تو یورلیس اس کے سامنے گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ افونش کچھ دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کی ڈھارس بندھانے کے لیے کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں تم مسلمانوں کے ہاتھوں دوبارہ شکست اٹھا چکے ہو۔ اس بناء پر تم نام اور شرمندہ ہو جس کی وجہ سے تم نے اپنی گردن جھکا رکھی ہے۔ اپنی گردن سیدھی

کرو۔ اس طرح پریشان اور پشیمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب میرے پاس میرے سارے لشکر پہنچ گئے ہیں اور میں مسلمانوں سے ایسا انتقام لوں گا جسے وہ صدیوں تک یاد رکھیں گے۔ اپنے دل پر یہ بات بھی لکھ لو کہ میں نے تمہیں کسی سرزنش کے لیے اپنے پاس طلب نہیں کیا۔ تمہیں دوبارہ شکست ہوئی ہے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ سالار شکست اور فتح سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ میں صرف تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے جس سالار کی ماتحتی میں مسلمانوں نے جنگ کی اور مارنوس کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد تمہاری شکست کا باعث بنے اس لشکر کے سالار اور اس کے نائبوں کے نام کہو۔“

یورپس کو جب یہ حوصلہ ہوا کہ اس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں ہو رہی اور یہ کہ افونش نے اسے کسی باز پرس کے لیے نہیں طلب کیا تب اسے حوصلہ ہوا۔ گردن سیدھی کی، پھر کسی قدر جرأت مندی کا اظہار کرتے ہوئے افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مجھے پہلی بار جو شکست ہوئی تھی، وہ مسلمانوں کے سالار غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ شیب اور مسلم معتمد کے دو پرانے سالار ہیں۔ اب وہ بوڑھے اور لاغر ہو چکے ہیں، جنگوں میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہے اور انہی دو بڑے سالاروں کے بیٹے غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم ہیں۔ پہلی شکست مجھے ان کے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ اس کے بعد اس شکست کا انتقام لینے کے لیے جب آپ نے مارنوس کو بھی ایک لشکر دے کر میرے ساتھ روانہ کر دیا تب مجھے پکی اور پختہ امید تھی کہ ہم نہ صرف مسلمانوں کو شکست دیں گے بلکہ ان کا پیچھا اور تعاقب کرتے ہوئے ان کے مرکزی شہر اشبیلیہ تک جا پہنچیں گے۔ لیکن مسلمانوں کے ایک سالار نے میری ان ساری کوششوں پر پانی پھیر کر رکھ دیا۔ مسلمانوں کے اس سالار کا نام زکریا بن ادریس ہے۔ یہی پہلے مارنوس اور اس کے لشکر سے ٹکرایا۔ لشکر کا اس نے خاتمہ کر دیا۔ مارنوس کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور پھر ویران رات میں جس وقت میں غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم پر ایسی ضربیں لگا رہا تھا جس میں مجھے میری فتح صاف دکھائی دے رہی تھی، اچانک مارنوس سے فارغ ہونے کے بعد مسلمانوں کا وہی سالار زکریا بن ادریس مجھ پر حملہ آور ہو گیا اور میری دوسری شکست کو اس نے یقین بنا دیا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد یورپس جب خاموش ہوا تب لمحہ بھر کے لیے افونش کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا۔ اس کے بعد یورپس کے علاوہ وہاں جمع ہونے والے امراء، سارے سالاروں اپنے بیٹے بیٹی اور بیوی کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

”یہ تین نام لکھ رکھو۔ زکریا بن ادریس، غیر در بن شیب، زیدون بن مسلم۔ ان تینوں کو ہم نے ہر صورت میں موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔ اس کے بعد اشبیلیہ شہر پر قبضہ کر کے معتمد، اس کے بیٹے، اس کی ملکہ رمیکہ کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر بنا کر طلیطلہ شہر میں لانا ہے اور شہر کے بازاروں میں خوب گھما پھرا کر قیدی اور اسیر کی حیثیت سے اس کی نمائش کا اہتمام کرتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش رکا، پھر یورپس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”اب تم جا کر آرام کرو۔ بہت جلد تم پہلے کی طرح ایک سالار کی حیثیت سے لشکر میں کام کرو گے۔“

افونش کے ان الفاظ پر یورپس خوش ہو گیا تھا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے بعد افونش اپنے بیٹے برگانزا اور نئے آنے والے سالاروں اور سپہ سالار اعلیٰ فائز کے ساتھ اپنے آئندہ کے لائحہ عمل پر گفتگو کرنے لگا تھا۔



اشبیلیہ کا مسلمان حکمران معتمد ایک روز اپنے بیٹے رضی، دوسرے بیٹے معتمد اور تیسرے بیٹے رشید کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ اس کے محافظ دستوں کے سالار نے اشبیلیہ کے دو معزز اور معمر سالاروں مسلم اور شیب کے آنے کی اطلاع دی۔

اس اطلاع پر معتمد نے فی الفور دونوں کو اپنے پاس بلا لیا۔ چنانچہ شیب اور مسلم وہاں آئے اور معتمد کے کہنے پر دونوں نشستوں پر بیٹھ گئے۔ پھر معتمد نے انہیں مخاطب کیا۔

”لگتا ہے تم دونوں آج کسی خاص مقصد کے تحت میرے پاس آئے ہو۔ اگر کوئی معاملہ اس طرح کا ہے تو کہو کیا بات ہے؟“

اس پر مسلم اور شیب دونوں نے باری باری ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر شیب معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یوں جانیں ہم ایک شکایت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارے تین سالاروں زکریا بن اوریس، غیردر بن شیب اور زیدون تینوں نے انفوش کے دو سالاروں مارنوس اور یوریس دونوں کو شکست دی بلکہ مارنوس کے لشکر کا مکمل طور پر صفایا کرنے کے بعد مارنوس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جبکہ یوریس کو دوبارہ شکست دی۔ اس کے بعد جب ہمارا وہ لشکر اشبیلیہ شہر میں داخل ہوا تو ہم ہی نہیں، شہر کے لوگ بھی حیرت زدہ ہیں کہ کسی نے بھ اس لشکر کا استقبال نہیں کیا۔ نہ ان کا استقبال کرنے کے لیے شہر کا سجایا گیا، نہ ان پر گل پاشی کی گئی۔ کیا فاتح لشکر کے ساتھ ایسا سلوک کیا جانا چاہیے؟“

یہاں تک کہنے کے بعد شیب جب خاموش ہوا تو معتمد گہری سوچوں میں کھو گیا تھا جبکہ اس کا بیٹا رضی، شیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ایسا تم اس لیے چاہتے ہو کہ اس لشکر میں سالار کی حیثیت سے تمہارا بیٹا غیردر شامل تھا اور تم اس خواہش کا اظہار کر رہے ہو کہ تمہارے بیٹے غیردر کا شاندار انداز میں استقبال کیا جانا چاہیے تھا۔ شہر کے سب لوگ شاہراہوں پر کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرتے، اس پر گل پاشی کرتے اور اسے اس فتح پر مبارکباد پیش کرتے۔“

رضی کی یہ گفتگو بوڑھے سالار شیب کو بڑی ناگوار سی گزری تھی، کہنے لگا۔

”اس میں میرا بیٹا غیردر اکیلا نہیں تھا، زیدون بن مسلم بھی تو شامل تھا۔“

اس بار معتمد کا دوسرا بیٹا معتمد بول اٹھا۔

”زیدون شامل تھا اس لیے اس کا باپ مسلم بھی تمہارے ساتھ آیا ہے تاکہ تم یہ تلاش پیش کرو کہ تم دونوں کے بیٹوں کو شاندار انداز میں استقبال نہیں کیا گیا۔“

معتمد کے تیسرے بیٹے رشید نے اپنے دونوں بھائیوں کی اس گفتگو کو انتہا درجہ کا ناپسند کیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے کہ بھائیوں کی گفتگو نے اسے رنجیدہ اور فکرمند کر دیا ہے۔ وہ اپنے جذبات کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس موقع پر بوڑھا سالار شیب بول اٹھا۔

”آپ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں، میں یا مسلم اس غرض سے نہیں آئے، کہ میرے بیٹے غیردر اور مسلم کے بیٹے زیدون کا شاندار انداز میں استقبال کیا جانا چاہیے تھا۔ جس لشکر نے مارنوس کو موت کے گھاٹ اتارا اس کے لشکر کا مکمل طور پر صفایا کیا اور یوریس کو

بدترین شکست دی اس لشکر کی کمانداری میرے یا مسلم کے بیٹے کے ہاتھوں میں نہیں تھی۔ اس لشکر کی کمانداری ہمارے نایاب سالار زکریا بن ادریس کے ہاتھ میں تھی۔ ہمارے بیٹوں کا نہ سہی لیکن ایک سالار اور کماندار کی حیثیت سے زکریا بن ادریس جب فتح مند لوٹا تو اس کا تو استقبال کیا جانا چاہیے تھا۔“

اس بار رضی دوبارہ شیب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کس زکریا بن ادریس کی بات کر رہے ہو، جو غلام تھا؟ جو مسلم بن سرلیج کے بھائی عمر بن سرلیج کی سرائے کے ایک کمرے میں بے بسی کی زندگی بسر کرتا ہے؟ ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ اس سرائے کے کمرے میں اس کے پاس چھوٹا سا لکڑی کا ایک صندوقچہ ہے جس میں اس نے اپنے غلامی کے دور کے لباس کے علاوہ کچھ دوسری چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ ایسا اس نے اس لیا کیا ہے کہ گاہے گاہے ان چیزوں کو دیکھتا رہے اور اپنی اوقات کو نہ بھولے۔ جب اس کی اوقات ہی لکڑی کے صندوق میں بند ایک بوسیدہ پیوند لگا لباس اور ٹوٹے پھوٹے جوتے ہیں تو پھر ایسے شخص کا اشبیلیہ میں کیسے اور کیونکر استقبال کیا جا سکتا ہے؟ کیا زکریا بن ادریس اور تم دونوں کے بیٹوں کے لیے اتنا ہی کافی نہیں کہ انہیں ہم نے اپنے لشکر کے اندر سالار مقرر کر رکھا ہے۔“

رضی کی اس گفتگو کو شاید اس کے چھوٹے بھائی معتمد کے تیسرے بیٹے رشید نے انتہا درجہ کا ناپسند کیا تھا لہذا اپنے بھائی رضی اور معتمد کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے وہ بے پناہ غصے اور غضب ناک کی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”تم لوگ بند گلیوں کی تاریکی اور اندھیروں میں گناہ آلود زندگی بسر کرنے کے عادی ہو۔ بغض و عداوت اور تشنگی کے دیار میں کھڑے ہو کر تم قوم سے متعلق اٹے سیدھے فیصلے کرتے ہو۔ وہ مجاہد جو جوش مارتی رقیق آتش کی طرح ہمارے دشمن پر کند پھینکنے والے ہیں انہیں بے شرف و بے توقیر کرنے کی کوشش کرتے ہو اور زندہ دل جوان جو جنون و جہل کے طوفانوں کے سامنے عزم و ہمت اور جرأت و بے باکی کے پیکر بن کر آتے ہیں، جو ہماری موزونیت کی جلوہ گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں انہیں تم بے وقعت اور بے نصیب کرتے ہو۔ وہ دشمن جو ہمارے خلاف مرگ و فنا کے خونی تماشے دکھانے اور ہر شے کو چاٹتی سرد مہری کی آندھیوں کی طرح حرکت میں آتے ہیں ان کے سامنے ہمارا دفاع کرنے والوں کی شفاف زندگی کی براہ گزر پر تم قضا کے سرطان

کھڑے کرنے والے ہو۔ وہ زندہ دل جوان جو ہمارے ماہن حیات کو شرر آمیز نہیں ہونے دیتے، شورہ پشت دشمن کے مقابلے میں ہمیں اعصاب کے عذاب سے بچاتے ہیں، تم جیسے غیر ذمہ دار لوگ ہی ان کے حصار نگاہ میں ریت ہی ریت، ان کے قریہ جان میں درد ہی درد بھرتے ہیں۔ وہ جوان جن کے خلاف تم باتیں کرتے ہو، وہ زکریا بن ادریس جس کی اوقات کو تم گھٹیا خیال کرتے ہو یاد رکھنا یہی وہ جوان ہیں جو اس دور میں ملت کے دست طلب، قوم کے لیے حرفِ دعا، وطن کے لیے خوش کن نصیب ہیں۔ جبکہ ان کے مقابلہ میں تم لوگ حرص و ہوس کے بندے بن کر مسلم قوم کی شاہراہ حیات کے چوراہوں پر شیطنیت کے رنگ بکھیرتے ہو۔ یاد رکھنا وہ مجاہد تمہاری ضرورتوں کے اسیر نہیں، تمہارے ارادوں کے پابند نہیں، تمہاری دانش کے غلام بھی نہیں ہیں۔ پھر کیسے اور کس حساب میں تم ان کے ساتھ طفل شیرخوار، پابجولاں مجرم اور مجبور اور اسیر زندان کا سا سلوک کرنے کے عادی ہو؟“

یہاں تک کہنے کے بعد رشید بن معتمد جب دم لینے کے لیے رکاب اس کا بڑا بھائی رضی غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم عالم دین ہو، تیغ زن نہیں۔ واقف دین ہو، عارف رزم گاہ نہیں ہو۔“

اس بار رشید بن معتمد نے پہلے سے بھی زیادہ غصے اور کھا جانے والے انداز میں رضی اور اپنے دوسرے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”یہ بات اپنے دل کے قرطاس پر لکھ رکھنا کہ جب کوئی عالم محرومیوں کے درد، اضطرابیت اور بیزاری کے آثار دیکھ کر ملت اور قوم کے حقوق کے دفاع کے لیے شمشیر زن ہوتا ہے تو یاد رکھنا وہ عجیب سے سکروڈ، خود فراموشی اور وجد و عرفان میں اپنے دین کے دشمنوں کے لیے پانی میں چھپی ہوئی چٹانوں سے بھی زیادہ خطرناک اور وقت کے منجد ہار میں صحرا صحرا پھیل جانے والی آگ سے بھی زیادہ ہولناک اور گمبیر رات کے سناٹوں میں اُفتق کی ہیبت ناک لالی بن کر اپنے دشمن کے سروں پر پھیل جاتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رشید رُکا تھا، اس کے بعد وہ کھا جانے والے انداز اور انتہائی غضب ناک کی میں پھر کہہ رہا تھا۔

”وہ زندہ دل مجاہد جو تند خو بگولوں اور سیل آتش اور طوفان کی طرح ہمارے کھیانوں کے تنکوں، ہمارے کھیتوں کی مٹی کی حاضمت کرتے ہیں انہیں تم غم دہر کی

تپخت سمجھ کر قعر گنہامی میں پھینکنے کی کوشش کرتے ہو۔ زیادہ عرصہ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا تمہاری دشمن قوتیں تمہاری روح کی درماندگی، تمہاری خواہشوں کی آوارگی بن جائیں گی اور گہرے سمندر میں موت اور بدی کی طاقتیں تمہارے سامنے سوگ کا عصا اور بے درماں درد بن کر نمودار ہو جائیں گی۔

قسم اس خداوند قدوس کی جس نے اپنی قوت سے آسمان کو اس وقت ظاہر کیا جب عالم بالا میں آسمان کا نام نہ تھا، جب تقدیر بھی متعین نہ ہوئی تھی، کائنات کی قدیم داستانیں نینوا اور بابل کے کھنڈرات اس بات کے گواہ ہیں کہ جس قوم نے بھی اندھے انسانی قانون کے تحت اپنے محبت وطن لوگوں اور وطن کا دفاع کرنے والے مجاہدوں کے لیے ظلم کی نوک کی چھین، ہوس کی آنچ بننے کی کوشش کی تو قسمتوں کا تعین کرنے والا طاقت ور دانا خالق ہمیشہ ایسے لوگوں کے خلاف حرکت میں آیا اور ایسے قوموں کو تباہ و برباد کر کے آنے والی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنا کر رکھ دیا۔

تم لوگ بھی بگولوں کے برج جیسے اپنے مجاہدوں، حربہ آزما اپنے سالاروں، آتش حروف سے اپنے جنگ جو عناصر کی ذلت اور رسوائی کا باعث بننے والے ہو۔ زیادہ عرصہ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا تمہارے دشمن غاروں میں چھپتے بھیڑیوں کی طرح نمودار ہوں گے اور تمہیں ایک کمزور قوم جان کر تم پر اس طرح وارد ہوں گے جس طرح بھیڑیے لومڑیوں کے بھٹ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تم اپنے ایسے انقلاب آفریں مہربانوں کو فراموش کرتے ہو، باجبروت پاسبانوں کو پس پشت ڈالتے ہو جو اپنے لہو سے تمہاری کامیابی کو فروزاں کرتے ہیں۔ تم لوگ وقت کے بدترین فتنہ پرداز ہو۔ آدمیت کی پہچان سے نا آشنا ہو۔ میں اس وقت سے ڈرتا ہوں جب تمہاری یہی عادتیں تمہیں بربادیوں کے اتھاہ سمندر کی طرف لے جائیں گی۔ اس روز جب تمہارے دشمن تمہیں لذتِ آزادی، زندگی کے سائبانوں سے محروم کریں گے تب ضرور تم اپنے ایسے سالاروں کو پکارو گے کہ وہ تمہاری مدد کریں۔ آج جن کا استقبال کرتے ہوئے تمہیں شرم آتی ہے، آنے والے دور میں تم انہی لوگوں کی جرأت مندی اور شجاعت پر فخر کرو گے۔ فطرت کے بدترین نافرمان نہ بنو۔ اپنی بینائی کے محذب عدسوں کو درست کرو۔ کب تک عشرتوں کی ہجانی کیفیت، رقابتوں کے جذبوں، جانبداری کے وہموں میں ڈوبے رہو گے؟..... نہیں سنبھلو گے، اپنے آپ کو تبدیل نہیں کرو گے تو پھر یاد رکھنا

تاریخ کی رفتار تمہارے لیے گوشہ در گوشہ کنج در کنج قضا کے رقص کھڑے کرتی چلی جائے گی۔“

جب تک رشید بولتا رہا، اس کا باپ معتمد، اس کے دونوں بھائی رضی اور معتمد خاموشی مگر غضب بھرے انداز میں اسے سنتے رہے۔ یہاں تک کہ کہنے کے بعد جب وہ خاموش ہوا تب معتمد کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”یہ تم کیا بکو اس کر رہے ہو؟..... جانتے ہو تم نے کیا کہا ہے؟..... تم اپنے باپ اور اپنے دو بڑے بھائیوں سے مخاطب ہو اور جو الفاظ تم نے استعمال کیے ہیں، تم.....“

معتمد اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ اس لیے کہ رشید پھر بول اٹھا۔

”جو الفاظ میں نے استعمال کیے ہیں، سوچ سمجھ کر کیے ہیں۔ آپ تینوں بھی سوچ سمجھ کر فیصلے کریں۔ آج تم لوگ اپنے سالاروں، اپنے مجاہدوں کا استقبال کرنے سے انکار کر رہے ہو اور ایسا کرتے ہوئے تم لوگوں کو شرم آتی ہے کہ وہ اپنی شہرت سے تم پر حاوی ہو جائیں گے۔ کل تم انہی کی ضرورت محسوس کرو گے اور اگر تم لوگوں نے اپنے آپ کو نہ بدلاتو میں تم سے ابھی کہہ دیتا ہوں کہ میں صرف اشبیلیہ شہر نہیں، اُندلس کے ہر اُس شہر میں جہاں مسلمان بستے ہیں، چوراہوں پر کھڑا ہو کر تمہارے خلاف آواز اٹھاؤں گا۔ تمہاری طرف انگلیاں اٹھاتے ہوئے لوگوں سے کہوں گا کہ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنی قوم کی عزت، اپنی ملت کے ناموس کو فروخت کرنے والے ہیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ ابھی سے سنبھل جاؤ۔“

رشید کی یہ ساری گفتگو معتمد کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ غضب ناک انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک زوردار طمانچہ اُس نے رشید کے منہ پر دے مارا۔
جواب میں رشید مسکرایا اور کہنے لگا۔

”اے میرے باپ! یہ طمانچہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کے باپ نے تو اپنے بیٹے اسماعیل کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تا۔ آپ بھی اپنے باپ کی رسم کی تکمیل کریں۔ مجھے موت کے گھاٹ اتار دیں۔ نہیں اتاریں گے تو میں آپ تینوں کے خلاف اس وقت تک بولتا رہوں گا جب تک آپ لوگ عیش و عشرت کی شہ نشینوں پر کھڑے ہو کر دوسروں کے لیے عذاب بننے کی کوشش کرتے رہو گے۔ کاش میں آپ کا بیٹا ہونے کی

بجائے کسی چرواہے کا بیٹا ہوتا اور ہاتھ میں عصا لے کر اپنے باپ کے ریوڑ کی خوب حفاظت کرتا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رشید جب خاموش ہوا تب اس کے دونوں بھائی رضی اور معتد اٹھ کر اپنے باپ کے پیچھے پیچھے وہاں سے چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پر رشید بڑی شرمندگی کے احساس میں مسلم بن سرلیج اور دوسرے سالار شیب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میری قوم کے محترم فرزندو! میں شرمندہ ہوں کہ میں اشبیلیہ کے حکمران معتد کا بیٹا ہوں۔ کاش میں نے کسی دکھیاری ماں، کسی بوڑھے باپ کے ہاں جنم لیا ہوتا اور میں ساری زندگی ان کی خدمت کرتے ہوئے اپنے لیے ثواب کے ڈھیر جمع کرتا۔ تم تھوڑی دیر کو، میں ابھی آتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی رشید اٹھ کر قصر کے اندرونی حصے کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اس نے اپنے کندھے پر ایک خرچین ڈال رکھی تھی۔ دوبارہ وہ مسلم بن سرلیج اور شیب کے پاس آکر دیکھا اور کہنے لگا۔

”میری قوم کے محترم فرزندو! میرے باپ اور دونوں بھائیوں نے جو آپ دونوں سے گفتگو کی ہے اس پر میں شرمندہ ہوں۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اپنے ان سالاروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں جنہیں یہ لوگ فراموش کر رہے ہیں۔ میں آپ دونوں کی منت کرتا ہوں کہ جو گفتگو یہاں ہوئی ہے اس کا ذکر آپ دونوں اپنے بیٹوں کے علاوہ زکریا بن ادریس سے نہ کیجئے گا۔ میں زکریا بن ادریس سے اکثر ملتا رہا ہوں، اسے اپنا بھائی کہہ چکا ہوں۔ اس جیسا مہربان ساتھی، اس جیسا نایاب سالار کہیں نہیں ملے گا۔ میں تو ایسے مجاہدوں کی خدمت کرنے اور انہیں سلام پیش کرنے کے لیے پیدا ہوا ہوں۔ چلو میرے ساتھ، میں ان سے ملتا ہوں۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں۔“





اشبیلیہ شہر کے بڑے بازار میں زکریا بن ادریس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم تینوں اپنے گھوڑوں کی نعل بندی کر رہے تھے کہ معتمد کا بیٹا رشید، شیب اور مسلم بن سرج کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ پہلے وہ بڑے پرجوش انداز میں تینوں سے بغلگیر ہوا، ان کی پیشانیوں کو چوما پھر بڑی ارادت مندی اور عقیدت میں ان تینوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں تم تینوں کو سلام پیش کرتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں صرف عالم دین ہوں، تیغ زن اور مجاہد نہیں۔ لیکن میں ان سے کہتا ہوں جب موقع آتا ہے تو پھر ایک عالم جب مجاہد اور تیغ زن بنتا ہے تو پھر اس کا مقابلہ کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ میرے عزیز بھائیو! میرے ساتھیو! افولش کے لشکریوں کے خلاف جو معرکہ آرائی تم نے کی اگر میں اشبیلیہ کا حکمران ہوتا تو اسے سہرے حروف میں لکھتا۔ کچھ حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ اشبیلیہ میں تمہاری اس فتح مندی اور کامیابی پر جشن کا سماں برپا نہ کیا گیا۔ دیکھو میرے باپ نے مجھے تمہاری طرف روانہ کیا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی رشید نے اپنے کندھے سے لٹکتی ہوئی خرچین کا منہ کھولا اور اس میں سے پہلے نقدی کی ایک تھیلی نکال کر زکریا بن ادریس کی طرف بڑھائی اور کہنے لگا۔

”ابن ادریس! میرے عزیز بھائی! یہ میرے باپ کی طرف سے تمہارے لیے انعام ہے۔ ایسی ہی نقدی کی تھیلیاں غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کے لیے بھی دی گئی ہیں۔“

ساتھ ہی جب زکریا نے وہ تھیلی لے لی تو رشید نے مزید دو تھیلیاں نکالیں۔ اتنی دیر تک زکریا بن ادریس اس تھیلی کو الٹ پلٹ کر ڈیکھتا رہا۔ اس کا منہ کھول کر بھی

دیکھا۔ اس کے بعد جس بڑی خرجین سے رشید نے وہ تھیلیاں نکالی تھیں، ہاتھ میں پکڑی ہوئی نقدی کی وہ تھیلی زکریا بن اور لیس نے اسی خرجین میں واپس ڈال دی اور رشید کو مخاطب کرتے ہوئے اور بڑی اپنائیت میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! یہ وطن کے دفاع کا فریضہ تھا۔ ہم نے کسی لالچ کے تحت نہیں کیا۔ میں، زیدون اور غیر درتینوں لشکر کے سالار ہیں اور ایسا کرنا ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ میں نقدی کی اس تھیلی کو قبول نہیں کرتا۔ اور پھر میرے بھائی! تم جانتے ہو میرے سر پر ضرورتوں کا انبار نہیں ہے۔ اکیلا آدمی ہوں۔ میرے پاس ایک بستر اور چھوٹا سا ایک صندوقچہ ہے جس میں میری غلامی کے دور کی کچھ یادیں ہیں اور یہی میرا سرمایہ ہے اور اس کے علاوہ مجھے کچھ چاہیے بھی نہیں۔ ہاں غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم اگر.....“

یہاں تک کہتے کہتے زکریا بن اور لیس کو خاموش ہو جانا پڑا اس لیے کہ غیر در بن شیب نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ زکریا بن اور لیس کے منہ پر رکھ دیا، پھر کہنے لگا۔

”زکریا! میرے بھائی! اس سے آگے کچھ مت کہنا۔ تم ہمارے سالار ہو۔ ہم تمہارے تحت کام کرنے والے ہیں۔ نقدی کی تھیلی کو اگر قبول نہیں کر رہے تو ہم اسے کیونکر قبول کریں گے۔ میرے عزیز بھائی! تم جانتے ہو تمہاری طرح ہم نے بھی یہ فریضہ فرض جان کر ہی کیا ہے۔“

اتنی دیر میں زیدون بن مسلم آگے بڑھا اور رشید نے اپنے ہاتھوں میں جو نقدی کی دونوں تھیلیاں پکڑی ہوئی تھیں وہ اس سے لے کر دوبارہ اس نے خرجین میں ڈال دی تھیں۔ غیر در بن شیب کے ان الفاظ اور زیدون بن مسلم کی اس حرکت پر زکریا بن اور لیس مسکرا دیا تھا۔ اتنی دیر تک شاید تینوں کے گھوڑوں کی نعل بندی ہو گئی تھی۔ لہذا زکریا بن اور لیس، رشید کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! تمہاری آنکھوں کے اندر ناچتے ہوئے، تمہارے چہرے کے تاثرات بہت سی کہانیاں، بہت سی داستانیں کہتے ہیں۔ پر میں شب کے سامنے ان کا ذکر نہیں کروں گا۔ میرے عزیز بھائی! اپنے دل پر یہ بات لکھ رکھنا کہ ہم نے جو فریضہ ادا کیا ہے اس کے لیے ہم کسی استقبال، کسی جشنِ فتح کے امیدوار نہیں تھے۔ لہذا تم مطمئن

رہو۔ آنے والے دور میں اگر اپنی قوم، اپنی ملت کی حفاظت ہمارے خون کے آخری قطرے سے بھی ہو سکی تو ہم ایسا کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اب ہمیں اجازت دو۔ ہم جاتے ہیں۔“

رشید شرمندہ سا ہو گیا۔ تینوں سے ایک بار پھر گلے ملا اور ایک طرف چلا گیا۔ زکریا بن ادریس نے غیر در بن شیبہ، زیدون بن مسلم اور ان دونوں کے باپوں کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”آپ بھی جا کر آرام کریں۔ میں سرائے کا رخ کرتا ہوں۔“

مسلم اور شیبہ دونوں بڑے سالاروں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ پھر وہ چاروں ایک طرف ہو لیے جبکہ زکریا بن ادریس اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے بازار میں آگے بڑھنے لگا تاکہ بائیں جانب مڑ کر سرائے کا رخ کرے۔

زکریا بن ادریس تھوڑا سا ہی آگے گیا ہو گا کہ پیچھے سے کسی نے اسے پکارا۔

”سنیے.....!“

پہلی پکار پر زکریا بن ادریس نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس لیے کہ آواز کسی نوخیز اور انتہائی خوبصورت لڑکی کی تھی۔ آواز کی لے، آواز کے ترنم سے ظاہر ہوتا تھا کہ پکارنے والی کوئی انتہا درجہ کی خوبصورت لڑکی ہے۔ چونکہ زکریا کا نام لے کر نہ پکارا گیا تھا، اس بناء پر زکریا نے کوئی توجہ نہ دی۔ یہی سمجھا کہ کسی اور کو پکارا ہے۔ لہذا آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ آواز پھر سنائی دی۔

”ذرا رکیے..... میری بات سنیے۔“

زکریا بن ادریس پھر بھی آگے چلتا رہا۔ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا یہاں تک کہ تیسری بار آواز سنائی دی۔ کسی نے پکار کر کہا تھا۔

”ابن ادریس! میری بات سنیے۔“

زکریا بن ادریس رک گیا۔ مڑ کر دیکھا تو پیچھے قریب ہی ایک لڑکی آرہی تھی۔ اس نے اپنے جسم کو کھلی ریشمی عبا سے خوب ڈھانپ رکھا تھا۔ چہرے پر بھی اس نے بھاری نقاب ڈالا ہوا تھا۔ لہذا زکریا بن ادریس نہ جان سکا کہ وہ لڑکی کون ہے۔ وہ قریب آئی اور پھر کسی قدر تبسم خیز انداز میں زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میں رواندہ ہوں۔ میں نے تین بار آپ کو پکارا۔ آپ نے میری پکار پر کوئی توجہ

ہی نہ دی۔“

رواندہ کا نام سن کر زکریا بن ادریس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔
کہنے لگا۔

”دراصل اس شہر میں کیونکہ میری جاننے والی نہ کوئی خاتون ہے نہ کوئی لڑکی۔ لہذا تم نے جب مجھے پکارا تو میں نے یہی سمجھا کہ پکارنے والی لڑکی مجھے نہیں کسی اور کو پکار رہی ہے۔ جب تم نے میرا نام لے کر پکارا، تم نے دیکھا میں فوراً رکن گیا۔“
یہاں تک کہنے کے بعد زکریا زکا، پھر تجسس بھرے انداز میں رواندہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خیریت تو ہے؟ تم بازار کی طرف کیوں آئی ہو؟“

اس پر رواندہ کہنے لگی۔

”اس طرح کھلی عبا پہن کر، چہر پر بھاری نقاب ڈال کر میں روز بازار کی طرف آتی ہوں۔ بابا کے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔ جس جگہ آپ، غیر در بن شیبہ اور زیدون بن مسلم کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنے گھوڑوں کی نعل بندی کروا رہے تھے، اس کے سامنے ہی تو میرے بابا کی دکان ہے۔ اس وقت میں دکان میں ہی کھڑی تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے معتمد کا بیٹا رشید آپ کے پاس آیا، میں اسے جانتی نہیں تھی۔ یہ ساری تفصیل میرے باپ نے مجھے بتائی۔ آپ کچھ دیر اس سے گفتگو کرتے رہے۔ اس دوران میں نے اور میرے باپ نے فیصلہ کیا کہ آج ہم آپ کو گھر لے کر جائیں گے۔ لہذا ہم اس انتظار میں رہے کہ آپ فارغ ہوں تو پھر آپ سے بات کی جائے۔ چنانچہ جب آپ فارغ ہو کر ادھر چلے تو میں آپ کے پیچھے ہو لی بابا بھی دکان بند کر کے آ رہے ہیں۔ لہذا آپ ہمارے ساتھ گھر چلے۔ ہم سب کو آپ سے گلہ اور شکوہ ہے۔ آپ جانتے ہیں جس وقت آپ مجھے لے کر آئے تھے، میری ماں نے آپ سے کہا تھا کہ گاہے گاہے میرے ہاں آتے رہیے گا۔ لیکن آپ نے میری ماں کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے۔“

رواندہ جب خاموش ہوئی تب مسکراتے ہوئے زکریا کہنے لگا۔

”میں نے کوئی انکار نہیں کیا۔ دیکھو رواندہ! بات یہ ہے کہ جس روز میں تمہارے ہاں سے نکلا، اسی روز رات کے وقت میں ایک لشکر لے کر یہاں سے نکل گیا تھا۔ اس

کے بعد.....“

یہاں تک کہتے کہتے زکریا کو رک جانا پڑا۔ اس لیے کہ رواندہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہنے لگی۔

”آپ کو اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں میرے باپ اور ماں بھی جانتے ہیں کہ آپ اسی روز لشکر لے کر نکل گئے تھے۔“

یہاں تک کہتے کہتے رواندہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لیے کہ اتنی دیر تک اس کا باپ انیتش بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ آتے ہی اس نے زکریا کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور بڑی اپنائیت میں کہنے لگا۔

”ابنِ ادریس! میرے بیٹے!..... یہاں کھڑے ہو کر گفتگو کرنا اچھا نہیں۔ چلو گھر چلتے ہیں۔“

زکریا جواب میں کچھ نہ کہہ سکا۔ چپ چاپ دونوں باپ بیٹی کے ساتھ ہولیا تھا۔ توڑا سا آگے جا کر انیتش رواندہ کے قریب آیا اور دھیمے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میری بیٹی! جہاں تک میرے جذبات کا احساس ہے، میں زکریا بن اور ادریس کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا محسن خیال کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آج اسے شام تک گھر روکیں، دعوت کا بہترین اہتمام کریں.....“

یہاں تک کہتے کہتے انیتش کو رک جانا پڑا۔ اس لیے کہ بے رواندہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! یہی تو میں بھی چاہتی تھی۔ بلکہ آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔“

جواب میں انیتش مسکرا دیا۔ پھر دونوں باپ بیٹی خاموشی سے زکریا کے ساتھ آگے بڑھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی حویلی کے قریب آئے۔ اس موقع پر زکریا بن اور ادریس جب اپنے گھوڑے کی حویلی سے باہر باندھنے لگا تب ایک دم رواندہ حرکت میں آئی، زکریا بن اور ادریس کے گھوڑے کی باگ اس نے لی اور زکریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”گھوڑا یہاں باہر نہیں بندھے گا۔ ایسا تو اجنبی کرتے ہیں۔ اب آپ ہماری حویلی کے پاس آگئے ہیں اور آپ وہ کچھ کریں گے جو ہم چاہیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی روانہ حویلی میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے زکریا اور انیش بھی داخل ہو گئے۔ گھوڑے کو لے کر روانہ سیدھی اصطبل کے اندر گئی تھی۔ زکریا بن اور لیس انیش کے ساتھ صحن میں کھڑا ہو گیا تھا۔ روانہ جب اس کے گھوڑے کی زین اتارنے لگی تب زکریا بن اور لیس زور سے بول اٹھا۔

”رواندہ! اس کی زین نہ اتارنا۔ میں تھوڑی دیر ہی یہاں رکوں گا، پھر واپس جاؤں گا۔“

رواندہ جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ اسی دوران حویلی کے اندر سے اس کی ماں اموسیہ نکل آئی اور صحن میں اپنے شوہر انیش کے ساتھ زکریا بن اور لیس کو دیکھ کر اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پہلے اس نے زکریا کو خوش آمدید کہا، اس کا شاندار انداز اور الفاظ میں استقبال کیا، پھر زکریا کے قریب کھڑے ہو کر اپنی بیٹی روانہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”رواندہ! میری بیٹی! گھوڑے کی زین اتار دو۔ اس کے منہ سے دھانہ بھی نکال کر اس کے آگے چارہ ڈال دو۔“

زکریا بن اور لیس کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ روانہ جس نے اب اپنے چہرے سے موٹا نقاب ہٹا دیا تھا اور اس کا خوبصورت چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا، ایک دم حرکت میں آئی، گھوڑے کی زین اتار کر ایک طرف رکھ دی، دھانہ نکال دیا اور گھوڑے کے آگے چارہ ڈال کر صحن کی طرف آگئی تھی۔ اس طرح چاروں دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ دیوان خانے میں تھوڑی ذیر تک خاموشی رہی، پھر انیش زکریا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹی! تم نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا جسے ہم کم از کم زندگی بھر نہیں اتار سکتے۔ بچے! ہمارے اتنے بڑے محسن اور مربی ہونے کے باوجود تم نے ہم سے اپنے حالات بیان نہیں کیے۔ وہ تو میں نے یہاں کے لوگوں سے تمہارے حالات پوچھے اور لوگوں نے مجھے بتایا ہے جنہیں سن کر مجھے بے حد دکھ اور صدمہ ہوا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد انیش جب خاموش ہوا تب روانہ دکھ بھرے انداز میں بول اٹھی۔

”آپ نے انولش کے علاقوں سے اشبیلیہ شہر تک میرے ساتھ سفر کیا لیکن دوران

سزا آپ نے اپنے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ حضون کی حویلی میں جو آپ نے تعارف کروایا تھا اس سے آگے آپ نے کچھ نہ کہا۔ یہاں جب بابا نے آپ کے حالات بتائے تب مجھے بے حد صدمہ ہوا۔“

اس کے ساتھ ہی رواندہ واقعی اداس اور افسردہ ہو گئی تھی۔ اپنی بات جاری نہ رکھ سکی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی ماں اموسیہ بول اٹھی۔

”بیٹے! ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم نے ایک شخص عمر بن سربج کی سزائے کے ایک کمرے میں قیام کر رکھا ہے۔“

اموسیہ جب خاموش ہوئی تب زکریا بن اور لیس نے ایک لمبا سا سانس لیا اور کہنے لگا۔ ”جو کچھ آپ نے سنا ہے وہ درست ہے۔ میں بنیادی طور پر طلیطلہ شہر کا رہنے والا ہوں۔ افونش جب اس شہر میں وارد ہوا تو ان گنت لوگوں کا قتل عام کیا گیا۔ اس قتل عام میں میرے گھر کے سارے افراد بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ مجھے افونش کے ایک سالار نے گرفتار کر کے غلام بنا لیا پھر ایک شخص کے ہاں فروخت کر دیا۔ مجھے خریدنے والے نے چند ماہ بعد مجھے افونش کے سالار اعلیٰ فانیز کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ میری تیغ زنی میں مہارت اور میری شخصیت کو دیکھتے ہوئے فانیز مجھ سے بڑا متاثر ہوا تھا اور اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ مجھے اپنے لشکر میں شامل کرے گا۔ لیکن اس دوران میں طلیطلہ سے بھاگنے کے حیلے بہانے تلاش کرتا رہا۔ اور جب مجھے موقع ملا تو میں طلیطلہ سے بھاگ کر اشبیلیہ پہنچ گیا۔ یہاں میرا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ سب سے پہلے میری جس شخص سے ملاقات ہوئی وہ عمر بن سربج تھا۔ میں آپ پر واضح کروں کہ یہ عمر بن سربج اشبیلیہ کے بزرگ اور بڑے سالار مسلم بن سربج کا بھائی ہے۔ میں عمر بن سربج کی سزائے کی طرف اس لیے گیا تھا کہ وہاں چند دن قیام کروں گا اور وہاں قیام کے دوران پھر اشبیلیہ میں کوئی کام تلاش کروں گا یا عمر بن سربج کے بھائی مسلم سے مل کر لشکر میں شامل ہونے کی کوشش کروں گا اور پھر اپنی رہائش گاہ کا کوئی اہتمام کر لوں گا۔

لیکن عمر بن سربج اور اس کا بھائی مسلم بن سربج میرے اندازوں کے خلاف کہیں زیادہ میرے لیے شفیق اور ہمدرد ثابت ہوئے۔ عمر بن سربج نے اپنی سزائے کا ایک بہترین اور صاف ستھرا کمرہ میرے لیے مختص کر دیا جہاں اب میری رہائش ہے۔ میرا کل اثاثہ ایک چھوٹا سا صندوق ہے جس کے اندر میں نے اپنی غلامی کے دور کے کچھ

لباس اس بناء پر رکھے ہوئے ہیں کہ اگر قدرت مجھے ترقی دے اور میں کسی اچھے منصب پر چلا جاؤں تو میں اپنی اوقات کو نہ بھولوں۔ میری غلامی کا وہ لباس مجھے اپنے بدترین دور کی یاد دلاتا رہے گا۔ اس طرح اچھے منصب کو پا کر میرے اندر کوئی تمرد اور رعونت نہ آئے۔ اب میں نے اسی سرائے میں قیام کر رکھا ہے جبکہ عمر بن سرج اور اس کا بھائی مسلم بن سرج اپنے بیٹوں کی طرح مجھے چاہتے ہیں۔ مسلم بن سرج کا بیٹا زیدون بن مسلم بھی مجھے بھائی جیسا پیار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور سالار ہے، اس کا نام غیردر بن شیب ہے۔ وہ اشبیلیہ کے ایک بڑے سالار شیب کا بیٹا ہے۔ وہ بھی مجھے بھائیوں کی طرح چاہتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد ان لوگوں کی طرف سے مجھے ایسا نرم رویہ، ایسی محبت ملی کہ اپنے اہل خانہ کے مارے جانے کے جو زخم آئے تھے وہ ان کی صحبت میں مندمل ہو گئے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا جب خاموش ہوا تب دکھ بھرے انداز میں امویہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”بیٹے! تیرے حالات سن کر مجھے ہوا اندہ اور اس کے ابا کو بے حد دکھ ہوا تھا۔ اب ہمارے لیے کچھ مزید خطرات منڈلانے لگے ہیں۔ بچے! ہم تینوں افونش کے ظلم و ستم سے بھاگے تھے۔ اب سنا ہے کہ افونش اپنی پوری عسکری قوت سے اشبیلیہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اگر اس نے اشبیلیہ پر قبضہ کر لیا تو ہم تینوں کو تو وہ موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ زندہ نہیں چھوڑنے گا۔ کیا مسلمانوں میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو افونش کا مقابلہ کر سکے اور اس کی ترکتاز، اس کے ظلم سے لوگوں کو محفوظ رکھ سکے؟“

اس پر دکھ بھرے انداز میں زکریا کہنے لگا۔

”اپہن میں اس وقت مسلمانوں کا کوئی حکمران نہیں جو افونش کا مقابلہ کر سکے۔ تاہم یہاں کے لوگوں کی نگاہیں اب افریقہ کے حکمران یوسف بن تاشفین پر جمی ہوئی ہیں۔ بہت سے لوگ آپس میں یہ صلاح مشورہ کرنے لگے ہیں کہ اُندلس میں مسلمانوں کی بڑی تیزی سے گرتی ہوئی ساکھ کو بچانے کے لیے یوسف بن تاشفین کو یہاں آنے اور افونش کا مقابلہ کرنے کی دعوت دینی چاہیے۔“

یہاں تک کہتے کہتے زکریا کو رک جانا پڑا۔ اس لیے کہ حویلی کے دروازے پر

دستک ہوئی تھی۔ زکریا کہنے لگا۔

”آپ لوگ بیٹھیں۔ میں دیکھتا ہوں کون ہے۔“

اس پر انیتش اپنی جگہ پر اٹھا اور کہنے لگا۔

”بیٹے! تمہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری دکان میں جو خادم کام کرتا

ہے اسے میں نے گھر کے لیے کچھ سودا سلف لانے کے لیے کہا تھا۔ بیٹے! ہم آج تیری

دعوت کا اہتمام کر رہے ہیں اور وہ دعوت ہی کا سامان لے کر آیا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی انیتش وہاں سے نکل گیا تھا۔ اس کی دکان کا خادم جو سامان لے

کر آیا تھا وہ اس نے مطبخ میں رکھوا دیا۔ پھر دوبارہ وہ دیوان خانے میں آیا اور اپنی بیوی

اموسیہ اور رواندہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”زکریا کے پاس بیٹھ کر بعد میں باتیں کر لیں گے۔ پہلے تم ماں بیٹی کھانے کا

اہتمام کرو۔“

اس پر رواندہ اور اس کی ماں اموسیہ دونوں دیوان خانے سے اٹھ کر مطبخ کی طرف

چلی گئی تھیں جبکہ دیوان خانے میں انیتش، زکریا بن اور لیس کے ساتھ ہسپانیہ کے دفاع

پر گفتگو کرنے لگا تھا۔

رات کا کھانا زکریا بن اور لیس نے انیتش، رواندہ اور اموسیہ کے ساتھ کھایا، اس

کے بعد وہ عمر بن سرلیج کی سرانے کی طرف چلا گیا تھا۔





افریقہ کی لطانی ڈھالوں کا تاجر منصور بن عبداللہ جس نے اشبیلیہ میں عمر بن سرلیج کی برائے میں اس کے ساتھ ہسپانیہ سے متعلق طویل گفتگو کی تھی، ایک روز مراکش شہر میں یوسف بن تاشفین کی رہائش گاہ میں داخل ہوا۔

وہ کوئی قصر نہ تھا، سادہ سی رہائش گاہ تھی۔ وہاں منصور بن عبداللہ کی ملاقات یوسف بن تاشفین کے بھتیجے سید بن ابی بکر اور یوسف بن تاشفین کے دو بیٹوں علی بن یوسف اور تمیم بن یوسف سے ہوئی۔ منصور بن عبداللہ نے جب ان پر انکشاف کیا کہ وہ مراکش ہی کا رہنے والا ہے اور اپنی تجارت کے سلسلے میں اُندلس گیا ہوا تھا اور اندلس کے حالات سے متعلق امیر یوسف بن تاشفین سے گفتگو کرنا چاہتا ہے تب انہوں نے اسے اپنے دیوان خانے میں بٹھایا اور اس پر انکشاف کیا کہ یوسف بن تاشفین طہارت خانے میں ہیں۔ جونہی وہ نکلتے ہیں اس کی ملاقات کرا دی جائے گی۔ چنانچہ منصور بن عبداللہ دیوان خانے میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا تھا۔

یوسف بن تاشفین، اس کے خاندان اور حکمران بننے سے متعلق تفصیل کچھ یوں ہے کہ پانچویں صدی ہجری کی ابتداء میں افریقہ کے اندر سیاسی خلفشار نے جنم لیا۔ بے دینی اور بدتہذیبی کا ایک سیلاب تھا جو ان سرزمینوں میں اٹھ آیا تھا اور فواحش و منکرات کی آگ نے ان علاقوں کی حمیت دینی کو خاکستر بنا کر رکھ دیا تھا۔

مورخین لکھتے ہیں، تاہم ابھی اس راکھ میں دبی ہوئی کچھ چنگاڑیاں باقی تھیں اور یہ وہ اہل حق تھے جن کو اس مسموم ماحول نے ذرا برابر متاثر نہیں کیا تھا اور وہ برابر صراطِ مستقیم پر گامزن رہے اور ملک کی سیاسی، معاشی اور دینی ابتری پر دل ہی دل میں کڑھتے تھے۔ اس کے سوا وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر

بھی نہیں تھی۔ برائی اتنی پھیل چکی تھی کہ اس کی اصلاح چند گنے چنے مردانِ حق کے بس سے باہر تھی۔ ان میں سے کچھ تو بددل ہو کر مختلف علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے تھے اور بعض اپنی اپنی جگہ مقیم رہ کر اصلاح احوال کی تدبیریں سوچنے لگے تھے۔

ایسے میں مردانِ حق میں سے بزرگوں کے قبیلے منہاجہ کی ایک شاخ کدایہ جاجدالہ کے امیر یحییٰ بن ابراہیم بھی تھے۔ وہ بڑے دین دار، درد مند مسلمان تھے اور سنت نبویؐ کے بڑی سختی سے پابند تھے۔

اہلِ افریقہ کی حالت دیکھ کر وہ دن رات بڑے بے چین رہتے تھے۔ چونکہ وہ قبیلے کے سردار تھے لہذا اپنے قبیلے کے علاوہ دوسرے قبیلوں میں جو بے دینی پھیلی ہوئی تھی اس پر بڑے فکر مند رہتے۔ چنانچہ ہجری 427 میں انہوں نے قبیلے کی امارت اپنے بیٹے ابراہیم کے سپرد کی اور خود اپنے قبیلے کے چند ممتاز لوگوں کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے حجاز مقدس کا سفر شروع کیا۔

حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد وہ بلادِ اسلامیہ کی سیاحت میں مشغول ہو گئے۔ اسی سیاحت کے دوران وہ تیونس کے شہر قیروان پہنچے۔ وہاں ان کی ملاقات ایک نامور عالم شیخ ابو عمران موسیٰ بن ابو حجاج سے ہوئی۔ شیخ فقہ مالکی کے امام وقت تھے۔ قرآن و حدیث اور دوسرے علوم دینی میں درجہ تبحر رکھتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی وہ نہایت عابد، زاہد اور حق گو تھے۔ فواحش اور منکرات کی اعلانیہ نفی کرتے تھے اور کوئی بڑی سے بڑی شخصیت انہیں حق بات کہنے سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔ ان کی یہی حق گوئی اور بے باکی افریقہ کے اربابِ حکومت کے لیے ناقابلِ برداشت ثابت ہوئی تھی اور انہوں نے شیخ موصوف کو جلاوطن کر دیا تھا۔ وہ اپنے وطن سے نکل کر قیروان میں آ گئے تھے اور وہاں ایک عظیم الشان درس گاہ قائم کر لی تھی۔

یہ درس گاہ تشنگانِ علم کے لیے چشمہ رحمت ثابت ہوئی۔ ہزاروں لوگ اس سے فیض یاب ہوئے۔ ان میں سے کئی بڑے بڑے علماء بھی شامل تھے اور اپنے علاقوں میں واپس جا کر ہدایت اور اصلاح کی شمع روشن کر چکے تھے۔

شیخ عمران بھی افریقہ کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے اور ان کی دلی تمنا تھی کہ افریقہ کے لوگوں میں جو بے دینی اور بد اعمالی پھیلی ہوئی ہے اس کی اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے۔ چنانچہ امیر یحییٰ بن ابراہیم کی ان سے ملاقات فی الحقیقت دو درد مند

دلوں کی ملاقات تھی۔ دونوں کئی دن تک افریقہ کے حالات کی اصلاح کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔

بالآخر امیر یحییٰ نے شیخ ابو عمران سے درخواست کی کہ وہ ان کے ساتھ کوئی ایسا عالم دین بھیجیں جو ان کی قوم کے جاہل اور کندہ نائراش لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم سے بہرہ ور کرے اور ہر قسم کے نامساعد حالات کا جرأت اور ہمت کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔

شیخ عمران کی اپنی درس گاہ میں اس وقت ان اوصاف کا حامل کوئی شخص نہ تھا۔ انہوں نے اپنے ایک شاگرد شیخ وہاج بن زلوا کو جو وادی نفیس میں ایک جگہ درس و تدریس اور تبلیغ وہ دایت کا کام انجام دیتے تھے، ایک خط لکھ دیا کہ وہ اپنے ہاں سے مطلوبہ اوصاف کے حامل کسی شخص کو امیر یحییٰ کے ساتھ بھیج دے۔

چنانچہ ہجری 430 میں امیر یحییٰ، شیخ وہاج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے عظیم المرتبت استاد کا خط پڑھا، اس کو چوما اور کہا۔

”میں استاد محترم کے حکم کی تعمیل دل و جان سے کروں گا۔“

چنانچہ انہوں نے ایک شاگرد عبداللہ بن یاسین کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا اور انہیں اپنی پُر خلوص دعاؤں کے ساتھ امیر یحییٰ کے ساتھ روانہ کر دیا۔

عبداللہ بن یاسین فی الحقیقت اصلاح تبلیغ کے عظیم کام کے اہل تھے۔ وہ نہ صرف ایک جید عالم بلکہ متقی انسان تھے۔ اس کے علاوہ جذبہ جہاد سے پوری طرح سرشار تھے۔ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عمدہ مجاہد اور تیغ زن بھی تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کو بربری زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ وہ مختلف بربری قبائل کی عادات اور ان کے مزاج سے بھی خوب واقفیت رکھتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے یحییٰ بن ابراہیم کے ساتھ ان کے ہاں جا کر بڑی تندہی سے دعوتِ اصلاح کا کام شروع کیا۔ سب سے پہلے امیر یحییٰ بن ابراہیم نے خود ان کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر ان کی مستقل معیت اختیار کر لی۔ وہ مختلف صحرائی قبائل کے پاس جاتے، انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتے، دین کے احکامات سمجھاتے، منکرات اور بدعات کو ترک کرنے کی ہدایت کرتے۔ ان قبائل کے امراء اور عوام کے عقائد اور اعمال میں حد درجہ کا بگاڑ ہو چکا تھا۔ وہ اسلام کا نام تو جانتے تھے لیکن اس کی حقیقت

سے بالکل نا آشنا تھے۔

ابن یاسین نے جہاں عوام کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی درستگی کی طرف توجہ کی وہاں انہوں نے امراء کو بھی راہِ راست پر لانے میں کوئی کمی نہ رکھی۔

یہ امراء اپنے محکوموں پر بے پناہ ظلم ڈھاتے تھے اور ان کے ساتھ حیوانوں کا سا سلوک کرتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن یاسین نے اس تاریک ماحول میں ایک شمع نور کی حیثیت اختیار کر لی اور وہ ان لوگوں کو حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر کار بند ہونے کی تلقین کرتے تھے۔ امراء کو خلفائے راشدین کا طرزِ عمل اپنانے کی ہدایت کرنے لگے تھے۔

ابن یاسین نے ہر قسم کے استحصال، لوٹ کھسوٹ اور حرام خوری سے منع کرنا شروع کر دیا۔ افریقہ میں جو لوگ گلے گلے تک گمراہی کی دلدل میں دھنس چکے تھے، ابن یاسین کی دعوت اور تبلیغ سے بھڑک اٹھے اور ان کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنے لگے۔ ان بد بختوں نے یاسین کو جسمانی اذیتیں پہنچانے سے بھی گریز نہ کیا۔ تاہم امیر یحییٰ بن ابراہیم کے اثر و رسوخ اور حمایت کی وجہ سے ان کی جان محفوظ رہی۔

بد قسمتی سے اسی زمانے میں امیر یحییٰ بن ابراہیم وفات پا گئے۔ ان کے انتقال کے بعد ابن یاسین کی مخالفت بہت بڑھ گئی۔ مشتعل قبائل نے ان کا جینا دو بھر کر دیا۔ ایسے حالات میں تبلیغ اور اصلاح کا کام مشکل ہی نہیں، ناممکن تھا۔ چنانچہ ابن یاسین سنتِ نبویؐ پر عمل کرتے ہوئے اس مقام سے ہجرت کر کے سیدگال کے زریں علاقوں کے ایک جزیرے نایجر میں جا کر مقیم ہو گئے۔ ان کے ساتھ صرف سات آدمیوں نے ہجرت کی جو دل و جان سے ان کی دعوت کو قبول کر چکے تھے۔

(کچھ مؤرخین جن میں علامہ ابن العذاری شامل ہیں کا خیال ہے کہ امیر یحییٰ بن ابراہیم اس وقت تک حیات تھے۔ وہ بھی ابن یاسین کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے نایجر چلے گئے جہاں کچھ عرصہ بعد انہوں نے وفات پائی۔ دوسرے مؤرخین کے نزدیک امیر یحییٰ بن یاسین ہجرت سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ ابن یاسین کے ساتھیوں میں بلاشبہ یحییٰ نام کے ایک اور صاحب ضرور تھے لکین ان کا نام یحییٰ بن عمر تھا اور قبیلہ لتونہ کے سردار تھے)

ابن یاسین نے نایجر میں ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی اسے انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے اپنا مرکز بنایا۔ وہاں بیٹھ کر وہ کامل یکسوئی کے ساتھ عبادت اور درس و

تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اس درس گاہ کی نسبت ابن یاسین کی دعوت قبول کرنے والوں کو مرابطون کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس درس گاہ نے شمالی افریقہ میں کیا کارنامہ سرانجام دیا، اس کی تصویر ایک عرب ادیب سعید اعراب نے کچھ ان الفاظ میں پیش کی ہے۔ اس کا کہنا ہے:

”ابن یاسین کی یہ درس گاہ گویا مینارہ نور تھی جس کی ضیاء پاشی نے حد نظر تک پھیلے ہوئے ظلمت بدوش صحرا کو منور کر دیا تھا۔ اس خانقاہ کے مکینوں کے علم و فضل اور زہد و ورع کا شہرہ جلد دور دور تک پھیل گیا۔ لوگ جوق در جوق آ کر ابن یاسین کی جماعت میں شامل ہونے لگے تھے۔“

اس کے علاوہ ابن یاسین نے مختلف قبیلوں میں اپنے تبلیغی وفد بھیجے اور حصول مقاصد کی نشر و اشاعت بھی کی۔ اس طرح ان کی جماعت روز بروز بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو گئی۔

جب ابن یاسین کے حمایتی اور انصار کی تعداد زیادہ ہو گئی اور ان کی حیثیت مضبوط ہو گئی تو انہوں نے ارادہ کر لیا کہ اب برائی کے خلاف جہاد بالسیف بھی کریں گے اور اس کے لیے بڑی تیاری اور سخت مشق کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ قوت ایمانی، خلوص، سخت کوشی اور اتحاد، تنظیم بھی چاہیے تھا۔

اس کے پیش نظر وہ کسی شخص کو اس وقت تک اپنی جماعت میں شامل نہ کرتے تھے جب تک وہ نئے سرے سے قولاً، فعلاً اسلام سے مکمل وفاداری کا عہد نہ کرتا تھا۔ اور اب لوگ ابن یاسین کی اس جماعت کو مرابطین کے نام سے یاد کرنے لگے تھے۔ جو کوئی ان کے گروہ میں شامل ہونا چاہتا جب تک وہ اپنا تزکیہ نفس نہ کر لیتا اور اپنی گزشتہ زندگی کی لغزشتوں کا محاسبہ نہ کر لیتا اس وقت تک اسے اپنے گروہ میں شامل نہ کرتے تھے۔

جماعت مرابطین میں شامل ہونے والے ہر خواہش مند سے پہلا مطالبہ یہ ہوتا کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور سابقہ زندگی کے گناہوں کے لئے اپنے اوپر حد جاری کرائے۔ اگر وہ یہ مطالبہ مان لیتا تو پھر اس پر حد قائم کی جاتی۔ اس میں خاص اور عام یا امیر و غریب میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا جاتا تھا۔ جو شخص برضا و رغبت اس حد کو اپنے اوپر جاری کروا لیتا اسے ابن یاسین اپنی دعوت اور تحریک کی مشقتیں برداشت

کرنے کے اہل قرار دیتے۔ اس کے بعد وہ اس شخص کی تعلیم و تربیت کا ذمہ لیتے تھے۔ وہ اسے قرآن و حدیث پڑھاتے، احکام دین کی تعلیم دیتے۔ اس کی کڑی نگرانی کی جاتی اور اسے لہو و لعب کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔

ابن یاسین اپنے گروہ کو یعنی مرابطین کو نماز باجماعت پڑھنے پر مجبور کرتے جو اس میں غیر حاضر ہوتا اسے بیس کوڑوں کی سزا دیتے جس سے جماعت کی ایک رکعت ترک ہوتی اسے پانچ کوڑے مارے جاتے۔ ہر نماز باجماعت کے ساتھ ایک اور نماز ادا کی جاتی جو پہلی فوت شدہ نمازوں کی قضا کے طور پر محسوب ہوتی۔ جو مسجد میں شور کرتا اسے اس کی سزا ملتی۔ اس طرح اور بھی سزائیں مقرر تھیں جو زیادہ تر احکام فقہ کے مطابق تھیں۔ یہ سب اس لیے تھا کہ ابن یاسین اپنی جاہل قوم کو تہذیب سکھانا چاہتے تھے اور اسے انتشار اور اخلاقی آوارگی سے بچا کر اسلام کا سچا پیروکار بنانا چاہتے تھے۔

مختلف مورخین نے ابن یاسین کی درس گاہ کے جو حالات اور قواعد بیان کیے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس درس گاہ کے قیام سے ان کا مقصد تارک الدنیا راہوں کی جماعت تیار نہ کرنا تھا بلکہ فی الحقیقت وہ اپنے رفقاء کو اصحاب صفہ کے طریق پر گامزن کر کے ایک عظیم مقصد یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار کر رہے تھے۔ صحرائی قبائل میں ایک تو وہ قبائل تھے جو اگرچہ مسلمان کہلاتے تھے لیکن ان کے عقائد اور اعمال مشرکین اور کفار سے بھی بدتر تھے۔ دوسرے لوگ یا دوسرے قبائل کھلم کھلا بت پرست اور کافر تھے۔ ان قبائل کے درمیان اپنے طویل قیام کے دوران ابن یاسین بخوبی سمجھ گئے تھے کہ سالہا سال کی دعوت اور تبلیغ کے نتیجے میں صرف گنتی کے چند افراد کے ہدایت قبول کرنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بد مزاج اور مغرور قبائل صرف قوت کی زبان ہی سمجھ سکتے تھے۔ چنانچہ نائیجر کی اس درس گاہ میں ابن یاسین نے اسی قوت کی فراہمی کے لیے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دی تھی۔ اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے کا راہ بھی کر لیا تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے ایک ہزار تربیت یافتہ مجاہدین کو بالکل تیار اور مستعد کر لیا تھا چنانچہ اپنے کام کی ابتداء کرنے سے پہلے انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔

”تمہاری تعداد اب کافی ہو گئی۔ تم اللہ کا شکر بجالاؤ کہ اس نے تمہاری اصلاح کی اور راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق دی۔ اگر تم نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو

نہیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں۔ کیا تم تیار ہو؟“

سب مرابطین نے یہ ایک آواز کہا۔

”ہم حاضر ہیں..... ہم حاضر ہیں..... اگر اللہ کی راہ میں اپنے عزیز واقارب کے خلاف بھی تلوار اٹھانا پڑی تو ہم اس سے بھی ہرگز دریغ نہیں کریں گے۔“

چنانچہ ابن یاسین ان مجاہدین کو لے کر پہلے قبیلہ جدالہ میں پہنچے اور انہیں راہ ہدایت پر چلنے کی تلقین کی۔ اس قبیلے کو اپنی کثرت تعداد پر بڑا ناز تھا۔ انہوں نے ابن یاسین کی دعوت کو رد کر دیا۔ اب ان کے خلاف لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ مرابطین مجاہدوں نے ایک ہی حملے میں اس قبیلے کے باغیوں اور سرکشوں اور دین کے مخالفوں کے سارے کس بل نکال کر رکھ دیئے اور انہیں اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

جدالہ کے بعد لتونہ قبیلے کی باری آئی۔ یہ طاقت ور اور جنگجو قبیلہ تھا۔ اس کے دو سردار یحییٰ بن عمر اور ابوبکر بن عمر اگرچہ شروع سے ہی ابن یاسین کے ساتھ تھے لیکن لتونیوں کی اکثریت نے بھی مسلح مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ پرجوش مرابطین نے ان کو جلد ہی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد وہ سچے دل سے ابن یاسین کی تحریک اصلاح اور جہاد میں شامل ہو گئے اور اس کے بازو و شمشیر زن ثابت ہوئے۔

علامہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ یہ لوگ اپنے چہروں پر ڈھانٹے باندھتے تھے اس لیے ان کو ملتہمین یعنی نقاب پوش بھی کہا جاتا تھا۔

علامہ ابن خلکان مزید کہتے ہیں کہ ان لتونیوں پر ان کے دشمن اکثر چھاپے مارتے رہتے تھے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی عورتوں اور مال کو لوٹ لیتے تھے۔ ایک بار انہوں نے دشمن کو دھوکا دینے کے لیے یہ تجویز سوچی کہ اپنی عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر کہیں باہر بھیج دیا جائے اور خود زمانہ کپڑے پہن کر اور چہرے چھپا کر اپنے گھروں میں رہیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دشمن اپنے معمول کے مطابق جب ان پر حملہ آور ہوئے تو ان اندرونی جنگجوؤں نے انہیں اپنی تلواروں پر رکھ لیا اور ان کا خوب قتل عام کیا۔ اس دن کے بعد کسی کو ان کی غیر حاضری میں ان کی بستیوں پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان لتونیوں نے بھی اسی دن سے اپنے چہروں پر ڈھانٹا باندھنے کی رسم کو مستقل اختیار کر

لیا تھا۔

اسی واقعہ کو دوسرے مورخین علامہ ابن اثیر کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

”ایک دفعہ لتونیوں کے تمام مرد کسی دشمن قبیلے پر چھاپہ مارنے کے لیے چلے گئے اور ان کے گھروں میں صرف بوڑھے، بچے اور عورتیں رہ گئیں۔ بد قسمتی سے لتونیوں نے دشمن سے شکست کھائی۔ دشمن ان کو رگیدتے ہوئے ان کے گھروں تک آن پہنچے۔ انہوں نے جب دشمن کو سر پر پایا تو فوراً عورتوں کو مردوں کا لباس پہنایا اور چہرے ڈھک کر میدان میں لا کھڑا کیا۔ دشمن انہیں دیکھ کر سراسیمہ ہو گئے کہ لتونیوں کا ایک اور لشکر آ گیا ہے۔ اتنے میں ان کے شکست خوردہ مرد بھی آن پہنچے اس طرح دشمن دونوں طرف سے گھر گئے اور اپنے بے شمار آدمی مروا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد لتونی مردوں نے اپنے چہروں پر ڈھانٹا باندھنے کی رسم کو اپنا شعار بنا لیا۔ ان لوگوں کے اخلاف آج بھی اس رسم پر عامل ہیں اور توراک کہلاتے ہیں۔ توراک کی عورتیں تو پردے کی چنداں پابند نہیں ہیں لیکن ان کا ہر مرد آنکھوں کے نیچے کا حصہ نقاب سے ڈھانپ کر باہر نکلتا ہے۔“

مشہور مورخ پروفیسر فلپ کے حتیٰ ان مرابطین سے متعلق کچھ اس طرح لکھتا۔

”دراصل مرابطین کی جماعت ایک مذہبی اور سیاسی برادری تھی جس کو گیارہویں صدی کے وسط میں ایک پاکباز مسلمان نے قائم کیا تھا۔ درساگہ یعنی رباط کی مناسبت سے یہ مرابطین کہلاتے تھے۔ رباط ایک قلعہ بند خانقاہ تھی جو زریں سیرگال کے قریب ایک جزیرہ میں واقع تھی۔ پہلے مریدین یا اقوام زیادہ تر قبیلہ لمسا سے تعلق رکھتے تھے جو قلعہ صہابہ کی ایک شاخ تھی اور جس کے افراد صحرا کے بنجر علاقوں میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور جیسا کہ ان کے اخلاف جنوبی صحرا کے توراک آج تک ان پر عمل پیرا ہیں وہ آنکھوں کے نیچے حصے کو نقاب سے ڈھانپتے ہیں۔ ان کے مردوں میں یہ عجیب رسم دوسرے نام یعنی ملثمین (نقاب پوش) کا باعث بنی جو کبھی کبھی ان کو

دیا جاتا ہے۔ ایک ہزار مجاہد فقراء سے شروع ہو کر ان اقوام نے چند ہی سالوں میں سارے حبشی قبائل میں بھی اسلام پھیلا دیا۔ اس طرح چند سال کے اندر وہ شمال مغربی افریقہ اور سین کے حکمران بن گئے۔ ان کے واقعات تاریخ اسلام میں ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ جب مذہبی دعوت کے ساتھ عسکری قوت بھی شریک ہو جائے تو اس کے کیا ثمرات ہوتے ہیں۔“

چونکہ بعد میں مراہطین کی غنائ حکومت لتونیوں کے ہاتھ میں آگئی تھی اس لیے مراہطین کو ملشمن بھی کہنے لگے۔ جدالہ اور لتولہ کے بعد دوسرے قبیلے بھی ایک ایک کر کے ابن یاسین کے حلقہ اطاعت میں آگئے۔ اس طرح ابن یاسین کے پاس ہزاروں سرفروشوں پر مشتمل ایک جرار لشکر جمع ہو گیا جو بڑے پکے اور مخلص مسلمان تھے۔ قرن اول کے مسلمانوں کی طرح ان کے سینوں میں بھی بے پناہ جذبہ جہاد موجزن تھا۔ ابن یاسین کی دعوت اور تبلیغ کے نتیجے میں ان لوگوں میں ایسی باہمی اخوت ہو گئی کہ وہ ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ اگرچہ ابن یاسین نے یحییٰ بن عمرو کو مراہطین کا امیر مقرر کر دیا تھا لیکن وہ ان کی اجازت اور مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔

اس کے بعد ایسا ہوا کہ 1054ء میں سلجماسا اور درعہ نام کے قبائل کے کچھ لوگوں نے یحییٰ بن عمرو اور ابن یاسین کے پاس پیغام بھیجا کہ یہاں کے امراء سخت فاسق اور بدعتی ہو گئے ہیں اور مخلوق خدا کے ظلم و ستم سے عاجز آگئی ہے۔ خدا کے لیے آپ ہمیں ان سے نجات دلائیں۔

یحییٰ اور ابن یاسین نے ان کی دعوت بلا تامل قبول کر لی اور ایک لشکر گراں لے کر سلجماسا پر یلغار کر دی۔ سلجماسا کے حکمران مسعود المغرادی نے مجاہدین کی زبردست مزاحمت کی لیکن جوش جہاد سے سرشار مجاہدین نے اس کے لشکر کے پرچے اڑا کر رکھ دیئے اور خود بھی لڑتے ہوئے مارا گیا۔ اس طرح سلجماسا اور درعہ کے قبائل علاقوں پر بھی مراہطین کا قبضہ ہو گیا۔

ابن یاسین نے چند دن وہاں قیام کیا اور اس عرصہ میں وہاں احکام شریعت کو مکمل طور پر نافذ کر دیا۔ اس کے بعد وہ واپس چلے گئے۔

1055ء میں یحییٰ بن عمر نے وفات پائی۔ ابن یاسین نے ان کی جگہ ان کے بھائی ابوبکر بن عمر کو مرابطین کا حکمران اور سپہ سالار مقرر کیا۔ وہ ایک پُر جوں مجاہد اور نہایت پریزگار آدمی تھا۔ اس نے بیک وقت شمال اور جنوب دونوں طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور اپنی فتوحات کے سلسلے کو وسیع سے وسیع تر کرتا چلا گیا۔ اسی سال اسے خبر ملی کہ گھانا میں بت پرستوں نے سخت طوفانِ بدتمیزی برپا کر رکھا ہے اور شمالی گھانا کا وہ علاقہ جس پر کچھ عرصہ پہلے مسلمان قابض ہو گئے تھے اس پر پھر بت پرستوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔

ابوبکر طوفانِ برق و باران کی طرح گھانا کی طرف بڑھا اور کئی زوردار معرکوں کے بعد بت پرستوں کا سرکچل کر گھانا پر پرچمِ اسلام بلند کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے خطہٴ سُوس، تارودنت اور اغمت وغیرہ بھی یکے بعد دیگرے فتح کر لیے۔ یہ ساری فتوحات ابن یاسین کی رہنمائی کی ہوئیں۔ تسخیر و توسیع کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ جو قبیلے ان کی اطاعت میں آتے ان سے کتاب و سنت کی فرمانبرداری کی اطاعت کا عہد لیتے۔ اس طرح وہ قبائل کی ایک ایسی وحدت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کی اساس احیائے دین اور سر بلندیِ اسلام تھی۔ اب وہ صرف صحرا میں نہیں بلکہ پورے مغرب میں ایک موثر قوت کی حیثیت رکھتے تھے۔

انہی مرابطین سے متعلق مراکشی مؤرخ سعید اعراب لکھتے ہیں:

”مراٹین ابن یاسین کا بڑا احترام کرتے تھے۔ انہیں ولی کا درجہ دیتے تھے۔ وہ ان کے فتاویٰ کو حفظ کرتے اور ان پر عمل کرتے۔ ابن یاسین نے ان تمام ظالمانہ محصولوں کو منسوخ کر دیا جن کے ذریعے حاکم اور والی عوام کا خون چوستے تھے۔ انہوں نے صرف قرآن اور سنت کے تجویز کردہ زکوٰۃ اور عشر کے محصول عائد کیے۔ انہوں نے بیت المال بھی قائم کیا جس کی آمد و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا تھا۔ بیت المال سے علماء و قاضی اور محتاجوں کی مدد بھی کی جاتی تھی۔“

دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور کے بعد ابن یاسین نے مختلف قبائل کے مجاہدین کو ایک باقاعدہ لشکر کی صورت میں منظم کر دیا تھا اور اسے ہدایت دے رکھی تھی کہ جس

علاقے پر قبضہ کیا جائے وہاں نہایت سختی کے ساتھ احکام شریعت کا نفاذ کیا جائے۔
خود ابن یاسین ایک نڈر اور جری مجاہد تھے۔ ان کا معمول تھا کہ جب ان کا لشکر
دشمن کے مقابلے کے لیے میدان میں اترتا تو وہ آگے آگے ہوتے۔ ان کے پیچھے پیچھے
سپہ سالار اور دوسرے امیر ہوتے تھے۔ اس طرح ہر معرکہ کی قیادت وہ بہ نفس نفیس
کرتے۔ اپنے لشکر کو دادِ شجاعت دیتے، اس کا حوصلہ بلند کرتے اور لڑائی کے لیے
ابھارتے تھے۔

1059ء میں ابن یاسین نے برغواتا کی طرف توجہ کی جہاں ایک چھوٹے مدعی
نبوت صالح بن طریف کے پیروؤں نے بڑا زور پکڑ لیا تھا اور اپنے مقبوضات بحیرہ
اوقیانوس کے ساحلی علاقوں میں دور دور تک وسیع کر لیے تھے۔ برغواتا پر حملے سے ابن
یاسین کا مقصد کوئی علاقہ فتح کرنا نہیں تھا بلکہ وہ صالح بن طریف کے مذہب پر کاربند
گمراہ بربروں کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ نہ صرف زبان سے اپنے فاسد عقائد
کی تعلیم و تبلیغ کرتے تھے بلکہ اپنے مخالفوں اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کو قتل کرنے سے بھی
دریغ نہ کرتے تھے۔

ابن یاسین نے برغواتا پر حملہ کیا تو ان کے لشکر کی قیادت ابوبکر بن عمرو اور ان کے
چچا زاد بھائی یوسف بن تاشفین کے ہاتھ میں تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ افریقہ میں
یوسف بن تاشفین نے کسی لشکر کی کمانداری کی تھی۔ تاہم ابن یاسین معمول کے مطابق
اپنے ان سالاروں کی رہنمائی کر رہے تھے۔

جہاں تک نبوت کا دعویٰ کرنے والے صالح بن طریف یہودی کا تعلق تھا تو وہ پہلی
صدی ہجری کے آخر میں اندلس میں پیدا ہوا جس نے شباب میں مشرق کا رخ کیا اور
عبید اللہ معترری کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ پھر جادو اور شعبدہ بازی میں دسترس
حاصل کی۔ وہاں سے نہایت عسرت اور ناداری کے عالم میں دامتہ شہر پہنچا جو مغرب
اقصیٰ میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ وہاں کے جنگجو بزرگ باشندے سخت جاہل اور
سادہ لوح تھے۔

صالح بن طریف ایک مکار شخص تھا۔ وہ لوگوں میں گھل مل گیا اور ان کی زبان پر
عبور حاصل کر کے اپنی شعبدہ بازیوں سے ان کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اس کے بعد اس
بد بخت نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ایک من گھڑٹ قرآن لوگوں کے سامنے پیش کیا جس

میں 80 سورتیں تھیں۔ ان میں سے بعض کے نام یہ تھے:

(۱) سورۃ غراب الدنیا، (۲) سورۃ ہاروت و ماروت، (۳) سورۃ دیک، (۴) سورۃ حجل، (۵) سورۃ الاسباط، (۶) سورۃ ابلیس، (۷) سورۃ آدم، (۸) سورۃ حجر، (۹) سورۃ فرعون۔

ان نام نہاد سورتوں کی زبان نہایت بے ڈھنگی اور مضحکہ خیز تھی اور وہ اپنے آپ کو مہدی اور اکبر بھی کہتا تھا۔ کئی مواقع پر وہ اپنے آپ کو داربہ بھی کہتا تھا جس کے معنی بربری زبان میں خاتم النبیین کے ہیں۔

اس نے اپنا لقب صالح المؤمنین قرار دیا تھا اور ایک عجیب و غریب شریعت وضع کر کے اپنے پیروؤں میں نافذ کر دی تھی۔ اس شریعت کی رو سے چچا کی بیٹی کے سوا ہر عورت سے نکاح جائز تھا اور بیویوں کی تعداد پر کوئی قید نہ تھی۔ نماز اشاروں سے پڑھی جاتی تھی۔ البتہ آخری رکعت کے آخر میں سجدے کیے جاتے تھے۔

نمازوں کی تعداد دس تھی۔ پانچ دن میں اور پانچ رات میں۔ مرغ کا گوشت حرام تھا اور چوری کی سزا موت تھی۔ 21 محرم کو ہر شخص پر قربانی واجب تھی۔ اس قسم کی بے شمار خرافات کا نام اس نے شریعت رکھ دیا تھا۔ اس شخص نے چند سال کے اندر زبردست طاقت حاصل کر لی اور بربروں کا دینی اور دینی سربراہ بن گیا۔

اس کے بعد وہ اپنے بیٹے الیاس کو اپنا جانشین بنا کر گوشہ نشین ہو گیا۔ الیاس نے کچھ عرصہ وہاں کے لوگوں پر حکومت کی۔ اس کے بعد یونس پھر ابو غنیر پھر ابوالانصار پھر ابو منصور جیسی پھر ابو حافظ یکے بعد دیگرے براغواتا کے حکمران بنے۔ ابو حافظ عبد اللہ کے عہد میں براغواتا کے شجر اقبال کو گھن لگ گیا اور اس پر مسلمانوں نے لگاتار حملے شروع کر دیئے۔ اس طرح براغواتی حکمران کے قصر اقتدار میں دراڑیں پڑ گئیں لیکن وہ پوری طرح ختم نہ ہوئے۔

اور اب ابن یاسین نے پہلی بار ان کا قلع قمع کرنے کی ٹھانی اور اسی مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے براغواتا پر چڑھائی شروع کی تھی۔

براغواتی بربروں نے ابن یاسین اور اس کے لشکر اور اس کے سالاروں ابو بکر بن عمر اور یوسف بن تاشفین کا جم کر مقابلہ کیا اور قدم قدم پر اپنی لاشیں بچھا کر ان کی مزاحمت کی۔

اسی خون ریز معرکہ میں ابن یاسین دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے اور انہیں زہیر کے مقام پر دفن کر دیا گیا۔ زہیر کے مقام پر ان کی سادہ سی قبر آج بھی موجود ہے۔

ابن یاسین بلاشبہ ان مصلحین امت میں سے تھے جنہوں نے اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ کی بدولت لاکھوں بندگانِ خدا کو صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیا اور ایک ایسی اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جس کا مقصد حقیقی اسلام کی سر بلندی، کتاب و سنت پر عمل، معاشرے کی اصلاح، مفسد کا خاتمہ، نیکیوں کی ترویج، علوم معرفت کی نشر و اشاعت تھا۔ انہیں اگر اپنے دور کا مہاجد کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

ابن یاسین کی شہادت کے بعد ابو بکر بن عمر نے ان کے چھوڑے ہوئے کام کو برابر جاری رکھا۔ 1060ء میں انہوں نے برغواتا کے گمراہ بربریوں کو مطیع و منقاد بنا کر چھوڑا۔ تمام مرابطین نے متفقہ طور پر ابو بکر بن عمر کو اپنا سردار تسلیم کر لیا اور قہہ ابن یاسین کی تحریک کی اصلاحات کو بڑے جوش و جذبے کے ساتھ مغرب کے طول و عرض میں پھیلانے لگے۔

برغواتا کی فتح کے بعد انہیں اطلاع ملی کہ قلعہ بنو حماد کا سردار بلوغین ایک بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لیے آرہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ قبیلہ سنہاجہ کے وہ جتھے جو صحرا میں آباد ہیں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف لڑنے لگے ہیں۔ ابو بکر نے فوج کی کمان پہلی بار اپنے عم زاد یوسف بن تاشفین کے سپرد کی اور خود سنہاجہ کی بستیوں کا رخ کیا تاکہ ان کے باہمی تنازعات کو ختم کرادیں۔ ان کے خیال میں یہ جھگڑے مرابطین کی عظیم الشان تحریک اصلاح کو سخت نقصان پہنچا سکتے تھے۔

رخصت ہونے سے پہلے انہوں نے اپنی زوجہ زینب کو طلاق دے دی۔ اس نے عدت گزارنے کے بعد یوسف بن تاشفین سے نکاح کر لیا تھا۔ یہ خاتون قبیلہ انفرادہ سے تعلق رکھتی تھی اور نہایت حسین، زیرک اور دانش مند تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو سیاسی اور عسکری معاملات میں بڑی دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ یوسف بن تاشفین نے اپنی مہموں میں اس کے مشوروں سے بڑا فائدہ اٹھایا۔

یوسف بن تاشفین نہایت شجاع اور صاحب عزم شخص تھا۔ اس نے امیر ابو بکر بن عمر کی نیابت بڑے شامدار طریقے سے کی۔ مرابطین نے اس کی بڑی قیادت اپنی فتوحات

کو برابر جاری رکھا۔ اس طرح چند سال کے اندر اندر مغرب وسطیٰ اور اقصیٰ کے وسیع علاقوں پر یوسف بن تاشفین کا اقتدار قائم ہو گیا۔

1064ء یعنی 454ھ میں یوسف بن تاشفین نے موجودہ شہر انغاز کے قریب ایک مضبوط چھاؤنی قائم کی۔ ابتداء میں اس چھاؤنی کے قیام کا مقصد مسمودہ نامی جنگجو قبیلے کو قابو میں رکھنا تھا جو کوہستانی اطلس کے دامن میں آباد تھے لیکن جلد ہی یہ چھاؤنی مستقل دارالحکومت میں تبدیل ہو گئی اور اس کا نام مراکش رکھا گیا جو سطح سمندر سے 13667 فٹ بلند کوہستان اطلس کی ایک شاخ جبل تبال کے دامن میں 1780 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

اس کے سامنے میلوں تک پھیلے ہوئے کھجوروں کے باغات ہیں اور پشت پر برف پوش پہاڑ موسم سرما میں مراکش کے حسن کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ سیاح اس شہر کو جنوبی مراکش کا نگینہ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابن تاشفین نے شہر مراکش کی بنیاد رکھنے سے پہلے ہی اس کی زمین ان لوگوں سے قیمتاً خریدی جو اس کے اصل مالک تھے اور ایک اونچ زمین پر بھی زبردستی قبضہ نہ کیا تھا۔

یوسف بن تاشفین کے دور میں مراکش نے بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کی اور بہت جلد وہ ایک عظیم الشان شہر بن گیا جو مدتوں تک شمالی افریقہ کے حکمرانوں کا دارالخلافہ رہا۔

300 سال بعد 1349ء میں مشہور سیاح ابن بطوطہ اس شہر میں پہنچا تو وہ اس کی عظمت اور شوکت سے بڑا متاثر ہوا۔ اس وقت مراکش پر بنو مرین حکمران تھے اور یہ گیارھویں مرینی حکمران ابو منان کا دور حکومت تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں شہر مراکش کا ذکر کچھ ان الفاظ میں کیا:

”یہ شہر بہت خوبصورت اور وسیع ہے۔ وہاں خیرات بہت ہوتی ہے اور بڑی بڑی عالیشان مسجدیں ہیں۔ مسجدوں میں سے ایک مینار نہایت عجیب اور بلند ہے۔ اس کی چوٹی سے تمام شہر نیچے نظر آتا ہے۔ اس شہر کی رونق اب کم ہوتی جاتی ہے۔ یہ شہر زیادہ تر بغداد سے مشابہہ ہے۔ مراکش شہر میں ایک عجیب مدرسہ ہے جو اپنی وضع اور صنعت میں بے مثال ہے۔ اس مدرسہ کو امیر المومنین ابوالحسن نے تعمیر

کروایا تھا۔ وہ دسواں مرینی فرمانروا تھا۔“

امیر یوسف بن تاشفین نے نیا دارالحکومت تعمیر کرنے کے ساتھ نظم مملکت پر بھی خاص توجہ دی اور بہت جلد ایک سادہ لیکن موثر اور مضبوط نظام حکومت قائم کر لیا۔ اس نے مختلف علاقوں کے صوبے دار مقرر کیے جو بڑے عالم فاضل اور زیرک لوگ تھے۔ وہ تمام انتظامی امور میں امیر کے سامنے جواب دہ تھے۔ اس طرح ایک مضبوط مرکز نے مراہطین کی سلطنت کو زبردست طاقت بخشی اور وہ ترقی اور عروج کے راستے پر گامزن ہو گئی۔

شہر مراکش کی تعمیر کے بعد امیر یوسف بن تاشفین نے آئندہ سات سال یعنی 1062ء سے 1069ء یعنی 454ھ سے 461ھ تک موجودہ مراکش کی فتوحات میں گزارے۔ 1063ء میں مراکش کے اہم شہر فاس پر قبضہ کیا اور اس کے بعد سارے شمالی مراکش کو آہستہ آہستہ اپنے تسلط میں لے آیا۔

شمالی مراکش پر قبضہ ہوتے ہی مراہطین کا رابطہ ان اندلسی مہاجرین سے قائم ہو گیا جو عیسائیوں کی بڑھتی ہوئی یلغار اور دباؤ کے باعث اندلس سے ہجرت کر کے مراکش میں آباد ہو رہے تھے۔ اس طرح صحرائین مراہطی اندلسی سے ہجرت کر کے مراکش میں آباد ہو رہے تھے۔ اس طرح صحرائین مراہطی اندلسی مسلمانوں کے طرز معاشرت سے آشنا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اندلسی مہاجرین میں بڑے بڑے علماء، فضلاء، دستکار، تاجر، کاشت کار اور صنعت کار شامل تھے۔ ان لوگوں نے مراہطین پر گہرے اثرات مرتب کیے اور وہ تہذیب و تمدن کے لحاظ سے اس دو کی ترقی یافتہ صفوف میں شمار کیے جاتے تھے۔

اسی دوران امیر ابو بکر بن عمر نے سہلابہ کے معاملات سے فارغ ہو کر اپنے وطن کی مراجعت کی۔ مورخین نے یہ تصریح نہیں کی کہ وہ شہر مراکش کی تعمیر سے پہلے واپس آئے یا بعد تاہم کہا جاتا ہے کہ وہ 1062ء یعنی 454ھ کے آس پاس کسی وقت جنوب کی طرف سے لوٹے۔ وطن پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ ان کے چچازاد یوسف بن تاشفین نے تمام مفتوحہ علاقوں پر اپنا تسلط مضبوطی کے ساتھ قائم کر رکھا ہے اور ایک اعلیٰ درجہ کا نظام حکومت بھی قائم کر دیا ہے جس میں زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کو برتری حاصل ہے۔ لشکری بھی اس سے خوش ہیں اور عوام بھی اس پر جان چھڑکتے ہیں۔ اس

صورتِ حال پر وہ بہت مسرور اور خوش ہوا۔ اس نے اپنے مراہطین کی عنانِ عقیادت اپنے ہاتھ میں دوبارہ لینا مصلحت کے خلاف سمجھا چنانچہ وہ مراکش کی مملکت یوسف بن تاشفین کے مضبوط ہاتھوں میں چھوڑ کر صحرا اور اطرافِ سوڈان کی طرف چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ اس کے بعد انہیں کبھی مراکش آنا نصیب نہ ہوا۔ انہوں نے سوڈان ہی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

امیر ابوبکر کا یہ فیصلہ نہایت صائب اور دور اندیشی پر مبنی ثابت ہوا کیونکہ آئندہ چند برسوں میں امیر یوسف بن تاشفین نے دولت مراہطین کو کامرانی اور ترقی کی انتہائی بلندیوں سے ہمکنار کر دیا تھا۔

جہاں تک امیر یوسف بن تاشفین کا تعلق تھا تو مبدائے فیض نے اسے بے مثل محاسن سے نوازا تھا۔ وہ ایک سچا اور پکا مسلمان تھا اور تحریک مراہطین کی تمام مطلوبہ خوبیوں اس کی ذات میں موجود تھیں۔

اس کے اعلیٰ اخلاق اور بلندیِ کردار کا ہر شخص معترف تھا۔ وہ ایک نڈر، جوانمرد، پُر جوش مجاہد اور ماہر سالار ہونے کے ساتھ ایک بے حد خدا ترس، پابندِ شرع، متقی، عادل اور کشادہ دست مسلمان تھا۔ اس کے در سے کبھی کوئی حاجت مند نامراد واپس نہ جاتا تھا۔ وہ خود بھی عالم تھا اور معارف پروری کے ساتھ علماء اور اربابِ کمال کی قدر دانی بھی خوب کرتا تھا۔ اس نے ساری عمر اپنے صحرائی آباؤ اجداد کی سادگی کو کبھی ترک نہ کیا۔ وہ معمولی لباس پہنتا تھا اور روکھی سوکھی غذا کھاتا تھا۔ حکمران کی حیثیت سے وہ انتہائی بیدار مغز اور قابل فرمانروا تھا۔

یوسف بن تاشفین نے ابوبکر بن عمر کی نیابت میں فتوحات کا جو سلسلہ قائم کیا تھا، خود مختار حکمران بننے کے بعد اس نے اور زیادہ قوت اور مستعدی کے ساتھ اسے آگے بڑھایا۔ شمالی مراکش کی تسخیر کے بعد اس نے اپنی فتوحات کو وسط مغرب اور جزائر تک پھیلا دیا اور 1075ء سے 1082ء تک اس نے طازہ کے علاوہ ملیلیا، پھر مسان، اٹان اور الجزیرہ تک کے تمام علاقوں کو فتح اور زیر کر کے افریقہ میں ایک شاندار اور مضبوط و مستحکم سلطنت قائم کر دی تھی۔

منصور بن عبداللہ اسی طرح امیر یوسف بن تاشفین کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا کہ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس مہما خانہ میں یوسف بن تاشفین داخل ہوا۔ اس کے ساتھ

اس کے دونوں بیٹے علی اور تمیم کے علاوہ بھتیجا سید بن ابی بکر بھی تھا۔ انہیں دیکھتے ہی منصور بن عبداللہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ منصور بن عبداللہ نے دیکھا اگرچہ امیر یوسف بن تاشفین جوانی کی حدود سے گزر کر بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ 60 برس کے بیٹے میں تھا لیکن زہد و تقویٰ کی زندگی گزارنے کے باعث اس کے قوی نہایت مضبوط تھے۔ وہ بڑی دلکش اور شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا قد میانہ، جسم چھریا، رنگ گدی اور چہرے پر ہلکے بال تھے۔ آنکھی سیاہ اور عقابی تھیں۔ اس کے بال گھنگھریالے اور آواز میں نرمی تھی۔

آگے بڑھ کر شاندار انداز میں یوسف بن تاشفین منصور بن عبداللہ سے ملا، اسے اپنے قریب بٹھایا، پھر منصور بن عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے یوسف بن تاشفین کہنے لگا۔

”مجھے بتایا گیا ہے کہ تم اندلس سے آئے ہو اور اندلس سے متعلق ہی میرے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے ہو۔“

جواب میں منصور بن عبداللہ کچھ دیر تک بڑی عقیدت مندی سے یوسف بن تاشفین کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

”امیر! آپ کا کہنا سچ ہے۔ میں اندلس کے حالات ہی آپ سے گزارش کرنا چاہتا تھا۔“

اس کے بعد اس نے مختصر سے الفاظ میں اندلس کی بدترین حالت سے یوسف بن تاشفین کو آگاہ کیا۔ ساتھ ہی استدعا کی کہ امیر یوسف افونش کے مقابلے میں اندلس کے مسلمانوں کی مدد کریں۔

منصور بن عبداللہ جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک یوسف بن تاشفین گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، پھر ہلکے سے تبسم میں منصور بن عبداللہ کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

”تم ایک تاجر ہو۔ جس انداز میں تم آئے ہو اس انداز میں ہو سکتا ہے کوئی حکمران آنا پسند نہ کرے۔ اگر میں تمہارے کہنے پر اندلس کے عیسائی حکمران افونش پر حملہ آور ہونے کے لیے افریقہ سے اندلس میں داخل ہو جاؤں تو شاید وہاں کے مسلمان یہ خیال کریں کہ میں اندلس پر قبضہ کرنے کے لیے آ گیا ہوں۔ تاہم میرے عزیز! اگر اندلس کے حکمرانوں میں سے کوئی مجھے نصرانی حکمران افونش پر ضرب لگانے کی دعوت دے تو

میں ضرور اپنا لشکر لے کر اندلس کا رخ کروں گا اور وہاں کے مسلمانوں کو تحفظ فراہم کروں گا۔“

اس پر منصور بن عبداللہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور مطمئن انداز میں کہنے لگا۔
”امیر! اب میرا جانا اندلس کی طرف ہوا تو میں آپ کا پیغام وہاں ضرور پہنچاؤں گا۔ یہ کہ اشبیلیہ کے حکمرانوں کا ایک سالار جس کا نام مسلم بن سرلیج ہے، اس کا بھائی عمر بن سرلیج میرا دوست ہے۔ میں چند دن پہلے ہی وہاں سے آیا ہوں اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت دیکھ کر مجھے بے حد دکھ اور صدمہ ہوا ہے۔“

اس کے بعد مختصر سے الفاظ میں یوسف بن تاشفین، سید بن ابی بکر، علی بن یوسف اور تمیم بن یوسف کے سامنے منصور بن عبداللہ نے زکریا بن ادریس، غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم کا بھی ذکر کیا تھا۔ پھر وہ جب امیر یوسف بن تاشفین سے اجازت لے کر جانے لگا تب یوسف بن تاشفین نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ کہنے لگا۔

”تم مہمان کی حیثیت سے آئے ہو۔ کچھ کھائے پیئے بغیر کیسے جاسکتے ہو؟“
اس پر منصور بن عبداللہ مسکرا دیا، امیر یوسف بن تاشفین کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑی عقیدت اور ارادت مندی سے کہنے لگا۔

”امیر! میں مراکش ہی کا رہنے والا ہوں۔ حاضر خدمت ہوتا رہوں گا۔ بس اندلس کے مسلمانوں سے ہمدردی مجھے کھینچ کر آپ کے پاس لے آئی تھی۔“
یوسف بن تاشفین نے منصور بن عبداللہ کی پیٹھ تھپتھپائی، کہنے لگا۔
”مسلمانوں کو تم جیسے ہمدردوں ہی کی ضرورت ہے۔“

اس کے بعد منصور بن عبداللہ امیر یوسف بن تاشفین سے اجازت لے کر وہاں سے نکل گیا تھا۔





ہسپانیہ میں اب حالات بد سے بدتر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ایک طرف تو افونش کے غرور اور تکبر کی انتہا نہ تھی دوسری طرف ذلت و غلامی اور خوشامد حد سے گزری ہوئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے مسلمان رئیسوں نے افونش کے پاس اپنے اپنی بھیج کر اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور اس کی خدمت میں بڑی بڑی نذریں گزارنا شروع کیں۔

افونش جانتا تھا کہ مسلمانوں میں کوئی بھی حکمران اتنا طاقتور نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ اس نے اندر ہی اندر پورے ہسپانیہ پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ لہذا سب سے پہلا قدم جو افونش نے اٹھایا وہ یہ تھا کہ اس نے مسلمانوں پر اپنی گرفت مزید مضبوط کرنے کے لیے طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے کچھ عرصہ بعد یہ اعلان کر دیا کہ وہ حامی دین مسیحی اور اسلام ہے اور ساتھ ہی اس نے حامی دین مسیحی و اسلام کا لقب بھی اختیار کر لیا۔ لیکن مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھنے میں وہ کوتاہی نہ کرتا تھا۔

اُس کی اس حقارت کا ایک قصہ ہسپانیہ میں بڑا مشہور ہوا۔ وہ یوں کہ سینٹ میریا کا مسلمان حاکم عصام الدین ایک بار افونش کے دربار میں ایک بھاری نظر پیش کرنے خود گیا۔ کہتے ہیں افونش اس وقت بندر سے کھیل رہا تھا۔

عصام الدین نے جب افونش کے سامنے نذر پیش کی تو افونش بہت ہی نفرت و حقارت سے کہنے لگا۔

”اپنی نذر کے بدلے میں میری طرف سے یہ بندر لے جاؤ۔“

عصام الدین نے بجائے غصہ ظاہر کرنے کے اس بندر کو ہی افونش سے دوستی قائم کرنے کا ایک وثیقہ سمجھا اور خیال کیا کہ اب اس کی ریاست کو اس جیسے دشمن سے کوئی

خطرہ نہیں ہے۔

افونش مسلمانوں کے شہر طلیطلہ پر پہلے ہی قبضہ کر چکا تھا۔ اب اس کی نظریں مسلمانوں کے شہر بلنسیا پر جم گئی تھیں۔ بلنسیا میں وہاں کے حاکم ابن عبدالعزیز کے دو بیٹوں میں حکومت پر نزاع برپا تھا۔ ہر ایک کا ایک ایک فریق تھا۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا فریق ایسا تھا جو بلنسیا کی حکومت کو مسلمان بادشاہ سرقسطہ کے سپرد کرنا چاہتا تھا۔ ایک چوتھا فریق بھی تھا۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ بلنسیا کی حکومت یحییٰ القادر کے حوالے کر دی جائے جو اس سے پہلے طلیطلہ کا حاکم تھا اور جس سے افونش نے طلیطلہ شہر لے لیا تھا۔

حالات بھی یحییٰ القادر کے حق میں تھے۔ اس لیے کہ ان دنوں افونش کے لشکریوں کے سپہ سالار فانیز نے ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ وہاں پڑاؤ کر رکھا تھا۔ لہذا وہ قادر کی مدد کے لئے موقع پر موجود تھا۔ اہل بلنسیا کو جو اب ایک طرح سے قادر کی رعیت ہو گئے تھے، افونش کے لشکر کے مصارف کے لئے چھ ہزار اشرفیاں روزانہ ادا کرنا پڑتی تھیں۔

یحییٰ القادر خوشی خوشی بلنسیا کا حاکم تو ہو گیا تھا اس لیے کہ طلیطلہ کے چھن جانے کے بعد اس کی بڑی خواہش تھی کہ اسے کوئی علاقہ مل جائے جہاں وہ حکومت ک سکے۔ چنانچہ بلنسیا کے مل جانے پر اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ لیکن جب اسے افونش کے لشکر پر چھ ہزار اشرفیاں روزانہ ادا کرنا پڑیں تو اس کے لیے مصیبتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ چنانچہ سب سے پہلے یحییٰ القادر نے افونش کے سالار فانیز سے بہت کہا کہ اب عیسائی لشکر کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سب آپ کی خیر خواہ رو عایا ہیں۔

اس سلسلے میں جب فانیز نے افونش سے مشورہ کیا تو افونش نے ایک نہ سنی۔ وہ ایسا بے وقوف نہ تھا کہ یحییٰ القادر کی بات کا یقین کر لیتا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ رعایا فی الحقیقت اس سے سخت نفرت کرتی ہے اور بلنسیا کی حکومت کے جو لوگ مدعی ہیں وہ ابھی تک امید رکھتے ہیں کہ ایک دن کامیاب ہو جائیں گے۔ الغرض افونش نے طلیطلہ کے بعد ایک طرح سے بلنسیا میں بھی اپنے لشکر کا پڑاؤ کر کے اس شہر پر بھی اپنی گرفت کر لی تھی۔

اب حالات مزید ابتر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یحییٰ القادر نے افونش کے لشکر کے

مصارف ادا کرنے کے لیے ایک خاص محصول شہر اور اردگرد کے علاقوں پر لگا دیا اور بلنیا کے رئیسوں سے بڑی بڑی رقمیں جبراً وصول کیں۔ باوجود اس زور اور زبردستی کے لشکر کے اخراجات کے لیے بقایا رقم القادر کے ذمہ برابر نکلتی اور بڑھتی رہی۔ ساتھ ہی ساتھ افونش کے سپہ سالار فانیز کے تقاضے شروع ہو گئے اور بار بار وہ تاکید کرنے لگا کہ بقایا رقم جلد ادا کر دی جائے۔ یحییٰ القادر کی حالت ایسی زبوں ہوئی کہ اس کے پاس ایک جبہ تک نہ رہا۔ اس نے مجبور ہو کر کھتالیہ کے لشکر والوں سے کہا کہ بلنیا کے علاقے میں جاگیریں لے لو اور یہیں آباد ہو جاؤ۔ اس طرح سے القادر نے گویا خود ہی وہ علاقے افونش کے لشکریوں کے حوالے کرنا شروع کر دیئے تھے۔

چنانچہ افونش کے لشکریوں نے یہ بات منظور کر لی۔ جاگیریں لے کر انہوں نے کاشت تو غلاموں کے سپرد کی اور خود قرب و جوار کے علاقوں کو لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ اس لوٹ مار میں عیسائی لشکری تو شامل تھے ہی، ان میں غلاموں، مجرموں اور بد معاشوں کا بھی ایک بہت بڑا گروہ شامل ہو گیا۔

ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمانوں سے سخت نفرت کرتے تھے اور افونش کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے انہیں نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ یہ لوگ ظلم و جفاکاری میں شہرہ آفاق ہو گئے۔ مردوں کو قتل اور عورتوں کو بے عزت کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہ رہا۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک یہ تھا کہ شراب کے ایک مٹکے یا روٹی یا آدھا سیر گوشت کے عوض میں ایک گرفتار شدہ مسلمان کو فروخت کر دیتے تھے۔

اگر کوئی مسلمان ان کی قید میں آ کر فدیہ ادا نہیں کرنا چاہتا تھا یا ادا نہ کر سکتا تھا تو اس کی زبان کاٹ ڈالتے تھے یا آنکھیں نکال لیتے تھے یا کتوں سے انہیں پھڑوا ڈالتے تھے۔

اس طرح بلنیا شہر میں فی الواقع افونش کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ جبکہ یحییٰ القادر برائے نام صاحب بلنیا کہلاتا تھا۔ ریاست کا بہت سا حصہ اب عیسائیوں کی دسترس میں تھا۔ اس موقع پر بلنیا کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے کے لیے افونش کی زبان کی ایک جنبش ہی کافی تھی۔

طلیطلہ پر قبضہ کرنے اور پھر بلنیا پر بھی گرفت کرنے کے بعد افونش کی نگاہیں اب

مسلمانوں کے تیسرے بڑے شہر سرقسطہ پر جم گئی تھیں۔ اس نے اپنے سالاروں اور امراء سے مشورہ کیا۔ چنانچہ افونش نے اب اپنے لشکر کے ساتھ سرقسطہ کا محاصرہ کر لیا اور قسم کھائی کہ سرقسطہ کو فتح کر کے چھوڑے گا۔

یوں سرقسطہ کا محاصرہ طویل ہوتا گیا۔ اس دوران افونش نے ایک اور قدم اٹھایا۔ اس نے مسلمانوں کی بساط ہسپانیہ میں لپیٹنے کے لیے غرناطہ کو بھی اپنا ہدف بنانا شروع کر دیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ غرناطہ بھی افونش کے حملوں سے بچ نہ سکا۔ کیونکہ 478 ہجری میں افونش کے لشکر نے غرناطہ کی حدود سے باہر نباد نام کے ایک قصبہ تک یلغار کر لی تھی جو غرناطہ کے مشرق میں لگ بھگ تین میل کے فاصلے پر تھا۔ مسلمانوں کی چونکہ کوئی مدد کرنے والا نہ تھا، نہ کوئی حاکم تھا جو اپنا لشکر تیار کر کے مسلمانوں کا دفاع کرتا۔ لہذا مسلح نصرانی لشکریوں کے سامنے مسلمان بالکل بے بس اور لاچار دکھائی دینے لگے تھے۔

غرض یہ حالات صاف ظاہر کر رہے تھے کہ سپین کے عرب اگر اپنے ہی بھروسے پر رہے تو دو باتوں میں سے ایک بات ہونی ضروری ہے۔ یا تو مسلمان عیسائی بادشاہ افونش کی رعیت بن کر رہیں گے یا سپین سے نکال باہر کر دیئے جائیں گے۔

ان حالات میں بہت سے مسلمان سپین چھوڑ کر افریقہ جانے پر آمادہ ہو گئے۔ ایک ہسپانوی شاعر نے اس زمانے میں کہا تھا۔

”اندلس کے مسلمانو! رحلت اختیار کرو۔ اب یہاں رہنا

جنون ہے۔“

ان حالات کے باوجود مسلمانوں کا ہسپانیہ سے نکل جانا بہت مشکل کام تھا۔ عربوں کو بالعموم یہ قصد پسند نہ آیا۔ وہ سوچتے تھے کہ ابھی تک کچھ نہیں گیا ہے لہذا مسلمان سر جوڑ کر بیٹھے اور یہ فیصلہ کیا کہ ابھی کچھ نہیں گیا۔ افونش کا مقابلہ کرنے کے لیے افریقہ سے مدد ملنی ممکن ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کی نگاہوں میں اب افریقہ ہی وہ ملک تھا جس کی طرف لوگ امید کی نظروں سے دیکھنے لگے اور سمجھنے لگے کہ اگر پناہ ملے گی تو اس کے ہاتھوں ملے گی۔ ہسپانیہ کے کچھ لوگوں نے یہ بھی رائے دی کہ افریقہ کے بدوؤں سے اس سلسلے میں مدد حاصل کرنی چاہیے۔ ان بدوؤں کا ایک لشکر تیار کیا جائے اور انہیں افریقہ سے ہسپانیہ منتقل کر کے اس لشکر کے ذریعے افونش کا مقابلہ کیا جائے۔

لیکن اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض بھی کیا کہ افریقہ کے بدو جس قدر لڑائی میں بہادر مشہور ہیں اسی قدر وحشی اور ظالم بھی ہیں اور اگر وہ سپین میں بلائے گئے تو عیسائیوں سے لڑنے کی بجائے وہ مسلمانوں کو لوٹنے لگیں گے۔

چنانچہ جب یہ رائے رد کر دی گئی تب ہسپانیہ کے چھوٹے بڑے مسلمان حکمرانوں نے یہ رائے پیش کی کہ ہسپانیہ میں مسلمانوں کا دفاع کرنے اور افونش کا مقابلہ کرنے کے لیے المرابطین کے امیر یوسف بن تاشفین سے مدد لینی چاہیے۔

المرابطین جن پر حکومت یوسف بن تاشفین کر رہا تھا، یہ افریقہ کے صحرائے اعظم کے رہنے والے بربر تھے اور انتہائی نیک، صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور اسلام کے لیے درد اور ہمدردی رکھنے والے بھی تھے۔

یوسف بن تاشفین کو اندلس میں بلا کر مدد لینے کا خیال سب سے پہلے نصرت کے ساتھ سپین کے علمائے دین کو پیدا ہوا۔ شروع میں ہسپانیہ کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں کو اس سلسلے میں پس و پیش رہا۔ علماء کے کہنے پر سب سے پہلے اشبیلیہ کے حکمران معتمد، بطلموس کے حکمران متوکل نے افریقہ کے مسلمانوں کی مدد کے لیے یوسف بن تاشفین سے مدد لینے کا ارادہ ظاہر کیا اور کئی بار انہوں نے ہسپانیہ کے چھوٹے بڑے مسلمان حکمرانوں کو یہ رائے بھی دی کہ عیسائیوں سے لڑنے کے لیے یوسف بن تاشفین سے مدد کی درخواست کریں۔ لیکن اندلس کی ریاستوں کے مسلمان فرمانروا بالعموم صحرائے افریقہ کے حکمرانوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بجائے دوست و رفیق رہنے کے وہ ایک خطرناک دشمن اور حریف بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔

لیکن جب افونش کی طرف سے خطرے اور اندیشے دن بدن بڑھتے چلے گئے اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے اور افونش کو شکست دینے کے لیے صرف اور صرف یوسف بن تاشفین ہی نظر آنے لگا تب باقی حکمران بھی آہستہ آہستہ یوسف بن تاشفین کو بلانے کے حق میں ہونے لگے تھے۔

اس موقع پر جب کچھ لوگوں نے یوسف بن تاشفین کو افریقہ سے اندلس بلائے جانے کے خلاف آواز اٹھائی تو معتمد نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

”میں اپنے اخلاف سے ملامت سننا نہیں چاہتا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے

اندلس کو چھوڑ کر اسے کفار کا شکار بنایا۔ مجھے گوارا نہیں ہوگا کہ ہر مسجد کے ممبر سے مجھ پر لعنت کی آواز بلند ہو۔ یاد رکھنا، میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ افریقہ میں اونٹ چرانے کو اس سے بہتر سمجھوں گا کہ میں افونش کے علاقوں میں سو رہاؤں۔“

چنانچہ ان حالات میں معتمد نے اندلس کے دوسرے چھوٹے بڑے حکمرانوں کو خط تحریر کیا:

”اب متحد اور متفق ہو کر کام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اپنی اپنی حکومت کے قاضیوں کی ایک سفارت تیار کریں اور یہ سفارت افریقہ کا رخ کرے اور یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہو کر ہسپانیہ میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور افونش کے مظالم بیان کر کے یوسف بن تاشفین کو ہسپانیہ پر حملہ آور ہونے کے لیے انگیزت کریں۔“

ان حالات میں ایک وفد تیار کیا گیا۔ اس وفد میں بطلموس کے قاضی ابو اسحق، غرناطہ کے قاضی ابو جعفر اپنے اپنے علاقوں سے نکل کر اشبیلیہ آئے۔ چنانچہ معتمد نے اپنی طرف سے قرطبہ کے قاضی ابن ادھم اور اشبیلیہ کے وزیر ابو بکر بن زیدون کو اس وفد میں شامل کیا اور یہ سب لوگ جزیرۃ الخضراء پہنچ کر وہاں سے جہاز میں سوار ہوئے اور افریقہ کا رخ کیا۔





افریقہ کا حکمران یوسف بن تاشفین ایک روز اپنے امراء کے علاوہ اپنی رہائش گاہ میں اپنے بھتیجے سید بن ابی بکر، اپنے دو بیٹوں علی بن یوسف اور تمیم بن یوسف کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ اس کے محافظ دستوں کا سالار اس کے کمرے میں نمودار ہوا اور یوسف بن تاشفین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر! اندلس سے ایک وفد آیا ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوئی مالش پیش کرنا چاہتا ہے۔“

ان الفاظ پر یوسف بن تاشفین چونکا تھا۔ باقی چوک بھی جستجو بھرے انداز میں محافظ دستوں کے سالار کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ یوسف بن تاشفین نے اپنے سالار کو مخاطب کر کے پوچھا۔

”آنے والے وفد میں کون لوگ ہیں؟“

اس پر وہ سالار یوسف بن تاشفین کو مخاطب کرتے ہوئے پھر کہہ رہا تھا۔

”امیر! وفد میں بطلیوس کے قاضی ابوالسختی، غرناطہ کے قاضی ابو جعفر، قرطبہ کے قاضی ابن ادہم اور اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر شامل ہیں۔“

یہ نام سن کر یوسف بن تاشفین ہی نہیں دوسرے لوگ بھی چونکے تھے۔ پھر یوسف بن تاشفین اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ان سب بزرگوں کو روکو نہیں، فوراً میرے پاس لے کر آؤ۔“

وہ سالار وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اندلس کا وہ وفد اس کمرے میں داخل ہوا۔ انہیں دیکھتے ہی یوسف بن تاشفین اور وہاں بیٹھے سب لوگ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یوسف بن تاشفین نے آگے بڑھ کر سب کا پرتپاک استقبال کیا اور اپنے

قریب ہی انہیں نشستوں پر بٹھایا پھر انہیں مخاطب کر کے پوچھا۔
 ”آپ لوگوں کا اس طرح میرے پاس آنا کسی علت کے بغیر نہیں۔ کیا میں پوچھ
 سکتا ہوں کہ کس غرض و غایت کے ساتھ میری طرف آئے ہیں؟“
 اس پر سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر وفد کے اراکین کی نگاہیں قرطبہ
 کے قاضی ابن ادہم پر جم گئیں۔ چنانچہ ابن ادہم، یوسف بن تاشفین کو مخاطب کر کے
 کہنے لگا۔

”امیر! ہم اندلس میں آپ کے پاس برے وقت یا نوحہ لے کر آئے ہیں۔ امیر!
 عرصہ ہوا مسلمان چھوٹے حکمران ایک دوسرے کے خلاف نا اتفاقی کا بیج بوتے رہے اور
 نفرت بھری فصلیں کاٹتے رہے اور اب اندلس پر ایسا وقت آ گیا ہے کہ مسلمانوں کا تحفظ
 وہاں غیر یقینی دکھائی دینے لگا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قرطبہ کے قاضی ابن ادہم ر کے پھر انتہائی کرب خیز آواز
 میں یوسف بن تاشفین کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔

”امیر! اندلس میں اس وقت انحطاط و زوال طاری کرتے جھکڑ، ہنگامہ آرائیوں
 کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ زندگی کے اسرار سے بھرپور جذبوں میں اذیتوں کا
 شور، منافقتوں کا خروش بڑھ گیا ہے۔ زیست کے حصار کے چاروں طرف خطرات کے
 سائے منڈلانے لگے ہیں۔ اندلس کا متعصب عیسائی حکمران افونش تعصب کے مرض
 لاعلاج میں مبتلا ہے اور وہ تحریف ابلیس کی طرح ساحلوں پر چیختی باؤلی ہواؤں، مہیب
 شب کے ہراس، طوفان و ابتلا کے آہنگ اور صحرائی ٹو کی کر بنا کی کی طرح مسلمانوں
 کے علاقوں پر وارد ہو کر یکے بعد دیگرے ہمارے شہروں پر قبضہ کرتا چلا جا رہا ہے۔“

امیر! ہسپانیہ کے مسلمان ان دنوں در و دیوار کو چاٹتی تاریکیوں، اجنبی رات میں
 لرزاں شب کی طرح بے اتفاقی کا شکار ہیں۔ مدفون افسانوں کے ویرانوں، بے ثباتی
 کے سرمئی سایوں، بے کیف کرتی جلن و حرارت اور اداس شام پر مسلط ہوتی تاریکیوں
 جیسی بے حسی میں کھو چکے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قرطبہ کے قاضی ابن ادہم کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لیے
 کہ ان کی آواز رندھ گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی اور الفاظ گویا پھندا بن کر ان
 کے حلق میں اٹک گئے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھتے ہوئے یوسف بن تاشفین اور وہاں

بیٹھے دیکر لوگ بھی بڑے متاثر دکھائی دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ قرطبہ کے قاضی ابن ادہم نے اپنے آپ کو سنبھالا اور دوبارہ وہ یوسف بن تاشفین کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”امیر! نصرانی حکمران افونش مسلمانوں کے لیے ہمہ قیامت، ہمہ عقوبت، قضا کی ظلمت کا طلسم و فسوں، شیطانی شعلوں، طوفانِ برق، سامانِ مرگ اور رگ رگ میں چبھ جانے والا خوف اور ننگ و بدکاری کا جہنم بن چکا ہے۔ اس موقع پر اگر مسلمانوں کی مدد کے لیے کوئی نہ پہنچا تو امیر! صبر و رضا کی بکل مارے ہسپانیہ کے بوڑھے پر بریدہ طور جیسے ہو جائیں گے۔ ہسپانیہ کی پُر امن خاموشی اختیار کیے مائیں سنسان و اداس اذیتوں کو گلے لگائے روتی دکھائی دیں گی۔ ہسپانیہ کی آن و عفت کی سی بیٹیاں خناس و شیطانی وحشتوں کے سامنے بے آبرو ہوتی دکھائی دیں گی۔ نئے کاروانوں کے راستوں کے متلاشی ہسپانیہ کے بچے بصارتوں کے متحرک ادراک سے قطعی محروم ہو جائیں گے۔

امیر! دینِ اسلام کی سطوت و مسلم اُمت کی خاطر ہم آپ سے استدعا اور التجا کرتے ہیں کہ ہسپانیہ کے مسلمانوں کی مدد کیجئے ورنہ افونش انہیں ہسپانیہ سے نکال باہر کرے گا۔ ان کی آنے والی نسلوں کو غلامی کی کسی جانے والی زنجیروں میں جکڑ دے گا۔ وہاں کے مسلمان وحشت کی پت چھڑ اور بے روک بریدہ جذبوں سے بدتر ہو کر رہ جائیں گے۔ اگر کوئی بھی ان کی مدد کے لیے نہ اٹھا تو امیر یوسف بن تاشفین! ہسپانیہ کے بے بس مسلمان بے کراں خونِ مناظر اور زنگ آلود داستانوں کی طرح اس دنیا سے معدوم ہو کر رہ جائیں گے۔“

قرطبہ کے قاضی ابن ادہم کی یہ گفتگو سن کر امیر یوسف بن تاشفین پکھل کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر گہری سوچوں میں ڈوبا رہا پھر اس نے اپنی آنکھوں کی نمی دور کی، کچھ دیر تک اپنے سالاروں اور امراء سے مشورہ کرتا رہا، پھر وفد کے اراکین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ لوگوں میں بطلیوس کے قاضی ابوالحق، غرناطہ کے قاضی ابو جعفر، قرطبہ کے قاضی ابن ادہم اور اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر شامل ہیں۔ اب مجھے یہ بتایا جائے کہ اشبیلیہ کا وزیر ابوبکر کون ہے؟“

اس پر قطبہ کے قاضی ابن ادہم نے اپنے پہلو میں بیٹھے اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر کی طرف اشارہ کیا۔ پھر یوسف بن تاشفین، اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کیا تم مجھے بتا سکتے ہو جزیرۃ الخضر ان دنوں کس کے ماتحت ہے؟“

اس پر اشبیلیہ کا وزیر ابوبکر بڑی ارادت مندی سے کہنے لگا۔

”امیر! مدینۃ الخضر اس وقت اشبیلیہ کے حکمران معتمد کی گرفت میں ہے اور وہاں

اس کا بیٹا رضی اس کی طرف سے حاکم ہے۔“

یوسف بن تاشفین نے کچھ سوچا، اس کے بعد کہنے لگا۔

”میں ہسپانیہ کے مسلمانوں کی مدد کے لیے تیار ہوں۔ لیکن جزیرۃ الخضر امیرے

حوالے کر دیا جائے۔ میں یہاں سے جو لشکر لے کر روانہ ہوں گا وہ پہلے جزیرۃ الخضر ہی

میں قیام کرے گا۔ اسی جزیرے کو میں اپنی طاقت و قوت کا مرکز بناؤں گا اور وہیں سے

اٹھ کر میں نصرانی حکمران افونش کا مقابلہ کروں گا۔ اور میں تم سب لوگوں کو یقین دلاتا

ہوں کہ میں افونش کو ہسپانیہ کے مسلمانوں کے سامنے بالکل بے بس و بے خطر بنا کر

رکھ دوں گا۔“

امیر یوسف بن تاشفین جب خاموش ہوا تب وفد کے ارکان آپس میں صلاح و

مشورہ کرتے رہے پھر اشبیلیہ کا وزیر ابوبکر بن زیدون امیر یوسف بن تاشفین کو مخاطب

کر کے کہنے لگا۔

”امیر! میں اشبیلیہ کے حکمران معتمد کا وزیر ہوں اور میں اس بات کا مجاز نہیں ہوں

کہ میں آپ سے یہ حامی بھریوں کہ جزیرۃ الخضر آپ کے تسلط میں دے دیا جائے گا

اور معتمد کا بیٹا رضی اپنے لشکر کو لے کر وہاں سے نکل جائے گا۔“

اشبیلیہ کا وزیر ابوبکر جب خاموش ہوا تب یوسف بن تاشفین نے ناپسندیدگی کا

اظہار کیا اور وفد کے اراکین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر تم لوگوں میں سے کسی کے پاس کوئی فیصلہ کرنے کی سند ہی نہیں ہے تو پھر

جاؤ، واپس ہسپانیہ کی طرف چلے جاؤ۔ اس شخص کو میرے پاس بھیجو جو جزیرۃ الخضر

میرے حوالے کرنے کا مجاز ہوتا کہ اسی جزیرے کو میں اپنی قوت کا مرکز بنا کر ہسپانیہ

کے مسلمانوں کی مدد کروں اور افونش پر ضرب لگائیں۔“

ان کے ساتھ ہی امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے بھتیجے سید بن ابوبکر کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! وفد کے ارکان کی رہائش اور ان کی خدمت کا بہترین اہتمام کیا جائے۔ ہمارے ہاں ان کی حیثیت انتہائی معزز مہمانوں کی سی ہوگی۔ اور جب یہ یہاں سے رخصت ہونا چاہیں تو انہیں بہترین تحائف دے کر یہاں سے رخصت کر دیا جائے۔“

اس کے ساتھ ہی سید بن ابوبکر اٹھا اور وفد کے ارکان کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا کہ یوسف بن تاشفین نے کچھ سوچا، پھر اپنے بھتیجے سید بن ابوبکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! بیٹھو۔ میں وفد کے ارکان سے اندلس سے متعلق مزید تفصیل حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

چنانچہ سید بن ابوبکر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ تب وفد کے اراکین کو مخاطب کرتے ہوئے یوسف بن تاشفین بول اٹھا۔

”میرے عزیز و محترم مہمانو! قبل ازیں کے کہ تم آرام کے لیے اٹھ کر جاؤ پہلے تم میں سے مجھے کوئی یہ بتائے کہ اندلس آخر اس حالت کو کیوں پہنچا؟ او اس کی کیا وجوہات ہیں؟“

یوسف بن تاشفین کے اس سوال پر ایک بار پھر وفد کے سب ارکان نے قرطبہ کے قاضی ابن ادہم کی طرف دیکھا اور جواب میں ابن ادہم، یوسف بن تاشفین کو مخاطب کرتے ہوئے پھر کہہ رہا تھا۔

”امیر! یہ بڑی کرب خیز داستان ہے۔ اُمتِ مسلمہ کی بد قسمتی جب بنو اُمیہ کے زوال کے بعد بغداد میں بنو عباس برسرِ اقتدار آئے اور اموی خاندان کے لوگوں کو انہوں نے چن چن کر مارا تو اموی شہزادہ عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان کسی طرح جان بچا کر مضر کی طرف بھاگ نکلا اور وہاں سے شمالی افریقہ جا پہنچا۔ کچھ مدت گنماہی کی حالت میں گزاری، آخری اندلس پہنچا اور اپنے خاندان کے خواہوں کی مدد سے اندلس کا فرمانروا بن گیا۔“

عبدالرحمن جسے عبدالرحمن الداخل بھی کہتے ہیں 138 ہجری میں اندلس کا فرمانروا بنا اور 422 ہجری تک اموی خاندان کے چوبیس حکمرانوں نے نیلے بعد دیگرے اندلس پر

حکمرانی کی۔

اس دوران اندلس کی کایاپلٹ کر رکھ دی گی اور مسلمانانِ اندلس کی درخشاں تہذیب و تمدن نے دنیا کو محو حیات بنا دیا۔ ہر کوئی اندلس میں بنو امیہ کی حکومت پر رشک کرنے لگا تھا۔ بنو امیہ کے دور میں اندلس نے ایسی ترقی کی کہ مغرب میں کسی کو آج تک نصیب نہ ہوئی تھی۔

لیکن بد قسمتی سے چوتھی صدی ہجری کے آخر میں اندلس کے مسلمان تشدد اور اختراع کے ہولناک مرض میں مبتلا ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچویں صدی ہجری کے پہلے ربع میں بنو امیہ کا آفتابِ اقبال غروب ہو گیا اور ملک میں ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ یہاں تک کہ ملک کے مختلف علاقوں اور شہروں میں بیس کے قریب چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان میں سے کچھ کے نام اشبیلیہ، بطلیوس، طلیطلہ، مریا، مالقہ، غرناطہ، بلنسیا، سہلا، دانیہ، مرسیہ، سر قسطہ، درتوشہ اور سارہ گوسہ ہیں۔

ان سب ریاستوں کے حکمران امیر المومنین کہلاتے ہیں اور آپس میں لڑتے جھگڑتے بھی رہتے ہیں۔ لہذا اندلس کے لوگ اپنے ہاں ان حکمرانوں کو ملوک الطوائف کے نام سے پکارنے لگے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ابن ادہم کچھ دیر کور کا پھر دوبارہ وہ دکھے ہوئے دل اور کرب خیز آواز میں کہہ رہا تھا۔

”امیر! اندلس کی اس حالت پر اندلس کے مشہور شاعر ابن الخطیب نے کہا تھا:

”جب خلافت کا ہار بکھر گیا اور اس کا نام و نشان مٹ گیا تو

ہر علاقے میں ایک بادشاہ کھڑا ہو گیا اور ہر شاخ پر ایک نیا مرغ

بانگ دینے لگا۔“

اندلس کے ایک اور شاعر نے اس صورتِ حال پر کچھ اس طرح نوحہ خوانی کی تھی:

”سرزمینِ اندلس کی جو چیز مجھے بیزار کرتی ہے وہ وہاں معتصم اور

معزود کے نام ہیں۔ بادشاہت کے یہ القاب ایسے ہیں کہ جن کا کوئی

محل وقوع نہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بلی بھول کر شیر کے

دب بے کی نقل کرے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قرطبہ کا قاضی ابن ادہم رکا، پھر دوبارہ اپنی بات آگے

بڑھاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

”امیر! بنو امیہ کے زوال کے زمانے میں اندلس کے بعض علاقوں پر نصرانی دوبارہ قابض ہو گئے تھے۔ ملوک الطوائف کے باہمی مناکشف سے فائدہ اٹھا کر وہ بہت زور پکڑ گئے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کی بدبختی کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے نصرانیوں سے مدد لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

مسلمان حکومتوں میں حکومت اشبیلیہ کو اندلس کی تمام ریاستوں میں ممتاز اور نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اس پر بنو عباد حکمران ہیں جنہوں نے قرطبہ پر بھی اپنا تسلط قائم کر لیا ہے۔ اس خاندان کا سب سے نامور اور آخری حکمران المعتمد ہے۔ دوسرے تمام اندلسی حکمرانوں پر وہ فوقیت رکھتا ہے اور خود بھی اونچے درجے کا عالم اور نہایت اچھا شاعر ہے اور اہل علم اور دوسرے ارباب کمال کی قدر دانی میں کوئی کمر بھی اٹھا نہیں رکھتا۔ لیکن اندلس اور وہاں رہنے والوں کی بدبختی کہ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ یہ اشبیلیہ کا حاکم معتمد عیش و عشرت کا دلدادہ بھی ہے۔ تاہم اس نے اپنی بلند ہمتی کی بدولت غرناطہ کی ریاست کے علاوہ تقویاً سارے جنوبی اندلس پر قبضہ جما لیا تھا۔ لیکن حالات کی بد قسمتی کہ نصرانی حکمران افونش نے طاقت پکڑ لی اور حملہ آور ہو کر اس نے مسلمانوں سے بہت سے مقامات چھین لیے۔

سب سے پہلے افونش نے خاندان ذنور کے حکمران یحییٰ قادر بن اسماعیل کو شکست دے کر طلیطلہ پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد دوسرے بہت سے علاقوں پر بھی اس نے قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اشبیلیہ کے کچھ علاقوں پر بھی اس نے شب خون مارے۔ یہ حالات دیکھتے ہوئے معتمد نے اندازہ لگایا کہ افونش اپنی طاقت اور قوت کے بل بوتے پر اندلس میں اب مسلمانوں کو ٹکنے نہیں دے گا۔ لہذا مسلمانوں کو اندلس میں محفوظ کرنے کے لیے اس نے ہمیں وفد کی صورت میں آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔ آپ کی مہربانی کہ آپ اندلس کے لوگوں کی مدد کے لیے تیار ہیں۔ لیکن آپ نے جو یہ کہا ہے کہ جزیرۃ الخضر کو اپنی طاقت و قوت کا مرکز بنانا چاہتے ہیں لہذا جزیرۃ الخضر آپ کی گرفت میں رہنا چاہیے تو جزیرۃ الخضر پر ان دنوں معتمد کا قبضہ ہے۔ وہاں اس کا بیٹا رضی معتمد کی طرف سے والی ہے۔ معتمد کا وزیر ابو بکر ہمارے ساتھ ہے۔ چونکہ یہ اس بات کا مجاز نہیں کہ معتمد سے اجازت لیے بغیر کوئی علاقہ آپ کے حوالے کر دے لہذا آپ ہمیں

اجازت دیں کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ واپس جا کر ہم معتمد سے کہیں اور پھر دیکھتے ہیں وہ کیا فیصلہ کرتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قاضی بن ادہم جب خاموش ہوا تب امیر یوسف بن تاشفین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر یوسف بن تاشفین کے کہنے پر اس کا بھتیجا سید بن ابوبکر وفد کے ارکان کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔





اشبیلیہ کا وزیر ابوبکر بن زیدون، اس کی بیوی حزیرہ، بیٹی صدف بنت ابوبکر ایک روز انیتش کی حویلی میں داخل ہوئے۔ اس وقت انیتش، اس کی ماں اموسیہ اور بیٹی رواندہ تینوں دیوان خانہ میں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ ابوبکر بن زیدون اور اس کے اہل خانہ کی آمد پر صحن میں آکر تینوں نے ان کا استقبال کیا پھر سب دیوان خانہ میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔

نشتوں پر بیٹھنے کے ساتھ ہی گفتگو کا آغاز وزیر ابوبکر بن زیدون نے کیا تھا اور حسین و خوبصورت رواندہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹی! تو ذرا دوسرے کمرے میں چلی جا۔ میں تیرے ماں باپ کے ساتھ ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ برامت ماننا بیٹی! اس گفتگو کا موضوع چونکہ تمہاری ذات ہے اس لیے میں تمہیں دوسرے کمرے کی طرف بھیج رہا ہوں۔“
رواندہ نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ وہ بڑی سنجیدہ تھی۔ چپ چاپ اٹھی اور اس کمرے سے نکل گئی تھی۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ابوبکر بن زیدون نے پھر گفتگو کا آغاز کیا اور ایک غائر نگاہ باری باری انیتش اور اس کی بیوی اموسیہ پر ڈالنے کے بعد کہنے لگا۔

”میں، میری بیوی حزیرہ اور میری بیٹی صدف تینوں آج آپ کے ہاں ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں میرا ایک بیٹا ہے۔ اس کا نام قیطان ہے۔ میں آج اسی کے لیے آپ لوگوں سے رواندہ کو مانگنے کے لیے آیا ہوں۔ اگر آپ اس رشتے کو قبول کر لیں تو میں سمجھوں گا یہ ہماری بڑی خوش قسمتی اور سعادت ہو گی کہ رواندہ جیسی بیٹی ہمیں ملی۔“

ابوبکر بن زیدون کے ان الفاظ کے جواب میں رواندہ کی ماں اموسیہ اور باپ انیتش دونوں عجیب سے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دونوں خاموش اور سنجیدہ بھی تھے۔ نگاہوں ہی نگاہوں میں دونوں نے کچھ فیصلہ کیا اور اس کے بعد اموسیہ، ابوبکر بن زیدون کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”سب سے پہلے تو میں اور میرے شوہر آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ نے اپنے بیٹے قیطان کے لیے ہماری بیٹی رواندہ کا رشتہ طلب کیا، اس کے لیے بھی ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ یہ ہمارے لیے بڑی سعادت کا بھی مقام ہے۔ لیکن رشتہ رواندہ کا ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے۔ چونکہ اس میں رواندہ کی زندگی کا سوال ہے لہذا اس سے پوچھے بغیر ہم آپ کو کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اگر رواندہ اس رشتہ پر رضامند ہوگئی تو یہ ہماری خوش بختی ہوگی کہ ہمارا آپ کے ساتھ رشتہ قائم ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے یہ رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تو پھر آپ بیمرانہ مانئے گا۔ اس لیے کہ رواندہ کا فیصلہ ہی ہمارے لیے آخری ہوگا اور اس کی مرضی کے خلاف ہم کوئی کام نہیں کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد اموسیہ جب خاموش ہوئی تب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ابوبکر بن زیدون کہنے لگا۔

”میری بہن! تمہارے جواب نے ہمیں خوش کر دیا ہے.....“

ابوبکر بن زیدون مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسے رک جانا پڑا۔ اس لیے کہ اس کی ماں بیٹی صدف بنت ابوبکر بول اٹھی تھی۔

”مجھے امید ہے رواندہ اس رشتہ سے انکار نہیں کرے گی۔“

صدف کے ساتھ ہی اس کی ماں حزیہ بول اٹھی۔

”اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو آپ اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف جائیں۔ اس موضوع پر رواندہ سے بات کریں۔ اگر وہ آج ہی اپنے جواب سے ہمیں مطلع کر دے تو پھر ہم کوئی اگلا قدم اٹھائیں گے۔ آپ لوگوں کو ہم یقین دلاتے ہیں کہ رواندہ اگر اس رشتہ پر رضامند ہوتی ہے تو پھر یہ ہماری خوش قسمتی اور خوش بختی ہوگی۔ اگر وہ انکار کرتی ہے تو اس کے انکار کا نہ برا مانا جائے گا اور نہ ہی وجہ پوچھی جائے گی کہ اس نے کیوں انکار کیا؟ اس لیے کہ اس میں رواندہ کی زندگی کا سوال ہے۔ فیصلہ اسی نے کرنا ہے۔“

حزیرہ کے کہنے پر رواندہ کی ماں اموسیہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تیز تیز چلتی ہوئی ساتھ والے کمرے میں گئی جہاں رواندہ خاموش اور چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔ اموسیہ جب اس کے کمرے میں داخل ہوئی تب رواندہ چونکی تھی۔ اپنی ماں کی آمد پر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اموسیہ آگے بڑھی، اسی نشست پر بیٹھ گئی جس پر رواندہ بیٹھی ہوئی تھی اور پھر رواندہ کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اموسیہ نے اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔ ساتھ ہی رواندہ کو مخاطب کرتے ہوئے اموسیہ بول اٹھی۔

”بیٹی! میں تمہارے پاس ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں آئی ہوں۔ اشبیلیہ کا وزیر ابوبکر بن زیدون، اس کی بیوی اور بیٹی ہمارے ہاں ایک خاص مقصد کے لیے آئے ہیں۔ میری بیٹی! ابوبکر بن زیدون اپنے بیٹے قیطان کے لیے تمہارا رشتہ مانگتا ہے۔ میں نے اور تمہارے باپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری بیٹی! فیصلہ ہم نے تم پر چھوڑا ہے۔ تمہارے باپ نے اور میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اس سلسلے میں تم سے بات کی جائے گی۔ جو فیصلہ تم کرو گی وہی آخری ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد اموسیہ جب خاموش ہوئی تب رواندہ بڑے دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔

”سن میری ماں! جس وقت اشبیلیہ کا وزیر ہمارے دیوان خانے میں آیا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ میں دیوان خانے سے دوسرے کمرے کی طرف چلی جاؤں اسی وقت میں جان گئی تھی کہ گفتگو کا موضوع میری ذات ہوگی۔ اماں! میں وزیر ابوبکر بن زیدون کے بیٹے قیطان سے رشتہ جوڑنے سے انکار کرتی ہوں۔ اماں! اگر مجھے ایسے ہی لوگوں میں رشتہ کرنا ہوتا، مجھے کوئی بڑا مقام حاصل کی غرض و غایت ہوتی تو میں افونش کی گرفت سے کیوں بھاگتی؟ وہ مجھے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا تھا۔“

اس پر اموسیہ کہنے لگی۔

”بیٹی! افونش اور قیطان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ بوڑھا ہے۔ اس کے بچے جوان ہیں۔ وہ صاحب اولاد ہے۔ قیطان ابھی نو جوان ہے لہذا قیطان اور افونش کا تقابلی جائزہ تو نہیں لیا جاسکتا۔ میری بیٹی! اگر تو انکار کرتی ہے تو وزیر ابوبکر بن زیدون اور اس کے اہل خانہ تم سے انکار کی وجہ نہیں پوچھیں گے۔ لیکن تم مجھے اس انکار کی وجہ بتا سکتی ہو کہ میں تمہاری ماں ہوں۔“

اس پر ایک گہری نگاہ رواندہ نے اپنی ماں اموسیہ پر ڈالی، پھر شرماتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔

”اماں! میں اپنی زندگی کے لیے اپنے ساتھی کا انتخاب کر چکی ہوں۔ اگر حالات نے مجھے اس کا بنا دیا تو ماں! میری خوش قسمتی ہوگی۔ اور اگر میں اس شخصیت کو اپنا نہ بنا سکی تو یاد رکھنا میں شادی نہیں کروں گی۔“

رواندہ کے ان املفاظ پر اموسیہ کچھ دیر مسکراتی رہی پھر کہنے لگی۔

”بیٹی! میں کچھ کچھ جان گئی ہوں کہ تیرا جھکاؤ کس طرف ہے۔ تیری محبت کی راہیں کس سمت کو جاتی ہیں۔ تیری چاہت کے راستے کن منزلوں، کن مسافتوں کا رخ کرتے ہیں۔ لیکن میری بیٹی! میں تیری زبان سے اس کا نام سننا چاہتی ہوں۔ یہ مت خیال کرنا میں تمہارے جذبات سے بے خبر ہوں۔ میں نے بھی ایک شخصیت کا نام اپنے ذہن میں بٹھا رکھا ہے اور اس سے متعلق میرا اندازہ ہے کہ تم اسے پسند کرتی ہو۔ پر میں اس کا نام میری بچی! تیری زبان سے سننا چاہتی ہوں۔“

اس پر ہلکا سا تبسم رواندہ کے چہرے پر نمودار ہوا۔ کہنے لگی۔

”اماں! پہلے آپ بتائیں، آپ کے ذہن میں کون سا نام ہے جو میری پسندیدگی کا باعث بن سکتا ہے۔؟“

اس پر مسکراتے ہوئے اموسیہ نیشی میں گردن ہلائی۔ کہنے لگی۔

”نہیں..... پہلے تو بتا.....“

جواب میں رواندہ اٹھی اور کہنے لگی۔

”آپ تھوڑی دیر بیٹھیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی رواندہ نکل کر دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹی۔ اس کے ہاتھ میں قلم دوات اور کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا۔ پھر اپنی ماں اموسیہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اماں! میں اس کاغذ پر اس شخص کا نام لکھ کر کاغذ کو دہرا کر کے رکھ دیتی ہوں۔

اس کے بعد تم اس کا نام بتانا۔ پھر کاغذ کھولا جائے گا اور دیکھیں گے کیا ہم دونوں ماں بیٹی کے خیالات آپس میں ملتے ہیں؟“

اموسیہ نے اس سے اتفاق کیا۔ پھر رواندہ نے قلم سنبھالا، کاغذ پر کچھ لکھا، اس کے

بعد کاغذ کو تہہ کرتے ہوئے اس نے اپنی ران کے نیچے دبایا تھا۔ اس کے بعد دھیمی دھیمی مسکراہٹ میں اپنی ماں کی طرف دیکھت ہوئے کہنے لگی۔

”اماں! وہ نام جسے میں اپنی زندگی کا ہمسفر بنانے کا عزم کر چکی ہوں اسے میں نے کاغذ پر لکھ کر اپنی ران کے نیچے محفوظ کر لیا ہے۔ اماں! اب تم وہ نام کہو جو تمہارے ذہن میں ہے۔ اس کے بعد میں کاغذ کھولوں گی اور تم نام پڑھ لینا۔“

اپنی بیٹی روانہ کے ان الفاظ پر اموسیہ مسکرائی، کچھ سوچا، پھر کہنے لگی۔

”خدا جھوٹ نہ بلوائے میرا دل کہتا ہے کہ تم زکریا بن اور لیس کی طرف مائل ہو۔ اسے اپنی زندگی کا ہمسفر بنانے کا ارادہ رکھتی ہو۔ بیٹی! آج تک تم نے میرے سامنے یا اپنے باپ کے سامنے کبھی زکریا بن اور لیس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن جب ایک بار تم اور تمہارا باپ اسے بازار سے پکڑ کر اس گھر میں لائے تھے تو تمہارے چہرے پر اس کی آمد کے باعث جو خوشی تھی اس خوشی کے اندر میں نے بڑی محبت بھری داستانیں دیکھی تھیں۔ اس کی آمد پر تمہاری آنکھوں کے اندر جو شادمانیوں بھری چمک تھی، اس چمک کے اندر بھی میری بیٹی! میں نے تمہاری محبت، تمہاری چاہت کی داستانیں رقص کرتے ہوئے دیکھی تھیں۔ جو نام اس وقت میرے ذہن میں ہے وہ تو زکریا بن اور لیس ہی ہے۔ اب جو کاغذ تم نے اپنی ران کے نیچے رکھ لیا ہے اسے نکال کر اس کی تہیں کھولو اور بتاؤ تم نے کیا لکھا ہے؟“

اپنی ماں اموسیہ کے ان الفاظ پر کچھ ذہیر تک رواندہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ران کے نیچے دبایا ہوا کاغذ نکالا اور اس کی تہیں کھولیں پھر اپنی ماں اموسیہ کو تہما دیا۔ اس پر لکھا تھا۔

”زکریا بن اور لیس“

اموسیہ کچھ دیر تک کاغذ پر لکھے اس نام کو دیکھتی رہی، مسکراتی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے کئی بار رواندہ کا چہرہ چوما، پھر دعائیہ انداز میں کہنے لگی۔

”میری بچی! میری تو دعا ہے کہ تو زکریا بن اور لیس کے ساتھ خوش رہے۔ مجھے امید ہے وہ تجھے اپناتے ہوئے فخر محسوس کرے گا۔ بیٹی! میں جانتی ہوں اس کے پاس نہ رہنے کو جگہ ہے نہ تجھے دینے کے لیے اس کے پاس کچھ اثاثہ ہے۔ لیکن یہ چیزیں جذبوں میں حائل نہیں ہو سکتیں۔ میری بچی! وہ ایک مخلص اور پیار کرنے والا نوجوان

ہے۔ ابھی تک اس بے چارے کو خبر بھی نہیں ہوئی ہوگی کہ تم اسے پسند کرتی ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ کسی روز اسے اپنے ہاں بلائیں، اس کی دعوت کریں اور اسی دوران باتوں باتوں میں اس پر انکشاف کر دیا جائے کہ رواندہ اسے اپنی منزل بنا چکی ہے۔ مجھے امید ہے کہ جب اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی جائے گی تو میری بیٹی! وہ بھی تیری طرف مائل ہو جائے گا۔ تجھے چاہنے لگے گا اور ایسا ہونا ضروری ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد اموسیہ جب خاموش ہوئی تب فخریہ انداز میں اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے رواندہ کہنے لگی۔

”اماں! میں نے کبھی کسی موقع پر دولت اور مال و متاع کی طلب نہیں کی۔ نہ ہی اس کی ہمارے پاس کمی ہے۔ ماں! میں نے زکریا بن ادلس کے ساتھ ایک طویل سفر کیا تھا۔ راستے میں جہاں دلیرانہ اور سرفروشانہ انداز میں انہوں نے میری جان کی حفاظت کی، وہاں راستے بھر میری عزت، میری عصمت، میری آبرو کے امین بھی بنے رہے۔ اماں! ایسے جوان پر تو زندگی بھر کا اثاثہ قربان کیا جاسکتا ہے۔ بس وہی میری منزل ہیں اور انہیں ہی حاصل کرنا اب میری زیست کا مدعا ہے۔“

اموسیہ ایک بار پھر اٹھی، فخریہ انداز میں اس نے رواندہ کا شانہ تھپتھپایا، پھر کہنے لگی۔ ”تو یہیں بیٹھ۔ میں دیوان خانہ میں جا کر ان سے کہتی ہوں کہ یہ رشتہ ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہے۔“

اپنی ماں کے یہ الفاظ سن کر رواندہ مسکرا دی تھی۔ ساتھ ہی اموسیہ اس کمرے سے نکل گئی تھی۔ جس وقت وہ دیوان خانہ میں داخل ہوئی سب کی نگاہیں اس پر جم گئی تھیں۔ اپنی جس نشست سے اٹھ کر اموسیہ گئی تھی، وہیں بیٹھ گئی تھی۔ پھر وزیر ابو بکر بن زیدون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں اپنی بیٹی رواندہ سے اس سلسلے میں طویل گفتگو کر کے آئی ہوں۔ اسے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ دراصل رواندہ کسی اور نوجوان کو اپنی زندگی کی منزل بنا چکی ہے۔“

اموسیہ کے ان الفاظ پر ابو بکر بن زیدون نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کی بیوی حزیہ کی بھی یہی حالت تھی لیکن صدف بنت ابو بکر کا چہرہ لٹک گیا تھا۔ چنانچہ اموسیہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”کیا ہم رواندہ کے انکار کی وجہ جان سکتے ہیں؟“

اس موقع پر ابوبکر بن زیدون نے صدف کو گھورا، کہنے لگا۔

”بیٹی! تو نے غلط سوال کیا ہے۔ یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ ہم رشتہ مانگنے آئے تھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ ہاں کریں۔ اگر صرف ہم نے ہاں ہی کا جواب لینا ہوتا تو پھر یہاں آنے کی ضرورت کیا تھی۔ ہاں اور ناں دونوں سننے کے لیے ہم تیار ہیں۔ ان سے یہ مت پوچھو کہ رواندہ کے پاس اس انکار کی کیا وجہ ہے؟“

جواب میں اموسیہ ہلکے لہجے میں کہنے لگی۔

”آپ صدف کو جھڑکیں نہیں..... اس نے اگر سوال کر ہی دیا ہے تو اسے اس کے سوال کا جواب ملنا چاہیے۔“

پھر براہ راست اموسیہ نے صدف بنت ابوبکر کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”بیٹی! برا مت ماننا..... رواندہ، اشبیلیہ کے سالار زکریا بن اور لیس کو پسند کر چکی ہے اور اسے یہ اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہے اور اس میں کبھی قسم و بدیلی نہیں چاہتی۔“

اموسیہ کے ان الفاظ پر صدف بنت ابوبکر نے تو کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا تاہم ابوبکر بن زیدون مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہماری بیٹی رواندہ کا یہ انتخاب بہت عمدہ اور بہت اعلیٰ ہے۔ میں سمجھتا ہوں زکریا بن اور لیس سے بڑھ کر کوئی اچھا ساتھی رواندہ کو نہیں مل سکتا۔“

اس کے ساتھ ہی ابوبکر بن زیدون اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔

”اب ہمیں اجازت دیجئے۔ ہم جاتے ہیں۔“

جواب میں انتیش جواب تک خاموش تھا، کہنے لگا۔

”اب آپ لوگ آئے ہیں تو کھانا کھا کر جائیے۔“

ابوبکر بن زیدون نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی، پھر ان سے اجازت لی اور اپنی

بیٹی صدف اور بیوی حزیہ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔

ابوبکر بن زیدون، اس کی بیوی حزیہ اور بیٹی صدف اپنی حویلی میں پہنچے۔ جب وہ

دیوان خانے میں بیٹھے تو ابوبکر کا بیٹا قیطان بن ابوبکر بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔

اس موقع پر دکھ اور غم کا اظہار کرتے ہوئے صدف کہنے لگی۔

”رواندہ نے میرے بھائی کے ساتھ رشتہ سے انکار کر کے اچھا نہیں کیا۔“

صدق کے ان الفاظ کے جواب میں اس کے باپ ابوبکر بن زیدون نے جھڑک دینے کے انداز میں اسے مخاطب کر کے کہا۔

”بیٹی! بار بار کسی بات کو دہراتے نہیں ہیں۔ تجھے میں نے ان کے ہاں بھی منع کیا تھا کہ تجھے یہ سوال وہاں نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ یہ رواندہ کا ذاتی معاملہ ہے۔ اگر اس نے اس رشتہ سے انکار کیا ہے تو اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی۔ اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس لیے کہ ہر لڑکی اپنی زندگی کے ساتھی کے چناؤ کا حق رکھتی ہے۔ لہذا رواندہ کو بھی اس کا حق تھا۔ اس نے اپنے حق کو خوب استعمال کیا ہے۔ میری بیٹی! اپنی زندگی کے ساتھی کے لیے اس نے جس نوجوان کا انتخاب کیا ہے اس پر بھی غور کر۔ کیا ہمارے ہاں اس سے بہتر کوئی نوجوان ہے؟“

صدق کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی قیطان بول اٹھا۔

”ابا! رواندہ نے اگر انکار کیا ہے تو اس میں گلہ شکوہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ کسی نوجوان کو پسند کرتی ہے تو اسے ایسا کرنے کا حق ہے۔ کیا اس نے نام ظاہر کیا ہے کہ کس کو وہ اپنی منزل قرار دے چکی ہے؟“

اس پر ابوبکر بن زیدون کہنے لگا۔

”بیٹی! رواندہ کا جب ہم نے رشتہ مانگا تو اس سے پہلے اسے دوسرے کمرے کی طرف بھیج دیا گیا۔ پھر اس کی ماں اس سے پوچھنے گئی کہ وہ ہاں کرتی ہے یا نہ۔ تب اس نے رشتہ سے انکار کر دیا۔ میں نہیں پوچھنا چاہتا تھا کہ کیوں انکار کیا ہے لیکن صدق نے پوچھ لیا کہ اس نے کیوں انکار کیا ہے؟ اس پر اس کی ماں نے کہا کہ رواندہ پہلے ہی چونکہ زکریا بن ادریس کو پسند کرتی ہے، اسے اپنی زندگی کی منزل بنا چکی ہے لہذا وہ اس رشتہ سے انکار کرتی ہے۔“

جواب میں قیطان بن ابوبکر مسکرایا، پہلے اپنی بہن صدق کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”صدق! تمہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ رواندہ جیسی لڑکی نے زکریا بن ادریس کا انتخاب کیا ہے۔ خدا کی قسم میں اشبیلیہ میں خود زکریا بن ادریس سے بہتر نہ کوئی نوجوان دیکھتا ہوں اور نہ ہی تیغ زنی یا سالاری میں کوئی نوجوان اس سے اعلیٰ ہے۔ میں تو اس کا

ارادت مند ہوں۔ میں تو اس سے بڑی گہری عقیدت رکھتا ہوں۔ یاد رکھنا! بھائی سے بڑھ کر اگر کوئی رشتہ ہوتا تو وہ میرا زکریا بن اور میں کے ساتھ ہوتا۔ صدف میری بہن! آج کے بعد یہ لکھ لینا کہ رواندہ میری بہن ہے۔ اگر وہ زکریا بن اور میں کو پسند کرتی ہے تو اس ناطے سے آج کے بعد میں اسے اپنی بہن سمجھوں گا اور بہن کہوں گا۔ اس لیے کہ زکریا بن اور میں کو تو میں اپنے سگے بھائیوں جیسا سمجھتا ہوں۔ اب اس موضوع پر مزید گفتگو نہیں ہوگی۔“

قیطان بن ابوبکر کے اس جواب پر صدف بھی مطمئن ہو گئی تھی جبکہ خود ابوبکر اور اس کی بیوی حزیہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر قیطان بن ابی بکر اپنی جگہ پر اٹھا اور اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابا! میں عمر بن سربیع کی سرانے کی طرف جاتا ہوں۔ وہاں اپنے بھائی زکریا بن اور میں سے ملتا ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ ابھی تک زکریا بن اور میں کو یہ خبر نہیں کہ رواندہ جیسی لڑکی اسے پسند کرتی ہے۔ جب میں اس پر انکشاف کروں گا کہ رواندہ اسے اپنی زندگی کی منزل، اپنی چاہت کا مرکز بنا چکی ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ جبکہ زکریا بن اور میں کو خوش دیکھنا ہی میری زندگی کا مقصد ہے۔“

اس کے ساتھ ہی قیطان بن ابی بکر اپنی جگہ سے اٹھا اور دیوان خانہ سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ عمر بن سربیع کی سرانے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا اس وقت زکریا بن اور میں سرانے کے صحن میں اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگا تھا۔ اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا قیطان بن ابوبکر قریب گیا، جست لگا کر گھوڑے سے نیچے اترے ہوئے زکریا بن اور میں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بھائی! کیا ہر وقت گھڑ دوڑ کے لیے ہی نکلے رہتے ہو۔ آج تھوڑی دیر کے لیے دیر سے چلے جانا۔ میں آپ کے لیے ایک اچھی خبر لے کر آیا ہوں۔“

گھوڑے پر سوار ہوتے ہوتے زکریا بن اور میں رک گیا۔ غور سے قیطان بن ابی بکر کی طرف دیکھا، سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! کیا میرے لیے بھی کوئی اچھی خبر ہو سکتی ہے؟“

”جو خبر میں لے کر آیا ہوں اس خبر کے مطابق تو آپ دنیا کے خوش قسمت ترین

انسان ہیں۔“

بڑے غور سے زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے قیطان بن ابوبکر نے کہا۔
”اگر ایسی بات ہے تو پھر کہو۔ میری تقدیر نے کیا کروٹ لی ہے جو مجھے اس قدر
خوش بخت بنا کر رکھ دیا ہے۔“

جواب میں قیطان بن ابوبکر نے پہلے وہ سارے حالات تفصیل کے ساتھ سنائے جو
رواندہ کا رشتہ اس کے لیے مانگنے کی وجہ سے پیش آئے تھے اور ساتھ ہی زور دار انداز
میں زکریا بن ادریس پر یہ بھی عیاں کر دیا کہ رواندہ اسے دل کی گہرائیوں سے پسند کرتی
ہے اور اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا عزم کر چکی ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد قیطان بن ابوبکر جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک تو زکریا
بن ادریس گہری سوچوں میں ڈوبا رہا پھر سر کو ایک جھٹکا دیا، اس کے بعد ایک گہری اور
عائر نگاہ اپنے سامنے اس نے قیطان بن ابوبکر پر ڈالی پھر انتہائی سنجیدگی سے کہنے لگا۔
”ابن ابی بکر! کیا تم بھی میرا مذاق اڑانے لگے ہو؟“

زکریا بن ادریس کے ان الفاظ پر قیطان سنجیدہ ہو گیا تھا۔ بڑی ارادت مندی میں
کہنے لگا۔

”ابن ادریس! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا اس سے پہلے کبھی میں نے آپ کے
ساتھ مذاق کیا ہے؟..... میں تو آپ سے ایک قابل قدر عقیدت اور ایک نہ ختم ہونے
والی ارادت مندی رکھتا ہوں۔ آپ سے مذاق کرنا تو میں گناہ خیال کرتا ہوں۔ میں نے
جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے اور اس میں، میں نے اپنی طرف سے کسی بھی واقعہ کی تک بندی
نہیں کی۔“

قیطان بن ابوبکر جب خاموش ہوا تب زکریا بن ادریس کہنے لگا۔

”اگر یہ سچ ہے جو کچھ تم کہہ رہے ہو تو کیا یہ دکھ کے اندھے جنگل میں الم خیزیوں
کا سانحہ نہیں ہے؟ قیطان بن ابوبکر..... میرے عزیز بھائی! کہاں میں، کہاں انیش کی
بٹی رواندہ؟..... وہ لڑکی جس نے اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے نصرانی بادشاہ افونش کے
رشتہ کی پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا ذرا یہ تو سوچو میری طرف کس طرح مائل ہو سکتی ہے؟
قیطان بن ابوبکر! وہ لڑکی اپنی ذات میں صندل جسم کی مالک اور سنہری خوابوں کی تعبیر
ہے۔ لالہ زاروں کے شباب کے لازوال بزم کا بھرم ہے۔ زندگی کے کاروان رنگ و بو

میں اُمیدوں کی سہانی گلابی سروں اور پرواز کے سربستہ لذت میں جمال کے گلوں کی خوشبوؤں کی مانند ہے۔ جبکہ میں اس کے مقابلے میں ہوس کے صید لمحوں میں دل منتظر کی آشفنگی جیسا ہوں۔ وقت کی رفتار میں اٹھتی سیاہ ردا کے اندر میں تو سلگتے سائے سمیٹتی اُداس صبحوں ہی میں زندگی بسر کرتا رہا ہوں۔ زیست کے آسمان پر میرے لیے زخموں کی کہکشاؤں، جذبوں کی محرومیاں، ہجر کا درد، قعرِ مذلت کی آتشی ہی لکھی ہوئی ہے۔ حالات میری بوجھل و ویران زندگی میں کرب، میرے دل میں تجسس، روح میں شکستگی اور انہدام ہی بڑھاتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ منتشر راہوں پر منجمد راتوں کے سناٹے کی طرح بسر کیا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس رکا، کچھ سوچا پھر دوبارہ وہ قیطان بن ابوبکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ابن ابوبکر! رواندہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے۔ اس کا باپ اب اشبیلیہ کے امیر ترین اشخاص میں شامل ہے۔ وہ لڑکی اپنی ذات میں بھی آسمان کی عمیق رفعتوں میں ورقِ ناخواندہ کی طرح ہے۔ بھرنے بازار میں بند گلیوں کے فشارِ عرفان نصیب بے ثبات جمال اور خوشیوں و طمانیت کے عروشن طاقت تک اس کے سامنے ہیج و پست ہیں۔ وہ ایسی لڑکی ہے جس کے گرم سانسوں کی خوشبو پتھر کو صدف و گہر، کنکر کو لعل و مرجاں بنا دے۔ وہ چاندانی کی کلائی ہے۔ اندھیرے میں کھڑی ہو جائے تو رگ رگ میں روشنی اور روحانی تابندگی پیدا کر دے۔“

قیطان بن ابوبکر! جو کچھ تم نے کہا ہے یہ کہنے سے پہلے تم نے یہ تو سوچا ہوتا کہ کہاں رواندہ اور اس کا باپ انیتش۔ تم نے دیکھا گو انہوں نے اشبیلیہ میں ہجرت کی ہے لیکن اشبیلیہ میں انیتش کے باپ کا کاروبار ایسا چلا ہے کہ مجھ جیسے کئی خادم اس نے اپنی دکان میں خدمت کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ ذرا اس کی بیٹی رواندہ کے مقابلے میں میرا بھی جائزہ لو۔ پہلے یہ سوچو کہ رواندہ اپنے ماں باپ کے ساتھ کس حویلی میں رہتی ہے۔ ایسی حویلی تو میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ دیکھی ہوگی اور اس کے مقابلے میں ذرا تقابلی جائزے کے طور پر میری طرف بھی دیکھو۔ میں عمر بن سربج کی اس سرائے کے اندر معمولی سے ایک کمرے میں پڑا ہوا زندگی کے دن گزار رہا ہوں۔ کیا سرائے کے اس کمرے میں انیتش کی بیٹی رواندہ میرے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہو

جائے گی..... کیا سرائے کا یہ کمرہ اس قابل ہے کہ اس میں انیتش کی حسین و جمیل بیٹی رواندہ کو رکھا جاسکے؟

میرے عزیز بھائی! وہ لڑکی جس کے حسن، جس کی خوبصورتی کے چرچے مشرق و مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں، جو انوش کی پیشکش کو ٹھوکر مار سکتی ہے، کیا وہ عمر بن سربیع کی سرائے میں ایک کمرے میں بلا معاوضہ رہنے والے شخص کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا سکتی ہے یا اس کی طرف مائل ہو سکتی ہے؟..... قیطان بن ابوبکر! اگر تم مذاق نہیں کر رہے تو پھر یاد رکھنا یہ مذاق انیتش اور اس کی بیٹی رواندہ کر رہے ہیں اور اس کی ایک وجہ ہے۔“

”کیسی وجہ؟“ دکھ بھرے انداز میں زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے قیطان بن ابوبکر نے پوچھ لیا تھا۔

”بھائی! وجہ یہ ہے کہ جب تمہارے ماں باپ اور بہن نے تمہارے لیے رواندہ کا رشتہ مانگا، اگر وہ صاف انکار کر دیتے کہ رواندہ کا رشتہ تمہیں دینے کے لیے تیار نہیں ہیں تو یقیناً تمہارا باپ، ماں، تمہاری بہن اس کی وجہ پوچھتے۔ لہذا اس پوچھ کا راستہ بند کرنے کے لیے انہوں نے یہ کہہ دیا ہو گا کہ رواندہ زکریا بن ادریس کو پسند کرتی ہے۔ اس طرح میرے خیال میں وہ تمہیں اور تمہارے اہل خانہ کو اس رشتے سے ٹالنا چاہتے تھے۔ میرے خیال میں اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں ہے۔ لہذا میرے بھائی! اس بات کا ذکر تم نے مجھ سے کر دیا ہے۔ میری تم سے التماس ہے کہ اس کا ذکر کسی اور سے مت کرنا۔ میری طرف روانہ کے باپ انیتش نے چند دن پہلے پیغام بھجوایا تھا کہ میں ان کے گھر آؤں۔ دیکھو قیطان بن ابوبکر! ایسا وہ اس لیے کرتے ہیں کیونکہ میں ان کی بیٹی رواندہ کو برے حالات سے نکال کر اشبیلیہ میں لایا تھا اور راستے میں اس کی جان، اس کی عفت و آبرو کی حفاظت بھی کی تھی۔ اسی بناء پر وہ مجھے اپنا محسن اور مربی خیال کرتے ہیں اور کبھی کبھی پیغام بھیجتے ہیں کہ میں ان کے ہاں آؤں۔ اس کے علاوہ میرا نہ ان سے کوئی رابطہ اور نہ کوئی تعلق ہے۔ میرے بھائی! وہ اس قدر اونچے اور بڑے لوگ ہیں جہاں تک میرا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ پہلے میں نے ارادہ کیا تھا کہ رواندہ کے باپ کے بلانے پر میں ان کے ہاں چکر لگاؤں گا لیکن اب میں نہیں جاؤں گا۔ اس لیے کہ اب میرا وہاں جانا بنتا نہیں ہے۔ میرے حوالے سے چونکہ انہوں نے تمہیں رشتہ دینے سے

انکار کر دیا ہے لہذا میں سمجھتا ہوں کہ ان کی طرف سے یہ مذاق اچھا نہیں ہے۔ میرے خیال میں محترم انیش کو اپنی بیٹی رواندہ کا رشتہ تمہیں دے دینا چاہیے تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میرا اندازہ ہے کہ انہیں تم سے بہتر رواندہ کے لیے کوئی رشتہ کم از کم اشبیلیہ شہر میں نہیں مل سکتا۔“

زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب قیطان بن ابی بکر اُداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر جستجو میں پڑا رہا، پھر دکھ بھرے انداز میں زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن ادریس! میرے محترم بھائی!..... اب میں معاملے کو یہی نہیں چھوڑوں گا، اس کی پوری تحقیق کروں گا اور معاملے کی سچائی اور اس کی اصلیت تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔“

اس کے ساتھ ہی قیطان بن ابوبکر گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا سرائے سے نکل گیا تھا جبکہ زکریا بن ادریس اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، ایڑ لگائی اور اسے بھگاتا ہوا عمر بن سرج کی سرائے سے نکل گیا تھا۔





اشبیلیہ کا حکمران معتمد ایک روز مراکش میں امیر یوسف بن تاشفین کے سامنے کھڑا تھا۔ اس لیے کہ اس سے پہلے جو بطلیوس کے قاضی ابوالحق، غرناطہ کے قاضی ابو جعفر، قرطبہ کے قاضی ابن ادہم، اشبیلیہ کے وزیر ابی بکر کو مراکش بھیجا گیا تھا اور وہ سفارت چونکہ ناکام رہی تھی کیونکہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جو اپنے طور پر یہ فیصلہ کرتا کہ جزیرۃ الخضرا امیر یوسف بن تاشفین کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اس جزیرے کو امیر اپنی طاقت و قوت کا مرکز بنا کر انڈلس پر حملوں کی ابتداء کر دے۔ چنانچہ اب اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے خود معتمد نے مراکش کا رخ کیا تھا۔

معتمد جب امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوا تو امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے بیٹوں، بھتیجے اور دیگر سالاروں کے ساتھ شاندار انداز میں اس کا استقبال کیا۔ یوسف بن تاشفین کے اس سلوک سے معتمد بے حد خوش ہوا تھا۔ چنانچہ معتمد نے وقت ضائع نہیں کیا، فی الفور اپنے مقصد کی طرف آیا اور امیر یوسف بن تاشفین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر! اس سے پہلے میں نے تین قاضی اور اپنا ایک وزیر آپ کی خدمت میں بھیجا تھا لیکن میری بد قسمتی کہ میں نے کسی کو یہ مشورہ دے کر نہیں بھیجا تھا کہ امیر یوسف بن تاشفین جو بھی ہم سے مانگیں، دینے کے لیے تیار ہیں۔ چونکہ آپ نے جزیرۃ الخضرا کی مانگ کی ہے اور جزیرہ کو آپ اپنی طاقت و قوت کا مرکز بنانا چاہتے ہیں تو میں جزیرۃ الخضرا بخوشی آپ کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس وقت وہاں میرا بیٹا رضی حکومت کر رہا ہے۔ میں اسے پیغام بھجوادوں گا کہ جزیرۃ الخضرا کو خالی کر دیا جائے۔ امیر! ساتھ ہی میں آپ سے گزارش کروں گا کہ انڈلس کے مسلمانوں کی مدد سے انکار نہ

کیجئے گا۔ اس لیے کہ اس کے بڑے بھیا تک نتائج نکلیں گے۔ انوش نے اپنی طاقت و قوت میں بے پناہ اضافہ کر لیا ہے اور اب اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ ہر صورت میں مسلمانوں کو اندلس سے نکال باہر کرے گا۔

امیر! انوش کے حملوں میں دن بدن اضافہ اور سختی پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اگر آپ نے اندلس کے لوگوں کی مدد نہ کی تو یاد رکھئے خوشبو کی جستجو کرنے والی مسلمان لڑکیاں تباہی کی آگ، مایوسی کے اندھیرے میں دشمن کے آگے ادھر ادھر بھاگتی ہوئی اپنی عزتیں، اپنی آبرو بچانے کی کوشش کریں گی۔ تانت کے باجے کی طرح روتے ہوئے فریاد کرنے والی شہنائی کی طرح اپنے پاسبانوں، اپنے محافظوں کو پکارتی پھریں گی اور موت کی منڈی میں، قضاء کے میلے میں بکتی پھریں گی۔

امیر! اگر اندلس کی مدد نہ کی گئی تو اندلس کی مائیں فضاؤں کے گھنے عذاب، وقت کے اونگھتے ساغر اور جس زدہ سوچوں سے ماحول میں اپنی عظمت کی رداؤں سے محروم ہو جائیں گی۔ اندھے خوابوں میں کھڑی ہو کر اپنی ملت کے پاسبانوں کو اپنی مدد کے لیے پکارتی پھریں گی۔

ہمارے جوانوں کو حملہ آور نصرانی نفرت کی آنکھ کا لبادہ پہنا دیں گے۔ دستور زبان بندی کی زنجیروں میں انہیں جکڑ دیں گے۔ رات کے سینہ کے ویران گوشوں میں انہیں بینائی سے محروم کر کے تاریکیوں سا بنا کر رکھ دیں گے اور پھر ان پاسبانوں کو کانٹوں اور بول بھرے راستوں، بربادیوں کے بھنور اور ناامیدیوں کے جنگل میں گھسیٹتے پھریں گے۔

امیر! اگر آپ نے اندلس کے مسلمانوں کی مدد نہ کی تو مدحت و ملاحت کے اتصال، حکمت و ادراک کے سنگم، سعادتِ ابدی اور زندگی کی معراج سے ہمارے بوڑھے ہفت افلاک کی رفعتوں سے گزر کر حالات کی تنگ نائے میں موت کی سوداگری کرنے والے دشمنوں کے ہاتھ لگیں گے اور اندلس میں اپنی قوم کا عروج دیکھنے والے شکستِ ذات کی کیفیت اور ہجر کی کالی راتوں کو اپنا مقدر بنتے دیکھیں گے۔

امیر! زندگی کے اُفتق پر پھولوں کی مہک، آبشاروں کے ترنم اور شمر آور آسودگی جیسے اندلس کے مسلمان بچے دشمن کی شکست و ریخت اور غموں کی ہولناک یلغار کے سامنے بھٹکتے ہوئے قافلوں کی طرح پکارتے پھریں گے، کاش! ہمارا مستغیث ہوتا، کاش! ہمارا

کوئی دادخوا ہوتا..... اور اگر ان بچوں کی کوئی مدد نہ کی گئی تو وہ بچے اپنے شباب تک پہنچنے سے پہلے ہی موت کی منڈیوں میں فروخت کر دیئے جائیں گے۔

امیر! اگر اندلس کی یہ حالت ہوئی تو مسلمان طبقاتی اور گروہی تقسیم کا شکار ہو جائیں گے۔ ذہنی اور عقلی ہم آہنگی، دینی و نسلی یکجہتی تمام ہو جائے گی۔ دشمن گھن کی طرح انہیں کھا جائیں گے اور اندھیروں میں ٹٹٹا کر بجھتے چراغ کی طرح ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیں گے۔ امیر! ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی مدد کیجئے۔ اس لیے کہ.....“

اس سے آگے معتمد کچھ نہ کہہ سکا۔ گو اس کی گردن جھکی ہوئی تھی لیکن آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ کچھ دیر اس نے ہونٹ کاٹے، اس دوران اس کی آنکھوں سے دو آنسو اس کے دامن پر گرے۔ آگے کچھ کہنے سے پہلے معتمد چونک کر رک گیا تھا۔ اس لیے کہ اسے کسی کی ہچکیاں سنائی دی تھیں۔ اس نے جب نگاہ اٹھا کر دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ امیر یوسف بن تاشفین اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ان آنسوؤں نے اس کی داڑھی کے بیشتر حصے کو تر کر رکھا تھا۔ اس وقت وہاں یوسف بن تاشفین کے بھتیجے اور بیٹوں کے علاوہ جو لوگ کھڑے تھے ان کی حالت بھی امیر یوسف بن تاشفین سے مختلف نہ تھی۔

کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ پھر امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے شانے پر رکھا ہوا انگوچھا لیا، اپنی آنکھیں، اپنی داڑھی صاف کی، اپنے آپ کو سنبھالا، پھر ایک عزم اور استقلال کے ساتھ اس کی چھاتی تن گئی تھی۔ معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں اشبیلیہ کے حکمران کو وعدہ دیتا ہوں کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے اٹھوں گا۔ افولش کو اس قدر پر نہیں پھیلائے دوں گا کہ وہ اندلس کی سرزمینوں میں ہماری بچیوں، ماؤں، جوانوں، بوڑھوں اور بچوں کے لیے نہ ختم ہونے والے عذابوں اور آزار کا سلسلہ شروع کر دے۔ معتمد! چند روز تک ایک مہمان کی حیثیت سے ہمارے ہاں قیام کرو۔ میں اپنے بیٹوں اور اپنے سالاروں کے ساتھ آج سے اپنی تیاری شروع کرتا ہوں۔ اس تیاری میں چند دن سے زیادہ نہیں لوں گا۔ اندلس اور افریقہ کے درمیان پڑنے والے سمندر کے سینے کو ناپوں گا اور اندلس کے مسلمانوں کی مدد کرنے کے لیے اندلس پہنچوں گا۔“

امیر یوسف بن تاشفین کا یہ جواب سن کر معتمد خوش ہو گیا تھا۔ اس کے بعد یوسف بن تاشفین کے کہنے پر اس کا بھتیجا سید بن ابوبکر معتمد کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔



افونش کی عسکری طاقت اور قوت کا بڑا حصہ اب طلیطلہ شہر میں جمع ہو چکا تھا۔ لہذا مسلمانوں پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے لیے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ وہ نکلا۔ اس سے پہلے اس نے سرقسطہ اور کچھ دیگر علاقوں کو اپنے قبضہ میں لینا چاہا تھا جس میں اسے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تھی۔ لہذا اب اس نے فیصلہ کیا کہ اپنی عسکری طاقت کے بڑے حصہ کو اشبیلیہ فتح کرنے پر جھونک دے گا۔

چنانچہ افونش خود تو طلیطلہ شہر ہی میں رہا، اپنے پاس اس نے اپنے سالاروں میں سے یوریس اور لاگیوس کو رکھا۔ ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور لشکر کی کمانداری اس نے اپنے بیٹے برگانزا کے حوالے کی۔ دو بڑے سالاروں کو جن کے نام لوکاس اور اسپانا تھے، اپنے بیٹے کے ماتحت کیا اور انہیں اشبیلیہ پر حملہ آور ہو کر اشبیلیہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔

یہ ایک ایسا لشکر تھا جسے شمار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس وقت معتمد افریقہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں دو بڑے سالاروں میں سے مسلم اور شیبب جنگ کا بہترین تجربہ رکھتے اور پھر زکریا بن اوریس، زید بن شیبب اور زیدون بن مسلم بھی جنگ کی ہنرمندی سے خوف واقف تھے۔ افونش کا بیٹا برگنزا جب لشکر لے کر اشبیلیہ کی طرف روانہ ہوا تو مسلمان مجروں نے افونش کے ان ارادوں کی خبر اہل اشبیلیہ کو کر دی تھی۔ یہ صورت حال عمومی طور پر اندلس کے مسلمانوں اور خصوصی کے ساتھ اشبیلیہ کے لوگوں کے لیے بڑی اندیشہ ناک اور خطرناک تھی۔ چنانچہ اشبیلیہ کے دو بڑے سالاروں مسلم اور شیبب نے زکریا بن اوریس، زیدون بن شیبب اور مسلم کے علاوہ اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر، اس کے بیٹے قیطان بن ابوبکر، اشبیلیہ کے قاضی شیخ احمد بن ابراہیم اور اشبیلیہ کے دیگر امراء کے علاوہ معتمد کا بیٹا رشید بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ بطیوس کے قاضی ابوالحق اور غرناطہ کے قاضی ابو جعفر، قرطبہ کے قاضی ابن ادہم بھی چونکہ وہاں موجود تھے لہذا سب جمع ہوئے۔ سب قاضی چونکہ معتمد کی طرف سے سفارت لے کر افریقہ گئے تھے اور چونکہ یہ سفارت ناکام ہو گئی تھی جس کے جواب میں معتمد خود گیا تھا۔

جب یہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے تب اشبیلیہ کا بزرگ سالار مسلم سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز و محترم ساتھیو! افونش کا ایک بہت بڑا لشکر جس کی تعداد کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے اس کے بیٹے برگنز کی سرکردگی میں اشبیلیہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے۔ جہاں تک مخبروں نے بتایا ہے اس کے مطابق کل عصر کے بعد یا عصر سے کچھ پہلے وہ اشبیلیہ پہنچیں گے اور شہر کا محاصرہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ افونش کے بیٹے برگنز کے علاوہ اس لشکر میں افونش کے بہترین سالاروں میں سے لوکاں اور اسپانہ بھی شامل ہیں۔ میرے عزیز ساتھیو! ہمارے پاس اشبیلیہ میں جو لشکر ہے اس کی تعداد کا تم سب کو اندازہ ہے۔ لہذا اس موقع پر میں نے تم سب لوگوں کو اسی لیے جمعہ کیا ہے کہ اشبیلیہ کے دفع سے متعلق گفتگو کی جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مسلم بن سربیع جب خاموش ہوا تب زکریا بن ادریس اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن سربیع! اگر اجازت ہو تو میں کچھ کہوں؟..... میں جانتا ہوں جس قدر لوگ یہاں جمع ہیں سب میں میری حیثیت کم تر ہے۔ لیکن میرے پاس ایک تجویز ہے۔ جی چاہتا ہے وہ آپ لوگوں کے سامنے پیش کروں۔ اور اگر آپ اسے پسند کریں تو پھر اس پر عمل کیا جائے۔“

زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب بڑی شفقت میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسلم بن سربیع کہنے لگا۔

”ابن ادریس! ہماری نگاہوں میں تمہاری حیثیت ہمارے بیٹوں کی سی ہے۔ میں سب کے سامنے اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ اشبیلیہ میں بس وقت تم جیسا کوئی عمدہ اور ہنرمند سالار نہیں ہے۔ بیٹے! جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو اس کے لیے تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اشبیلیہ کے لشکر کے ایک سالار ہو۔ لشکر کا ایک حصہ ہو۔ لہذا کھل کر کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں جانتا ہوں تم اپنے ظروف و جانثاری میں بے مثال ہو۔ تیغ زنی و حرب و ضرب کے ہنر میں بھی لاجواب ہو۔ جو چاہو کہو گے اس میں یقیناً اشبیلیہ کی بہتری ہی پنہاں ہوگی۔“

مسلم بن سربیع کے ان الفاظ پر سب مطمئن ہو گئے تھے۔ زکریا بن ادریس کے

چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، پھر وہ کہہ رہا تھا۔

”افولش کے لشکری کی آمد سے پہلے پہلے میں چاہتا ہوں اشبیلیہ میں جس قدر ہمارا تربیت یافتہ لشکر ہے اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ میرے حوالے کر دیا جائے، باقی دو حصوں کی کمانداری غیر در بن شیبب اور زیدون بن مسلم کے حوالے ہو۔ غیر در بن شیبب اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ شہر پناہ کے شمالی اور جنوبی دروازے تک اپنے حصے کے لشکریوں کو فصیل کے برجوں کے اندر پھیلا دے۔ جبکہ زیدون بن مسلم اپنے حصے کے لشکریوں کو شمالی دروازے اور پھر مغربی دروازے کے علاوہ جنوبی دروازے تک پھیلاتا چلا جائے۔ اس طرح شہر پناہ کا مغربی حصہ جس میں شمالی دروازے سے لے کر مشرقی دروازہ اور جنوبی دروازے تک کا حصہ غیر در بن شیبب کی کمانداری میں اور شمالی دروازے سے لے کر مغربی دروازے اور پھر جنوبی دروازے تک کا علاقہ زیدون بن مسلم کی نگرانی میں ہوگا۔ جو لشکر میری کمانداری میں ہوگا وہ شہر سے باہر نکل کر دشمن پر ضرب لگائے گا.....“

یہاں تک کہتے کہتے زکریا بن ادریس کو رک جانا پڑا۔ اس لیے کہ اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر کا بیٹا قیطان بول اٹھا تھا۔

”ادریس! میرے بھائی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ تو صریح خودکشی ہے۔ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ آپ لشکر کے تیسرے حصے کو لے کر دشمن پر ضرب لگانے کے لیے شہر سے نکلیں گے۔؟“

اس موقع پر زکریا بن ادریس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ پھر کہنے لگا۔

”قیطان بن ابی بکر! میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے ہمدردی ہے لیکن ابھی میں نے اپنی بات مکمل نہیں کی۔ میری بات غور سے سنو۔ میں جو لشکر لے کر نکلوں گا اس میں کچھ لشکریوں کے پاس جلتی ہوئی مشعلیں ہوں گی۔ کچھ مشعلیں لشکر کے بالکل پیچھے اور کچھ بالکل آگے ہوں گی۔ میرا لشکر اسی ترتیب سے نکل کر شہر سے باہر دشمن کے لشکر پر ضرب لگائے گا۔ اس کے دو نتائج سامنے آئیں گے۔ ایک یہ کہ دشمن کی حفاظتی سپاہ سامنے کی طرف سے ہم پر حملہ آور ہوگی اور دوسرا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمن کے کچھ لشکری ہمارے لشکر کا کام تمام کرنے کے لیے ہماری پشت پر بھی حملہ آور ہو جائیں گے۔

اس موقع پر سب سے پہلے غیر در بن شیبب اور اس کے لشکریوں کا کام شروع ہو

گا۔ شہر پناہ کے اوپر جب یہ دیکھیں گے کہ میں دشمن سے بھر گیا ہوں تو میرے لشکر کے پچھلے حصے میں جو مشعلیں جل رہی ہوں گی ان مشعلوں کے پچھلے حصے میں ایسی تیز اور موسلا دھار قسم کی تیر اندازی کریں گے کہ دشمن کے جو لشکری ہمارا تعاقب کریں گے، وہ چھد جائیں گے۔ اس طرح میں بڑی آسانی سے دشمن پر ضرب لگاؤں گا اور آگے بڑھتا جاؤں گا۔ اگر سامنے سے بھی کوئی لشکر آئے تو جنوبی حصہ تک غیر در بن شیب کے لشکری پھیلے ہوں گے۔ وہ میرے لشکر کے اگلے حصہ میں جو مشعلیں جل رہی ہوں گی اس سے بھی آگے دشمن پر تیز اندازی کریں۔ اس طرح جب میں شہر پناہ کے شمالی دروازے سے نکل کر دشمن پر یلغار کرتا ہوا فصیل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہوں گا تو جہاں میں دشمن پر ضرب لگاؤں گا وہاں اوپر سے غیر در بن شیب بھی تیر اندازی کرتا رہے گا۔ اس طرح میں دشمن کو بے پناہ نقصان پہنچاتا ہوا جنوبی دروازے تک پہنچوں گا اور جنوبی دروازے سے اپنے لشکر کو لے کر شہر میں داخل ہو جاؤں گا۔

اس کے فوراً بعد میں ایک بار پھر شہر پناہ کے شمالی دروازے کا رخ کروں گا اور شہر سے باہر نکل کر بائیں ہاتھ مڑتے ہوئے مغربی اور پھر جنوبی دروازے کا رخ کروں گا اور میرے حملہ آور ہونے کے بد جو کارروائی غیر در بن شیب نے کرنی ہے وہی شہر پناہ کے مغربی حصہ پر زیدون بن مسلم کرے گا۔ گو یہ طریقہ کار بڑا مشکل اور دشوار لگتا ہے لیکن میرے خیال میں یہی وہ طریقہ ہے جسے استعمال کرتے ہوئے ہم افونش کے لشکر کو اشبیلیہ شہر کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ بلکہ اس طریقہ کار سے ہم افونش کے لشکر کو بے پناہ نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔“

زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب سب سے پہلے غیر در کا باپ شیب بولا اور کہنے لگا۔

”ابن ادریس! میرے بیٹے!..... سب سے پہلے میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی مسلم بن سریع نے بھی اس کی تائید کی۔ اس موقع پر غیر در بن شیب بولا اور کہنے لگا۔

”زکریا بن ادریس! میرے بھائی! گو یہ بڑا مشکل اور خطرناک کام ہے۔ لیکن یہ اگر ہم کر گزریں تو افونش کے لشکریوں کو یقیناً ہم محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر سکتے ہیں۔“

میرے بھائی! اس سلسلے میں تم بالکل بے فکر رہنا۔ میں اور زیدون بن مسلم تمہاری خواہشوں اور تمہاری ساری تجویزوں کے عین مطابق دشمن پر ضرب لگائیں گے اور دشمن کو خود پر حاوی یا بوجھ بننے کا موقع نہیں دیں گے۔“

اس موقع پر اشبیلیہ کے قاضی شیخ احمد بن ابراہیم بول اٹھے اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

”میں زکریا بن ادریس کی اس تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ اس موقع پر میں تم سب لوگوں کے سامنے یہ تجویز بھی پیش کرتا ہوں کہ اشبیلیہ کے وہ جوان جو ہتھیار بند ہو کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ بھی فسیل پر چڑھ جائیں۔ بلکہ اگر ہو سکے تو جوان اور توانا عورتیں بھی پردے میں رہتے ہوئے فسیل کے اوپر جو برج بنے ہوئے ہیں ان کے اندر چلی جائیں۔ کچھ برج ان کے لیے مخصوص کر دیئے جائیں۔ ان برجوں کے اندر پتھروں کے ڈھیر لگا دیئے جائیں۔ جو عورتیں تیر چلانا نہیں جانتیں، دشمن پر پتھر پھینکیں اور جو عورتیں تیر چلانا نہیں جانتی ہیں اس کے لئے مخصوص کئے جانے والے برجوں کے اندر سے دشمن پر ایسے خوفناک اور تیز انداز میں سنگ باری کریں کہ دشمن بلبلا اٹھے۔ اس کارروائی کی تکمیل کے لیے آج ہی برجوں کے اندر پتھروں اور تیروں کے ڈھیر لگا دیئے جائیں گے۔ جن لشکریوں نے فسیل کے اوپر رہ کر فسیل کی حفاظت کرنی ہے اور ساتھ ہی تیر اندازی کر کے زکریا بن ادریس کی مدد بھی کرنی ہے انہیں جس جگہ متعین کیا جاتا ہے اس کی نشاندہی کر دی جائے اور جو جو کام انہوں نے کرنے ہیں وہ بھی ان پر واضح کر دیئے جائیں۔ مجھے امید ہے کہ اگر ہم ایسا کریں تو افونش کا لشکر زیادہ دیر تک اشبیلیہ کا محاصرہ کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔“

قاضی شیخ احمد بن ابراہیم جب خاموش ہوئے تب زکریا بن ادریس ایک بار پھر سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”گو افونش کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ جہاں تک مخبروں نے اطلاع دی ہے اس کے مطابق وہ لشکر اتنا بڑا ہے کہ اشبیلیہ کے چاروں طرف پھیل سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ افونش کا لشکر اشبیلیہ شہر کو چاروں طرف سے نہ گھیرے۔ وہ چونکہ مشرق کی طرف سے آرہے ہیں لہذا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ شہر کے مغرب میں جنوبی دروازے سے شمالی دروازے تک پھیل جائیں۔ ایسی صورت میں ہمارا لائحہ عمل وہی ہو گا جس پر

ہم متفق ہوئے ہیں۔ زیدون بن مسلم شمالی دروازے اور مغربی دروازے اور جنوبی دروازے تک پھیلا رہے گا۔ جبکہ غیر در بن شیبہ اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ شمالی دروازے سے لے کر مشرقی دروازے اور وہاں سے جنوبی دروازے تک اپنے حصے کے لشکر کو پھیلا کر رکھے گا۔ مجھے امید ہے کہ ہم دشمن کو اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔“

سب نے زکریا بن ادریس کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہذا سب اٹھے اور بڑے زور و شور سے افونش کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔



عصر کے بعد افونش کا بیٹا گرنز ایک بہت بڑا لشکر لے کر اشبیلیہ شہر کے باہر نمودار ہوا۔ شہر کے شرقی حصہ میں برگنز نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ پھر سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اس نے اپنے لشکر کو اشبیلیہ شہر کے مشرق میں شمالی دروازے سے لے کر جنوبی دروازے تک پھیلا دیا تھا۔

شاید برگنز اور اس کے دونوں ساتھی سالاروں لوکاس اور اسپانا نے تہیہ کر لیا تھا کہ رات کے وقت اشبیلیہ شہر کی فصیل پر حملہ آور ہوں گے اور فصیل پر چڑھنے کے بعد اشبیلیہ شہر کو فتح کرنے کی کوشش کریں گے۔

دوسری طرف اشبیلیہ کا لشکر زکریا بن ادریس کی کمانداری میں چوکس اور تیار تھا چنانچہ جس وقت برگنز اپنے لشکر کو لے کر اشبیلیہ کے شرقی حصہ میں پہنچا، غیر در بن شیبہ نے اپنے حصے کے لشکر کو شہر پناہ کے مشرقی حصہ میں شمالی دروازے سے لے کر جنوبی دروازے تک اور زیدون بن مسلم نے اپنے حصہ کے لشکر کو مغرب میں شمالی دروازے سے جنوبی دروازے تک پھیلا دیا تھا۔

اس کے علاوہ شہر کی فصیل کے اوپر جگہ جگہ مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ برجوں کو بھی روشن کر دیا گیا تھا۔ دشمن کی آمد سے پہلے پہلے برجوں کے اندر پتھر اور تیروں کے ڈھیر لگا دیئے گئے تھے۔ شہر کے زندہ دل جوان بھی فصیل پر چڑھ آئے تھے اور عورتوں کا ایک ہجوم تھا جو ان برجوں میں جمع ہو گئی تھیں جو ان کے لیے مختص کیے گئے تھے۔ اس طرح شہر کی فصیل کے اوپر ایک نیا جذبہ اور ایک نیا دلولہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

رات کا کچھ حصہ جب جا چکا تب افونش کے بیٹے برگنز اور اس کے ساتھی سالاروں لوکاس اور اسپانہ نے اپنے اپنے لشکر کو حرکت دی اور وہ اپنے پڑاؤ سے نکل کر شہر کی فصیل کی طرف بڑھے۔ جس وقت وہ شہر کی فصیل کے قریب آئے اچانک ایک انقلاب اٹھا۔ زکریا بن ادریس اچانک اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ شمالی دروازے سے نکلا پھر وہ افونش کے لشکر پر دشتِ جنون سے اچانک نمودار ہو کر بے زیب و زینت، بے زبان، بے نطق، بے قلب اور زخم آشنا کرنی غموں کی ہولناک یلغار، بصریت و سماعت کو گروی رکھتے آتشیں سرخ لاوے کے رقص کی طرح شہر پناہ سے نکلا۔ پھر وہ فنا کی تحریریں رقم کرتی بدترین اذیت ناکوں، کہر کے آنچلوں، اندھیروں کے پردے میں چہروں پر المناکیوں کے انبار کھڑے کرتی خونخوار وحشی کرنوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

زکریا بن ادریس اور اس کے لشکریوں کا یہ حملہ انتہائی خونخوار تھا۔ یہ عجیب ساں تھا۔ لشکر کے آگے بھی کچھ مشعلیں روشن تھیں۔ لشکر کے بالکل پچھلے حصے میں بھی کچھ لشکری مشعلیں پکڑے ہوئے تھے۔ افونش کا بیٹا برگنز اور اس کے ساتھی سالار یہ امید ہی نہیں رکھتے تھے کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر اچانک شہر سے نکلے گا اور اپنی خون آشام تلواریں سونتے وہ پھٹ پڑنے والے آتش نشاں اور دشتِ زیت سے نجات دینے والی خونی داستانوں کی طرح ان پر حملہ آور ہو جائے گا۔ شہر پناہ سے نکلنے ہی افونش کے لشکریوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے زکریا بن ادریس نے برگنز کے لشکریوں کے جسموں کے ریشوں کو ادھیڑتی برق بن کر گرتی مساعی عمل کی طرح اپنے کام کی ابتداء کر دی تھی۔

یہ حملہ چونکہ اچانک اور غیر متوقع تھا۔ لہذا اپنے پہلے ہی حملے میں زکریا بن ادریس نے برگنز کے ان گنت لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور جب برگنز کے لشکر کے کچھ حصے سنبھل کر زکریا بن ادریس کے تعاقب میں لگے تب تعاقب کرنے والوں پر فصیل کے اوپر سے نہ تھمنے والی تیروں اور پتھروں کی بارش شروع ہو گئی تھی اور اس تیر اندازی اور سن باری نے بھی برگنز کے سینکڑوں لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس سنگ باری اور تیر باندازی کا یہ اثر ہوا کہ برگنز کے لشکر کا وہ حصہ جو زکریا بن ادریس کے تعاقب میں نکلا تھا، اس نے تعاقب ترک کر دیا۔ لہذا زکریا بن ادریس نے

اپنے سامنے والے برگزاع کے لشکریوں پر قوری طاقت اور قوت کے ساتھ حملہ کیا اور انہیں چکلتا، مسلتا اور موت کے گھاٹ اتارتا ہوا جنوبی دروازے تک برگزاع کے لشکر کا قتل عام کرتا چلا گیا تھا۔ اور پھر جونہی وہ جنوبی دروازے کے قریب پہنچا، اس نے شہر میں داخل ہونا شروع کر دیا اور مشعلوں کے پیچھے پیچھے برگزاع کے جن لشکریوں نے بھی شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی، ایک بار پھر ان پر ایسی سنگ باری اور تیر اندازی ہوئی کہ آگے بڑھنے کی بجائے جانیں بچانے کی خاطر وہ پیچھے بھاگ گئے تھے۔

برگزاع، اس کے سالاروں اور لشکریوں پر ابھی سراسیمگی کا عالم تھا اور وہ سمجھ ہی نہیں پائے تھے کہ مسلمانوں نے ان کے ساتھ کیا حرکت کر دی ہے۔ ابھی وہ انہی تفکرات اور سوچ و بچار میں ڈوبے ہوئے تھے کہ زکریا بن ادریس اچانک اس بار جنوبی دروازے سے نکلا۔ پہلے کی طرح اس نے دشمن کی سپاہ کو ہدف بنانا شروع کیا۔ آگے بڑھتے ہوئے وہ برگزاع کے لشکر پر آنکھوں کو ہولناک موت، سماعتوں کو اداس آوازوں کے ڈکھ، ضمیر کو ندامت کے فسوں اور شعور کو زخم و ذلت میں مبتلا کرتے غموں کے نایافت حشر، وحشتوں کے مہیب جنگل اور کرب آلود بگولوں کے ہجوم کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

ایک بار پھر پہلے کی طرح یلغار کرتے ہوئے اس نے پیش قدمی شروع کی۔ پہلے وہ شمال سے جنوب کی طرف گیا تھا اور اس بار وہ جنوب سے شمال کی طرف آیا تھا۔ اس کا یہ دوسرا حملہ بھی انتہائی ہولناک تھا۔ اس حملے کے باعث برگزاع کے لشکر میں دھول، گرد و غبار، انسانی چیخوں کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اب برگزاع کے لشکر کا کوئی حصہ زکریا بن ادریس کے تعاقب میں نہیں لگا تھا۔ وہ خوفزدہ ہو گئے تھے کہ جو لشکر بھی تعاقب میں لگتا ہے اس پر ایسی سنگ باری اور تیر اندازی ہوتی ہے کہ سینکڑوں لشکری لمحوں کے اندر ڈھیر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنی پشت کی طرف سے محفوظ ہونے کے بعد زکریا بن ادریس کے طوفان اٹھاتی تملاتی مضطرب لہروں، بکل مارے ہزاروں شورشوں، آگ کی لپٹوں، گورکھ دھندے، کانٹوں کی چٹائیاں بچھاتے موت کے ہولناک کرب کی طرح برگزاع کے لشکریوں کو کاٹنا چلا گیا تھا اور زکریا بن ادریس کے ان حملوں نے برگزاع کے لشکریوں کو بے جہت و بے مہار کر کے رکھ دیا تھا۔

جنوب سے شمال کی طرف بڑھتے ہوئے بالکل محفوظ طریقہ سے زکریا بن ادریس شمالی دروازے سے شہر میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اپنے لشکر کو لے کر وہ فصیل

کے اوپر چڑھ گیا تھا۔ برگزاکے ہزاروں لشکریوں کی لاشیں شہر پناہ کے شرقی جانب بچھ گئی تھیں۔

یہ صورت حال برگزاکے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اس نے شہر پر حملہ آور ہونے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے مردنے والے ساتھیوں کی لاشوں کو گھسیٹتے ہوئے وہ پیچھے لے گئے تھے۔

اپنے پڑاؤ میں پہنچنے کے بعد برگزاکے کی حالت بڑی عجیب تھی۔ اس کے چہرے پر خوف اور سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ اس موقع پر لوکاس اور اسپانہ بھی اس کے گرد جمع تھے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد برگزاکے لوکاس اور اسپانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! میرے باپ نے تو مجھے یہ مشورہ دیا تھا کہ جو لشکر مجھے مہیا کیا جا رہا ہے اس کے ساتھ میں لحوں کے اندر اشبیلیہ شہر کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لیکن میں یہاں دیکھتا ہوں کہ اشبیلیہ شہر کو فتح کرنا تو بہت دور کی بات ہے، ہم تو شہر پناہ کی فصیل کے قریب بھی نہیں جا سکتے۔ اشبیلیہ والوں کا جو لشکر شہر پناہ سے باہر نکل کر ہم پر حملہ آور ہوا، میں سمجھتا ہوں اس جیسا جنگجو لشکر میں نے آج تک دیکھا ہی نہیں ہے۔ اس کا سالار اپنے لشکر کے اگلے حصے میں تھا اور اس نے ہماری لاشوں کے انبار لگانے کے لیے عجیب و غریب مشعلوں کا طریقہ اپنایا جو ہمارے لیے نیا اور بڑا وحشت ناک ثابت ہوا۔ میرے عزیز ساتھیو! ہمارے ہزاروں لشکری اس ٹکراؤ میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر عجیب سے انداز میں پہلے شمال سے جنوب کی طرف گیا، اپنے پیچھے لاشوں کے ڈھیر لگاتا گیا۔ ابھی ہم سوچوں اور تفکرات ہی میں غرق تھے کہ یہ ہمارے ساتھ کیا ہو گا کہ وہی شہر پناہ میں داخل ہونے کے بعد پھر جنوب سے نکلا، شمال کا رخ کیا اور پہلے والی کارروائی کرتے ہوئے اس نے ہمارے لشکر کی تعداد مزید کم کی اور باحفاظت اپنے لشکر کو لے کر شہر میں داخل ہو گیا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد برگزاکے، پھر تفکرات بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”اگر مسلمان لشکریوں نے چند بار مزید ہمارے ساتھ ایسی کارروائیاں کی تو یاد رکھنا ہم اپنے پورے لشکر سے محروم ہو جائیں گے۔ اور پھر ہمارے لیے ایک اور بہت بڑا خطرہ منڈلانے لگا ہے۔ ہم اپنے لشکر کو لے کر اور زخمیوں کو لیے واپس اپنے پڑاؤ میں تو آگئے ہیں۔ لشکر کے ایک حصہ کو میں نے لاشوں کو دفن کرنے کا حکم بھی دے دیا ہے

لیکن آج کی رات اگر مسلمانوں کے کسی لشکر نے اچانک شہر پناہ سے نکل کر اس وقت ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی جس وقت ہمارے لشکری غفلت کی گہری نیند سو رہے ہوں گے تو پھر سوچو کیا بنے گا۔ بے شک رات کو سوتے وقت لشکر کا ایک حصہ پہرے پر مقرر کیا جائے لیکن حملہ آور اگر پہرے داروں کا خاتمہ کر کے ہم پر ٹوٹ پڑے تو پھر ہمارا انجام اپنے مرنے والے لشکریوں سے مختلف نہیں ہوگا۔ میں نے مسلمانوں کے سالار کی جو صناعی اور حرب و ضرب میں جو ہنرمندی دیکھی ہے اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ شخص بڑا جنگجو ہے اور لشکریوں کو حملہ آور کرنے کے عجیب و غریب ہنر سے بھی لیس ہے۔ لہذا ایسے سالار کا مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ میں نہیں جانتی تم دونوں کے کیا خیالات ہیں لیکن میں اپنے دل میں یہ ٹھان چکا ہوں کہ ہمیں مزید یہاں قیام نہیں کرنا چاہیے اور اگر ہم نے قیام کیا تو پھر ہم اپنے لشکر سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد برگنزا جب خاموش ہوا تب لوکاس اور اسپانا دونوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھا، اس کے بعد لوکاس برگنزا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہم آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے کسی لشکر نے ہم پر شب خون مارا تو ہمارے لشکر کی حالت بڑی بری ہوگی اور اس موقع پر یہ بھی امید کی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر پہلے ہم پر شب خون مارے۔ جب ہم تیار ہو کر اس کا مقابلہ شروع کریں تو شہر پناہ سے ان کے کچھ مزید لشکری بھی ہماری پشت پر اور دوسری سمتوں سے ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔ ایسی صورت میں پوری طرح ہمارے لشکر کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہم میں سے کوئی بھی اپنی جان بچا کر واپس طلیطلہ پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ لہذا میں اور اسپانا دونوں آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہیں۔“

لوکاس کا جواب سن کر برگنزا خوش ہو گیا۔ چنانچہ پہلے مرنے والوں کو دفن کیا گیا، اس کے بعد رات کی تاریکی ہی میں برگنزا، لوکاس اور اسپانا اپنے لشکر کو لے کر چپ چاپ اشبیلیہ کے نواح میں طلیطلہ کی طرف چلے گئے تھے۔



اس واقعہ کے اگلے روز حسین اور خوبصورت رواندہ کا باپ انتیش تھکا تھکا سا اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے رواندہ اور اس کی ماں اموسیہ دونوں

پریشان ہو گئی تھیں۔ پھر اموسیہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ اس سے پہلے ہی رواندہ بول اٹھی اور انتیش کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بابا! خیریت تو ہے؟ اول یہ کہ آج آپ وقت سے پہلے بازار سے لوٹ آئے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ آپ خلاف معمول اُداس، پریشان اور تھکے تھکے ہیں۔“

انتیش نے باری باری غائر نگاہ رواندہ اور اس کی ماں اموسیہ پر ڈالی پھر کہنے لگا۔
”دونوں میرے ساتھ آ کر دیوان خانہ میں بیٹھو۔ پھر میں تمہیں وجہ بتاتا ہوں۔“

اموسیہ اور رواندہ دونوں ماں بیٹی پریشان اور فکر مند ہو گئی تھیں اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے انتیش کے پیچھے پیچھے دیوان خانہ میں داخل ہو گئی تھیں۔ تینوں جب نشستوں پر بیٹھ گئے تب انتیش نے گلا صاف کیا، پھر رواندہ اور اپنی بیوی اموسیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”دراصل مجھے زکریا بن ادریس کے ایک رویے نے پریشان اور فکر مند کر دیا ہے۔“
انتیش کے ان الفاظ پر حسین اور خوب صورت رواندہ چونکی تھی۔ پریشانی اور جستجو بھرے انداز میں اپنے باپ انتیش کی طرف دیکھنے لگی تھی، پھر ہلکے سے احتجاج بھرے انداز میں کہنے لگی۔

”بابا! زکریا بن ادریس نے کیا کر دیا جس سے آپ پریشانی کا شکار ہو گئے ہیں؟“
اس پر انتیش کہنے لگا۔

”آج اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر کا بیٹا قیطان میرے پاس آیا تھا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ قیطان کے لیے ہم رواندہ کے رشتہ سے انکار کریں گے تو کوئی برا ردِ عمل ظاہر ہوگا۔ لیکن ایک بات کا اطمینان ہے کہ قیطان ارادت مندی اور عقیدت کی حد تک زکریا بن ادریس کو پسند کرتا ہے۔ لہذا جب اس کی بہن صدف اور ماں نے جا کر اس پر انکشاف کیا کہ رواندہ زکریا بن ادریس کو پسند کرتی ہے اور اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہے تب قیطان نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور یہ اعلان کیا کہ رواندہ آج سے میری بہن ہے۔ اُس نے اس پر بھی خوشی کا اظہار کیا کہ رواندہ زکریا بن ادریس کو پسند کرتی ہے۔ قیطان نے اسی پر اکتفا نہیں بلکہ وہ بھاگا بھاگا سرائے میں زکریا بن ادریس کے پاس گیا اور اس واقعے کی اطلاع اسے کر دی۔ اس پر جو ردِ عمل زکریا بن ادریس نے کیا اس نے مجھے مایوس اور پریشان کر دیا ہے۔“

”کیسا رد عمل؟“ رواندہ نے پھر جستجو بھرے انداز میں پوچھ لیا تھا۔

اس پر سرائے میں زکریا بن ادریس اور قیطان بن ابوبکر کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیل انیتش نے اموسیہ اور رواندہ دونوں سے کہہ دی تھی۔

یہاں تک کہنے کے بعد انیتش جب خاموش ہوا تب اموسیہ بولی اور کہنے لگی۔

”پہلے یہ بتائیں کہ آپ کو اس ساری تفصیل کا کیسے علم ہو گیا؟“

جواب میں انیتش دکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

”آج تھوڑی دیر پہلے قیطان بن ابوبکر میری دکان پر آیا تھا اور یہ سارے واقعات

اسی نے مجھ سے بیان کیے ہیں۔ دیکھو اموسیہ! میں اپنی بیٹی رواندہ کے لیے خود زکریا بن

ادریس کو پسند کرتا ہوں۔ وہ سادہ لوح ہے۔ جانثار اور وفادار قسم کا آدمی ہے۔ اگر وہ

میری بیٹی رواندہ کی زندگی کا ساتھی بنتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری بیٹی کی خوش قسمتی

ہوگی۔ پر زکریا بن ادریس نے نہ جانے کیوں اپنے آپ کو کسرِ نفسی میں مبتلا کر رکھا

ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک بے مایہ انسان ہے۔ اس کے پاس اپنا گھر بھی نہیں ہے اور

یہ کہ وہ سرائے کے ایک کمرے میں پڑا ہوا ہے جو سرائے کے مالک عمر بن سرج نے

اسے مہیا کیا ہوا ہے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ قیطان بن ابی بکر سے جو ہم نے رشتہ سے

انکار کیا ہے تو اس انکار و بہانے کے طور پر پیش کرنے کے لیے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ

رواندہ زکریا بن ادریس کو پسند کرتی ہے اور اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے درپے

ہے۔ اس نے قیطان سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ حسین و خوبصورت لڑکی جس نے افونش

کی پیش کش کو ٹھوکر مار دی تھی، وہ زکریا بن ادریس جیسے بے مایہ اور بے ٹھکانہ قسم کے

مغض کو کیسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا پسند کرے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد انیتش خاموش ہوا، کچھ سوچا، پھر اپنی بیوی کی طرف دیکھتے

ہوئے کہنے لگا۔

”اموسیہ! میں زکریا بن ادریس کو بیٹے کی طرح پسند کرتا ہوں۔ کوئی اور نوجوان

ہوتا تو نہ ہی میری بیٹی کو مصیبت سے نکال کر اشبیلیہ میں لاتا۔ اگر لاتا بھی تو میری بیٹی

رواندہ اپنی عزت و آبرو کو محفوظ رکھ پاتی۔ لیکن اس نے میری بیٹی کے ساتھ جو سلوک

کیا وہ ایک مثالی سلوک تھا اور پھر یہاں آنے کے بعد میں نے اسے معاوضہ کی تحفتاً

نقدی دینا چاہی تو اس نے نقدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کا مطلب ہے وہ

لاچی نہیں ہے، وفادار اور مخلص قسم کا انسان ہے اور ایسے نوجوان کم ملتے ہیں اور پھر عمدہ قسم کا تیغ زن ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اشبیلیہ کے چوٹی کے سالاروں میں شمار ہونے لگا ہے۔

اشبیلیہ کے سارے لوگ اس کی فراست، اس کی بہادری، اس کی جرأت مندی کے گیت گارہے ہیں۔ اُس نے جس طریقے سے افونش کے بیٹے برگنزا کے لشکر کی حالت کی، ہزاروں لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور برگنزا کو مجبور کر دیا کہ راتوں رات اپنا لشکر لے کر طلیطلہ کی طرف بھاگ جائے یہ کارروائی، یہ کام زکریا بن اور لیس ہی کر سکتا تھا اور یہ کام اسی نے کیا ہے۔ اُس کی اس کارگزاری نے جہاں اشبیلیہ شہر کو محفوظ کر دیا ہے وہاں شہر کے لوگ بھی اسے اپنا نجات دہندہ محسن اور مربی خیال کرنے لگے ہیں۔ زکریا بن اور لیس اپنے آپ کو بے مایہ اور بے ٹھکانہ خیال کرتے ہوئے یہ ظن و گمان کرنے لگا ہے کہ رواندہ اسے پسند نہیں کرتی بلکہ قیطان کے لیے رشتہ سے انکار کے لیے صرف اس کے نام کو بہانے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ میں آج دکان سے اس لیے جلدی اٹھ کر آ گیا ہوں کہ تم دونوں ماں بیٹی سے مشورہ کروں کہ آج ہم زکریا بن اور لیس کو اپنے ہاں بلا لیں اور اس عے اس موضوع پر گفتگو کریں اور ہمارے متعلق اس کے دل میں جو ایک غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے اسے دور کریں۔“

انیش کے ان الفاظ پر رواندہ کی خوشی کی کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی اموسیہ بول اٹھی۔

”میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتی ہوں۔ پھر وقت ضائع نہ کریں۔ شام ہونے والی ہے۔ آپ جائیں اور زکریا کو اپنے ساتھ لے کر آئیں۔ اتنی دیر تک میں اور رواندہ مل کر کھانا تیار کرتی ہیں۔“

اموسیہ کے جواب پر رواندہ خوش اور انیش مطمئن ہو گیا تھا۔ لہذا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جب وہ دروازے سے نکلتا تھا اچانک اموسیہ بھی اٹھی، تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے پیچھے گئی پھر صحن میں جا کر سرگوشی کے انداز میں کہنے لگی۔

”جب تم زکریا کو لے کر آؤ تو پہلے چاروں دیوان خان میں بیٹھ جائیں گے۔ پھر میں اور تم دونوں اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے جائیں گے۔ جس موضوع پر ہم نے گفتگو کی ہے اس موضوع پر ہم زکریا سے گفتگو نہیں کریں گے۔ میں چاہتی ہوں اس

سلسلے میں زکریا اور رواندہ دونوں کو تنہائی میں گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس طرح وہ دونوں اپنے دل کی بات ایک دوسرے تک پہنچا دیں گے۔ یوں جو بیچ میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ بھی رفع ہو جائیں گی اور وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب بھی آ جائیں گے۔“

اموسیہ کے اس مشورے کو پسند کرتے ہوئے انیتش مسکرایا تھا۔ پھر وہ حویلی سے نکل گیا تھا۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ انیتش لوٹ آیا۔ جب وہ صحن میں داخل ہوا تو اموسیہ اور رواندہ دونوں ماں بیٹی جو بے پناہ خوشی کا اظہار کرتی ہوئی مطبخ میں کھانا تیار کرنے میں مصروف تھیں، انیتش کو اس قدر جلد لوٹ آنے اور پھر اکیلا آنے پر فکر مند اور پریشان ہو گئی تھیں۔ جستجو بھرے انداز میں باہر نکلیں، پھر اموسیہ، انیتش کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”کیا بات ہے؟..... آپ اس قدر جلدی لوٹ آئے اور اکیلے آئے ہیں۔ زکریا بن ادریس کہاں ہے؟“

اس پر انیتش اُداس سے لہجے میں کہنے لگا۔

”جو کام ہم کرنا چاہتے تھے اس میں ہم نے تاخیر کر دی ہے۔ افونش نے اپنا ایک لشکر سرقسطہ شہر کا محاصرہ کرنے کے لیے بھیجا ہے اور اس کے لشکر کے پیچھے پیچھے افونش خود بھی ایک دوسرا لشکر لے کر سرقسطہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ سرقسطہ والوں نے اشبیلیہ والوں سے افونش کے خلاف مدد مانگی تھی۔ اس کے جواب میں زکریا بن ادریس یہاں سے ایک لشکر لے کر سرقسطہ کی طرف جا چکا ہے۔ اشبیلیہ شہر کا دفاع اس وقت غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کے پاس ہے۔ سرائے کے مالک عمر بن سربج نے مجھے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن میں وہاں رکا نہیں۔ اس لیے کہ جب مجھے پتہ چلا کہ زکریا بن ادریس سرائے میں نہیں ہے اور وہ سرقسطہ شہر کی طرف جا چکا ہے تب مجھے بڑی مایوسی ہوئی اور میں ایک طرح سے دل شکنی کا شکار ہوا۔ بہر حال فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا خدا بہت جلد اسے واپس خیر و عافیت سے اشبیلیہ لائے گا۔“

اس کے ساتھ ہی انیتش دیوان خانہ میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے اُداس اور

افسردہ موسیٰ اور رواندہ بھی دیوان خانہ میں داخل ہوئی تھیں۔ رواندہ کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ انتہا درجہ کی پریشان اور فکر مند تھی۔ تینوں جب نشستوں پر بیٹھ گئے تب کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد انیتش نے ایک گہری اور غائر نگاہ اپنی بیوی موسیٰ اور بیٹی رواندہ پر ڈالی پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آج میں تم دونوں سے ایک انتہائی اہم اور اندیشہ ناک موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اس گفتگو پر تم دونوں مجھ سے ناراض مت ہونا۔ ایسی گفتگو کرنے کے لیے میں گزشتہ کئی دن سے سوچ رہا تھا لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔“

انیتش یہیں تک کہہ پایا تھا کہ اس کی بیٹی رواندہ بڑی اپنائیت میں بول اٹھی۔

”بابا! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ کون سی بات ہے جسے کہنے سے آپ ہماری طرف سے اندیشہ محسوس کرتے ہیں؟ کیا ایسی بھی کوئی بات ہو سکتی ہے جو آپ کہیں اور ہم برا مانیں؟ بابا! یہ تو ناممکنات میں سے ہے۔“

انیتش نے بڑے غور سے رواندہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”بیٹی! ایسی ہی ایک بات آن پڑی ہے۔“

اس بار موسیٰ نے انیتش کو مخاطب کیا۔ ”آپ بات تو کہیں کیا ہے؟ ہم دونوں ماں بیٹی آپ سے کیوں ناراض ہوں گی؟“

اس پر انیتش نے گلا صاف کیا، اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر پھیر چکچکاہٹ آمیز لہجے میں کہنے لگا۔

”دراصل..... میں اسلام قبول کر چکا ہوں..... اور اپنی قبولیت اسلام کو میں نے تم دونوں سے چھپا کر رکھا تھا۔ مجھے خطرہ اور اندیشہ تھا کہ تم دونوں کہیں ناراض نہ ہو جاؤ..... میں ڈر رہا تھا کہ اگر تم ناراض ہو گئیں تو اس دنیا میں پھر میرا کوئی ہے ہی نہیں جو مجھ سے ہمدردی کرے، اپنائیت کا اظہار کرے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد انیتش کو رک جانا پڑا۔ اس لیے کہ اس کے ان الفاظ کے جواب میں موسیٰ نے ایک بھرپور قبہ لگایا تھا۔

اس کے اس قبہ پر انیتش چونکا، کہنے لگا۔

”اس میں ہنسنے اور قبہ لگانے کی کون سی علت ہے؟“

جواب میں موسیٰ کی بجائے رواندہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں انیتش کو مخاطب کر کے

کہنے لگی۔

”بابا! اماں نے جو قہقہہ لگایا ہے یہ ذومعنی ہے۔“
 ”کیا ذومعنی؟“ انیتش نے غور سے رواندہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔
 ”اس لیے ذومعنی ہے کہ ہم سب کی چوریاں یہاں عیاں ہو گئیں۔“ رواندہ نے
 پہلے جیسے لہجے ہی میں کہا تھا۔

”کیسی چوری؟“ انیتش نے جستجو میں پڑتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔
 ”آپ نے اپنی چوری کا خود ہی اظہار کر دیا کہ آپ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ میں
 اور اماں تو شاید اس سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکی تھیں لیکن ہم نے اپنے قبول اسلام کو
 آپ سے چھپا رکھا تھا اور ہم دونوں ماں بیٹی نے یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ کسی مناسب موقع پر
 آپ سے اس کا اظہار کریں گے۔ آج اچھا ہوا آپ نے خود ہی اظہار کر دیا۔ اس طرح
 ہمارے گھر کا ماحول خراب ہونے سے بچ گیا۔“

رواندہ کے ان الفاظ پر انیتش کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پھر تینوں نے مل کر خوشی
 کا ایک قہقہہ لگایا۔ ساتھ ہی انیتش کہنے لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو اٹھو، پھر کھانا تیار کرو۔ آج کی خوشی میں ایک نہیں کئی کھانے
 تیار ہونے چاہئیں۔ کاش! زکریا جسے میں اپنا بیٹا کہہ چکا ہوں وہ بھی یہاں ہوتا اور
 ہمارے اس انکشاف پر اس کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ ہوتی۔“

ان الفاظ نے رواندہ کو پر اُداس کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی ماں اموسیہ کا ہاتھ
 پکڑا اور اسے مطبخ کی طرف لے گئی تھی۔





گو یوسف بن تاشفین کا بیٹا سخت بیمار تھا اس کے باوجود اس نے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت اندلس کی طرف روانہ ہونے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس کے حکم پر ساحل پر بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں لوے کے لمبے لمبے کھونٹوں سے باندھ دیئے گئے تھے۔ ان جہازوں کے پیچھے خشک ریت پر لشکری بڑی تنظیم کے ساتھ کھڑے تھے۔ لشکریوں کے پیچھے گھوڑے اور اونٹ ہنہار رہے اور بلبلا رہے تھے۔ صحرا کے اندر تیز ہواؤں نے ہجوم کر رکھا تھا جبکہ سامنے سمندر بھڑکتی آتش کے جوالا، اندھے سراپوں، لامتناہی سلسلوں، اُبلتے کھولتے ہزاروں طوفانوں کی طرح پیچ و تاب کھاتا اضطراب کا اظہار کر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اونچی اونچی پہاڑ جیسی لہریں گردشِ دوراں کے تیور بدل دیں گی۔ خواہش کے بگولوں کو ریزہ ریزہ، خواب لمحوں کو کرچی کرچی کرتے ہوئے خونخوار درندگی پر اتر آئیں گی۔

سمندر پر ایک منہ تھمنے والا خوفناک طوفان طاری ہو چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا سمندر سے زمانے بھر کے غموں کی یلغار، نفرتوں اور بغاوتوں کے گماشتے زمین کی تہہ سے نکلتی خرابیوں کی طرح سمندر پر حاوی ہوتے جا رہے ہوں۔ جس طرح صحرا کے اندر پھیلتی بادِ صرصر نے ریت کے ٹیلوں کی شکست و ریخت کرتے ہوئے دہکتی، سلگتی آتش کی طرح فنا کے گھاٹ اتارنے کے درپے ہو گئی ہو۔ اسی طرح لمحہ بہ لمحہ بھرتی موجوں میں سمندر کا غصیلا رقص تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا تھا۔ سمندر کے اندر اٹھتی کوہستانوں کی سی موجیں منزلوں کو مبہم، دم بخود اور خوف زدہ کر رہی تھیں۔ سمندر کے اندر اٹھتی اتنی بلند موجوں سے یوں لگتا تھا جیسے ریزہ ریزہ کر دینے والی سرسراتی طوفانی ہوا کی طرح سمندر کو سلگتے کرب میں مبتلا کر دینے والی ان گنت پیاسی روئیں رقص کراٹھی ہوں۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ یوسف بن تاشفین اپنے سالاروں، بھتیجے اور بیٹے کیساتھ وہاں نمودار ہوا۔ اپنے لشکریوں اور اپنے سالاروں کے ساتھ ساحل کی خشک ریت پر کھڑے ہو کر کچھ دیر اس نے کھولتے طوفان پر آئے ہوئے خطرناک سمندر کا جائزہ لیا، اس کے بعد پیچھے مڑ کر اپنے لشکر اور اونٹوں اور گھوڑوں پر ایک نگاہ ڈالی، اپنے کندھے پر رکھا ہوا اپنا انگوچھا درست کیا، عمائے کے پیچ درست کئے، پھر قبلہ کا تعین کرتے ہوئے وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا، سجدہ ریز ہوا، اس کے بعد بڑی عاجزی و رانکساری سے وہ دعائیں مانگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”اے اللہ! یہ زمین، یہ آسمان، یہ زہرہ، یہ مشتری، یہ چاند تارے، یہ کہکشائیں، یہ اداس دنیا کے آب و گل، یہ فضاؤں میں کھنکتی صدائیں، مہتاب کی ملگجی روشنی، ستاروں کی آبنوسی روشنی، یہ پتوں کو لوریاں دیتی شبنم، بوند بوند پانی گرتے بادل سب تیرے کُن کا کمال ہیں۔ میرے اللہ! میری مدد فرما..... مجھے ہمت دے کہ میں فطرت کے گنہگاروں، حرص و ہوس کے گماشتوں، ایمان کی امانتوں کو روندنے والوں کے خلاف حرکت میں آؤں اور مسلمانوں کو ان کی خباثوں سے نجات دلاؤں۔“

اے اللہ!..... مجھے حوصلہ اور طاقت دے کہ ہماری زمین کو بانجھ کرنے والوں، ہمارے آباء نے اپنا خون دے کر جن روایات کو وقت کی کھیتی کی طرح لالہ زار بنایا، میں ان کے خلاف حرکت میں آؤں..... اے اللہ! اے کعبہ کے رب! اہل ذلالت کے خلاف میری مدد، میری حمایت کر۔“

یہاں تک کہنے کے بعد یوسف بن تاشفین رک گیا تھا۔ وہاں کھڑے لوگوں نے لکھا امیر یوسف بن تاشفین کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک ایسا ہی سماں رہا، اس کے بعد امیر یوسف بن تاشفین کی پگھلی ٹی، اُکھڑتی آواز پھر سنائی دی۔

”اے رب کریم! میں تیرا ایک بے سنگ میل مسافر ہوں۔ اے خدائے برتر و مہربان! تو ہی بجھتے ستاروں کو، ڈوبتے چاند کو روشنی کے بحرء عطا کرتا ہے۔ تو ہی اندھیروں کے بے کراں سلسلوں میں نور سویرے کو نکالتا ہے۔“

تو ہی کلیوں کو پھول بناتا ہے..... میرے اللہ! ہمارے گم گشتہ ماہ و سال کے گناہوں اور کوتاہیوں سے چشم پوشی فرما۔ ہمارے اعمال کی سیاہ کاریوں کو نہ دیکھ۔ زیت کے خرابوں میں ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ مجھے ہمت دے کہ میں امن کو مسمار کرنے والوں، آزادی پر یلغار کرنے والوں کے خلاف کامیاب ضرب لگاؤں۔ اے اللہ! تاریخ کی کوکھ میں ہمارے دشمن ہمارے خلاف وحشت ناک داستانیں رقم کرنا چاہتے ہیں۔ وقت کی بے محیط خونی آندھیوں کی طرح ہمارے لئے اجل کی صبح و شام کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے خلاف مقتل گاہوں کی خونخواریاں پھیلانا چاہتے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین کی آواز پھر مہووب گئی تھی۔ وہاں کھڑے لوگوں نے دیکھا کہ امیر یوسف بن تاشفین کی ہچکیاں اور سسکیاں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس دوران سمندر میں اٹھتا ہوا طوفان بری طرح کھولتا رہا جبکہ امیر یوسف بن تاشفین کی آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسو ساحل کی ریت کو بھگوتے رہے۔ یہاں تک کہ امیر یوسف بن تاشفین کی آواز پھر سنائی دی۔

”اے اللہ!..... اگر تو مجھے اس کام کے قابل نہیں سمجھتا تو پھر ساحلوں کا کوئی نقیب، آندھیوں کا کوئی قائد، بربادیوں کی بساط الٹ دینے والا کوئی سرفروش کھڑا کر جو اُندلس کے مسلمانوں کو دکھ کے کنوؤں اور گناہ کی چادر سے نجات دے۔ اے اللہ! یا مجھے توفیق دے کہ میں دہر کی اندھی ظلمت میں کھڑا ہو کر اُندلس کے مسلمانوں کے خلاف تغیر و تبدل کا خونی انقلاب کھڑا کروں۔“

اے اللہ! وقت کے بے موج سمندر میں تیرے ہی حکم سے برق و شرر کے رقص اُٹھتے ہیں۔ اے مالک دو جہاں! زیت کے شوریدہ دشت، تیز آندھیوں کے غضب ناک جھکڑوں، طوفانوں سے شناسا ہولناکیوں کی کھولتی حرارت اور بھرتی سوچوں کے بے درد آنگن میں تو ہی فطرت کے اہل فرمان کو جاری کرتا ہے۔ اے مالک مہربان! مجھے نوبت دے کہ انسانوں کو غلاموں کے غول کی طرح ہانکنے والے قاتلوں کے قبیلوں کے

خلاف حرکت میں آؤں۔ لاف زنی کرنے والے جلال و جمال کو درد کی لا
 انتہاء کک میں تبدیل کروں۔ گردشِ لوح میں تہہ در تہہ سرسام کھڑے
 کرنے والوں کو اپنے سامنے زیر کرنے کے لئے ان میں قضا بن کر داخل
 ہو جاؤں۔ اے اللہ! میں تیرا حقیر و عاجز بندہ ہوں۔ تجھے راضی رکھنے کے
 لئے، تیری رضامندی حاصل کرنے کے لئے میں اُنڈلس کے مسلمانوں کی
 مدد کے لئے نکلا ہوں۔ میرے اللہ! اس میں مجھے کامیاب رکھنا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین پھر خاموش ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ
 اس کی ہچکیاں اور سسکیاں پہلے کی نسبت کافی بلند ہو گئی تھیں۔ کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔
 یہاں تک کہ یوسف بن تاشفین نے اپنے آپ کو سنبھالا، پھر وہ پہلے سے بھی زیادہ
 عاجزی اور انکساری میں کہہ رہا تھا۔

”اے اللہ! جس کام کے لئے میں نکلا ہوں اس میں تیری رضامندی
 ہے۔ میرے مولا! تو اپنی ذات کے تقدس، اپنے لاشریک ہونے، اپنے
 واحد و بے ہمسر اور اپنے رب کائنات ہونے کے طفیل اس سمندر کے
 طوفان کو ساکن کر دے کہ میں اسے پاٹ کر اُنڈلس کے مسلمانوں کی مدد
 کے لئے پہنچ سکوں۔“

اس کے ساتھ ہی یوسف بن تاشفین نے اپنی دعا ختم کر دی تھی۔ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔
 اس موقع پر سب نے دیکھا امیر یوسف بن تاشفین کی آنکھوں میں آنسوؤں کے
 قطرے اُڑ رہے تھے۔ ایسے قطرے جن کے اندر ان گنت دشت سما جائیں۔ ایسے
 قطرے جن کے اندر بحر بھی ڈوب کر رہ جائیں۔

اس کے بعد امیر یوسف بن تاشفین کچھ دیر سمندر کی طرف دیکھتا رہا۔ اور مورخین
 لکھتے ہیں:

”پھر دیکھتے ہی دیکھتے سمندر بالکل ساکت اور پُر سکون ہو گیا۔ یہ
 امیر یوسف بن تاشفین کی دعا ہی کا نتیجہ تھا کہ سمندر کا طوفان ختم گیا۔
 سمندر ساکن ہو گیا۔“

اس موقع پر امیر یوسف بن تاشفین کے لبوں پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس
 نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا تھا۔

یہ حکم ملتے ہی بڑی تیزی سے اونٹوں کو بڑے بڑے جہازوں میں سوار کیا جانے لگا تھا۔ دوسرے جہازوں میں گھوڑے سوار کئے جانے لگے تھے۔ ضروریات کا سامان، رسد، ہتھیار سب لاد دیئے گئے تھے۔ اس کے بعد لشکر بھی جہازوں اور کشتیوں میں منتقل ہو گیا۔

اس کے بعد امیر یوسف بن یوسف نے سمندر کا سینہ چاک کرتے ہوئے جزیرۃ الخضراء کا رخ کیا تھا۔





یوسف بن تاشفین نے اپنے لشکر کا پہلا پڑاؤ جزیرۃ الخضراء میں کیا اور اسی کو اپنا مرکز بنانے کا تہیہ کیا۔ جزیرۃ الخضراء میں امیر یوسف بن تاشفین نے چند دن قیام کیا۔ جزیرۃ الخضراء جو آندلس کے جنوبی ساحل اور آبنائے جبل الطارق کے کنارے کا ایک اہم مقام تھا یہاں چند دن قیام کرنے کے بعد اور کچھ ضروری سامان وہاں رکھواتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین اپنے لشکر کے بڑے حصہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوا۔ اپنے لشکر کے چند دستے جزیرۃ الخضراء میں مقرر کر دیئے تھے۔ اس طرح اپنے بارہ ہزار کے مختصر لشکر کو لے کر امیر یوسف بن تاشفین اشبیلیہ پہنچا۔

امیر کے اشبیلیہ پہنچنے پر نہ صرف معتمد، اس کے بیٹوں بلکہ بطلوس کے قاضی ابو اسحق، قرطبہ کے قاضی ابو جعفر، ابن ادہم، اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر، اشبیلیہ کے قاضی احمد بن ابراہیم اور دیگر امراء نے شامدار انداز میں امیر یوسف بن تاشفین کا استقبال کیا۔ لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو امیر یوسف بن تاشفین کو دیکھنے کے لئے اُٹ آیا تھا۔ جبکہ اس موقع پر معتمد اپنے بیٹوں اور دوسرے امراء اور رؤساء کے ساتھ امیر یوسف بن تاشفین کے لشکر کے پڑاؤ کا انتظام کرنے لگا تھا۔

امیر یوسف بن تاشفین نے اشبیلیہ کے ایک شخص کو بھیج کر اشبیلیہ کے قاضی شیخ احمد بن ابراہیم کو طلب کیا۔

شیخ احمد بن ابراہیم، یوسف بن تاشفین کا استقبال کرنے کے بعد ذرا فاصلے پر کھڑے یوسف بن تاشفین کے سالاروں کا لشکریوں کا جائزہ لے رہے تھے اور امیر یوسف بن تاشفین کے نامور سالار داؤد بن عائشہ سے ہم کلام تھے۔ چنانچہ جب امیر یوسف بن تاشفین کا پیغام ملا تب شیخ احمد بن ابراہیم اور امیر یوسف بن تاشفین کا

سالار داؤد بن عائشہ دونوں امیر یوسف بن تاشفین کے قریب آن کھڑے ہوئے تھے۔ اس موقع پر امیر نے کچھ سوچا پھر شیخ احمد بن ابراہیم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مجھے آپ کی ذات سے متعلق بہت کچھ بتایا گیا ہے۔ جو آپ کے حالات سنائے گئے ہیں، ان سے میں مطمئن ہوں۔ آپ جیسی شخصیت کا میں معتقد بھی ہوں۔ آپ جیسے دین سے محبت کرنے والے لوگ بہت کم ملتے ہیں۔ میں آپ سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اشبیلیہ کی حکومت میں کوئی ایسا سالار یا کچھ ایسے سالار بھی ہیں جن پر ضرورت کے وقت اعتماد اور بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ جہاں تک معتمد اور اس کے بیٹوں کا تعلق ہے ان سے متعلق تو مجھے تفصیل مل چکی ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں میری رہنمائی کریں گے؟“

اس موقع پر ہلکا سا تبسم شیخ احمد بن ابراہیم کے لبوں پر نمودار ہوا تھا۔ پھر امیر یوسف بن تاشفین کو مخاطب کر کے شیخ احمد بن ابراہیم کہنے لگا۔

”امیر! اس وقت اشبیلیہ کی حکمرانی میں تین سالار ایسے ہیں جن پر اعتماد اور بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ ان تین میں زکریا بن ادریس سرفہرست، دوسرے نمبر پر خیرور بن شیب، تیسرے نمبر پر زیدون بن مسلم آتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل مسلم اور شیب گواہی سالار گئے جاتے تھے لیکن اب ضعیفی ان پر غالب ہے۔ لشکریوں کی سالاری کے فرائض انجام نہیں دے سکتے۔ امیر! جہاں تک زکریا بن ادریس کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں ایسا نایاب سالار کہیں سے ملے گا نہیں۔“

اس کے بعد قاضی شیخ احمد بن ابراہیم نے زکریا بن ادریس سے متعلق تفصیل کے ساتھ امیر یوسف بن تاشفین کو بتا دیا تھا۔

یہ ساری تفصیل سن کر امیر یوسف بن تاشفین بے حد متاثر دکھائی دے رہا تھا۔ ساتھ کھڑا اس کا سالار داؤد بن عائشہ بھی بے حد متاثر حالت میں تھا۔ پھر امیر یوسف بن تاشفین نے شیخ احمد بن ابراہیم کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”ایسے سالار تو ملنا بھی ایک سعادت ہے جس نے افونش کے بیٹے برگز اور اس کے نایاب سالار لوکاس اور اسپانا کو ایک نیا اور انوکھا طریقہ استعمال کرتے ہوئے اشبیلیہ سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ اس لحاظ سے بھی بڑا ذی وقار ہے کہ اشبیلیہ سے ایک لشکر لے کر سرقسطہ کے مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیج گیا۔ کیا وہ اس وقت سرقسطہ میں ہی ہے؟“

اس پر شیخ احمد بن ابراہیم پھر بول اٹھا۔
 ”امیر! آپ کی آمد سے پہلے افونش نے ہمارے شہر سرقسطہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اس کا
 بے پناہ لشکر سرقسطہ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔ لیکن زکریا بن اورلیس نے
 مقامی لشکریوں کے ساتھ مل کر شاندار انداز میں دفاع کیا اور افونش کو سرقسطہ پر قابض
 نہیں ہونے دیا۔ آپ کی آمد کا سن کر چونکہ افونش نے سرقسطہ کا محاصرہ ترک کر دیا ہے
 اور اپنی عسکری تیاریوں کو آخری شکل دینے کے لئے طلیطلہ کی طرف چلا گیا ہے لہذا اس
 کے جانے کے بعد زکریا بن اورلیس بھی ان چند دستوں کو جن کے ساتھ اشبیلیہ کے
 ساتھ سرقسطہ کی طرف گیا تھا، واپس اشبیلیہ آچکا ہے۔“
 شیخ احمد بن ابراہیم جب خاموش ہوا تب یوسف بن تاشفین نے بڑی دلچسپی سے
 شیخ کو مخاطب کیا۔

”کیا میں زکریا بن اورلیس سے مل سکتا ہوں؟“

اس پر شیخ احمد بن ابراہیم نے کہا۔

”وہ جو سامنے نوجوانوں کا ایک گروہ کھڑا ہے ان سب سے پیچھے زکریا بن اورلیس
 ہی کھڑا ہے۔ وہ چونکہ عمر بن سرج کی سرانے میں قیام رکھتا ہے لہذا اپنے آپ کو اس نے
 ایک طرح کی کسر نفسی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اپنے آپ کو نمایاں نہیں کرتا۔ گنہامی میں ہی
 اپنی زندگی کے دن گزارنے کو ترجیح دیتا ہے۔“

امیر یوسف بن تاشفین نے پھر کہا۔

”کسی کو بھیج کر اسے بلائیے۔“

شیخ احمد بن ابراہیم نے قریب کھڑے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ وہ قریب آیا تو شیخ
 نے اسے زکریا بن اورلیس کو بلانے کے لئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد زکریا بن اورلیس، امیر یوسف بن تاشفین کی طرف آیا۔ قریب آ
 کر اس نے اپنی تلوار اور خنجر کی پٹی کھول لی تھی۔ سامنے آکر وہ جھکا اور اپنے ہتھیاروں
 کی پٹی اس نے امیر یوسف بن تاشفین کے قدموں میں ڈال دی تھی۔ جس وقت وہ
 امیر کے قدموں کی طرف جھکا تھا، امیر یوسف بن تاشفین اٹھا تھا، اسے اس کے دونوں
 شانوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اس موقع پر زکریا بن اورلیس کی گردن بری طرح جھکی ہوئی
 تھی۔ امیر نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر جب اس کا سر اوپر اٹھایا تو امیر

یوسف بن تاشفین دنگ رہ گیا۔ زکریا بن ادریس رو رہا تھا۔

اس موقع پر یوسف بن تاشفین نے کپکپاتی اور بکھرتی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

”میرے عزیز! تو رو رہا ہے؟..... کسی نے تجھے دکھ دیا ہے؟ تیری دل آزاری کا باعث بنا ہے؟..... تمہاری آمد سے پہلے شیخ احمد بن ابراہیم مجھے تمہارے حالات تفصیل کے ساتھ سنا چکے ہیں۔ تم نے جس انداز میں افونش کے لشکر کے سامنے اشبیلیہ کا دفاع کیا ہے اس پر میں تمہیں سلام پیش کرتا ہوں اور جن جذبوں کے تحت تم ایک چھوٹا سا لشکر لے کر افونش کے مقابلے میں سرقسطہ کے مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے نکلے، تمہارے اس جذبہ کو بھی میں سلام پیش کرتا ہوں۔ پر میرے عزیز! تو کیوں رویا؟ کیا یہاں تو تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہا ہے؟ کیا اپنے حالات سے مطمئن نہیں ہے؟ بتا! مجھ سے کوئی چیز چھپانا مت۔“

امیر یوسف بن تاشفین جب خاموش ہوا تب زکریا بن ادریس گھٹی گھٹی سی، روتی روتی سی آواز میں امیر یوسف بن تاشفین کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”امیر! اُندلس کے لوگ بے گناہوں کا خون بہانے والے ہاتھوں، شرارت کے لئے حرکت کرتے پاؤں، دروغ گوئی پر اترتے جھوٹے لوگوں کی کرب خیزیوں، بھائیوں میں نفاق پیدا کرنے والے منافقوں اور نفرت بھری اُونچی آنکھیں رکھنے والوں کا شکار ہو چکے تھے۔ ایسے ماحول میں، میں اکثر اپنی بے خواب آنکھوں میں سنے سجایا کرتا تھا کہ تقویم و تقدیر کو پابہ زنجیر کرنے والا کوئی مجاہد کبھی اُٹھے گا اور اُندلس کے حالات کو بدلے گا۔ کلبلا تے غموں کو قفل لگانے والا کوئی سرفروش ان سرزمینوں میں اپنی گونجتی آوازوں کے ساتھ تکبیریں بلند کرے گا اور اُندلس کے لوگوں کی تقدیر بدل کر رکھ دے گا۔ امیر! میں نماز کے بعد اکثر دعا مانگا کرتا تھا کہ اے اللہ! زمین و آسمان تیرا جلال، یہ کن تیرا کمال ہے۔ تو بحر و بر میں فطرت کے اپنے جلال اور زندگی کی حسین صداقتوں جیسے اپنے کمال کے صدقہ ہی میں اُندلس کے مسلمانوں کی بہتری کا کوئی سامان کر۔ کوئی ایسا مجاہد اُٹھا، کوئی ایسا سرفروش ان سرزمینوں کی طرف لا جو میری قوم کو نفرت کے طوفانوں سے نجات دے۔ جو میری ملت کو دشمن کے عناد کی آنکھ سے بچائے۔ افسوس ناک باب بند کر دے، ذلت و عار بھرے داغ دھو ڈالے اور مسلم اُمہ

کے دل کی رمل پر صحراؤں کی بد بختیوں کی دہکتی آگ کی جگہ قربتوں کے بے کنار لمحات ڈال کر رکھ دے۔

یوں وہ ایک مقدس فریضہ ادا کرنے کے لئے ان سرزمینوں میں داخل ہو۔ ان سرزمینوں کے اندھیروں اور تاریکیوں کو رفع کرنے کے لئے تکبیریں بلند کرے اور چہار سو پھلی بد بختی اور شور انگیزی بٹمرا اور لمحات میں تبدیل کر دے۔

امیر! آپ کی آمد پر یہاں کے لوگ وقت کی نغمگی کے سیلاب کی طرح خوش اور مطمئن ہیں۔ میں سمجھتا ہوں آج میرے خوابوں کی تعبیر مکمل ہو گئی ہے۔ امیر! آپ کی آمد پر میں صداقت بھری روداد کی طرح خوش ہوں اور یہ میرے آنسو خوشی کے آنسو ہیں۔ امیر! میں ایک بے بس انسان ہوں۔ نہ کسی گروہ پر زور رکھتا ہوں نہ ہی کسی پر میرا بس چلتا ہے۔ لیکن یہ میری دلی آرزو، میری خواہش تھی کہ ان سرزمینوں میں کوئی ایسا انقلاب آئے کہ ہماری ماؤں کی عظمتیں اور حرمتیں، ہماری بہنوں کے آنچلوں کی آبروئیں، ہمارے بزرگوں کی عظمت، ہمارے بچوں کا مستقبل محفوظ ہو جائے۔ اب چونکہ یہ لمحہ آ گیا ہے لہذا میری خوشی کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ امیر!.....“

یہاں تک کہتے کہتے زکریا بن ادریس کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ امیر یوسف بن تاشفین کے سامنے اس نے جو اپنے ہتھیاروں کی پٹی کھول کر ڈالی تھی وہ امیر نے اٹھائی اور اپنے ہاتھوں سے وہ پٹی اس نے زکریا بن ادریس کی کمر پر باندھ دی۔ پھر ایک بار زکریا بن ادریس کو اپنے ساتھ لپٹا کر امیر نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا، اس کے بعد اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین کہہ رہا تھا۔

”تجھ جیسے نوجوان ہی ملت کا گوہر اور مسلم امہ کا جوہر ثابت ہوتے ہیں۔ تیری باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تو اپنی ملت کا درد اور اپنی مسلم امہ کی غم خواری رکھتا ہے۔ تیری آمد سے پہلے قاضی شیخ احمد بن ابراہیم تمہارے حالات تفصیل کے ساتھ مجھے بتا چکے ہیں۔ جو کچھ میں کہنے لگا ہوں، وہ غور سے سنا۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے ایک شخص عمر بن سرلیج کی سرانے میں قیام کر رکھا ہے۔ اور وہ تم سے کوئی معاوضہ نہیں لیتا۔ میں عمر بن سرلیج سے بھی ملوں گا۔ اسے اس کے اس نیک جذبہ کا اجر دوں گا۔ تمہارے لئے میں یہ کہوں گا کہ آج سے تم ایک سالار کی حیثیت سے میرے لشکر میں رہو گے، سرانے میں قیام نہیں کرو گے۔ مجھے بتایا گیا ہے

کہ تمہارے پاس سرانے میں ایک چھوٹا سا صندوق ہے جس میں تم نے اپنے غلامی کے دور کا ایک لباس رکھا ہے جسے تم دیکھتے ہو تاکہ تمہیں اپنی اوقات نہ بھول جائے۔ جس قدر تمہارے پاس سامان ہے وہ لے کر میرے لشکر میں شامل ہو جانا۔ تمہارے لئے ایک عمدہ خیمے کا اہتمام کیا جائے گا۔ اور جب مجھے یہاں کے حالات سے فرصت ہوگی تو اشبیلیہ شہر میں تمہاری رہائش کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ تمہاری باتیں سن کر میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اب میرے لشکر میں تمہاری حیثیت ایک سالار کی نہیں بلکہ میری نگاہوں میں اب تمہاری حیثیت ایک بیٹے کی سی ہے۔ یہ میرے ساتھ میرا سالار داؤد بن عائشہ کھڑا ہے، یہ لشکر میں تمہاری منتقلی کا اہتمام کر دے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین جب خاموش ہوا تب امیر یوسف بن تاشفین کا سالار داؤد بن عائشہ آگے بڑھا، پہلے اس نے دونوں بازو پھیلائے، پھر زکریا بن ادریس کو زوردار انداز میں اس نے گلے سے لگایا۔ اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گیا، پھر ہنستی مسکراتی آواز میں کہنے لگا۔

”زکریا بن ادریس! آج سے تم داؤد بن عائشہ کے بھائی ہو۔ چھوٹے بھائی۔ جس پر میں ہمیشہ فخر کرتا رہوں گا۔“

داؤد بن عائشہ کے یہ الفاظ سن کر امیر یوسف بن تاشفین بھی مسکرا رہا تھا۔ داؤد بن عائشہ جب خاموش ہوا تب زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین نے کہنا شروع کیا۔

”ابن ادریس! ذرا اپنے ساتھی سالاروں غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کو تو بلاؤ۔ میں ان سے بھی ملنا پسند کروں گا۔“

امیر یوسف بن تاشفین کے ان الفاظ کے ساتھ ہی زکریا بن ادریس پیچھے ہٹ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اس کے ساتھ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم دونوں تھے۔ قریب آ کر زکریا بن ادریس نے ان دونوں کا تعارف امیر یوسف بن تاشفین سے کرایا۔ امیر یوسف بن تاشفین اور اس کے بعد داؤد بن عائشہ، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم دونوں سے گلے لگا کر ملے اس کے بعد زکریا بن ادریس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم تینوں کو مخاطب کرتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین کہہ رہا تھا۔

”میری قوم کے فرزندو! میرے لشکر میں کام کرتے ہوئے یاد رکھنا وہ قوم جو اپنے دفاع کو فراموش کر کے عیش و عشرت کا بوجھ اپنے کندھوں پر لاد لیتی ہے اس کے دشمن کالی راتوں کے جنگجو عناصر کی طرح اس پر حملہ آور ہو کر اس کے جسم و روح کا ربط ختم کر دیتے ہیں۔ اس کے ہونٹوں کی شبہم خشک، نطق کو زخمی، آنکھوں کو بے بس اور مقاصد کو وحشت کی آگ میں تبدیل کر دیتے ہیں اور روح کو بے درماں گھاؤ دیتے چلے جاتے ہیں۔ قوم کے وہ حکمران اور جنگجو عناصر جو دشمن کی خوفناک اندھی قوت کے سامنے سمندر کا غصیلارقص بن جاتے ہیں، ہولناک طاقتور موت کی صورت میں دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں، وہی زندگی کے اثرات سے سرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔ وہی حکمران اور قوم کے مجاہد کفر و الحاد کے تمدن اور رنگ و ذلت کے شبستانوں کو خیر و سعادت کے سرچشموں اور تسلیم و رضا کی خو میں ڈھال سکتے ہیں۔

جو کچھ اب تک مجھے اندلس کے حکمرانوں سے متعلق اطلاعات فراہم کی گئی ہیں، یہ طوائف الملو کی کا شکار ہیں۔ رت جگوں کی طرح ان کے اپنے لب سلبے ہوئے ہیں اور وہ ان بے ربط لمحوں کے ان گنت احوال کی طرح ہیں جو کسی اور کے اشارے پر ہی ناچتے ہوں۔ انہوں نے صرف اپنی عیش، اپنی عشرت کو برقرار رکھا ہے۔ خواہ اس کے صلے میں انہیں افونش کو خراج ہی کیوں نہ ادا کرنا پڑے۔ ان کے ہاں عبودیت کے پراسرار نغمے نہیں، صنم خانوں کی عیش و عشرت کی بھرمار ہے۔ ایسے حکمران اور قوم کے ایسے افراد صحراؤں کے اندر رقص کرتی اور نمودار ہوتی موت کے ہولناک سایوں اور قبرِ مذلت سے اچانک اٹھتے عذابوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایسے حکمران آندھیوں میں چراغ روشن نہیں کر سکتے۔ نہ ہی یہ عارف کے دل و جان کی تڑپ، نہ ہی مجاہد کے جذبوں کے امین بن سکتے ہیں۔ ایسے حکمرانوں کے خلاف ان کے دشمن موت کی رقصاں انگلیوں کی طرح حرکت میں آتے ہیں اور ان کی سانسوں کی ڈوریاں کاٹتے ہوئے انہیں کائنات کے اندھیروں کی تہوں، صدیوں کی آہ و بکاء اور گناہوں کے سیاہ زاروں میں پھینک دیتے ہیں۔

میں جانتا ہوں افریقہ میں جو ہمارا ماحول ہے، یہاں کا تمدن اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہم لوگ شریعت اور شریعت کے احکامات کی سختی سے پابندی کرنے والے ہیں۔ ہمارے ہاں عیش و عشرت کا کوئی شائبہ نہیں۔ ہم کسی کو خراج ادا نہیں کرتے اور ہماری

مملکت کی طرف اگر کوئی دشمن آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتا ہے تو ہم اسے اس کی بصارت سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔ بہر حال میں کوشش کروں گا یہاں کے حکمرانوں کو افونش کی ذلت اور نکت سے نجات دلانے کے بعد ان کے اندر اتحاد و تعاون، یکجہتی اور ایک مرکزی حکومت قائم کی جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن ہاشمین جب خاموش ہوا، تب دُکھتے دل، کپکپاتی آواز میں زکریا بن ادریس کہنے لگا۔

”امیر! آپ کا کہنا درست ہے۔ اندلس میں مسلمانوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی ہیں۔ ہر حکمران دوسرے کا دشمن بنا ہوا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف ماضی میں یہ افونش سے مدد طلب کرتے رہے ہیں۔ ہر کوئی اسے خراج دیتا ہے۔ امیر! اندلس میں مسلمان حکمرانوں کا اپنا علیحدہ مخرج، علیحدہ منبع، علیحدہ مطلع، علیحدہ ہی مقطع ہے۔ یہ لوگ فرض کو سزا، جبر کو امن خیال کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ افونش جب چاہتا ہے تند خو بگولوں، دھونس کے زرد بادلوں کی طرح مسلمان علاقوں پر چڑھ دوڑتا ہے۔ بستیوں، شہروں کی حالت بربتہ شاخوں، دل آشوبی، بے یقینی کی دُھند اور آگہی کے آشوب کی طرح کرتا چلا جاتا ہے۔ امیر! ہم تو آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ اندلس کے مسلمانوں کی مدد اور اعانت کے لئے پہنچے ہیں۔ ہم لوگ تو ہر وقت یہی اُمید رکھتے تھے کہ کاش کوئی طاقت ور مسلمان اُٹھے، تکبیر بلند کرے اور افونش کے پاؤں تلے سے اپنی زمین کھینچ کر رکھ دے۔ کوئی خدا پرست حکمران کیمیا گر بن کر اُٹھے اور افونش کو شکست دے کر اس کا اس قدر تعاقب کرے جس طرح ریوڑ کا کوئی چوپان اپنی زندگی کی پرواہ کئے بغیر اپنے ریوڑ کی حفاظت کی خاطر اپنا عصا لے کر جنگلی بھیڑیوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ امیر! اب جب آپ آ ہی گئے ہیں تو کم از کم ہم جیسے جوانوں کی ساری توانائیاں آپ کے لئے وقف ہیں۔“

زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک امیر یوسف بن ہاشمین تو صنی انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اپنے سالار داؤد بن عائشہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن عائشہ! ان تینوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ ہمارا پڑاؤ جب قائم ہو تو اس پڑاؤ میں ان تینوں کی رہائش کا بھی عمدہ انتظام کیا جائے گا۔ فی الحال یہ ہمارے لشکر میں

رہیں گے۔ تاہم کسی مہم کے سلسلے میں اگر معتمد کو ان کی ضرورت پڑی تو معتمد ان کی خدمات سے استفادہ کر سکتا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی داؤد بن عائشہ امیر یوسف بن تاشفین کے حکم پر زکریا بن اورلیس، غیردر بن شیبیب اور زیدون بن مسلم کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔





شام سے کچھ پہلے انیتش مسکراتا ہوا اپنی حویلی میں داخل ہوا تھا۔ اُس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے اموسیہ اور رواندہ دونوں ماں بیٹی خوش ہو گئی تھیں۔ انیتش جب دیوان خانہ میں جا کر بیٹھا تو اموسیہ اور رواندہ بھی اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ پھر گفتگو کا آغاز اموسیہ نے کیا اور اپنے شوہر انیتش کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میں دیکھتی ہوں آپ آج معمول سے کچھ زیادہ ہی خوش اور مطمئن دکھائی دے رہے ہیں۔“

اموسیہ کے اس سوال پر انیتش کھل کر مسکرا دیا۔ کہنے لگا۔

”اموسیہ! تیرا کہنا درست ہے۔ آج میں اپنے بیٹے زکریا بن اور لیس سے مل کر آ رہا ہوں۔“

انیتش کے ان الفاظ پر رواندہ چونکی تھی، بڑی بے تابی اور بے چینی سے اس نے انیتش کو مخاطب کر کے پوچھ لیا۔

”بابا! وہ تو ایک لشکر لے کر سرقسطہ گئے ہوئے تھے اور آپ کہتے ہیں آپ ان سے مل کر آ رہے ہیں۔“

جواب میں انیتش پہلے سے بھی زیادہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹی! یہ خبر تو تم دونوں ماں بیٹی تک پہلے ہی پہنچ چکی ہے کہ افریقہ سے امیر یوسف بن تاشفین یہاں اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زکریا بن اور لیس، افونش سے سرقسطہ کا دفاع کرنے کے لئے ایک لشکر لے کر وہاں گیا ہوا تھا۔ لیکن جب افونش کو یہ خبر ہوئی کہ افریقہ کا مسلمان حکمران امیر یوسف بن تاشفین اپنے لشکر کو لے کر مسلمانوں کی مدد کے لئے یہاں اندلس میں پہنچ گیا ہے تو اس

نے سرقسطہ شہر کا محاصرہ ترک کر دیا اور اپنے لشکر کو لے کر وہ طلیطلہ کی طرف چلا گیا ہے۔ اُس کے اس طرح محاصرہ ترک کرنے کے بعد زکریا بن ادریس بھی اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ گیا ہے۔ میری بیٹی! اس کے بعد جو حالات پیش آئے ان پر میں ہی نہیں، تم دونوں ماں بیٹی بھی فخر کر سکتی ہو۔“

”وہ کون سے حالات ہیں؟“ اموسیہ نے تجسس بھرے انداز میں انیتش کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

”سن اموسیہ!“ انیتش پہلے کی طرح خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ”جس دلیری، جس جرأت مندی سے زکریا بن ادریس نے اپنے دونوں ساتھیوں غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کے ساتھ افولش کے بیٹے برگزاسے اشبیلیہ شہر کا دفاع کیا تھا اور جس طرح وہ لشکر لے کر سرقسطہ کے مسلمانوں کی مدد کے لئے چلا گیا تھا یہ ساری خبریں اشبیلیہ کے قاضی شیخ احمد بن ابراہیم نے امیر یوسف بن تاشفین تک پہنچا دیں۔ ساتھ ہی شیخ احمد بن ابراہیم نے زکریا بن ادریس کے سارے حالات بھی امیر سے کہہ دیئے کہ کس طرح وہ بے چارہ طلیطلہ کا رہنے والا تھا، غلام بنا لیا گیا اور بھاگ کر اشبیلیہ آیا اور یہاں عمر بن سرج کی سرانے کے ایک کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ زکریا بن ادریس کے یہ حالات سن کر امیر یوسف بن تاشفین بے حد متاثر ہوا۔ اس نے زکریا بن ادریس کو اپنے لشکر میں شامل کر لیا ہے بلکہ زکریا کو امیر یوسف بن تاشفین نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔“

انیتش جب خاموش ہوا تب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے رواندہ بول اٹھی۔

”بابا! آج اتنی ڈھیر سی خوشیاں آپ کو کیسے اور کہاں سے مل گئیں؟ اور یہ ساری خبریں آپ سے کس نے کہیں؟“

جواب میں انیتش پھر پہلے جیسے لہجے میں کہنے لگا۔

”بیٹی! آج دکان میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ جب سے مجھے اس بات کا پتہ چلا ہے کہ میری بیٹی زکریا بن ادریس کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہے اس دن سے میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس لئے کہ تمہارے اس اظہار سے پہلے ہی میں نے اپنے دل میں یہ ٹھان رکھی تھی کہ اگر قدرت نے کوئی اچھا موقع دیا تو میں زکریا بن ادریس کو اپنا بیٹا بناؤں گا اور اپنی بیٹی رواندہ کو اس سے بیاہ دوں گا۔ گو میں نے اپنی اس خواہش کا

کہ اسو
تم ہمارے
دیر پہلے
لے بہرے
چاہئے تو
اپنے
کہنے گی
"تیا
یہاں آ کر
میں جا کر

رواندہ کے ان الفاظ پر انیٹش خوش ہو گیا تھا۔ پھر اموسیہ اور رواندہ دونوں ماں بیٹی دیوان خانہ سے نکل کر مطبخ کی طرف چلی گئی تھیں۔

وقت تیزی سے گزرنے لگا۔ اموسیہ اور رواندہ دونوں ماں بیٹی مطبخ میں کھانا تیار کرنے کے بعد دوبارہ دیوان خانہ میں انیٹش کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھیں۔ کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس پر چونکنے کے انداز میں اموسیہ بول اٹھی۔

”زکریا بن اور لیس آیا ہے۔“

دستک پر رواندہ اور اس کا باپ انیٹش بھی خوش ہو گئے تھے۔ پھر انیٹش اپنی جگہ پر اٹھا اور دیوان خانہ سے نکلتے ہوئے کہنے لگا۔

”دروازہ کھلا ہے۔“

جواب میں باہر سے زکریا بن اور لیس کی آواز سنائی دی۔

”کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“

انیٹش تیز تیز چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اموسیہ اور رواندہ بھی دیوان خانہ سے نکل کر صحن میں آ گئی تھیں۔ انیٹش نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور زکریا بن اور لیس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! یہ بھی تُو نے خوب کہا۔ اندر آنے کے لئے اجازت مانگ رہے ہو۔ تمہاری حیثیت اس گھر میں بیٹے کی سی ہے۔ اور کیا بیٹے گھر میں آتے ہوئے اجازت مانگتے ہیں؟ کھٹکا ضرور کر سکتے ہیں تاکہ اندر رہنے والے محتاط ہو جائیں، پردہ کر لیں۔ لیکن یہاں نہ تو کسی کو تم سے محتاط ہونے کی اور نہ ہی پردہ کرنے کی ضرورت ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے انیٹش خاموش ہو گیا اس لئے کہ زکریا بن اور لیس حویلی میں داخل ہو گیا تھا۔ اتنی دیر تک اموسیہ آگے بڑھی اور بڑی شفقت میں زکریا بن اور لیس کے شانے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگی۔

”بیٹے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ پہلے دروازے پر رک گئے، پھر اندر آنے کی اجازت

طلب کی۔“

جواب میں زکریا بن اور لیس مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”غلطی ہوئی۔ چلیں معاف کر دیں۔“

انیٹش یہاں تک کہنے کے بعد رکاب اموسیہ اپنی جگہ سے اٹھی اور زکریا بن اور یسٰیہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹے! میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔ ذرا مطبخ کو دیکھ لوں۔“

زکریا بن اور یسٰیہ نے جب مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی تب اموسیہ باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد اموسیہ نے انیٹش کو آواز دے کر اپنی طرف بلایا۔ اس پر انیٹش اٹھ کھڑا ہوا۔ زکریا بن اور یسٰیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے! رواندہ کی ماں نے مجھے بلایا ہے۔ شاید کوئی کام ہے۔ تم دونوں بیٹھ کر باتیں کرو۔“

اس کے ساتھ ہی انیٹش اپنی جگہ سے اٹھ کر نکل گیا تھا۔ شاید اس طرح انیٹش اور اموسیہ دونوں پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت زکریا بن اور یسٰیہ اور رواندہ کو تنہائی میسر کر کے باہم گفتگو کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہتے تھے۔

دیوان خانہ میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر گفتگو کا آغاز رواندہ نے کیا اور زکریا بن اور یسٰیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”مجھے آپ سے بڑی شکایتیں اور شکوے ہیں۔ دیکھیں، میرے بابا اور امی دونوں

آپ کو اپنا محسن، اپنا مربی کہہ چکے ہیں۔ ساتھ ہی آپ سے یہ بھی التماس کی گئی تھی کہ

آپ اس گھر کے فرد ہیں، آتے جاتے رہا کریں۔ لیکن آپ تو ایک بار آنے کے بعد

اس گھر کا رخ کرنا ہی بھول گئے۔ وہ بھی آپ خود نہیں آئے تھے بلکہ بازار میں اپنے

گھوڑے کی نعل بندی کرانے کے بعد جس وقت آپ عمر بن سراج کی سرائے کی طرف جا

رہے تھے تو میں نے آپ کو پیچھے سے پکارا تھا اور اپنے ساتھ حویلی میں لے آئی تھی۔“

جواب میں زکریا بن اور یسٰیہ سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا۔

”دیکھو رواندہ! زندگی کچھ ایسی مصروف ہو گئی ہے کہ کچھ سمجھ ہی نہیں آتا کہ کیا، کیا

جائے اور کیا نہ کیا جائے؟ تمہیں یاد ہے پہلے جب برگز، اشبیلیہ پر حمار آور ہونے کے

لئے طلیطلہ سے چلا تھا تو کئی دن تک ہم تیاری میں مصروف رہے، اس کے بعد میں

سرقسطہ کی طرف چلا گیا اور تمہارے ہاں آنے کا موقع نہ ملا۔ اس کے لئے میں معذرت

خواہ ہوں۔“

”میں آپ کو اس بات پر بھی مبارک باد دیتی ہوں کہ آپ نے جنگ کا ایک نیا

طریقہ اختیار کرتے ہوئے افونش کے بیٹے برگز اور اس کے جزار لشکر کو اشبیلیہ شہر کا محاصرہ ترک کر کے طلیطلہ کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔“

رواندہ جب خاموش ہوئی تب کچھ دیر کی سوچ کے بعد زکریا بن ادریس نے غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”میں نے سنا ہے کہ اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر، اس کی بیٹی صدف بنت ابوبکر اور صدف کی ماں حزیرہ تمہارے ہاں آئے تھے اور تمہارا رشتہ وزیر ابی بکر کے بیٹے قیطان کے لئے مانگا تھا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ جس روز وہ تمہارا رشتہ مانگنے آئے تھے، اسی روز، اس موقع پر ہی تم نے اس رشتہ سے انکار کر دیا تھا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد دم لینے کے لئے زکریا بن ادریس رُکا، پھر رواندہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے اور مجھے اسے کریدنے کا کوئی حق نہیں۔ اس کے باوجود اگر تم برانہ مانو تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں، کیا تم نے شادی نہ کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے؟ کیا کسی اور کو اپنا ہم سفر، اپنی منزل کا نشان بنا رکھا ہے؟ ورنہ اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر کے بیٹے کا رشتہ بہت اعلیٰ تھا۔ میرے خیال میں ایک لڑکی کو اس سے بہتر رشتہ نہیں مل سکتا۔“

اس موقع پر رواندہ نے کسی قدر گھورنے اور غور سے زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر اعلیٰ رشتوں ہی کی مجھے جستجو ہوتی تو پھر میں افونش کے حرم ہی میں کیوں نہ چلی جاتی؟ وہاں سے بھاگ کر یہاں کیوں آتی؟ رہا آپ کا دوسرا سوال، کیا میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اور اسے اپنی منزل کا نشان بنا چکی ہوں تو آپ کا اندازہ درست ہے۔“

رواندہ یہاں تک کہنے کے بعد جب رکی تب زکریا بن ادریس بول اٹھا۔ ”اگر تم برا نہ مانو تو کیا میں جان سکتا ہوں وہ کون ہے؟“

”یہ آپ بار بار کیوں دہرا رہے ہیں کہ اگر میں برانہ مانوں؟ اس سے پہلے میں نے کبھی آپ کی کسی بات کا برا مانا ہے؟“ رواندہ نے بڑے پیار سے زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔ ”میں آپ کی کسی بھی بات کا برا نہیں مان سکتی۔ لہذا میرے ساتھ دوران گفتگو خدا کے لئے یہ جملہ استعمال نہ کیا کریں۔ میں کس

کو اپنی منزل کا نشان بنا چکی ہوں، اس کا جواب دینے سے پہلے میں آپ پر یہ انکشاف کروں کہ میں، بابا اور امی تینوں اسلام قبول کر چکے ہیں اور اب ہم مسلمان ہیں۔“
رواندہ کے اس انکشاف پر زکریا بن ادریس مسکرا دیا تھا۔ کہنے لگا۔
”میں اس کے لئے تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ بابا اور اماں آتی ہیں تو انہیں بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اب بولو! میرے دوسرے سوال کا کیا جواب ہے تمہارے پاس؟“

جواب میں رواندہ کہنے لگی۔

”میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں نے جو اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر کے بیٹے قیطان سے رشتہ کی پیش کش کو منظور نہیں کیا تھا تو اس کی وجہ یہی تھی کہ میں کسی اور کو پسند کر چکی ہوں اور اسے اپنی زندگی کا ساتھی، اپنی منزلوں کا نشان، اپنی زیست کا محور بنا چکی ہوں..... اب آپ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ وہ کون ہے؟ ساتھ ہی آپ یہ بھی جملہ استعمال کرتے ہیں کہ اگر میں برانہ مانوں۔ برانہ ماننے کا میں پہلے ہی جواب دے چکی ہوں کہ میں آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانوں گی۔ رہا اُس عظیم شخصیت کا سوال جسے میں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں یا دوسرے الفاظ میں جس کے متعلق آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں، اُسے پسند کرتی ہوں تو وہ.....“
یہاں تک کہنے کے بعد رواندہ رکی، کچھ سوچا، دوبارہ وہ کہہ رہی تھی۔

”وہ ایک ایسا نوجوان ہے جو چلاتی، چینتی، برباد کرتی آمدنیوں اور ذلت کے گرداب بھرنے والی ہوس باخسگی اور کرب مسلسل کا رُخ موڑ سکتا ہے۔ وہ ایک ایسا لاجواب اور بے مثال نوجوان ہے جو وادیوں کی گل اندامیوں، لمس و لذت کی عطر فشانیوں، وقت کی نغمگی کے سیلاب، بہاروں کے افسانوں، ستاروں کے ترانوں کو لات مار کر خوش کن نظاروں کے خزانوں کو ٹھوکروں پر رکھ کر اپنی ملت کی امیدوں کی کہکشاؤں، مسلمانوں کے خواب زاروں کی کرنوں کے نقاب، شفق کے رخساروں جیسی وطن کی بیٹیوں، ماؤں کے باعظمت آنچلوں، سوچوں کے بے انت اعتکاف جیسے بزرگوں، حلقہ در حلقہ معصومیت کا رقص کرتے بچوں کی حفاظت کو ترجیح دے سکتا ہے۔ وہ وقت کے بے کراں صحراؤں میں ہزاروں گزند دینے والے طوفانوں اور قضا کی ستم کی آگ کے سامنے وقت کی ایک غالب تہذیب، انقلاب و تبدیلی کا سبب اور علت بن کر

کھڑا ہونے کا ہنر جانتا ہے۔ وہ سیاہ رات کے الاؤ میں وقت کے بدترین عذابوں کی حدت میں بھی اپنے دشمنوں پر ہزیمت کی بے کیف جلن ڈال کر ان کی حالت دھوئیں کے ٹیڑھے مرغولوں کی سی کر دینے کی صناعت سے آشنا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رواندہ رکی، ایک لمبا سانس لیا، دوبارہ وہ کہہ رہی تھی۔
 ”وہ نوجوان وقت کے بے محیط لمحوں میں برگ نیلوفر میں لپٹی خوشبو، اجاڑ نگاہوں، بکھرتے جذبوں میں گلابی کرنوں کی شادابی، تغیر و تبدل کے خونی انقلابوں میں چاند کی مہربان کرنوں، آہ و فغاں کے ہنگاموں میں پھولوں سے لدے تاکستانوں، نفرتوں کے لٹق و دق دشت میں چاہتوں کی جھلملاتی نیلمی رُتوں، آتش و آہن کے سیلاب میں سمندر کی کشادہ پیشانیوں اور حالات کے بدترین کھر درے ماحول میں صداقت کی دھاڑتی حقیقتوں جیسا ہے۔“

کاش! میں اُسے کبھی یہ بتا سکتی کہ وہ میری روح کی سردتہوں نے آشنا میرے دل کے گہرے سناٹوں میں چاند کی روشنی اور پیاناہ مشیت سے وابستہ میرے قیام و قعود، میرے جذبوں کے صعود و نزول میں خوشبو کی طرح بستا ہے۔ میرے اظہار کی دستک میں وہ زندگی کی شمر آور خواہشوں جیسا ہے۔ میرے لئے وہ بے سراغ صدیوں کا سراغ، کرب کے طوفانوں میں فیضانِ سردی، وحشت بدوش عناصر میں بے لوث ریاضت و سعی کا چراغ ہے۔

ابنِ ادریس! جس نوجوان کو میں نے اپنی زندگی کا ہاتھی بنانے کا فیصلہ کیا ہے، جسے میں اپنی منزلوں کا نشان بنا چکی ہوں، وہ ایسا نوجوان ہے جو تعمیر کے گلدانوں میں خار بونے والے کھلیانوں میں قحط کے ڈھیر لگانے والوں اور ملت کے نشیمن پر بجلیاں گرانے والوں کے خلاف ستم کی آگ کی طرح نزول کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کی خوشیوں کو آہوں میں بدل سکتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رواندہ رکی، پھر ہلکی ہلکی مسکراہٹ، میٹھی میٹھی نگاہوں سے زکریا بن اور یس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”جس شخصیت کو میں نے چاہا ہے، جس سے میں نے محبت کی ہے، جسے میں نے اپنا سب کچھ بنایا ہے کیا اس سے متعلق اتنا ہی تعارف کافی ہے یا کچھ اور بھی کہوں؟“
 زکریا بن اور یس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں کان پکڑ لئے، پھر

مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میری توبہ جو میں کچھ کہوں۔ رواندہ! جس نوجوان کو ٹونے اپنی زندگی کا ساتھی، اپنی چاہت اور محبت کا مرکز بنایا ہے وہ تو میری سوچوں سے بھی کئی ہزار میل آگے ہے۔ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ساتھ ہی میں یہ سوچ کر بھی حیران اور پریشان ہوں کہ جس شخص کو تم نے چاہا ہے اس سے متعلق تم ایسے خوشگوار اور اونچے الفاظ بھی استعمال کر سکتی ہو۔“

جس وقت زکریا بن ادریس نے اپنے دونوں کان پکڑے تھے، اس وقت رواندہ کھٹکھٹلا کر ہنس دی تھی۔ زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب دوبارہ غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے شیریں اور مٹھاس بھری آواز میں رواندہ نے پھر پوچھ لیا۔

”کیا آپ مجھ سے اس نوجوان کا نام نہیں پوچھیں گے جسے میں نے پسند کیا اور چاہا ہے؟“

زکریا بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔ ”دیکھو رواندہ! پوچھ کر میں کیا کروں گا؟ جس شخص کو تم نے چاہا ہے وہ تمہیں مبارک ہو۔ لیکن وہ میری سوچوں سے بہت آگے، میری اُمیدوں سے بہت باہر ہے۔ لہذا میں اس کا نام پوچھ کر کیا کروں گا؟“

رواندہ نے پھر پہلے جیسے انداز میں زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”آپ کو اس کا نام ضرور پوچھنا چاہئے۔ اگر آپ نہیں پوچھتے تو میں خود بتائے دیتی ہوں۔ جس نوجوان سے میں نے محبت کی ہے، جسے میں نے چاہا ہے، جس کی محبت کو میں نے اپنے دل میں جگہ دی ہے، جس کی چاہت کے مرکز کو میں اپنی زندگی کا محور بنا چکی ہوں، اس نوجوان کا نام زکریا بن ادریس ہے۔“

جواب میں زکریا بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”اللہ رے! کیا خوش کلامی ہے؟ کہاں محترم انیتش کی بیٹی رواندہ اور کہاں میں زکریا بن ادریس۔ اس لئے کہ.....“

رواندہ نے فوراً زکریا بن ادریس کی بات کاٹ دی، احتجاج بھرے انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اب آپ یہ نہ کہئے گا کہ رواندہ کا باپ اشبیلیہ کا ایک تاجر ہے، صاحب ثروت ہے۔ آپ یہ بھی نہ کہئے گا کہ رواندہ کے باپ کے پاس ایک بہت بڑی حویلی ہے، جبکہ رواندہ کے مقابلے میں زکریا بن ادریس کے پاس کچھ نہیں۔ وہ عمر بن سرج کی سرانے

کے ایک کمرے میں رہتا ہے اور رواندہ کو بیوی کی حیثیت سے ساتھ رکھنے کے لئے اس کے پاس کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔ مجھے ان چیزوں سے کوئی غرض و غایت نہیں ہے۔ میں نے آپ کی ذات سے محبت کی ہے۔ میں نے کسی اثاثے، کسی پونجی کو تو نہیں چاہا۔ آخر آپ بھی تو کہیں رہ کر اپنی زندگی کے دن گزاریں گے۔ کہیں آپ بھی تو اپنے روز و شب بسر کریں گے۔ جہاں آپ رہیں گے، کیا وہاں رواندہ نہیں رہ سکتی؟ جہاں آپ قیام کریں گے، جس جگہ کو آپ ٹھکانہ بنائیں گے، کیا آپ کی بیوی کی حیثیت سے وہاں رواندہ کے لئے رہنا ممنوع ہوگا؟ زکریا بن ادریس! میں کھل کر آپ پر یہ انکشاف کر دوں کہ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو دولت و ثروت کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ اگر میں نے ایسا کرنا ہوتا تو افونش کے حرم کا رخ کرتی۔ اگر میں نے ایسی خواہشوں کو اپنانا ہوتا تو اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر کے بیٹے قیطان کے رشتہ سے انکار نہ کرتی۔ مجھے نہ دولت چاہئے اور نہ ہی زر کی ہوس ہے۔ مجھے صرف زکریا بن ادریس چاہئے۔ اس لئے کہ زکریا بن ادریس ہی وہ نوجوان ہے جسے میں اپنی زندگی کا ساتھی اور اپنی محبت کا محور بنا چکی ہوں۔ بس اس سے زائد میں آپ سے کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ اس موقع پر میں آپ پر یہ بھی واضح کر دوں کہ اگر آپ مجھے اشبیلیہ شہر کے اندر یا اس کے نواح میں کہیں بھی خس کا جھونپڑہ بھی بنا کر دے دیں گے اور خس کے اس جھونپڑے میں اگر آپ میرے ساتھ رہیں گے تو میں اس جھونپڑے کو ہی اشبیلیہ کا قصر جان کر وہاں زندگی کے دن خوش باش گزار دوں گی۔“

رواندہ کے ان الفاظ کے جواب میں زکریا بن ادریس سنجیدہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، پھر رواندہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”رواندہ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنے بڑے جہان میں میرا انتخاب کرو گی۔ رواندہ! جس وقت تم نے افونش کے علاقوں سے اشبیلیہ تک میرے ساتھ سفر کیا تھا، میں نے تمہاری حفاظت ایک مقدس امانت جان کر کی تھی۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کی حامی بھروں گا۔ اس سے پہلے قیطان بن ابوبکر نے بھی سرائے میں مجھ پر انکشاف کیا کہ رواندہ تمہیں چاہتی اور پسند کرتی ہے لیکن میں نے اس کے خیالات کو ٹھکرا دیا تھا۔ میں نے اپنے دل میں یہ بات بٹھالی تھی کہ شاید محترم انیس نے قیطان کو رشتہ نہ دینے کے لئے یہ ایک وجہ اور علت بتالی ہو کہ رواندہ

زکریا بن ادریس کو پسند کرتی ہے۔ اب جبکہ تم نے اپنی محبت اور چاہت کے پھول مجھ پر
نچھاور کئے ہیں تو رواندہ! میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ وقت کے منجد ہار میں، میں
تمہیں اپنی زندگی کی سب سے قیمتی متاع جان کر تمہاری حفاظت کروں گا، تمہارے
جذبات، تمہارے احساسات، تمہاری محبت، تمہاری چاہت کی قدر کروں گا۔“

زکریا بن ادریس کے ان الفاظ کے جواب میں رواندہ کے چہرے پر ایسی خوشیاں
بکھری تھیں جو بے نظیر اور بے مثال کہی جاسکتی تھیں۔ پھر وہ اُچھلنے کے انداز میں اپنی
جگہ پر اٹھی، بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹی، اس کے ساتھ انیتش اور
اموسیہ دونوں تھے اور دونوں مسکراتے ہوئے آرہے تھے۔ اموسیہ رواندہ کے پہلو میں
بیٹھ گئی جبکہ انیتش زکریا بن ادریس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ گفتگو کا آغاز انیتش نے کیا اور
زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! رواندہ میرے اور اپنی ماں کے سامنے پہلے ہی انکشاف کر چکی تھی کہ وہ
تمہیں چاہتی ہے۔ ہم اسے اس کی پسند کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ اسی سلسلے میں،
میں تمہیں بلانے سرائے میں گیا تھا۔ لیکن اُس وقت تم سرقسطہ جا چکے تھے۔ بیٹے! آج
بھی میں تمہاری طرف گیا اور تمہیں گھر آنے کے لئے کہا۔ میں تم سے نہ کوئی چیز
چھپاؤں گا اور نہ ہی جھوٹ بولوں گا۔ اس لئے کہ اب تم اس گھر کے ایک فرد ہو۔ جانے
سے پہلے میں اور میری بیوی اموسیہ نے یہ منصوبہ بندی کی تھی کہ جب زکریا بن ادریس
یہاں آئے گا تو میں اور اموسیہ دونوں تم دونوں کو علیحدگی میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کا موقع
فراہم کریں گے تاکہ تم دونوں ایک دوسرے کے دل کا حال جان سکو۔ میں اور میری
بیوی اموسیہ بے حد خوش ہیں کہ تم دونوں نے اپنی محبت اور اپنی چاہت کا معاملہ طے کر
لیا ہے۔ بیٹے! میری بات غور سے سنا۔ آج سے میری بیٹی رواندہ تمہاری امانت ہے۔
جب بھی تم اسے لے جانا چاہو گے، ہم انکار نہیں کریں گے۔ جب تک تم دونوں کی
شادی کا اہتمام نہیں کیا جاتا، میں اور اموسیہ یہ بھی چاہیں گے کہ تم دونوں کی منگنی کا
اہتمام کر دیا جائے تاکہ رات اور دن کے کسی بھی حصہ میں اگر تم دونوں ملنا چاہو تو تم پر
کوئی پابندی نہ رہے۔ بیٹا! یہ گھر تمہارا ہے۔ اب مجھے تمہیں یہاں لانے کے لئے
پھر تمہارے پاس جا کر بلانا نہ پڑے۔ میرے بیٹے! جہاں تمہاری ذات رواندہ کے لئے
خواہشوں کا مرکز ہے وہاں اب رواندہ تمہارے لئے چاہتوں کا محور ہے۔ لہذا تم دونوں

جب اور جس وقت چاہوں سکتے ہو۔ میری اور اموسیہ کی طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے۔ بیٹے! اپنے ذہن میں کبھی یہ بات بھی نہ لانا کہ رواندہ کو رکھنے کے لئے تمہارے پاس کوئی ٹھکانہ اور رہائش نہیں ہے۔ بچے! کیا تم یہ نہیں سوچتے ہو کہ ہماری ایک ہی بیٹی ہے۔ میرا تاجر خانہ، میری یہ حویلی کس کے لئے ہے؟ رواندہ کے لئے ہے۔ جب رواندہ تمہاری ہے تو میرے بچے! اس کی ذات سے وابستہ ہر شے تمہاری ہے۔ لہذا آئندہ کے بعد کبھی تم یہ نہیں کہو گے کہ تمہارا کوئی ٹھکانہ، تمہاری کوئی رہائش نہیں ہے۔ اب تم رواندہ کے منسوب ہو اور جو کچھ رواندہ کے پاس ہے وہ تمہارا ہے۔

بیٹے! میں جانتا ہوں چند دن تک شاید تم لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ اس لئے کہ جس وقت میں پڑاؤ میں تم سے ملنے گیا تھا، وہاں مجھے یہ بھی خبریں ملی تھیں کہ چند روز تک امیر یوسف بن تاشفین اپنے لشکر کو لے کر طلیطلہ کا رخ کریں گے۔ ظاہر ہے لشکر میں تم بھی کوچ کرو گے۔ اس لئے کہ امیر یوسف بن تاشفین اگر تمہیں اپنے لشکر میں شامل نہ بھی کرتے، تمہیں اپنا بیٹا نہ بھی بناتے تب بھی معتمد کے ایک چوٹی کے سالار کی حیثیت سے تمہیں اس جنگ میں حصہ لینا پڑتا۔ بیٹے! ان جنگوں کے دوران جب کبھی بھی موقع ملے، جب بھی تم اشبیلیہ آؤ تو سیدھے اس گھر میں آنا۔ یہ گھر اب تمہارا اپنا ہے۔ اس میں کئی کمرے خالی پڑے ہیں جو شاید تمہارے ہی قیام کے منتظر ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم ہمیں مایوس نہیں کرو گے۔“

اس کے ساتھ ہی اموسیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کہنے لگی۔

”باتیں ختم کیجئے۔ رواندہ! چلو کھانا لگاتے ہیں اور سب مل کر کھاتے ہیں۔“

انیتش نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر اموسیہ اور رواندہ باہر نکل گئی تھیں۔ دونوں نے مل کر دیوان خانہ میں ہی کھانے کے برتن لگائے۔ پھر وہ چاروں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔





اشبیلیہ کے نواح میں امیر یوسف بن تاشفین کا نامور سالار داؤد بن عائشہ، زکریا بن ادریس، غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم چاروں اکٹھے بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک زکریا بن ادریس نے گفتگو کا موضوع بدلا اور داؤد بن عائشہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن عائشہ! میرے بھائی! کیا ایسا ممکن نہیں کہ تم ہمیں افریقہ کے موجودہ اور پرانے قدیم حالات سناؤ۔ رات کے پچھلے حصہ میں چونکہ لشکر نے طلیطلہ کی طرف کوچ کرنا ہے، اس طرح ہمارا وقت اچھا گزر جائے گا۔“

جواب میں داؤد بن عائشہ مسکرایا، پھر زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میرے عزیز بھائی! میں تمہارے کہنے کو کیسے ٹال سکتا ہوں؟ افریقہ کے حالات میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں۔“

افریقہ کی سرزمین پر ایک نظر ڈالیں تو اس کا بیشتر بالائی حصہ کف دست کی مانند دکھائی دے گا۔ البتہ اس کے کنارے ہر طرف دریاؤں اور شہروں وغیرہ کی علامات نمودار ہیں، جیسے ایک سفید کپڑے کے گرد سیاہ سجاوٹ لگی ہو۔

یہ کف دست میدان ہی افریقہ کا وہ ہولناک صحرائے اعظم ہے جو لاکھوں مربع میل پر محیط ہے اور جس میں حد نظر تک ریت یا سراب کے سوا کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ اسی صحرائے اعظم کے عین شمال میں شرقاً غرباً وہ سرزمین واقع ہے جسے بلاد بربر یا بربرستان کہا جاتا ہے۔ بلاد بربر کے جنوب مغرب یا کسی قدر مشرقی حد پر اگر ریگ رواں کا بحرِ ذخار موجیں مارتا ہے تو اس کے شمال میں بحیرہ روم اور بحیرہ اوقیانوس کا نیلگوں پانی لہریں مارتا ہے۔

مقامی عربوں نے افریقہ کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ پہلے حصہ کو افریقہ کہتے ہیں۔ اس کا نام مغرب ادنیٰ بھی ہے۔ اس کا دار الحکومت قیروان ہے۔ اس کو ادنیٰ کا نام اس لئے دیا گیا کہ یہ علاقہ بلادِ عرب اور دار الخلافتِ عظمیٰ سے قریب تر ہے۔

دوسرے حصہ کو المغرب الاوسط کا نام دیا گیا ہے۔ اس کا مرکز حکومت تلمسان شہر ہے اور بنی مسگناں یا مسگنا کے جزائر اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

تیسرے حصہ کو مغربِ اقصیٰ کہا جاتا ہے۔ اس کا دار الحکومت مراکش شہر ہے اور اس کو اقصیٰ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں کے دار الحکومت دمشق یا بغداد سے بہت دور ہے۔

افریقہ فی الحقیقت بربرستان کے مشرقی حصہ کا نام ہے۔ یہ نام سب سے پہلے رومنوں نے اس علاقے کو دیا جس میں انہوں نے قرطاجنہ شہر کی تباہی کے بعد اپنی مسند اقتدار بچھائی۔ بعد ازاں اس نام کا اطلاق پوری افریقی سرزمین پر ہونے لگا۔

میرے عزیز بھائیو! افریقہ میں قدیم زمانے سے ایک قوم بربر کے نام سے آباد تھی۔ اس قوم کے بے شمار قبائل اور گروہ ہیں جن میں صنہاجہ، قطامہ، مسمودہ، حوارہ اور زناہ کے قبائل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ لوگ شمالی افریقہ میں کہاں سے آئے اور کس زمانے میں آئے، اس کے بارے میں مورخین میں تھوڑا بہت اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ آج سے تین ہزار سال قبل براعظمِ یورپ سے وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ یہ خیال بالکل غلط اور قطعی بے بنیاد ہے۔ جبکہ دوسرے مورخین جن میں عرب اور غیر ممالک کے مورخین بھی شامل ہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ یہ لوگ سامی عرب تھے اور زمانہ تاریخ سے قبل مصر کے راستے شمالی افریقہ پہنچے تھے۔

بہر حال بربر جب پہلے پہلے شمالی افریقہ میں آباد ہوئے تو اس وقت موجودہ ممالکِ بربر کی حدود کا نام و نشان تک نہ تھا۔ کبھی یہ لوگ ایک وحدت میں منسلک ہو جاتے، کبھی مختلف ملکوں کی صورت میں جن کی حدود بدلتی رہتی تھی۔

شروع شروع میں یہ لوگ سیدھے سادھے کسان تھے۔ ان کا رنگ گورا تھا اور آنکھیں نیلی۔ آج کل بھی بلادِ مغرب میں بربری نسل کے لوگوں ہی کو فوقیت حاصل ہے۔ گو وہ اسلام کے عالمگیر رشتے میں منسلک ہو کر اب عمومی طور پر عرب ہی کہلاتے ہیں۔

میرے عزیز ساتھیو! حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور سے 803 سال قبل ایک عرب قوم جسے فونیکی یا کنعانی کہا جاتا ہے، شمالی افریقہ میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوئی۔ ان کا مرکز حکومت افریقہ میں قرطاجنہ تھا جس کے معنی نیا شہر ہیں۔ یہ فونیقی یا کنعانی دور قدیم کی نہایت عظیم الشان قوموں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ لوگ بحیرہ روم اور جبل لبنان کے درمیان ایک خوش منظر اور شاداب علاقے میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ بنیادی طور پر عرب تھے۔ بڑے جنگجو اور ذہین تھے۔ ان کی شاندار تاریخ کا آغاز دو ہزار چار سو قبل مسیح سے ہوا۔ انہوں نے کشتی اور بڑے بڑے بادبانی جہاز بنائے۔ بحیرہ روم، بحیرہ قلزم، بحیرہ اوقیانوس کے ساحلوں، جزیروں پر اپنی نوآبادیاں قائم کر کے صنعت و حرفت، تجارت و تمدن اور علوم قدیمہ میں اتنی ترقی کی کہ قدیم رومن سلطنت کی عظمت و شوکت بھی ان کے سامنے ماند پڑ گئی۔

انہی کنعانیوں نے سب سے پہلے شہر صیدا کو اپنا مرکز حکومت بنایا اور پھر 1300 قبل مسیح میں صیدا کی جگہ صور شہر نے لے لی اور وہ صدیوں تک کنعانیوں کی قوت و شوکت کا مرکز رہا۔ یہاں تک کہ انہی کنعانیوں یعنی فونیقیوں کا مرکز اقتدار صیدا اور صور سے افریقہ میں ان کے نئے تعمیر کردہ شہر قرطاجنہ میں منتقل ہو گیا۔

یہ کنعانی اور فونیقی بت پرست تھے۔ پتھر اور پیتل کے مجسمے بنا کر انہیں پوجتے تھے۔ ان کے سب سے بڑے دیوتا کا نام بعل تھا اور سب سے بڑی دیوی کا نام ایشٹار تھا۔ کچھ لوگ افریقہ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ درختوں کو بھی پوجتے تھے۔ یہ اصلی درخت ہوتے تھے یا پیتل کے مخروطی شکل کے ستون ہوا کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے مردوں کو دفن کیا کرتے تھے اور اپنے مردوں کے ساتھ بعل اور ایشٹار دیوتا کے بتوں کے علاوہ چراغ، گلدان اور عطر کی شیشیاں اور زیورات بھی رکھ دیا کرتے تھے۔

ان کنعانیوں کو پیتل، چاندی، سونے اور مٹی کے برتن بنانے میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ ان ظروف پر وہ نہایت نفیس نقاشی اور ملمع کاری کرتے تھے۔ اسی طرح وہ نہایت عمدہ زیورات، طلائی گلوبند، بازو بند بناتے تھے۔ پتھروں پر تصویریں بنانے میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے جن صنعتوں میں کمال حاصل کیا، ان میں زیادہ اہم کپڑا کاتنا و بننا اور رنگنا، صاف و شفاف شیشہ اور اس سے مختلف قسم کے ظروف اور آلات تیار کرنا، اونی کپڑے پر زرروزی کا کام کرنا، کشتیاں اور بادبانی

جہاز تیار کرنا تھا۔

یہ کنعانی اچھے کاریگر ہی نہیں بلکہ نہایت اچھے کسان، باغبان اور تاجر بھی تھے۔ اپنے باغوں اور زمینوں سے گندم اور زیتون اور شراب بڑی کثرت سے حاصل کرتے تھے۔ اس دور کے تمام متمدن ممالک سے تجارت کرتے۔ وہ عرب سے بخور، مرمر اور عقیق اور ہندوستان سے دار چینی، مرچیں، ہاتھی دانت اور خوشبودار لکڑیاں، حبشہ سے آبنوس اور شتر مرغ کے پر، مصر سے رُوئی کے کپڑے، شام اور عراق وغیرہ سے پشمینے، قالین، کھجوریں اور بابل کا گیہوں اور شمال کی طرف سے آرمینیا کے گھوڑے، خچر اور تانبے کے آلات منگواتے تھے۔ بحیرہ اسود کے ساحلوں سے وہ غلام خرید کر لاتے اور دوسرے ملکوں کو پیشے اور مختلف دھاتوں کے آلات اور ظروف، رنگین کپڑے، جواہرات، زیتون، روغنیاں اور شراب وغیرہ برآمد کر دیا کرتے تھے۔

ان فونیقیوں نے ایک خاص رسم الخط بھی ایجاد کیا جس میں بائیس حروف تھے۔ ان میں سے ہر حرف ایک خاص آواز دیتا تھا۔ ان سب کو وہ سیدھی سے الٹی طرف کو لکھتے تھے۔ انہی فونیقیوں نے جب افریقہ میں قرطاجنہ نام کا شہر آباد کیا تو اس شہر کی شان و شوکت، عظمت و جبروت اور ہیبت و جلال کا حال چاروں طرف پھیل گیا۔ اس کا اثر و اقتدار تمام افریقہ، اسپین، مالٹا، سارڈینیا، قبرص اور روڈس وغیرہ تک پھیلتا چلا گیا۔ افریقہ میں ان کنعانیوں کا اقتدار اور ان کا اقبال آفتاب لگ بھگ 600 سال تک نصف النہار پر رہا۔ اس کے بعد وہ رومنوں کی عظیم سلطنت سے لڑائیوں کے ایک طویل سلسلے میں الجھ گئے۔ ان دونوں زبردست قوتوں کی کشمکش کا زمانہ تقریباً ایک سو سال پر محیط تھا۔ ان لڑائیوں کا نتیجہ اہل روما کی فتح کی صورت میں نکلا جنہوں نے دولت قرطاجنہ کے کھنڈرات پر اپنا عظیم الشان قصر اقتدار تعمیر کرایا۔

پانچویں صدی عیسوی میں ایک وندال نام کی وحشی قوم افریقہ میں داخل ہو گئی۔ افریقہ پر ایک پُر زور حملہ کر کے وہاں سے رومن اقتدار کا جنازہ نکال دیا اور تقریباً ایک صدی تک یہ وحشی قوم افریقہ میں حکمرانی کرتی رہی۔ چھٹی صدی عیسوی میں رومنوں کا ستارہ اقبال ایک بار پھر چمکا۔ انہوں نے وندالوں کو شمالی افریقہ سے نکال کر وہاں ازسرنو اپنی سلطنت بحال کر لی اور حسب سابق پھر بڑی شان و شوکت سے حکومت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اسلام کا جو ظہور ہوا اور مجاہدین اسلام کی یلغار کے سامنے بڑی بڑی

باجروت سلطنتوں کے پرچم اقبال سرنگوں ہو گئے۔ یہی حال رومنوں کا بھی ہوا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں انہیں پے درپے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا اور افریقہ میں رومنوں کی جگہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

آج کل افریقہ کی وسیع سلطنت کے حکمران ہمارے امیر یوسف بن تاشفین ہیں۔ مرکزی شہر مراکش ہے۔ افریقہ کے سارے ہی لوگ ان کی بڑی عزت اور بڑا احترام کرتے ہیں اور ان کے ایک اشارے پر مرٹنے کو تیار رہتے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد داؤد بن عائشہ خاموش ہو گیا۔ پھر زکریا بن ادریس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! آؤ تھوڑی دیر سٹالیں۔ اس کے بعد لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔“

تینوں نے داؤد بن عائشہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہذا ایک ہی خیمے میں وہ آرام کرنے لگے۔ اسی روز رات کے پچھلے حصہ میں لشکر نے اشبیلیہ کے نواح سے طلیطلہ کا رخ کیا تھا تا کہ افونش پر ضرب لگائی جاسکے۔





امیر یوسف بن تاشفین بارہ ہزار پر مشتمل ایک مختصر سا لشکر لے کر افریقہ سے اُندلس کی طرف روانہ ہوا تھا۔ چونکہ اس نے جزیرۃ الخضراء کو اپنا مرکزی پڑاؤ یا اپنا مرکز و محور بنایا تھا، وہاں اس نے کافی سامان رکھا اور لشکر کا ایک حصہ بھی وہاں متعین کیا۔ باقی لشکر کو لے کر وہ ہسپانیہ میں داخل ہوا تھا۔

اشبیلیہ شہر کے نواح میں اُندلس کے چھوٹے چھوٹے مختلف حکمرانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکر بھی امیر یوسف بن تاشفین سے آ ملے تھے۔ جہاں اشبیلیہ کے حکمران معتمد نے امیر یوسف بن تاشفین کا بہترین انداز میں استقبال کیا، وہاں وہ اپنے پورے لشکر کے ساتھ بذاتِ خود بھی امیر کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا۔ باقی چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے بھی مختصر سے لشکر بھجوائے۔ اس طرح اُندلس میں امیر یوسف بن تاشفین کے لشکر کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

دوسری طرف افونش کو جب خبر ہوئی کہ امیر یوسف بن تاشفین افریقہ سے نکل کر اس پر ضرب لگانے کے لئے اُندلس میں داخل ہو چکا ہے تو اس نے طلیطلہ شہر میں امیر یوسف بن تاشفین کا مقابلہ کرنے کے لئے زور و شور سے اپنی جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ گو جس وقت امیر یوسف بن تاشفین ہسپانیہ میں داخل ہوا اس وقت افونش نے اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے شہر سرقسطہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ جب امیر کے آنے کی اسے خبر ہوئی تو اپنی طاقت کو یکجا کرنے کے لئے اس نے یہ محاصرہ اٹھا لیا اور طلیطلہ کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے ادھر ادھر بکھرے ہوئے لشکریوں کو بھی طلب کر لیا۔ اس طرح کہتے ہیں کہ افونش کے پاس اسی ہزار جنگجوؤں پر

مشتمل ایک جزار لشکر تیار ہو گیا تھا۔

جب یہ لشکر طلیطلہ میں بالکل مستعد ہوا اور کوچ کرنے کے لئے تیار ہو گیا تب افونش نے اپنے بیٹے برگنزا، اپنی بیٹی مغریطہ اور دیگر تمام سالاروں کے ساتھ لشکر کا جائزہ لیا۔ لشکر کی تعداد اور اُسے کیل کانٹے سے لیس دیکھ کر افونش کا دماغ خراب ہو گیا لہذا اپنے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے تکبر اور گھمنڈ میں کہنے لگا۔

”اس لشکر کے ساتھ تو میں محمد (ﷺ) کے خدا کو بھی شکست دے سکتا ہوں۔“

(نعوذ باللہ)

طلیطلہ شہر سے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کرنے سے قبل بد بخت افونش نے ایک خط امیر یوسف بن تاشفین کے نام بھیجا جس میں اس نے اپنے لشکر اور سامانِ حرب کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین کو نہ صرف دھمکیاں بلکہ گالیاں بھی دیں۔ امیر نے جواب میں کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا۔ جو خط افونش نے امیر یوسف بن تاشفین کے نام لکھا تھا، اس خط کی پشت پر امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے ہاتھ سے یہ جملہ لکھ دیا تھا:

”جو زندہ بچے گا وہ خود دیکھ لے گا کیا پیش آیا۔“

اس کے بعد مورخین کے بقول امیر یوسف بن تاشفین نے حجت تمام کرنے کے لئے ایک خط الفانسو کو لکھا جس میں اس کو اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے کی دعوت دی۔ یہ بھی لکھا کہ اگر ان میں سے کوئی چیز اس کو قبول نہ ہو تو پھر وہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔

اس خط کے جواب میں الفانسو نے پھر امیر یوسف بن تاشفین کو پیغام بھجوایا۔

”میرے پاس ایسا زبردست لشکر ہے جو تمہیں تباہ کر دے گا۔“

اس خط و کتابت کے بعد امیر یوسف بن تاشفین اپنے لشکر کے ساتھ طلیطلہ کی طرف بڑھا تھا۔ چنانچہ جوابی کارروائی کرنے کی خاطر الفانسو بھی اپنا جزار لشکر لے کر طلیطلہ سے روانہ ہوا تھا۔ دونوں لشکر مغربی اُندلس کے مشہور شہر بطلیوس سے 12 میل کے فاصلے پر ذلاقہ (ساگری لیاں) کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔

اُس زمانے کا دستور تھا کہ دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے پہلے انفرادی مقابلے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی روایت چلی آ رہی تھی کہ دونوں لشکر باہم مشورہ کرنے

کے بعد لڑائی کا دن بھی مقرر کر لیتے تھے۔ چنانچہ جب ذلّٰقہ کے میدانوں میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو افونش کو یقین تھا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں فتح اسی کی ہوگی۔ اس لئے کہ ایک تو اس کے پاس مسلمانوں سے چار گنا بڑا لشکر تھا۔ اس کے علاوہ تاریخ کے اوراق میں شہرت حاصل کرنے والے کشتالی شاہسوار السرد پٹیر بھی اُن گنت جنگجو دستوں کے ساتھ افونش کی مدد کے لئے پہنچ گیا تھا۔ اس کے علاوہ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ کچھ فرانسیسی دستے بھی اس موقع پر افونش کی مدد کے لئے آ گئے تھے۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے تب افونش کے لشکر سے ایک شاہسوار نکلا۔ وہ سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا۔ سیاہ رنگ ہی کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھا، سر پر خود چمک رہا تھا، چہرے پر اس نے سیاہ نقاب ڈالا ہوا تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں آ کر اس نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی اور انفرادی مقابلے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے اپنا مد مقابل مانگا۔

اس موقع پر داؤد بن عائشہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اس جگہ آیا جہاں امیر یوسف بن تاشفین کھڑا تھا اور انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اترنے کی اجازت طلب کی۔

اُس کی اس طلب پر امیر یوسف بن تاشفین نے ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا کہ ایک طرف سے زکریا بن ادریس، غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم بھی اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے آ گئے۔ آتے ہی زکریا بن ادریس نے انفرادی مقابلہ کے لئے یوسف بن تاشفین سے اجازت طلب کی۔

اس موقع پر امیر نے لحو بھر کے لئے مسکراتے ہوئے باری باری داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”ابن ادریس! تمہاری آمد سے پہلے میرا سالار داؤد بن عائشہ انفرادی مقابلے کی اجازت طلب کر چکا ہے۔“

اس پر زکریا بن ادریس اپنے گھوڑے کو مزید آگے بڑھا کر امیر یوسف بن تاشفین کے قریب گیا، پھر کہنے لگا۔

”امیر! گو داؤد بن عائشہ اب میرا بھائی ہے لیکن فی الحال یہ ان سرزمینوں میں ہمارا

مہمان بھی ہے۔ کیا یہ بات ہمارے لئے باعثِ شرم اور عار نہ ہوگی کہ انفرادی مقابلے کے لئے ہم نہ نکلیں اور افریقہ سے آنے والا ہمارا مہمان بھائی اس انفرادی مقابلے کے لئے نکلے۔ امیر! میری التجا کو رد نہ کیجئے گا۔ میں آپ سے گزارش کرتا ہوں، انفرادی مقابلہ کے لئے مجھے اترنے کی اجازت دی جائے۔“

اس موقع پر امیر یوسف بن تاشفین نے لمحہ بھر کے لئے ذومعنی انداز میں داؤد بن عائشہ کی طرف دیکھا، پھر زکریا بن ادریس کو انفرادی مقابلہ کرنے کی اجازت دے دی۔ جواب میں زکریا بن ادریس نے امیر یوسف بن تاشفین کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ دونوں لشکروں کے درمیانی حصہ کی طرف بڑھا تھا، جہاں مقابلے کے لئے اترنے والا انفونش کا سالار اپنے سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔

زکریا بن ادریس جب اس جنگجو کے سامنے گیا تب اس نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ اس کے چہرے پر زخموں کے کئی نشان تھے۔ اپنی شکل و صورت سے بھیانک انسان لگتا تھا۔ زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

”کیا تمہارے لشکر میں مجھ جیسا کوئی گھاگ اور تجربہ کار سوار نہ تھا جو یوسف بن تاشفین نے تم جیسے کم عمر کو قربانی کا بکرا بنانے کے لئے انفرادی مقابلے کے لئے اتار دیا ہے؟“

زکریا بن ادریس نے اپنے ہاتھوں میں اپنی تلوار اور ڈھال لہراتے ہوئے کہا۔
”دیکھ بد بخت انسان! یہ تو وقت بتائے گا قربانی کا بکرا تو بنتا ہے یا میں؟ ویسے قربانی کا بکرا بننے کے لئے تیری طرف سے اشارے زیادہ ملتے ہیں۔“
وہ جنگجو چونکا اور کہنے لگا۔

”یہ تم نے کیسے کہا؟“

”یہ میں نے اس لئے کہا کہ تم نے سیاہ لباس پہن رکھا ہے جو سوگ کی نشانی ہے۔ لہذا تم پہلے ہی اپنے آپ کو سوگ میں ملبوس کر کے آئے ہو۔“

اس پر اس جنگجو نے ایک قہقہہ لگایا، کہنے لگا۔

”تم نے کشتالیہ کے نامور سالار اور جنگجو السرڈ پیٹر کا نام سن رکھا ہوگا۔ اُسے آج تک کسی نے شکست نہیں دی۔ میں اُس کا بھائی ہوں، میرا نام سیموئیل ہے اور اس میدان سے تو واپس نہیں جاسکے گا۔“

جواب میں ہلکا سا تبسم زکریا بن ادریس کے چہرے پر نمودار ہوا، کہنے لگا۔
 ”سنِ تمرد اور گھمنڈ میں پرورش پانے والے! اگر تو کشتالیہ کے ناقابلِ تسخیر السرد
 پیٹر کا بھائی ہے تو مجھے اس سے کیا غرض و غایت؟ ہاں! اگر تو یہ بتانا چاہتا ہے کہ تیری
 شکست کے بعد تیرا بھائی اس انفرادی مقابلے کے لئے اترے گا تو میں اُس کے ساتھ
 بھی انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔“
 سموئیل تاؤ کھا گیا، بھڑکتے لہجے میں کہنے لگا۔

”تیری ایسی تھیسی۔ اس انفرادی مقابلے کے دوران تو میں تیرے دل میں تجسس،
 تیری روح میں تحیر، تیری آنکھوں میں حیرت، تیرے ذہن پر کرب طاری کر کے رکھ
 دوں گا..... میں تو اس وقت سے ڈرتا ہوں جب اس انفرادی مقابلے کے دوران
 میرے ہاتھوں تیری زندگی کا سازِ حیات ٹوٹ جائے گا، تیرا مصافِ زندگی تمام ہوگا۔
 سن! جب میں ہواؤں کے تند بگولوں، زمین بوس کرتی کرب خیزیوں کی طرح تم پر حملہ
 آور ہوں گا تو تیرے دامن، تیری جھولی میں اُمید کی کوئی کرن نہیں رہنے دوں گا۔“
 یہاں تک کہنے کے بعد سموئیل جب خاموش ہوا تب خفگی اور غصہ کا اظہار کرتے
 ہوئے زکریا بن ادریس کہہ رہا تھا۔

”قسم مجھے اپنے اُس مقدس اور محترم رب کی جس نے میرے رسول (ﷺ) کو
 درسگاہِ جہاں کا معلم، خیر و مہز کی ضیاء، تابانی اور حکمت و ادراک کا گوہر بنا کر بھیجا، میں
 تیرے سامنے خام کارِ ثابت نہیں ہوں گا۔ قسم مجھے اپنے اُس واحد و حقیقی رب کی جو رحم
 مادر سے قبرستان کی تاریک سمتوں تک انسان کو سارے مراحل سے گزارتا ہے۔ تجھ جیسے
 خناس اور وسوسات کھڑے کرنے والے ابلیس گزیدہ انسان، خونی ہیکلوں سے نکلنے
 والے مجسمِ خباثت شیطان اور گناہوں کے نشیمن میں پرورش پانے والے مکروہ دل انسان
 میں نے بہت دیکھ رکھے ہیں۔ آ میرے ساتھ ٹکرا۔ تجھے المناک گھٹن میں مبتلا کر کے
 ذلت و پستی کا کفن نہ پہنا دوں تو کہتا۔ تیرے ذہن کی لو پر شکست کے نقوش رقم کر کے
 تجھے پابہ زنجیر اسیروں، اطاعت پیشہ غلاموں سا بنا کر نہ رکھوں تو کہتا۔ ہر قدم پر تیرے
 لئے اُلجھنیں کھڑی کر کے میں تیری حالت بوسیدہ ہڈیوں کے ویران قبرستانوں سے بھی
 اتر بنا کر رکھوں گا۔ سن سموئیل! یہ طلیطلہ کا قصر نہیں، موت کا میدان ہے۔ آ، میرے
 ساتھ ٹکرا۔ تیرے خدوخال کی رعنائی مٹا کر تیرے چہرے کو زرد، تیرے اعضاء کی

موزونیت کو بگاڑ کر تیرے جسم کو لاغر، تجھے لبوں کے نطق سے محروم کر کے تیرے لئے ہر قدم پر ٹھوکر، تیرے سارے گھمنڈ اور تمرد کو دھو کر تیرے دل کو افسردہ، تیری آنکھوں کو پرُرم نہ کر دوں تو کہنا۔“

زکریا بن ادریس کی اس گفتگو سے سیموئیل کچھ زیادہ ہی تاؤ کھا گیا تھا لہذا اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، پھر وہ زکریا بن ادریس پر سنگ در سنگ گردابوں کی یورش، ذرہ در ذرہ خونی موجوں کے خروش، دشت در دشت طلاطم اور طغیانی اور لمحہ بہ لمحہ خونی بھنور کھڑے کرتی رقص کناں گرنگی کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

زکریا بن ادریس نے بھی جوابی کارروائی کرنے میں تاخیر نہ کی۔ اپنے کام کی ابتداء کرتے ہوئے وہ بھی روجوں کو جرأت مندی کا آئینہ دکھاتے ہو لٹاک اور بے روک عناصر، ڈکھ کا میعاد بڑھاتے وقت کے سندیوں، تشنہ کامی کی روداد سنانی اُٹتی عقوبت خیزیوں اور رگ رگ سے خون چوس لینے والے عذابوں کے تیز دھاروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دونوں ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تھے۔ بار بار گھوڑوں کو دائیں بائیں کرتے، پینترے بدل رہے تھے۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے، کنوتیاں بڑی تیزی سے بدل رہے تھے، نتھنے پھڑ پھڑاتے ہوئے اپنے اپنے مالک کے اشاروں پر کام کر رہے تھے۔

کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ سیموئیل کا خیال تھا کہ شاید وہ تھوڑی ہی دیر میں زکریا بن ادریس کو زیر کر لے گا لیکن جب مقابلہ طول پکڑنے لگا تو سیموئیل کے چہرے پر کسی قدر تفکرات کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ایک دم اس نے گھوڑے کو پیچھے ہٹایا، ایک بار گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے الف کیا، اس کے بعد پھر نئے انداز میں زکریا بن ادریس پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھا۔ تھوڑی دیر تک دونوں مزید ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ اس ٹکراؤ کے دوران زکریا بن ادریس نے ہلکا سا ایک گھاؤ سیموئیل کے شانے پر لگا دیا تھا۔ گو سیموئیل مضبوط کڑیوں کی زرہ پہنے ہوئے تھا لیکن زکریا بن ادریس کی تلوار نے زرہ کو کاٹ کر اسے زخم دے دیا تھا۔ اس موقع پر زکریا بن ادریس مسکرایا اور سیموئیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”سیموئیل! تیری قبر کھودنے کے لئے میں نے کدال کی پہلی ضرب لگا دی ہے۔“

اب میں تیری موت کا بڑا در کھولوں گا۔“

زکریا بن ادریس کے ان الفاظ پر سمویل کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ ایک دم پیچھے ہٹا، گھوڑے کو ذرا فاصلے پر لے گیا۔ زکریا بن ادریس بھی شاید سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ ذرا فاصلے پر جا کر اس نے اپنے گھوڑے کو دوڑایا۔ شاید اس طرح زکریا بن ادریس سے ٹکرا کر وہ اس پر غالب آنا چاہتا تھا یا اسے گھوڑے سے گرا کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

جس وقت زکریا بن ادریس نے یہ صورت حال دیکھی، اس نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ دونوں آمنے سامنے گھوڑے بھگاتے ہوئے آئے۔ اس موقع پر سمویل نے اپنی تلوار کا ایک خطرناک وار زکریا بن ادریس پر کیا جو زکریا نے بڑی آسانی سے روک دیا۔ اپنے گھوڑے کو بھگاتا سمویل آگے نکل گیا تھا جبکہ زکریا بن ادریس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے اس کی رفتار کم کر دی تھی۔ تاہم وہ بھی آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔

اس موقع سے سمویل نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے جب دیکھا کہ زکریا بن ادریس ابھی تک آگے جا رہا ہے، اس نے ایک دم گھوڑے کو موڑا، زکریا بن ادریس کی پشت سمویل کی طرف تھی لہذا اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے سمویل نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ وہ چاہتا تھا کہ پشت کی جانب سے زکریا بن ادریس پر ضرب لگائے۔ جب وہ قریب گیا، پشت کی جانب سے اس نے تلوار بلند کر کے زکریا بن ادریس پر گرانا چاہی تو اپنے منہ کو مخالف سمت ہی رکھتے ہوئے زکریا بن ادریس نے ڈھال مار کر اس کی تلوار کو دور ہٹا دیا تھا۔ چونکہ زکریا بن ادریس ست رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا جبکہ پشت کی جانب سے سمویل گھوڑے کو بھگاتا ہوا آیا تھا، لہذا اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا سمویل ذرا آگے نکلا۔ تب زکریا بن ادریس آمدی اور طوفان کی طرح آیا، اپنے گھوڑے کے ساتھ بندھا ہوا نیزہ اس نے اٹھایا اور تاک کر کچھ اس انداز میں مارا کہ سمویل کے جسم پر چڑھی زرہ کو کاٹتا ہوا اس کے جسم کے پار ہو گیا تھا..... فضاؤں کے اندر ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی اور ساتھ ہی سمویل اپنے گھوڑے سے گر گیا تھا۔

افولش اس وقت اپنے بیٹے برگزرا کے علاوہ اپنے سالاروں میں سے السرڈ پیٹر،

لوکاس، اسپانہ، یورپس اور کچھ دیگر کے ساتھ اپنے لشکر کے سامنے کھڑا تھا۔ جس وقت زکریا بن ادریس نے سیموئیل کو اپنے سامنے زیر کر دیا اور سیموئیل گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا تب اس کے چھوٹے بھائی السرڈ پیٹر نے قہر بھرے انداز میں دونوں لشکروں کے وسط میں اپنے گھوڑے پر سوار زکریا بن ادریس کی طرف دیکھا پھر افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مسلمانوں کے اس سالار کا قتل مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔ اس نے میرے بھائی کو انفرادی مقابلے میں زیر کر کے موت کے گھاٹ اتارا ہے، اب یہ کہیں بھی چلا جائے، میں اسے قتل ضرور کروں گا۔ یہ سچ نہیں پائے گا۔“

یہاں تک کہتے کہتے السرڈ پیٹر کو رک جانا پڑا اس لئے کہ زکریا بن ادریس نے سیموئیل کا خاتمہ کرنے کے بعد اپنی تلوار فضا میں بلند کرتے ہوئے انفرادی مقابلے کے لئے افونش کے لشکر کو لکارا تھا۔

اس موقع پر السریڈ نے افونش کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی غصہ اور غضب ناکی میں کہا۔

”یہ شخص میرے بھائی کا خاتمہ کرنے کے بعد پھر انفرادی مقابلے کے لئے لکار رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں نہ نکلنا ہمارے پورے لشکر کی توہین ہے۔“

اس پر افونش السریڈ کے قریب آیا اور اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

”سنو! تمہارا بھائی سیموئیل یہ انفرادی مقابلہ ہار چکا ہے اور اس ہار کی وجہ سے ہمارے لشکر کی بد دل دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کے لشکر میں ایک نیا جذبہ اور جوش پھیل گیا ہے۔ اس وقت ہماری طرف سے کوئی بھی مزید انفرادی مقابلے کے لئے نہیں نکلے گا۔ مسلمانوں کا سالار گھوڑی دیر میدان میں کھڑا ہو کر خود ہی واپس چلا جائے گا اور آج ہم مسلمانوں کے ساتھ اجتماعی جنگ کی ابتداء نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ انفرادی مقابلے میں سیموئیل کے مارے جانے کی وجہ سے ہمارے لشکر کے حوصلے پست دکھائی دیتے ہیں۔ پہلے اس سلسلے میں مسلمانوں کو ایک پیغام بھجواؤں گا۔ انہیں ایسے فریب اور جال میں پھنسانے کی کوشش کروں گا کہ آپ سے آپ ان کی شکست اور میری فتح یقینی ہو جائے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش جب رکاب السریڈ غور سے اس کی طرف دیکھتے

ہوئے کہنے لگا۔

”میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

اس پر افونش کہنے لگا۔

”پہلے مجھے اپنے لشکر کو پڑاؤ کی طرف لے جانے دو۔ اس کے بعد پوری روداد تمہیں سناتا ہوں۔“

السریڈ خاموش رہا۔ چنانچہ افونش نے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹ کر اپنے پڑاؤ کی طرف جانے کا حکم دیا تھا۔ افونش کا لشکر جب پڑاؤ میں چلا گیا تب امیر یوسف بن تاشفین بھی اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا کر اپنے پڑاؤ میں لے گیا تھا۔

پڑاؤ میں جانے کے بعد افونش نے اپنے بیٹے کے علاوہ اپنے سارے چھوٹے بڑے سالاروں کو ایک جگہ جمع کیا، چند لمحوں تک ان کا بغور جائزہ لیا، پھر ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”تم سب لوگ حیران اور پریشان ہو گئے ہو گے کہ میں نے اپنے لشکر کو پیچھے کیوں ہٹا لیا۔ بات یہ ہے کہ سیموئیل کے افراد مقابلہ ہارنے کے بعد میں دیکھتا تھا کہ لشکر کے اندر بددلی کی سی لہر پھیل گئی تھی جو جنگ کی ابتداء میں کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ انفرادی مقابلہ جیتنے کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر ایک عجب جذبہ اور جوش پیدا ہو گیا تھا جو ہمارے لئے باعث نقصان ثابت ہو سکتا تھا۔ اسی بناء پر میں نے آج جنگ کو ٹال دیا ہے اور لشکر کو پڑاؤ میں لے کر آ گیا ہوں۔ اب میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے ایک ایسا جال بنا چاہتا ہوں جس سے وہ باہر نکل ہی نہ سکیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش کچھ دیر کورکا، پھر دوبارہ اپنے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”میں نے ارادہ کیا ہے کہ مسلمانوں سے جنگ کی ابتداء اس طرح کی جائے کہ جس وقت مسلمان اپنی ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جائیں تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد جبکہ وہ نماز ہی کی حالت میں ہوں، ان پر حملہ کر دیا جائے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھنا فتح یقینی ہماری ہوگی۔“

افونش کے اس منصوبہ کو سارے سالاروں اور اس کے بیٹے نے پسند کیا تھا۔ لہذا اپنے سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ ایک سفارت امیر یوسف بن

تاشفین کی طرف روانہ کی جانی چاہئے اور اس کے ساتھ جنگ کا معاملہ طے کرنا چاہئے۔ چنانچہ تین آدمیوں پر مشتمل ایک سفارت تیار کی گئی۔ ان تینوں کے ساتھ کافی دیر تک افونش نے گفتگو کی، پھر ان تینوں کو مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ افونش کے یہ سفارت کار جب مسلمانوں کے پڑاؤ میں داخل ہوئے اور ان کی التجاء پر انہیں امیر یوسف بن تاشفین کے سامنے پیش کیا گیا تو یوسف بن تاشفین نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا، ان کی عزت افزائی کی، اپنے سامنے بٹھایا، پھر انہیں مخاطب کر کے پوچھا۔

”اگر تم افونش کی طرف سے آئے ہو تو کیا اس کی طرف سے میرے نام کوئی پیغام رکھتے ہو؟“

اس پر ان تینوں میں سے ایک امیر یوسف بن تاشفین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”مسلمانوں کے امیر! افونش نے ہمیں ایک پیغام دے کر آپ کی طرف روانہ کیا ہے اور یہ پیغام ہمارے اور آپ کے درمیان جنگ کی ابتداء کرنے سے متعلق ہے۔ ہمارے بادشاہ افونش کا کہنا ہے کہ جمعہ مسلمانوں کے لئے مبارک دن ہے، ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار ہمارا۔ اس لئے مناسب ہو گا کہ اتوار کے دوسرے دن لڑائی شروع کی جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ سفارت کار جب خاموش ہوا تب یوسف بن تاشفین اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں تو تم لوگوں کے ساتھ ٹکرانے کے لئے آج ہی تیار تھا۔ اگر تمہارا بادشاہ یہ پیغام بھیجتا ہے کہ جمعہ ہمارے لئے، ہفتہ یہودیوں اور اتوار عیسائیوں کے لئے محترم ہے اور افونش ہمارے ساتھ سوموار کے دن ٹکرانا چاہتا ہے تو یونہی سہی۔ واپس جا کر افونش سے کہنا کہ جس طرح اور جس روز تم چاہو گے اسی روز ہم تمہارے خلاف نبرد آزما ہو جائیں گے۔“

چنانچہ امیر یوسف بن تاشفین کا یہ جواب پا کر وہ تینوں سفارت کار خوش ہو گئے تھے اور واپس اپنے لشکر میں چلے گئے تھے۔

چنانچہ سوموار کے روز صبح ہی سے افونش کے لشکر میں جنگ کے طبل بجنے لگے تھے۔ اس موقع پر افونش نے ایک چال چلی تاکہ اپنی فتح اور مسلمانوں کی شکست کو یقینی

بنائے۔ اس نے اپنے لشکر کو پڑاؤ ہی میں رکھا اور جنگ کے طبل بجوانے کا حکم دے دیا۔ ظاہر یہ کرنا تھا کہ آج جنگ کا دن ہے اور اس کا لشکر اب جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے اپنی تیاریوں میں مصروف ہے۔ یہ صورت حال ظہر کی نماز تک جاری رہی۔ اس موقع پر جب امیر یوسف بن تاشفین نے ظہر کی نماز ادا کرنے کا فیصلہ کیا تب معتمد امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ اُنڈلس کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے دیگر حکمران اور سالار بھی تھے۔ پھر معتمد بڑے خلوص سے امیر یوسف بن تاشفین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر! آپ ہسپانیہ میں اپنے لشکر کے ساتھ نو وارد ہیں۔ میں اس افونش کو عرصہ سے جانتا ہوں۔ یہ بڑا دھوکا باز اور شرارتی قسم کا انسان ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں گے تو یہ ہم پر حملہ آور ہو کر اپنی فتح کا اعلان کرنے کی کوشش کرے گا۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ آپ لشکر کے آدھے حصہ کے ساتھ نماز ادا کر لیں، آدھے حصہ کے ساتھ میں مستعد رہتا ہوں۔ اگر افونش نے حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو اس کے حملے کو روکوں گا۔“

اس موقع پر امیر یوسف بن تاشفین نے مسکراتے ہوئے معتمد کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”معتمد! جن خدشات کا اظہار تم نے کیا ہے، وہ خدشات میرے دل میں بھی اٹھے تھے۔ پر میں نے انہیں جھٹک دیا کہ شاید افونش عہد شکنی نہ کرے۔ لیکن تمہاری گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ افونش عہد شکنی کا عادی ہے۔ چنانچہ تم لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ مستعد رہو۔ میرا سالار داؤد بن عائشہ تمہارے ساتھ ہو گا۔ اس کے علاوہ زکریا بن ادریس، غیرور بن شبیب اور زیدون بن مسلم بھی تمہارے ساتھ مستعد رہیں گے۔ پہلے میں ایک حصہ کے ساتھ نماز ادا کرتا ہوں، اس کے بعد تم لوگ نماز ادا کر لینا۔ دوسرے حصہ کے ساتھ میں مستعد ہو کر دشمن پر نگاہ رکھوں گا۔“

چنانچہ یہ فیصلہ ہونے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین ظہر کی نماز ادا کرنے لگا تھا۔ اس نماز کی امامت اس نے خود کرائی تھی۔ معتمد کا تجربہ اور اس کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ جس وقت امیر یوسف بن تاشفین ظہر کی نماز کے لئے کھڑا ہوا تو اپنے پڑاؤ میں مقیم افونش نے یہ خیال کیا کہ مسلمانوں کا سارا لشکر ہی نماز کے لئے کھڑا ہو گیا

ہے اس لئے کہ معتمد، داؤد بن عائشہ، زکریا بن ادریس، غیردر بن شیبیب اور زیدون بن مسلم نے لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ کچھ ایسا تاثر دیا تھا جیسے وہ بھی امیر یوسف بن تاشفین کے ساتھ نماز ادا کرنے میں مصروف ہو گئے ہوں۔ چنانچہ افونش نے ان لمحات سے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا۔ اس کے حکم پر اس کے لشکر کے اندر طبل بجا بند ہو گئے۔ لشکر کو افونش نے مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لئے صبح سے ہی تیار کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک دم اس نے اپنے لشکر کو مستعد کیا اور نماز کی حالت میں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے وہ آگے بڑھا تھا۔

امیر یوسف بن تاشفین، اس کا بھتیجا سیر بن ابی بکر اور امیر کے دوسرے امراء بڑی دلجمعی سے اپنے لشکر کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کر رہے تھے۔ امیر یوسف بن تاشفین جماعت کی امامت کرانے میں مصروف تھا۔ دوسری طرف معتمد، داؤد بن عائشہ، زکریا بن ادریس، غیردر بن شیبیب اور زیدون بن مسلم بالکل تیار اور مستعد تھے۔ لشکر کو انہوں نے تین برابر حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ ایک حصہ معتمد نے اپنے پاس رکھا۔ آخر اس تیاری کے بعد لشکر کے یہ تینوں حصے اس جگہ سے تھوڑا آگے چلے گئے تھے جہاں امیر یوسف بن تاشفین نماز ادا کر رہا تھا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ وسطی حصہ میں معتمد رہا اور اس کے ساتھ غیردر بن شیبیب اور زیدون بن مسلم تھے۔ دائیں جانب داؤد بن عائشہ اور بائیں جانب کے حصہ کی کمانداری زکریا بن ادریس کر رہا تھا۔ مسلمانوں کے لشکر کے اس حصے کو دیکھ کر افونش اور اس کے سالار چونکے تھے لیکن چونکہ لب وہ پیش قدمی کر چکے تھے لہذا افونش اپنے لشکر کے ساتھ ہر لمحے، ہر ساعت میں اذیت بن کر گھس جانے والے ہولناک عذابوں کی صداؤں، برسوں سے رُکے جوالا مکھی کی تہوں سے نکلتی برہمی کی پُربیت آگ کی طرح آگے بڑھا۔ اس کے بعد وہ مسلمانوں کے لشکر پر راحتوں کی چھاؤں کو جھیر جھیر کرتے نوحہ گر، یقین کے کھیتوں میں بے روگ بگولے بھرتے سرگرداں اور بے کراں اندھیروں، حرف و قلم پر قدغن، ذہن و دل کے رابطہ پر پابندی عائد کر دینے والی بوسیدہ آرزوؤں کے سرسام کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

مسلمان لشکریوں اور سالاروں نے کمالِ جانفشانی سے اس حملے کو روکا۔ اس کے بعد جوانی کارروائی کی ابتداء کی۔ مرکزی حصہ سے معتمد، غیردر بن شیبیب اور زیدون بن مسلم کے ساتھ کڑے وقت کی راہوں میں آنکھوں میں خوف کی افشاں پھیلاتے موت

کے سوداگروں کی سی ہنر مندی، بے سحر رات کی طرح بے سرو سامان کرتی جذبوں کی کھولتی حرارت، برق کے بے روک انتقام کی طرح پیاسے صحرا میں رقص کرتی محبوب و پوشیدہ قوت کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

عین اسی لمحہ دائیں جانب سے داؤد بن عائشہ نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی پھر وہ ورق ورق پر فنا کی تحریریں رقم کرتے انوکھے زہریلے تجتس، کڑی دھوپ کے صحرا اور نفرت کے اتھاہ ساگر کھڑے کرتی، حشر برپا کرتی طغیانوں، خون رسیدہ زمین پر قہر بھڑے سراب پھیلاتی کرب خیزیوں کے نہاں خانوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد بائیں جانب سے زکریا بن ادریس نے بھی اپنے انوکھے انداز میں اپنے کام کی ابتداء کی تھی۔ پہلے اس نے لال گوں سورج کو دھانپ لینے والے کڑکڑاتے بادلوں کی گھن گرج کی طرح تکبیریں بلند کیں۔ تکبیروں کی ان آوازوں نے کئی ذہنوں، کئی دلوں کو بے جہت و بے منزل کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد زکریا بن ادریس بھی دکھ کے غول پھیلاتے رنج و غم کے بادل اڑاتے گرم صحراؤں سے اڑتے ریت کے سرخ غبار، ہڈیوں کو ان کی تازگی، روح کو اس کی آسودگی، ذہن کو اس کے خیالات سے محروم کر دینے والے زندگی کا خون کرتے آگ و خون کے پیغام کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ یوں افونش اور مسلمانوں کے چھوٹے سے لشکر کے ٹکراؤ کی وجہ سے میدان جنگ میں خون کی چکیاں چلنے لگی تھیں۔ نفرت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ موت کے آوارہ دھوئیں کی لپٹوں میں روح کے وجدان تک کے بھید تمام ہونا شروع ہو گئے تھے۔ خون آلود فضا میں قضا کی بازگشت، بکھرے بکھرے کرداروں اور درد بھری داستانوں کی طرح ادھر ادھر رقص کرنے لگی تھی۔

اب صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف افونش کا اسی ہزار کا لشکر تھا، دوسری طرف اس کی راہ روکنے کے لئے صرف دس ہزار مجاہد تھے جنہوں نے افونش کے لشکر کی راہ روک دی اور اپنے نماز ادا کرنے والے ساتھیوں کی طرف اسے نہیں بڑھنے دیا۔ اتنی دیر تک امیر یوسف بن تاشفین نماز ادا کر چکا۔ سلام پھیرنے کے ساتھ ہی اپنے پیچھے اپنے بھتیجے ابوبکر کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہا۔

”فرزند عزیز! معتمد کے اندیشے درست ثابت ہوئے۔ افونش نے ہمارے ساتھ دھوکا دہی سے کام لیا اور اسے اس کی دھوکا دہی کی سزا ملنی چاہئے۔“

اس کے بعد امیر یوسف بن تاشفین فوراً حرکت میں آیا۔ لشکر کا ایک حصہ اپنے بھتیجے سیر بن ابی بکر کی کمانداری میں دیا اور اسے مخاطب کر کے کہا۔
 ”میرے بیٹے! تم اس لشکر کے ساتھ جا کر شامل ہو جاؤ جو اس وقت معتمد، داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس کی کمانداری میں افونش کے لشکر کی راہ روکے ہوئے ہے۔ باقی لشکر کے ساتھ میں ایک دوسری سمت سے حملہ آور ہو کر افونش کی شکست اور اس کی بدبختی کا درکھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

اس وقت افونش، اس کا بیٹا اور سالار اپنی پوری طاقت و قوت کو استعمال کرتے ہوئے معتمد، داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس پر اپنا دباؤ بڑھانے کی کوشش کر رہے تھے اسی وقت سامنے کی طرف سے امیر یوسف بن تاشفین کا بھتیجا سیر بن ابی بکر لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ حرکت میں آیا اور افونش کے لشکر کے ایک پہلو پر وہ زوال پر آمادہ کر دینے والے ہنر، کسب کے کمال، ماندگی اور سکی طاری کرتی خطرات بکھیرتی فتا پذیری، ساز حیات کو توڑتی، مسافتِ زندگی کو تمام کرتی، زمین کو ہلا کر، کوہستانوں کو ریزہ ریزہ کر کے کف اڑاتی بے روک امواج کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

سیر بن ابی بکر کے اس ہولناک حملے کے باعث معتمد، داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس پر افونش کے لشکر کا دباؤ کسی قدر کم ہو گیا تھا۔ دوسری طرف اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ امیر یوسف بن تاشفین نے فطرت کے رجالِ عظیم، موت کا وجدان آفرین رقص کرتے روشنی کے کلبلا تے سویرے کی طرح ایک لمبا چکر کاٹا، بالکل افونش کے لشکر کی پشت کی طرف گیا۔ یہ ایک بڑا خطرناک قدم تھا۔ بہر حال امیر یوسف بن تاشفین پشت کی طرف جا کر سب سے پہلے افونش کے پڑاؤ کی حفاظت پر جو اس کا لشکر مامور تھا، اس پر حملہ آور ہوا اور لمحوں کے اندر افونش کے اس لشکر کو امیر یوسف بن تاشفین نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

اس کے بعد امیر یوسف بن تاشفین اب اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ پلٹا، پھر دلوں کے حریم گنبد میں برق تپاں، صحرا کی کوکھ میں نور بخش سحر، بانجھ ساعتوں میں تخلیق کی اہم ترین قدریں بھر دینے والی ہولناک ابدی آرزوؤں اور آندھیوں میں سلگتے عزائم کی طرح افونش کے لشکر کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس موقع پر امیر یوسف بن تاشفین دشمن کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے بالکل بے

آواز، بے صدا سمندر کی طرح پُرسکون تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے لشکریوں کا حوصلہ بحال رکھنے کی خاطر وہ سورۃ بقرہ کی آیت برابر پڑھتا جا رہا تھا۔

ترجمہ:- ”اے ہمارے رب! ہم پر صبر نازل کر اور معرکہ جنگ میں

ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافروں کی قوم پر ہم کو فتح عطا کر۔“

اب افونش کے لشکر کی یہ حالت تھی کہ سامنے کی طرف سے معتمد، داؤد بن عائشہ،

زکریا بن ادریس ہولناک انداز میں ضربیں لگا رہے تھے۔ ایک پہلو سے امیر یوسف بن

تاشیفین کا بھتیجا سیر بن ابوبکر افونش کے لشکر کے اندر قیامت برپا کر رہا تھا جبکہ خود امیر

یوسف بن تاشیفین نے افونش کے پڑاؤ کے اندر جس قدر اس کے محافظ تھے، ان کا

خاتمہ کرنے کے بعد بڑے ہولناک انداز میں افونش کے لشکر کی پشت کی طرف سے

حملہ کر دیا تھا۔

قطع نظر اس کے کہ افونش کے لشکر کی تعداد اسی ہزار سے بھی زائد تھی اور اس کے

مقابلے میں مسلمان صرف بیس ہزار تھے، اس کے باوجود مختلف چھوٹے چھوٹے لشکروں

میں بٹ کر مسلمانوں نے افونش کے لئے چاروں طرف ہولناکیاں اور عذاب کھڑے

کر دیئے تھے۔ افونش اب یہ بھی اُمید لگائے بیٹھا تھا کہ اُسے عددی فوقیت حاصل ہے،

لہذا وہ مسلمانوں پر قابو پالے گا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اور اس کے سالار پہ بھی دیکھ رہے

تھے کہ مسلمان سالار اپنے لشکریوں کے ساتھ اس طرح اُس کے لشکر میں گھس کر حملہ آور

ہو رہے تھے جیسے انہوں نے آندھیوں کے دوش پر دیے جلابانے، ظلمتوں کے شانے پر

کرنیں سجانے، گمراہ تہذیب و تمدن کے کندھوں پر دکھتی حکمت مسلط کرنے کا فن کہیں

سے سیکھ لیا ہو۔ مختلف اطراف سے حملہ آور ہوتے ہوئے مسلمان لشکریوں نے افونش

کے لئے زندان کا سا سنگین ماحول، کف اڑاتے اندیشے، قہر بھرے سیلاب، تشدد پر

اُترتے لمحات، برہنہ اور برہم آگ کے شعلوں کا سماں پیدا کر کے رکھ دیا تھا۔ افونش

اور اس کے لشکریوں کی حیات کی ساری توانائیاں رائیگاں جانے لگی تھیں۔ ان کے

سارے جنگی تجربات، سارے حربی کمالات در ماندہ، فرماندہ، مجروح اور حرماں نصیب

ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان کے چاروں طرف مسلمان سالاروں اور لشکریوں نے خونی

ہنگاموں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ اب وہ سرکش آندھیوں کی طرح حملہ آور ہوتے

تھے اور افونش کے لشکر میں جس سمت بھی رخ کرتے تھے اپنے پیچھے افونش کے لشکریوں

کی لاشوں کی صفیں بچھاتے چلے جا رہے تھے۔ جو زلاقہ کے میدانوں میں موت آگینہ احساسات کو توڑتی ہوئی چاروں طرف جاں سوزی اور تباہ کاری کا نقص شروع کر چکی تھی۔ اس جنگ سے متعلق مختلف مورخین نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ کچھ مورخین کہتے ہیں:

”نماز ادا کرنے کے بعد امیر یوسف نے پہلے اپنے بھتیجے سیر بن ابی بکر کو اشارہ کیا اور وہ اپنے چیدہ چیدہ شہسواروں کے ساتھ افونش کے لشکر کے قلب کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف امیر یوسف بن تاشفین اپنے منتخب دستوں کے ساتھ چکر کاٹ کر الفانسو کے لشکر کے عقب میں پہنچ گیا اور اس زور کا حملہ کیا کہ نصرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ ادھر سیر بن ابی بکر نے نصرانی فوج کے قلب کو روند ڈالا۔ الفانسو کی ران پر گہرا زخم آیا اور وہ اپنے تین سو یا پانچ سو لشکریوں کے ساتھ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ اس کے فرار ہوتے ہی نصرانیوں کی شکست مکمل ہو گئی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کے صرف تین ہزار آدمی شہید ہوئے۔“

جہاں تک افونش کے لشکر کے نقصان کا تعلق ہے تو اس سے متعلق بھی مورخین اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ مشہور مورخ ابن مردان جو ”ال لڑائی میں موجود تھا، اس کا کہنا ہے کہ چوبیس ہزار کٹے ہوئے سر تو میں نے خود گئے تھے۔

دوسرے عرب مورخین لکھتے ہیں کہ افونش کے اس جنگ میں کام آنے والے لشکریوں اور سالاروں کی تعداد چالیس ہزار تھی۔

مشہور مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ زلاقہ کا میدان نصرانیوں کی لاشوں سے اس قدر آٹ گیا تھا کہ لاشوں کے ڈھیر پر مسلمان کئی دن تک اذان دیتے رہے۔

اس لڑائی میں امیر یوسف اور معتمد نے جس جوانمردی اور ہمت کا مظاہرہ کیا، مورخین نے اس کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

مشہور عیسائی مورخ پروفیسر رائن ہارٹ دوزی اس جنگ کا نقشہ کچھ اس طرح پیش کرتا ہے:

”جس وقت معتمد نے افونش کے لشکر کی راہ روکی تو خود امیر یوسف بن تاشفین چکر کاٹ کر اپنی پوری قوت سے افونش کی لشکر گاہ پر حملہ آور

ہوا۔ لشکر گاہ میں جو عیسائی سواروں کے رسالے حفاظت پر مقرر تھے، ان پر امیر یوسف بن تاشفین نے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور لشکر گاہ کے حفاظتی دستوں کا کام تمام کرنے کے بعد لشکر گاہ میں آگ لگا کر افونش کے لشکر کی پشت کی جانب سے یلغار کر دی۔ امیر یوسف بن تاشفین کا یہ حملہ ایسا زبردست تھا کہ افونش کے لشکر کی تاب نہ لاسکے اور ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اب افونش کے لشکریوں کی حالت یہ تھی کہ وہ آگے آگے بھاگتے تھے اور امیر یوسف بن تاشفین اپنے سواروں کے ساتھ ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ افونش نے دیکھا کہ دشمن نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا ہے حالانکہ افونش کے لشکر کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی اس کے باوجود افونش مجبور ہوا کہ اپنے قلب کی فوجوں کو عقب کی فوجیں بچانے کے لئے کام میں لائے۔“

یہی مورخ مزید لکھتا ہے کہ:

”جنگ بہت زور پکڑ گئی۔ افونش کی لشکر گاہ پر امیر یوسف بن تاشفین نے بار بار حملہ کیا اور اپنے لشکریوں کو وہ لٹکار رہا تھا..... مسلمانو! ہمت سے کام لو۔ تمہارے سامنے خدا کے دشمن ہیں۔ اور جو مسلمان اس لڑائی میں شہید ہو گئے، جنت ان کی منتظر ہے۔“

پروفیسر رائن ہارٹ دوزی مزید لکھتا ہے کہ:

”پھر ایسا ہوا، امیر یوسف بن تاشفین کے بربری سواروں کو جنہیں شاید امیر یوسف بن تاشفین نے اب تک محفوظ رکھا تھا، ایک دم حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔“

پروفیسر لکھتا ہے:

”ان سیاہ فام افریقیوں نے عیسائیوں میں ایک جہلکہ عظیم برپا کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک افریقی مسلمان بڑی تیزی سے نصرانی لشکر کا راستہ کاٹتا ہوا افونش تک جا پہنچا اور اپنے خنجر سے اس کی ران پر زخم لگا دیا۔“

پروفیسر رائن ہارٹ مزید لکھتا ہے:

”جب رات ہوئی تو اس لڑائی میں جو نہایت سخت تھی، فتح کا سہرا

مسلمانوں کے سر بندھا۔ افونش کے لشکر کے زیادہ تر لوگ میدانِ کارزار میں مُردہ پڑے تھے یا بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ پھر باقی سب میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔“

بہر حال زلاَقہ کے میدانوں میں امیر یوسف بن تاشفین نے افونش کو بدترین شکست دی اور میدان میں چاروں طرف لاشیں چھوڑ کر افونش زخمی ہو کر بھاگ گیا تھا۔ امیر یوسف بن تاشفین، معتمد اور سارے سالاروں نے مل کر پہلے اپنے جنگ میں شہید ہونے والوں کی تدفین کا کام سرانجام دیا۔ زخمیوں کی بہترین انداز میں تیمارداری کی، پھر امیر یوسف بن تاشفین کے حکم پر اس کے سارے سالار اس کے پاس جمع ہوئے۔ دیر تک بڑی ممنونیت اور شکرگزاری سے امیر یوسف بن تاشفین اپنے سارے سالاروں کی طرف دیکھتا رہا، پھر بڑی عاجزی اور انکساری میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”یہ جو جنگ ہم نے اپنے سے چار گنا بڑے دشمن سے جیتی ہے، یہ کسی کا کوئی انفرادی کارنامہ نہیں ہے۔ سب لوگوں نے جو اس جنگ میں اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کیا سب کو میں نے دیکھا اور بھانپا۔ معتمد! جس کارگزاری کا مظاہرہ تم نے کیا، قسم خدائے واحد کی ایسی کارگزاری کی میں تم سے توقع نہیں رکھتا تھا۔ تم نے ثابت کر دیا کہ عرب جب جنگ پر اُترتا ہے تو زمین کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ نماز پڑھنے کے بعد جب میں اُٹھا تب تم لوگوں کا جائزہ لیا تھا۔ معتمد! میں نے جب تم پر نگاہ ڈالی تو دیکھا تم زیت کے پیچ و خم میں بھی موجوں کے گولوں اور زمین پر رینگتی یادوں کی پرچھائیوں میں شب و روز کی مشقتوں کی طرح دشمن پر ضرب لگا رہے تھے۔ ایسی کارگزاری پر میں تمہارا شکر گزار ہوں۔“

اس کے بعد امیر یوسف بن تاشفین کی نگاہیں زکریا بن ادریس پر جم گئی تھیں۔ لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر اسے مخاطب کر کے امیر یوسف بن تاشفین کہہ رہا تھا۔ ”اے فرزند مہربان! تو نے جس کارگزاری کا مظاہرہ کیا، وہ بھی بڑی نایاب تھی۔ میں نے تجھے دیکھا کہ تو آوازوں کی گلیوں سے گزرتی دکھتی، چنگھاڑتی رشتوں، اپنے شانوں پر قضا اُٹھائے وقت کی بدترین حدتوں اور تلواروں اور ڈھالوں کے ساز پر رقص کرتی ہولناک برق کی طرح افونش کے لشکریوں پر ضربیں لگا رہا تھا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین کچھ دیر کورکا، پھر دوبارہ اس کی آواز سنائی دی۔ ”غیر در بن شیب! اور زیدون بن مسلم! میں نے تم دونوں کو بھی تباہی کی اتھاہ غم انگیزیوں میں ابتلاؤں بھرے گرداب، ظلمات میں جوش مارتے اور آوازوں تک کو تحلیل کرتی دہتی شعلہ بار چمک کی طرح دشمن کی طرف اُڑتے دیکھا تھا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین رک گیا۔ ہلکا سا تبسم ایک بار پھر اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوا، اس کے ساتھ ہی کہنے لگا۔

”میں اپنے بھتیجے سیر بن ابی بکر اور اپنے سالار داؤد بن عائشہ کی تعریف نہیں کروں گا۔ میں ان دونوں کو پہلے سے جانتا ہوں کہ یہ کس طرح دہکتے ہیولوں اور لہو کے طوفان اُٹھانے کے انداز میں اپنے دشمن پر ضرب لگاتے ہیں۔ آؤ! میرے ساتھ آؤ کہ ہم زخمیوں کی دیکھ بھال تو کر چکے، لشکریوں کے کھانے کا اہتمام کریں۔ اس کے بعد لشکریوں کے آرام اور استراحت کا انتظام کیا جائے گا۔“

سب امیر یوسف بن تاشفین کے ساتھ ہو لئے تھے۔ پہلے لشکر کے کھانے کا اہتمام کیا گیا، پھر کھانے کے بعد جب امیر یوسف بن تاشفین، معتمد اور باقی سب سالار ایک جگہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ دو گھڑسوار لشکر میں داخل ہوئے۔ سیدھے امیر یوسف بن تاشفین کے پاس آئے، رات کی تاریکی میں جبکہ لشکر گاہ کے اندر مشعلیں روشن تھیں، مشعلوں کی روشنی میں آنے والے دونوں سواروں کو دیکھ کر امیر یوسف بن تاشفین چونکا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا، پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں تو تم دونوں کو مراکش چھوڑ آیا تھا۔ تم یہاں کیسے آ گئے؟“

امیر یوسف بن تاشفین کے کھڑے ہونے پر سب لوگ اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ آنے والے اپنے گھوڑوں سے اتر کر امیر کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔ کچھ دیر تک ان کی گردنیں جھکی رہیں۔ امیر نے تجسس اور تفکر بھرے انداز میں انہیں مخاطب کیا۔

”تم یوں میرے سامنے آ کر فکر مند کیوں کھڑے ہو گئے؟ لگتا ہے تم کچھ کہنا چاہتے ہو لیکن کہنے کی ہمت نہیں پارہے۔ کہو! کیا معاملہ ہے؟“

اس پر آنے والوں میں سے ایک نے لمبا سانس لیا، پھر اس نے امیر یوسف بن تاشفین کو اس کے بیٹے کے مراکش میں مرنے کی خبر دی جسے امیر یوسف بن تاشفین

بیمار چھوڑ کر آیا تھا۔

لحہ بھر کے لئے امیر یوسف بن تاشفین کی گردن جھک گئی تھی، آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ امیر کی یہ حالت دیکھتے ہوئے سب لوگ پریشان اور فکر مند ہو گئے تھے۔ پھر امیر یوسف بن تاشفین نے آنکھوں کی نمی صاف کی اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں ابھی اور اسی وقت مراکش کا رخ کروں گا۔ میرے عزیز ساتھیو! اُنڈلس کی سرزمینوں میں یہ افونش تمہارے لئے ایک بلائے ناگہانی بنا ہوا تھا۔ اس کی طاقت اور قوت کو میں نے توڑ دیا ہے۔ اس کے ناقابل تسخیر ہونے کے گھمنڈ کو پاش پاش کر دیا گیا ہے۔ یہ ساری کامیابی میرے خداوند قدوس کی مہربانی اور مدد کے باعث ہے۔ میرے بعد آپس میں اتفاق رکھنا۔ یاد رکھنا! آپس میں تقسیم ہو کر رہو گے تو دشمن تمہاری کمزوری سے فائدہ اٹھائے گا۔ آپس میں انگلیوں کی طرح علیحدہ علیحدہ رہو گے تو جس طرح ایک انگلی کوئی بڑی کارروائی نہیں کر سکتی، اس طرح تم بھی دشمن کے خلاف کمزور دکھائی دو گے اور دشمن کے بعد دیگرے تم پر حملہ آور ہو کر ماضی کی طرح پھر تم لوگوں کو اپنا باج گزار بنانے کی کوشش کرے گا۔ اگر ایسا ہوا تو یہ اُنڈلس کے مسلمانوں کی بد قسمتی ہوگی۔

میں یہ کر سکتا ہوں کہ تین ہزار کا ایک لشکر اپنے سالار داؤد بن عائشہ کی سرکردگی میں جزیرۃ الخضراء میں چھوڑ کر جاؤں گا۔ اگر نصرانیوں کی طرف سے کوئی کارروائی ہوئی تو یہ تم لوگوں کی مدد کرے گا۔ اب بھی وقت ہے اگر تم آپس میں اتفاق اور اتحاد کر لو، اپنی قوت کو یکجا رکھو، ایک تربیت یافتہ اور حرب و ضرب کی ہنرمندی سے لیس لشکر اگر تم اُنڈلس میں رکھتے ہو تو افونش تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ یاد رکھنا! وہ کارڈ شوار جو ہاتھ کی ایک انگلی نہیں کر سکتی وہ پانچوں انگلیاں مل کر بڑی آسانی سے کر لیتی ہیں۔ میں یہاں سے رخصت ہونے سے قبل ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ اُنڈلس کے سارے حکمرانوں! آپس میں یکجا ہو جاؤ۔ چھوٹے چھوٹے لشکر رکھنے کی بجائے ایک بڑا، مستعد اور تربیت یافتہ لشکر رکھو۔ ایسی صورت میں ہی آنے والے دور میں تم افونش کے سامنے دفاع اور کامیابیوں کا بند باندھ سکتے ہو۔“

اس کے ساتھ ہی امیر یوسف بن تاشفین باری باری سب سے گلے ملا۔ تین ہزار کا ایک لشکر علیحدہ کر کے اپنے سالار داؤد بن عائشہ کی سرکردگی میں دیا۔ داؤد بن عائشہ سب سے گلے ملا۔ جس وقت داؤد بن عائشہ، زکریا بن ادریس سے گلے مل رہا تھا، داؤد

بن عائشہ اپنا منہ زکریا بن اور لیس کے کان کے قریب لے گیا اور کہنے لگا۔
”میرے عزیز بھائی! دیکھو، مجھے بھول نہ جانا۔“

زکریا بن اور لیس نے تڑپ کر اپنا ہاتھ داؤد بن عائشہ کے منہ پر رکھ دیا۔ کہنے لگا۔
”تم مجھے اپنا چھوٹا بھائی کہہ چکے ہو۔ کیا تم مجھ سے ایسی امید رکھتے ہو کہ میں تمہیں
بھول جاؤں گا؟“

زکریا بن اور لیس نے جب اپنا ہاتھ داؤد بن عائشہ کے منہ سے ہٹایا، تب داؤد بن
عائشہ پھر اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گیا، کہنے لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر تم جزیرۃ الخضراء میں میرے پاس آنا۔ چند روز میرے ہاں
قیام کرنا۔ دیکھو! اب تم اکیلے نہیں ہو۔ پہلے تم لوگوں سے کہتے تھے کہ تمہارے ماں باپ
نہیں ہیں، بہن بھائی نہیں ہیں، اکیلے ہو۔ اب میں تمہارا بھائی ہوں۔ بڑا بھائی۔ مجھے
امید ہے کہ تم میرے پاس جزیرۃ الخضراء میں ضرور آؤ گے۔“

جواب میں زکریا بن اور لیس مسکرا دیا اور کہنے لگا۔ ”ابن عائشہ! میرے عزیز بھائی!
میں تیرے پاس جزیرۃ الخضراء میں ضرور آؤں گا۔“

جب تک داؤد بن عائشہ اور زکریا بن اور لیس ایک دوسرے سے گلے مل کر گفتگو
کرتے رہے، امیر یوسف بن تاشفین اور دوسرے لوگ مسکراتے ہوئے ان کی طرف
دیکھتے رہے۔ پھر وہ دونوں علیحدہ ہوئے، امیر یوسف بن تاشفین اور اس کے بھتیجے سیر
بن ابی بکر اور داؤد بن عائشہ نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا تھا۔ جبکہ
معمد اور دوسرے چھوٹے حکمران اپنے اپنے لشکر کو لے کر زلّاقہ کے میدانوں سے اپنے
اپنے علاقوں کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

امیر یوسف بن تاشفین پہلے جزیرۃ الخضراء پہنچا، وہاں اپنے سالار داؤد بن عائشہ کو
چھوڑا، تین ہزار لشکریوں کو اس کی کمانداری میں دیا، باقی لشکر کو لے کر وہ اپنے بھتیجے سیر
بن ابی بکر کے ساتھ کشتیوں اور جہازوں میں سوار ہو کر مراکش کا رخ کر رہا تھا۔





زلا قہ کے میدانوں میں افونش کی بدترین شکست سے اُنڈس کے مسلمانوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ جو افونش کو سالانہ خراج یا کرتے تھے، اس سے انہیں نجات مل گئی۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اسپین کے مغربی اضلاع میں جہاں کی حفاظت کے لئے امیر یوسف بن تاشفین اپنے سالار داؤد بن عائشہ کو چھوڑ کر گیا تھا، اس کی وجہ سے افونش ان علاقوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے ہچکچاتا تھا۔ اس بناء پر ان علاقوں کے لوگ ایک طرح سے افونش کی ترک تاز سے اپنے آپ کو محفوظ خیال کرنے لگے تھے۔

امیر یوسف بن تاشفین نے چونکہ انتہائی برے وقت میں اسپین کے مسلمانوں کی مدد کی تھی، لہذا اُس کے آنے، افونش کو بدترین شکست دینے سے اسپین کے مسلمانوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ مغربی مورخین تک لکھتے ہیں کہ افونش کی شکست اور امیر یوسف بن تاشفین کی فتح سے سارا ملک خوشی کے نعروں سے گونج اُٹھا تھا۔ امیر یوسف بن تاشفین کا نام ہر شخص کی زبان پر تھا۔ ہر جگہ اُس کے زہد، تقویٰ، جوانمردی، شجاعت اور حربی کمال کی تعریفیں ہونے لگی تھیں۔

امیر یوسف بن تاشفین عیسائیوں کے جور و ظلم سے پناہ دینے والا اور اُنڈس اور اسلام دونوں کا محافظ سمجھا جانے لگا تھا۔ فقہاء و علمائے دین اس کی مدح سرائی میں سب سے زیادہ سرگرم ہوئے۔ ان کی نظروں میں امیر یوسف صرف فاتح نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کوئی ہستی تھا کہ جس کو خدا نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے دنیا میں پیدا کیا ہو۔

اگرچہ افونش کو زلا قہ کے میدانوں میں امیر یوسف بن تاشفین نے بدترین شکست

دی تھی۔ لیکن افونش کے وسائل بہت زیادہ اور اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے مسائل بہت زیادہ تھے۔ امیر یوسف بن تاشفین کے واپس افریقہ چلے جانے کے بعد افونش نے پھر پُرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے۔

اس کے باوجود کہ افونش کو امیر یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں بدترین شکستوں کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر جو کچھ ہاتھ سے گیا تھا، افونش پھر اسے حاصل کرنے کی اُمید لگائے بیٹھا تھا۔ اسپین میں مغربی علاقوں میں جن میں بطلیوس اور اشبیلیہ کی سلطنتیں تھیں، ان سب علاقوں پر افونش حملہ آور ہوتے ہوئے ڈرتا تھا، اپنے لئے خطرہ خیال کرتا تھا۔ اس لئے کہ ان علاقوں کی مدد کے لئے امیر یوسف بن تاشفین کا سالار داؤد بن عائشہ ایک لشکر کے ساتھ وہاں موجود تھا لیکن اسپین کے مشرقی حصہ کے فتح نہ ہو سکنے کی صورت میں غارت اور تباہ کرنا افونش اپنے لئے ممکن اور حق بجانب خیال کرتا تھا۔

مشرقی اسپین کی چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں تھیں جن میں بلنسیہ، مرسیہ، لورقا اور المریاسب سے کمزور مسلمان ریاستیں خیال کی جاتی تھیں اور ان سب ریاستوں کے وسط میں ایک مقام پر افونش کے لشکریوں نے ایسے مقام پر قدم جمائے ہوئے تھے کہ جس کے ذریعہ افونش ان ریاستوں پر مکمل طور پر حاوی ہو سکتا تھا۔ اس مقام کا نام حصن اللیط تھا جس کے کھنڈر مرسی اور لوکس کے درمیان اب بھی نظر آتے ہیں۔

حصن اللیط کا یہ قلعہ ایک اونچے پہاڑ پر واقع تھا اور اتنا وسیع تھا کہ اس میں ہزاروں لشکری آسانی سے سکونت اختیار کر سکتے تھے اور یہ قلعہ اس قدر محفوظ اور مستحکم سمجھا جاتا تھا کہ اس کو فتح کرنا وہاں کے لوگ غیر ممکن خیال کرتے تھے۔

اس قلعہ پر افونش کا قبضہ تھا۔ اب افونش نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ امیر یوسف بن تاشفین کے اسپین سے نکل کر واپس افریقہ چلے جانے کے بعد اس کے حکم پر اس قلعہ میں جو لشکر تھا اس نے وہاں سے نکل کر قرب و جوار کے تمام مسلمان علاقوں میں راہزنی اور لوٹ مار کا کام شروع کر دیا تھا اور نوبت یہاں تک آئی کہ المریاسب، لورقا، مرسیہ اور بلنسیا کے شہروں کے گرد و نواح میں تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلا جانے لگا تھا اور بظاہر یہ محسوس ہونا شروع ہو گیا تھا کہ اگر ان شہروں کی حفاظت کا خاطر خواہ بندوبست نہ کیا گیا تو یقیناً ایک دن افونش کا ان پر قبضہ ہو جائے گا۔

اندلس کے مسلمانوں میں اب سب سے بڑا اور طاقتور حکمران معتمد ہی سمجھا جاتا

تھا۔ معتمد بھی سمجھ گیا تھا کہ اسپین کے مشرقی علاقوں کو کیسا خطرہ عظیم درپیش ہے اور خطرہ نہ صرف ان علاقوں کو ہے بلکہ خود معتمد کا نفع و نقصان بھی اس میں شامل تھا۔ کیونکہ مرسیہ اور لورقا کے علاقوں کو عیسائیوں کی طرف سے زیادہ خطرہ تھا جو دراصل معتمد کی ملکیت تھے۔ ازروئے استحقاق اور ازروئے واقعہ اس لئے کہ لورقا کے بادشاہ ابن السیر نے جب دیکھا کہ حصن اللیط کے عیسائیوں سے مقابلے کی طاقت اس میں نہیں ہے تو معتمد کو اس نے اپنا بادشاہ اس غرض سے تسلیم کر لیا تھا کہ معتمد اس کو حملہ آور نصرانیوں سے محفوظ رکھے گا۔ مرسیہ پر ابن اشیق نے قبضہ کر رکھا تھا جو کسی دور میں معتمد ہی کا آدمی تھا۔ اب چونکہ وہ معتمد سے باغی ہو چکا تھا لہذا معتمد، ابن رشیق کو سبق سکھا کر دوبارہ مرسیہ پر اپنی گرفت کرنا چاہتا تھا۔ غرض معتمد نے اسپین کے مشرقی حصہ میں فوج کشی کا مصمم قصد کر لیا۔ اس عزم کے دو بڑے مقاصد تھے۔

اول یہ کہ ان علاقوں کو نصرانیوں کی لوٹ مار سے محفوظ کرے۔ دوم یہ کہ ابن اشیق کو سبق سکھائے جو معتمد سے باغی ہو چکا تھا اور مرسیہ پر قبضہ کر بیٹھا تھا۔

ان مشرقی ریاستوں کی مدد کرنے کے لئے معتمد نے ایک روز اپنے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔ اس اجلاس میں زکریا بن ادریس، غیردر بن شیب، زیدون بن مسلم، قیطان بن ابی بکر، معتمد کے بیٹوں میں سے راضی، معتمد، رشید اور کچھ دوسرے سالار اور امراء شامل تھے۔ غرناطہ کے قاضی ابو جعفر اور بطلیوس کے قاضی ابو اسحاق کے علاوہ قرطبہ کے قاضی ابن ادھم نے بھی چونکہ ان دنوں وہاں قیام کر رکھا تھا لہذا ان تینوں حضرات کے علاوہ اشبیلیہ کا وزیر ابو بکر بھی اس مجلس میں شامل تھا جو معتمد نے منعقد کی تھی۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تب معتمد نے پوری تفصیل سب لوگوں کے سامنے پیش کی کہ کس طرح افولش کے لشکری حصن اللیط سے نکل کر مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور ساتھ ہی اس نے یہ سوال بھی سب کے سامنے رکھ دیا کہ مسلم ریاستوں کا دفاع کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

معتمد جب ساری تفصیل بتا چکا تب سب سے پہلے غرناطہ کے قاضی ابو جعفر بولے اور معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

”معتمد! بلنیا، مرسیہ، لورقا اور المریا کی مدد کرنا ہمارا فرض عین ہے اور اگر ہم

مسلمانوں کے ان علاقوں کی حفاظت نہیں کرتے، چشم پوشی کرتے ہیں تو یہ گناہِ عظیم ہوگا جس کے لئے ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ معتمد! سب سے پہلے ایک تیز رفتار قاصد امیر یوسف بن تاشفین کے سپہ سالار داؤد بن عائشہ کی طرف روانہ کرو جو اپنے ایک لشکر کے ساتھ جزیرۃ الخضراء میں قیام کئے ہوئے ہے۔ امیر یوسف بن تاشفین داؤد بن عائشہ کو اس لشکر کے ساتھ اسی بناء پر جزیرۃ الخضراء میں چھوڑ کر گیا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں اگر افولش پھر مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرے تو مقامی لشکریوں کے ساتھ مل کر داؤد بن عائشہ دفاع کا بند باندھ سکے۔“

غرناطہ کے قاضی ابو جعفر جب خاموش ہوئے تب ان کی طرف بڑی عقیدت مندی سے دیکھتے ہوئے معتمد کہنے لگا۔

”میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ آج ہی میں دو قاصد داؤد بن عائشہ کی طرف بھیجتا ہوں اور اس سے کہتا ہوں کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنا لشکر لے کر ہمارے پاس پہنچ جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ رُکا، پھوسب لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”جب داؤد بن عائشہ یہاں پہنچ جائے گا.....“

یہاں تک کہتے کہتے معتمد کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کا چوہدار اس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا اور معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہمارے کچھ مخبر جن کی تعداد دو ہے، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں۔“

اپنے چوہدار کے ان الفاظ پر معتمد گہری سوچوں میں کھو گیا تھا، پھر دھیمے سے لہجے میں کہنے لگا۔

”انہیں بھیجوتا کہ میں جانوں کہ وہ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“

چوہدار پیچھے ہٹ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دو مسلح جوان اس کمرے میں داخل ہوئے۔ غرناطہ کے قاضی ابو جعفر نے ان دونوں کو اپنے قریب بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ بیٹھ گئے تب معتمد انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! اگر تم ہمارے لئے کوئی خبر لے کر آئے ہو تو کہو۔“
اس پر ان میں سے ایک بولا۔ کہنے لگا۔

”امیر! ہم ایک بری خبر لے کر آئے ہیں۔ امیر یوسف بن تاشفین کے غرناطہ سے چلے جانے کے بعد افونش کے کہنے پر اس کا جو لشکر حصن اللیط میں قیام کئے ہوئے ہے وہ قلعے سے نکل کر مسلمانوں کے علاقوں پر اکثر و بیشتر حملہ آور ہو کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اب انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے علاقوں میں کیسی بھی یلغار اور ترک تاز کریں، ان علاقوں کے مسلمانوں کی مدد کے لئے کوئی بھی نہیں آتا۔ لہذا انہوں نے اب بڑی کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس سلسلے میں افونش سے بھی انہوں نے مشورہ کیا ہے اور افونش نے بڑی کارروائی کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ ساتھ ہی افونش نے اپنے لشکریوں کے سپہ سالار اعلیٰ فانیز کو بھی ایک خاصا بڑا لشکر دے کر حصن اللیط کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ نصرانی لشکر سب سے پہلے مرسیہ اور المریا کا محاصرہ کریں گے اور ان دونوں شہروں اور ریاستوں کو اپنے سامنے زیر کرنے کے بعد وہ بعد میں بلنسیا اور لورقا کی طرف اپنی پیش قدمی کریں گے۔“

یہ خبر سن کر بطلیوس کے قاضی ابوالحق، غرناطہ کے قاضی ابو جعفر، قرطبہ کے قاضی ابن ادھم، اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر، اشبیلیہ کے قاضی شیخ احمد بن ابراہیم سب اداس اور پریشان ہو گئے تھے۔ معتمد بھی فکر مند دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہی یہاں تک کہ زکریا بن ادریس معتمد کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھا۔

”اگر آپ اجازت دیں تو اس موقع پر میں کچھ کہوں؟“

معتمد سے پہلے اس کا بیٹا رشید بول اٹھا اور زکریا بن ادریس کی طرف بڑی عقیدت مندی سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابن ادریس! اگر تم کچھ کہنا چاہتے ہو تو اس سلسلے میں تمہیں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اشبیلیہ کے سب سے سرکردہ سالار ہو۔ اپنی تجویز، اپنا مشورہ بغیر اجازت کے دے سکتے ہو۔“

وہاں بیٹھے سب لوگوں نے رشید کے ان الفاظ سے اتفاق کیا تھا یہاں تک کہ زکریا بن ادریس معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابھی اسی وقت قاصد داؤد بن عائشہ کی طرف روانہ کریں۔ اس موقع پر میرا مشورہ یہ ہے کہ اس وقت جس قدر لشکر ہمارے پاس ہے اس میں سے ایک حصہ مجھے

دے دیں۔ میں اور داؤد بن عائشہ دونوں مرسیہ اور المریا کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔“
یہاں تک کہتے کہتے زکریا بن ادریس کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ معتمد خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اگر تم اور داؤد بن عائشہ ایسا کرتے ہو تو پھر میں زیدون بن مسلم، غیر در بن شیب کے ساتھ بلنسیا اور لورقا کا رخ کروں گا اور وہاں جو نصرانی آئے دن ان علاقوں میں یلغار اور ترک تاز کرتے ہیں، ان پر حملہ آور ہو کر ان دونوں ریاستوں کے اندر علاقوں کو محفوظ بنانے کی کوشش کروں گا۔“

اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ لہذا اجلاس ختم کر دیا گیا تھا اور اسی روز معتمد نے اپنے قاصد داؤد بن عائشہ کی طرف روانہ کئے تھے اور اسے اس کے لشکر کے ساتھ مدد کے لئے اشبیلیہ بلا لیا تھا۔

اب داؤد بن عائشہ کا انتظار ہونے لگا تھا۔



زکریا بن ادریس ایک روز سرائے میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ سرائے کے اس کمرے کے دروازے پر سرائے کا مالک عمر بن سریع نمودار ہوا۔ اسے اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھتے ہی زکریا بن ادریس فوراً اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور تشویش بھرے انداز میں عمر بن سریع کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”عم ابن سریع! آپ کا اس طرح میرے کمرے میں آنا لگتا ہے بغیر کسی علت کے نہیں۔ کیا کوئی.....“

یہاں تک کہتے کہتے زکریا بن ادریس کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ عمر بن سریع مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے! فکر مند نہ ہو۔ کچھ نہیں ہوا۔ بس باہر نیتش کھڑا ہے۔ وہ تمہیں بلانے کے لئے آیا ہے۔ وہ لوگ سخت پریشان ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امیر یوسف بن تاشفین جب ان سرزمینوں میں داخل ہوئے اور ذلاقہ کے میدانوں میں انہوں نے افونش کو بدترین شکست دی، اس کے بعد زکریا بن ادریس نے کبھی ان کے ہاں چکر نہیں لگایا۔ لہذا وہ بے چارے پریشان ہیں۔ بیٹا! وہ نیچے کھڑا ہے۔ تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔“
یہاں تک کہنے کے بعد عمر بن سریع کچھ دیر کورکا، پھر دوبارہ کہنے لگا۔

”میں نیچے اس کے پاس جاتا ہوں۔ تم تیار ہو کر آؤ۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔“

اس پر عمر بن سربج وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ جبکہ ابن ادریس جلدی جلدی تیار ہوا۔ اپنے کمرے سے نکل کر جب وہ سرائے کے مالک کے کمرے میں آیا تو وہاں عمر بن سربج کے ساتھ حسین و خوب صورت رواندہ کا باپ انیتش موجود تھا۔ زکریا بن ادریس کو دیکھتے ہی انیتش اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ آگے بڑھ کر اس نے زکریا بن ادریس کو دونوں بازو پھیلا کر گلے لگایا، اس کی پیشانی چومی، پھر کہنے لگا۔

”بیٹے! میں تجھے تیری کارگزاری پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ساتھ ہی مجھے تم سے یہ شکوہ بھی ہے کہ تم نے اتنے ہفتوں سے ہماری طرف کوئی چکر ہی نہیں لگایا۔ بیٹے! ہم سب تمہارے لئے بڑے پریشان اور فکر مند تھے۔“

جواب میں زکریا بن ادریس نے پیار بھرے انداز میں انیتش کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔

”عم! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں عمر بن سربج کی اس سرائے میں مجھے کوئی پریشانی یا فکر مندی لاحق نہیں ہو سکتی۔“

جواب میں انیتش مسکرایا اور کہنے لگا۔

”باقی باتیں گھر پر ہوں گی۔ چلو رواندہ اور اس کی ماں بڑی بے چینی سے تمہاری منتظر ہیں۔“

زکریا بن ادریس چپ چاپ انیتش کے ساتھ ہولیا تھا۔ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ اپنی حویلی کے دروازے پر جا کر انیتش نے دروازے پر دستک دی۔

پہلی ہی دستک پر دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی خود رواندہ تھی۔ اسے دیکھتے ہی زکریا بن ادریس نے مسکراتے ہوئے اسے سلام کیا۔ رواندہ نے مدہم سے لہجے میں زکریا بن ادریس کے سلام کا جواب دیا اور پھر دروازے کے ایک پٹ کے پیچھے اوٹ میں کھڑی ہو گئی تھی۔

زکریا بن ادریس نے اس کی حرکت کو محسوس کیا تھا۔ بہر حال وہ انیتش کے ساتھ حویلی میں داخل ہوا۔ وہ دونوں دیوان خانہ کی طرف گئے۔ اتنی دیر تک رواندہ کی ماں

اموسیہ بھی ایک کمرے سے نکل آئی تھی۔ اس نے قریب آ کر زکریا بن ادریس کے شانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔ زکریا بن ادریس اس کے سامنے جھک گیا۔ اموسیہ نے اس کی پیشانی پر شفقت آمیز بوسہ دیا تھا، کہنے لگی۔

”لگتا ہے تم تو ہمارے لئے اجنبی ہی ہو گئے ہو۔“

جواب میں زکریا بن ادریس پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اماں! کچھ مصروفیات ہی ایسی ہو گئی تھیں کہ بس ادھر آنا نہیں ہوا۔“

پھر زکریا بن ادریس نے مڑ کر رواندہ کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک دروازے کے پاس افسردہ اور پریشان کھڑی تھی۔ یہاں تک کہ زکریا بن ادریس اموسیہ اور انیتش دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”لگتا ہے رواندہ بھی مجھ سے ناراض ہے۔“

اس پر رواندہ پاؤں پٹختی ہوئی دروازے سے زکریا بن ادریس کے پاس آئی اور احتجاج بھرے انداز میں کہنے لگی۔

”ہاں! میں آپ سے ناراض ہوں۔ جنگوں میں حصہ لینے والے سارے لشکری اور سارے سالار اپنے اپنے گھروں کی طرف آتے ہیں اور ان کے اہل خانہ ان کی کامیابی پر انہیں مبارک باد دیتے ہیں۔ یہ گھر اب آپ کا ہے۔ حالات ہی نہیں، میرے باپ نے مجھے آپ کے ساتھ منسوب کر رکھا ہے۔ اب آپ میری زندگی کا ایک حصہ ہیں اور میں آپ کی زندگی کا ایک جزو ہوں۔ زلّاقہ کے میدانوں میں جو جنگ لڑی گئی، اس میں آپ کی کارگزاری کو سب لوگوں نے سراہا۔ کیا اس کے بعد آپ نے کبھی ہماری طرف چکر لگایا؟ کیا میں عمر بن سربیع کی سرانے میں آ کر آپ کو اس کارگزاری پر مبارک باد دیتی اچھی لگتی تھی؟ کیا آپ کا یہ فرض نہیں بنتا تھا کہ آپ مبارکباد نہ ہی لینے آتے۔ لیکن ہماری خیر و عافیت ہی دریافت کر لی ہوتی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رواندہ جب خاموش ہوئی تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے زکریا بن ادریس کہنے لگا۔

”رواندہ! واقعی مجھ سے غلطی ہوئی اور میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔ اور میں.....“

زکریا بن ادریس اس سے آگے بھی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ رواندہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگی۔

”اب آپ یہ مت کہئے گا کہ آپ مجھ سے معافی مانگتے ہیں۔ آپ کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اس گھر کے ایک فرد ہیں۔ یہاں کے لوگ آپ کی نسبت سے ہماری عزت، ہمارا احترام کرتے ہیں۔ جب سے لوگوں کو یہ خبر ہوئی ہے کہ انیتش کی بیٹی رواندہ نے اشبیلیہ کے وزیر ابوبکر کے بیٹے قیطان بن ابی بکر کے رشتہ سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ رواندہ، زکریا بن ادریس کو پسند کرتی ہے، اس کے بعد یہ خبریں بھی اڑیں کہ رواندہ کو زکریا بن ادریس کے ساتھ منسوب کر دیا گیا ہے، تب سے لوگوں کی نگاہوں میں ہماری عزت، ہمارا احترام اور ہماری قدر کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ میرے باپ جس راستے سے گزرتے ہیں، لوگ انہیں سلام پیش کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کے ساتھ ہماری نسبت ہونے کی وجہ سے ہے اور آپ کا یہ حال ہے کہ آپ ہماری عافیت اور خیریت تک نہیں پوچھتے۔ اس جنگ کے بعد جس وقت سارے سالار اور لشکری اپنے اپنے گھروں کو گئے تھے، آپ کو چاہئے تھا کہ یہاں میرے، بابا اور اماں کے پاس آتے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رواندہ کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی ماں اموسیہ مسکراتے ہوئے بول اٹھی۔

”رواندہ! میری بیٹی! اب سارے شکوے، ساری شکایتیں بھول جاؤ۔ اس لئے کہ زکریا بن ادریس یہاں آچکا ہے۔ میری بیٹی! میں جانتی ہوں اس کے یہاں نہ آنے سے تمہیں بڑا دکھ اور صدمہ ہے۔ پر میری بیٹی! یہ بھی تو سوچ کہ یہ معذرت کر چکا ہے۔“

اس پر رواندہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ ”نہیں اماں! ان سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔“ زکریا بن ادریس، رواندہ کو مخاطب کر کے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی انیتش بول اٹھا اور اموسیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں ذرا بازار کا چکر لگاتا ہوں۔ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر آتا ہوں۔ آج میرے بیٹے زکریا بن ادریس کی ایسی دعوت ہوئی چاہئے جو یادگار بن کر رہے۔“ اس کے ساتھ ہی انیتش جب مڑا تب زکریا بن ادریس اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”عم! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ کسی دعوت کا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ روزمرہ میں جو گھر میں کھانا پکتا ہے، وہی کھائیں گے۔“

زکریا بن ادریس مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بیچ میں رواندہ بول اٹھی۔ کہنے لگی۔
 ”دعوت کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ بابا ٹھیک کہتے ہیں۔ بابا! آپ جائیں۔“
 جواب میں انیش مسکراتا ہوا حویلی سے باہر نکل گیا تھا۔ پھر اموسیہ، رواندہ کی
 طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”رواندہ! تم زکریا کو لے کر دیوان خانہ کی طرف جاؤ۔ میں مطبخ میں جو تھوڑا سا
 کام رہتا ہے، وہ مکمل کر لیتی ہوں۔“

ساتھ ہی اموسیہ نے زکریا بن ادریس کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے! تمہاری آمد سے پہلے
 میں نے اور رواندہ نے کھانے پینے کی تقریباً ساری اشیاء تیار کر رکھی ہیں۔ کچھ کام رہتا
 ہے، وہ میں اکیلی کر لیتی ہوں۔ تم دونوں دیوان خانہ میں بیٹھو۔“

اپنی ماں کے ان الفاظ پر رواندہ خوش ہو گئی تھی۔ پھر زکریا بن ادریس کی طرف
 دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اب چلیں دیوان خانہ کی طرف۔“

زکریا بن ادریس چپ چاپ مسکراتے ہوئے دیوان خانہ کی طرف ہولیا تھا۔
 رواندہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ دیوان خانہ میں جا کر دونوں آمنے سامنے نشستوں پر بیٹھ
 گئے۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر گفتگو کا آغاز رواندہ نے کیا اور زکریا بن ادریس کو مخاطب
 کر کے کہنے لگی۔

”اگر آپ برانہ مائیں تو آج میں آپ سے ایک نئے موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی
 ہوں۔“

”کیسا نیا موضوع؟“ زکریا بن ادریس نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے
 ہوئے پوچھ لیا تھا۔

جواب میں رواندہ نے ایک لمبا سانس لیا، لمحہ بھر کے لئے ایک گہری اور غائر نگاہ
 اپنے سامنے بیٹھے زکریا بن ادریس پر ڈالی، اس کے بعد وہ کہہ رہی تھی۔

”اب جبکہ میرے ماں باپ نے میرا رشتہ آپ کے ساتھ طے کر دیا ہے، آپ بھی
 اس رشتہ پر اپنی قبولیت کا اظہار کر چکے ہیں اور پھر اس رشتہ پر میں اور آپ ہی نہیں،
 اشبیلیہ شہر کے سارے ہی لوگ خوش ہیں، اس موقع پر میں جو نیا موضوع چھیڑنا چاہتی
 ہوں وہ یہ کہ کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ اب سرائے میں اپنی رہائش ترک کر کے یہاں

ہمارے پاس آ کر رہیں؟“

جواب میں زکریا بن ادریس کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر رواندہ کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھا، کہنے لگا۔

”کیا ایسا تم اس بناء پر کہہ رہی ہو کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ محترم انیتش کی بیٹی رواندہ کا رشتہ جس جوان سے طے ہوا ہے وہ محترم عمر بن سرلیج کی ایک سرائے میں قیام کئے ہوئے ہے اور یہ کہ.....“

یہاں تک کہنے کے ساتھ ہی زکریا بن ادریس کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ تڑپ کر رواندہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ زکریا بن ادریس کے چہرے پر اپنا گداز ہاتھ رکھنے کے بعد رواندہ نے اپنی گردن جھکائے رکھی، پھر اپنا ہاتھ علیحدہ کیا اور سنجیدہ سی آواز میں کہنے لگی۔

”اس سے آگے کچھ مت کہئے گا۔ لوگ کچھ بھی کہتے رہیں، کسی بھی بات کا مجھ پر کوئی اثر نہیں۔ آپ جانتے ہیں میں تو اس سے پہلے ایک بار آپ سے یہ بھی کہہ چکی ہوں کہ میں کسی حویلی، کسی دولت، زیور، گہنوں، جواہرات کی خواہش نہیں رکھتی۔ مجھے اس کائنات میں خداوند قدوس کی خوشنودی کے بعد صرف زکریا بن ادریس کی ضرورت ہے۔ جانتے ہیں، میں آپ کے سامنے اس بات کی خواہش اور اظہار بھی کر چکی ہوں کہ کوئی اچھی حویلی تو بہت دور کی بات آپ مجھے خس کی بنی ہوئی کسی جھونپڑی میں بھی رکھیں گے اور اس جھونپڑی میں آپ میرے ساتھ رہیں گے تو میں سمجھوں گی، میں انونش کے محل سے بھی زیادہ کسی خوبصورت اور اعلیٰ پائے کی حویلی میں آپ کے ساتھ قیام کرتی ہوں۔ مجھے اس کائنات میں صرف آپ کی ضرورت ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ ہیں، آپ مجھ سے خوش ہیں تو مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ آپ اب میری ذات کا ایک حصہ ہیں۔ آپ کے بغیر رہنا میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ کبھی کبھی بس میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ میں تو ایک اچھی حویلی میں اپنے ماں باپ کے ساتھ قیام کئے ہوئے ہوں اور وہ ہستی جسے میں اپنی زندگی کا مقصد، اپنی زیست کا محور اور اپنا سب کچھ بنا چکی ہوں، وہ عمر بن سرلیج کے ایک چھوٹے سے کمرے میں قیام رکھتے ہیں۔ کیا یہ بات رواندہ اور اس کے ماں باپ کے لئے باعث شرم نہیں ہے؟“

یہاں تک کہنے کے بعد رواندہ رکی، کچھ سوچا، دوبارہ وہ زکریا بن ادریس کو مخاطب

کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”آپ یہ نہیں سوچتے، یہ جو اتنی بڑی حویلی ہے یہ کس کی ہے؟ میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ میں ماں باپ کی اکیلی اولاد ہوں۔ جبکہ حالات، وقت اور میرے ماں باپ مجھے آپ کے حوالے کر چکے ہیں۔ اب آپ ہی میرے والی وارث ہیں۔ لہذا میرا ہر اثاثہ، میری ہر جمع پونجی آپ کی ہے۔ اس بناء پر کیا یہ ممکن نہیں ہے؟“

یہاں تک کہتے کہتے رواندہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اُس کی بات کاٹتے ہوئے زکریا بن اور لیس بول اٹھا تھا۔

”رواندہ! تیری مہربانی، تیرا شکریہ کہ تو میرے متعلق ایسے خیالات رکھتی ہے۔ دیکھ! اس سے پہلے شاید میں نے تجھے نہیں بتایا کہ تمہارے بابا سے اس سے پہلے اس حویلی کے موضوع پر میری تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ وہ اس حویلی کی ملکیت میرے نام کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ اس حویلی کی مالک رواندہ ہے.....“

زکریا بن اور لیس بھی اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ اس لئے کہ رواندہ نے فوراً اس کی بات کاٹی اور کہنے لگی۔

”ٹھیک ہے۔ اگر اس حویلی کی وارث اور مالک رواندہ ہے تو کیا رواندہ کے مالک و وارث آپ نہیں ہیں؟“

رواندہ کے ان الفاظ پر زکریا بن اور لیس مسکرا دیا۔ کہنے لگا۔

”رواندہ! جو کچھ تم کہہ رہی ہو، بالکل درست ہے۔ لیکن یہ تو سوچو شادی سے پہلے یہاں میرا قیام کرنا اچھا نہیں ہے۔ جب ہم دونوں کی شادی ہو جائے گی، پھر دونوں میاں بیوی بیٹھ کر اس موضوع پر گفتگو کریں گے اور جیسا تم کہو گی، میں ویسا کرنے پر رضامند ہو جاؤں گا۔ میں تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتا۔ تمہارے لئے زندگی کے کسی موڑ پر میں اذیت کا کوئی نشان کھڑا نہیں کرنا چاہتا۔“

زکریا بن اور لیس کے ان الفاظ پر رواندہ تو صنیٰ اور فخریہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ حویلی میں انیتش داخل ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی دکان میں کام کرنے والا ایک خادم تھا۔ دونوں سامان سے لدے پھندے تھے۔ سامان مطبخ میں رکھوانے کے بعد خادم تو باہر چلا گیا جبکہ انیتش دیوان خانہ میں آ کر بیٹھ گیا۔

اس کے آنے پر روانہ نے موضوع بدلا اور زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔
 ”جس وقت آج بابا آپ کو لینے کے لئے گئے تو اس سے پہلے ہی انہوں نے
 انکشاف کیا تھا کہ آپ کسی مہم پر روانہ ہونے والے ہیں۔“
 اس پر زکریا بن ادریس کہنے لگا۔

”رواندہ! تمہارا اندازہ درست ہے۔ افونش اور اس کے لشکریوں نے مشرق کی
 مسلمان ریاستوں المریا، مریہ، لورقا اور بلنیا کو اپنا ہدف بنانا شروع کر دیا ہے۔ لہذا
 معتمد چاہتا ہے کہ میں اور یوسف بن تاشفین کا سالار داؤد بن عائشہ ایک لشکر لے کر
 مریہ اور المریا والوں کی مدد کے لئے جائیں جبکہ خود معتمد غیر در بن شیبب اور زیدون بن
 مسلم کے ساتھ ایک لشکر لے کر بلنیا اور لورقا کا رخ کرے گا۔ یہاں سے جو عسا کر تیار
 ہوئے ہیں وہ بالکل کوچ کی حالت میں ہیں۔ اس وقت صرف امیر یوسف بن تاشفین
 کے سالار داؤد بن عائشہ کا انتظار ہو رہا ہے۔ جونہی وہ اپنے لشکر کے ساتھ اشبیلیہ پہنچے
 گا، میں اور وہ مریہ اور المریا والوں کی مدد کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ جبکہ معتمد بلنیا
 اور لورقا والوں کی مدد کرنے کو روانہ ہو جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا اسی وقت روانہ کی ماں
 اموسیہ دیوان خانہ میں داخل ہوئی اور کہنے لگی۔

”زکریا! میرے بیٹے! آج تم سرائے نہیں جاؤ گے، یہیں ہمارے ہاں قیام کرو
 گے۔ دیکھو بیٹے! کوئی بہانہ نہیں بنانا۔“

اموسیہ کے ان الفاظ کے جواب میں روانہ مسکراتے ہوئے زکریا بن ادریس کی
 طرف جواب طلب انداز میں دیکھنے لگی تھی۔ اُس کے اس انداز کو زکریا بن ادریس نے
 بھی بھانپ لیا تھا لہذا اموسیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اماں! میں کوئی بہانہ نہیں بناؤں گا۔ جیسا تم کہو گی، ویسا ہی ہو گا۔ جیسا تم چاہو
 گی، اسی پر عمل ہو گا۔“

زکریا بن ادریس کا یہ جواب سن کر روانہ اور اموسیہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔
 ایتیش بھی مسکرا رہا تھا۔ پھر اموسیہ، روانہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹی! تمہارے بابا بازار سے پھل اور دوسری اشیاء لے آئے ہیں۔ اب اٹھو،
 کھانے پینے کی ساری اشیاء یہیں لگاتے ہیں اور اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔“

اپنی ماں کے ان الفاظ کے ساتھ ہی روانہ ہوئے ایک پیار بھری نگاہ زکریا پر ڈالی، پھر وہ جست لگانے کے انداز میں اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی، اپنی ماں کے ساتھ ہوئی۔

دونوں ماں بیٹی نے کھانے کی ساری اشیاء وہیں لگائیں اور سب مل کر کھانا کھانے لگے تھے۔

داؤد بن عائشہ بھی اپنا لشکر لے کر اشبیلیہ پہنچ گیا اور اس کے اشبیلیہ پہنچنے کے دوسرے روز داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس ایک لشکر لے کر مرسیہ اور المریا کی طرف روانہ ہوئے تھے جبکہ ان کے ساتھ ہی ساتھ معتمد، غیردر بن شیبیب اور زیدون بن مسلم دوسرا لشکر لے کر لورقا اور بلنسیا والوں کی مدد کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔





زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں اپنے لشکر کو لے کر المریا اور مرسیہ شہروں کے ان میدانوں کی طرف بڑھے تھے جہاں افونش کے لشکریوں کے سپہ سالار اعلیٰ فانیز نے اپنے ایک بہت بڑے اور جرار لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔

المریا، ہسپانیہ کا ایک نامور اور مشہور شہر تھا۔ یہ جنوبی اُندلس میں واقع تھا۔ اس شہر کا پرانا نام کرکی تھا۔ اہل عرب نے اس کا نام اپنی طرف سے المریا یا البجانہ رکھا۔ یعنی ایسا مقام جہاں سے بجانہ شہر نظر آتا تھا اور اس کی حفاظت ہو سکتی تھی۔

اسلامی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں بجانہ بڑا شہر اور علاقہ المریا کا دار الحکومت تھا مگر پھر اس کی آبادی المریا میں منتقل ہو گئی۔ بجانہ جس کا اسپینی نام بھی پی چینا ہے، غیر آباد ہو کر ایک گاؤں رہ گیا جو المریا سے چھ یا سات میل کے فاصلے پر اب بھی موجود ہے۔

مشہور مؤرخ شریف ادریسی، المریا سے بجانہ کا فاصلہ لگ بھگ چار میل لکھتا ہے۔ المریا کا شہر دو پہاڑیوں پر اور اس کے بیچ میں جو شاداب اور زرخیز زمین بنتی ہے، اس پر آباد تھا۔ ان دو پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑی پر قلعہ تھا جو عبدالرحمن الناصر اموی خلیفہ نے تیار کروایا تھا۔ لیکن خیران صقلسی نے جو خلیفہ ہشام کے زمانے میں پہلے المریا کا والی ہوا کرتا تھا اور پھر منصور بن ابی عامر کی وفات کے بعد خود مختار ہو گیا تھا، اس قلعہ کو بہت بڑھا کر تعمیر کیا اور اس میں عالیشان عمارتیں بنائیں۔ اس وجہ سے قلعہ کا نام اس کے نام پر قلعہ خیران مشہور ہو گیا۔ یہ قلعہ نہایت مستحکم تھا اور اس کے چار مینار صد ہا برس گزر جانے پر اب بھی تمام شہر کی عمارتوں سے اپنا سراونچا کئے کھڑے ہیں۔

دوسری پہاڑی کے ایک حصہ پر ایک آبادی تھی جس کا نام ربض الحوض تھا اور باقی

حصہ پر شہر، میدان، تفریح گاہ اور باغات تھے۔ شہر اور ربض الحوض ایک ہی شہر پناہ کے اندر تھے۔ اس پہاڑی کا نام جبل لاہم تھا۔ شہر پناہ میں متعدد دروازے تھے۔ ان میں سے ایک دروازے پر پتھر کا عقاب بنا ہوا تھا، اس وجہ سے اس دروازے کو باب العقاب کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ اس کی مضبوط شہر پناہ برجوں اور مورچوں کے علاوہ اس شہر کے استحکام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اکثر سمتوں میں پہاڑی سلسلے اس کو حلقہ کئے ہوئے تھے جن کی بلندیاں زمین سے سیدھی اٹھی ہوئی تھیں۔ المریا اور اس کے علاقہ پر شروع میں طارق اور موی کی فتوحات کے زمانہ میں یعنی پہلی صدی ہجری کے آخر میں مسلمانوں کا قبضہ ہوا تھا۔

مسلمانوں کی حکومت کے آغاز سے یہ شہر برابر ترقی کرتا رہا۔ چنانچہ عبدالرحمن الداخل ہی کے زمانے میں یہاں سامان حرب تیار کرنے اور جہاز بنانے کے کارخانے قائم ہو گئے تھے۔

مسلمانوں کے دور میں اس شہر کی مصنوعات میں ریشم کے آٹھ سو کارخانے تھے جن میں سقلاقون، اصفہانی، جرجانی، دیبارچے، دیبا، دوپٹے، اوڑھنیاں، زربفت کے مرصع پردے اور طرح طرح کے ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے۔ دریائے المریا کے کنارے کنارے جس کو وادی بجانہ بھی کہتے تھے، پھلوریاں پاور پن چکیاں تھیں۔ ان باغوں سے طرح طرح کے میوے بکثرت شہر میں آ کر ارزاں فروخت ہوتے تھے۔

المریا کی بندرگاہ میں مصر کی بندرگاہ اسکندریہ اور شام تک کے جہاز آمد و رفت رکھتے تھے۔ تجارت کی وہ گرم بازاری تھی کہ تمام اُندلس میں یہاں کے باشندوں سے زیادہ تجارت پیشہ اور مالدار کہیں نہ تھے۔

مسلمانوں ہی کے زمانہ میں المریا جنوبی اُندلس کی ایک بڑی بندرگاہ ہو گیا تھا۔ اس شہر پر اموی سلاطین اُندلس نے تقریباً تین سو برس حکومت کی۔

جہاں تک مرسیہ شہر کا تعلق ہے تو یہ مسلمانوں کا بڑا مشہور اور نامور شہر تھا۔ مسلمانوں کے دور حکومت میں یہ صوبہ مرسیہ کا دار الحکومت تھا۔ یہ دریائے شقورہ کے کنارے آباد تھا اور سمندر سے مغرب کی سمت میں 45 میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ شہر ایک ہموار قطعہ زمین کے تقریباً مرکز میں تھا۔ یہ زمین نہایت شاداب تھی۔ اہل عرب اس کو

بوستان کہتے تھے۔ اب بھی اسپینی زبان میں اس کو ہیورانا کہتے ہیں جس کے معنی باغ یا بوستان کے ہیں۔ اس سطح زمین کے گرد پہاڑ تھے اور اس کے بیچ سے دریائے شقورہ بہتا ہوا نکلتا تھا۔

باوجود اس کے کہ یہ شہر سمندر کے قریب ہے لیکن موسم میں اعتدال نہیں۔ گرمیوں میں سخت گرمی اور جاڑوں میں شدت کی سردی ہوتی ہے۔ شہر کا زیادہ حصہ دریائے شقورہ کے بائیں کنارے پر آباد تھا۔ یہ دریا مریہ شہر کے قریب ہی شمال مشرق کا رخ اختیار کر کے 30 میل آگے جا کر سمندر میں شامل ہو جاتا تھا۔ اس دریا پر آج کل دو محرابوں کا ایک پل ہے جس سے لوگوں کی شہر میں آمد و رفت رہتی ہے۔ شہر کے پرانے حصوں کے بازار اور گلی کوچے تنگ ہیں۔

عربی مورخوں کے خیال کے مطابق جہاں شہر مریہ اب آباد ہے، اس کے قریب ہی وہ شہر آباد تھا جو علاقہ تدمیر کا دار الحکومت ہوا کرتا تھا اور مسلمانوں کے دور میں مریہ کہلاتا تھا جس کو مدینہ تدمیر بھی کہتے تھے۔ مگر کچھ زمانے کے بعد یہ شہر یعنی مدینہ تدمیر اور مریہ مل کر ایک ہی شہر ہو گئے جس کو اہل عرب نے مدینہ مریہ کہنا شروع کر دیا۔ مدینہ تدمیر یا مدینہ مریہ کی نسبت یہ معلوم ہے کہ یہ زمانہ قبل از مسیح سب سے پہلے قرطاجنی عرب اسپین میں آئے تھے تو ان شہروں کے موقع پر ایک شہر اس وقت موجود تھا اور رومنوں کے تسلط میں تھا لیکن یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ اس قدیم شہر کا اس وقت کیا نام تھا۔ بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ اس کو درگیلیہ کہتے تھے۔

بہر حال مریہ شہر کا مشرقی اُندلس میں خاص مقام تھا۔ اس کے باشندے جسمانی طاقت میں مشہور تھے۔ اس کا دریا شقورہ اُندلس کے سب سے بڑے دریا کبیر کا مقابلہ کرتا تھا کیونکہ یہ دونوں ایک ہی منبع سے نکلتے تھے۔ اس دریا کے کنارے دور تک باغات چلے گئے تھے۔ درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں کا ہوا میں جھومنا، دریا کے کنارے پانی کھینچنے کے پیہوں اور چرخوں کی آوازیں، طیور کی خوش الحانی، پھولوں کی خوشبو حقیقت میں ایسی دلفریب چیزیں تھیں کہ جن کو بیان کرنا ہی مشکل ہے۔

مریہ غالباً تمام اُندلس میں پھلوں اور خوشبو دار جڑی بوٹیوں کے لئے سب سے بڑی جگہ تھی۔ ان چیزوں کے سبب یہاں کی معتدل آب و ہوا، زمین کی شادابی اور زرخیزی کے باعث یہاں کے باشندے تمام مخلوق کے مقابلے میں زیادہ آرام اور

آسائش رکھتے تھے اور اسی وجہ سے اس کے رنگین مزاج واقع ہونے کی شہرت ہو گئی تھی۔
 زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ اپنے لشکر کے ساتھ منزل پر منزل مارتے
 ہوئے مرسیہ اور المریا کے درمیان کھلے میدانوں میں اس جگہ جا پہنچے جہاں افونش کے
 سپہ سالار فانیز نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ فانیز کو بھی شاید
 زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے آنے کی خبر پہلے سے ہو چکی تھی لہذا جونہی زکریا
 بن ادریس اور داؤد بن عائشہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچے، فانیز نے جنگ کی ابتداء
 کرنے کے لئے اپنے لشکر کے اندر طبل پیٹنے کا حکم دے دیا تھا۔

یہ حکم ملتے ہی فانیز کے لشکر کے اندر بڑے بڑے طبل بج اٹھے تھے۔ یہ صورت
 حال دیکھتے ہوئے زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست
 کرنا شروع کر دی تھیں۔ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصہ زکریا بن
 ادریس کے پاس اور دوسرا داؤد بن عائشہ کے پاس۔ چھوٹے سالاروں کو بھی اسی طرح
 تقسیم کر دیا گیا تھا۔

جب لشکر کی صفیں درست ہو گئیں تب دیکھتے ہی دیکھتے زکریا بن ادریس جو اس
 سے پہلے اپنے لشکر کی صفیں درست کر رہا تھا، لشکر کے سامنے آیا۔ فانیز کے لشکر میں ابھی
 تک طبل بج رہے تھے اور وہ اپنی صفیں درست کر رہے تھے۔ زکریا بن ادریس نے ادھر
 ادھر دیکھا، قبلہ کا تعین کیا، زمین پر بیٹھا، سجدہ ریز ہوا، پھر وہ انتہائی عاجزی اور انکساری
 میں دعا مانگ رہا تھا۔ جبکہ داؤد بن عائشہ اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ زکریا بن ادریس
 کہہ رہا تھا۔

”اے مالکِ دو جہاں! تو ہی تند حقارت کے سناٹوں میں بعد اور فاصلوں کو سمیٹتا
 ہے۔ تو ہی بے کنار سفاک اندھیروں میں آئینوں کے جوہر سا اُجالا عطا کرتا ہے۔ تو
 ہی بنجر، بے جان جذبوں کو حیات بخش نطق عطا کرتا ہے۔

اے سمیع و بصیر! اے رؤف و رحیم! ہمارے دشمن جو ہمارے سامنے کھڑے ہیں،
 ہمارے دلوں کے رابطوں کو دکھ کی گرم ہواؤں، ہجر کی اندھی رُتوں، ہمارے ذہنوں کے
 سلسلوں کو نوحہ گر خود سر بگولوں، وحشی ارادوں کی سرکشی، ہماری سر بلندی اور سرفروشی کو
 ابلیس کے سایوں، وحشتوں کے رقص، ہمارے اُجالوں، حوالوں کی بخت کو مذقوق، لاغر
 لمحوں اور حیران اور سرگرداں ریگزاروں میں تبدیل کرنے کے درپے ہیں۔

اے خدائے زندہ و مہربان! دشمن ہماری حرمتوں کی تنویروں میں ہمارے لئے نفرت کے خار، بد نیتی کے غبار کھڑے کرنے کے درپے ہے۔ وقت کے پھیلے اس گلیم میں وہ ہمارے لئے ہوس کی خواہشیں، نفس کی ملائیں وارد کرنے کا متمنی ہے۔

اے اللہ! تیرے ہی حکم سے سیپ کی آغوش میں گوہر پلتے ہیں۔ تیرے ہی عدل کے سورج تلے شجر ثمر آور ہوتے ہیں۔ تیرے ہی حکم سے خوابوں کے مقدر میں تعبیریں رقم ہوتی ہیں۔ تیرے ہی حکم سے زندگی کی طویل مسافتوں میں تہذیب کے سرطان کا زخ مُرتا ہے۔

اے میرے اللہ! تو ہی ناکامیوں کی دھوپ، مایوسیوں کے سیم و تھور، کالے قہر کی صورت پھیلنے صدیوں کے آزار کو کامیابیوں کے حسین سایوں، ساعتوں کی بہتی خوزریوں کو خوشیوں کے امن میں تبدیل کرتا ہے۔

اے اللہ! اس طلسم خانہ ارض و سماء میں ہمارا دشمن نیستی کے احوال لکھتی قضاء، کانٹوں کے حصار کھڑی کرتی مسافتوں، زرد ماحول کی بے بسی و لاچارگی کے عذابوں، سراپوں کی طرح ہمارے سامنے کھڑا ہے، ہم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم خام کاروں کو پختہ کار بنا دے، ہماری فکر کے بنجر پن کو خوشی کے خیابانوں میں تبدیل کر دے۔ اے اللہ! ہمیں ہمت و استطاعت دے کہ ہم دشمن کے اثر دھام پر صحرا کی پیاس بن کر نازل ہو جائیں۔

اے اللہ! ہماری مدد فرما کہ ہم دشمن کے دہکتے عزم کے سامنے راحتوں کی چھاؤں سی کامیابی حاصل کریں۔ میرے مالک! دشمن کی بدی کے تمدن کے اندھیاء کے سامنے ہمیں دلوں کے جوڑنے والے اسم اعظم سی فوز مندی عطا کرنا۔ دشمن کے پھیلنے بکھرتے سرخ لاووں سے ارادوں کے سامنے میرے خالق! تو ہمیں فطرت کے حسن سی کامرانی عطا کرنا۔ اے اللہ! ہمارے پاس سب سے بڑا ہتھیار یہی ہے کہ تیری بندگی ہمارا کمال، تیری اطاعت ہمارا جمال ہے۔ اے اللہ! غار حرا میں اقراء کی پکار کے صدقے میں ہمیں فتح مندی اور کامیابی عطا کرنا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرنے لگا تھا۔ اس کے قریب ہی کھڑا داؤد بن عائشہ بھی بڑی عقیدت مندی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی آنکھیں خشک کر رہا تھا۔ پھر دونوں نے آپس میں صلاح

و مشورہ کیا اور اس کے بعد وہ چھوٹے سالاروں کے ساتھ اپنے اپنے حصے کے لشکر کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ افونش کا سپہ سالار فانیز اب جنگ کی ابتداء کرنے والا تھا۔

پھر وقت کی آنکھ نے دیکھا فانیز نے اپنے لشکر کو نگر نگر میں ویرانیوں اور موت کی اُلجھن کھڑی کرتے غم کے سناپوں اور ہولناکی کے بے روک رقص، تباہی کے اڑتے بادلوں کی طرح آگے بڑھایا تھا۔

پھر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے لشکر پر خوف بھری تاریکیوں میں موت کی اندھی چاپ، مجبوریوں کی چادر پھیلاتی زمانے بھر کی وحشتوں اور غم کی عقوبت گاہوں میں بوند بوند بستے قہر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کے طور پر سب سے پہلے داؤد بن عائشہ نے اپنے کام کی ابتداء کی تھی۔ سب سے پہلے مسلمان لشکریوں نے یک زبان ہو کر تکبیریں بلند کیں، پھر داؤد بن عائشہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دروازوں میں درد کی دستک دیتے تند جھونکوں کی یلغار، خونی جذبات کے اندھیاد، کناپروں سے باہر نکل کر بہتے دریاؤں کے اُڈتے سیلاب اور دلوں کو ویران کرتی خاموش سیال آتش کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

داؤد بن عائشہ کے ساتھ ہی اس کے پہلو سے پہلو ملائے زکریا بن ادریس بھی ضبط کے غلاف پھاڑ کر اُٹھتے خمدو خال بگاڑ دینے والے صحرائی گراؤز، ریگ کے گرداب کھڑے کرتی رفتار کی کالی آندھیوں، آرزوؤں اور اُمیدوں کو حسرتوں اور تمنائوں کے خون میں تبدیل کرتی غصے اور نفرت کی گرجتی کڑک اور برق کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے پیچھے ہی پیچھے سارے مسلمان لشکری مجاہد پتھر کے نگر کی تیز آندھیوں اور چیختے لہجوں کے جھکڑوں کی طرح فانیز کے لشکر پر ضرب لگانے لگے تھے۔ دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے میدان جنگ کے اندر جبر کے جھکڑ، ظلم کی آندھیاں، وحشت بھری بے نام تڑپ، بغض و عداوت کا سرطان، آفتِ جاں بنتے تعصب بھرے بگولے، نوحہ کرتے وقت میں سسکیاں بھرتی ہواؤں اور جوش مارتی کرب خیزیوں کا سماں اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

عین اُس وقت جبکہ جنگ اپنے عروج پر آگئی تھی، داؤد بن عائشہ اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کڑکتی آواز میں کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! وہ اللہ جو بنجر بے جان زمین کو فصلوں کا نور عطا کرتا ہے، اُسے اپنی مدد کے لئے پکارتے ہوئے سمندر میں اٹھتی آندھیوں کے قافلوں کی طرح اپنی شجاعت کے نئے باب کھولتے جاؤ۔ وقت کے گہرے ساگر سے اٹھتے طوفانوں کی طرح دشمن کے لئے مصائب و ابتلاء کے ہجوم کی طرح دشواریاں ہی دشواریاں کھڑی کرنی شروع کر دو۔ میں جان تھیلی پر لئے سینہ سپر ہو کر تمہارے ساتھ ہوں۔ میرے عزیز ساتھیو! امن کو دوام بخشنے کے لئے تم زمین کا سہاگ ہو۔ ستاروں اور کہکشاں کا تبسم ہو۔ زندگی کی خزاں میں سکونت و طمانیت کا سنگم ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں، دشمن کی تعداد ہم سے زیادہ ہے، اگر تم اپنے رب کو پکارتے ہوئے تکبیریں بلند کرتے ہوئے دشمن پر ضرب لگاؤ تو بڑی آسانی کے ساتھ تم ان کے اندر سفاکانہ ہلچل اور فٹالحوں کا رقص پیدا کر سکتے ہو۔“

داؤد بن عائشہ کے ان الفاظ نے مسلمان لشکریوں کے اندر ایک ہلچل اور ایک تڑپ سی پیدا کر کے رکھ دی تھی اور انہوں نے اپنے حملوں میں کئی گنا زیادہ شدت اور سختی پیدا کر دی تھی۔

فانیز کے لشکر کی تعداد گویا زیادہ تھی لیکن تھوڑی ہی دیر کی مزید جنگ کے بعد اس کے لشکر کی حالت زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے سامنے دشت گماں کے سراہوں، خزاں کے زرد آنچلوں، کرب کی تشنگی، خونی دوسوسات، دکھ اور الم کے حروف اور خشک بول کے سوکھے سایوں سے بھی زیادہ ہولناک ہونا شروع ہو گئی تھی۔

اس کے بعد تھوڑی دیر تک مزید حالات کا جائزہ لینے کے بعد فانیز نے اپنی شکست قبول کی اور بھاگ کھڑا ہوا۔

زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے دور تک بڑی خونخواری اور بڑی شدت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا اور اس کے لشکر کی تعداد مزید کم کر دی۔ جبکہ فانیز بچے بچے لشکر کو لے کر لورقا اور بلنسیا کی طرف بھاگ گیا تھا جہاں افونش اور اس کے دیگر سالار ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ معتمد، غیرور بن شیبیب اور زیدون بن مسلم کا مقابلہ کرنے کے لئے موجود تھے۔

دشمن کا تعاقب ترک کر کے زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ پلٹے۔ پہلے اس جگہ آئے جہاں جنگ ہوئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے ملے

اور ایک دوسرے کو گلے لگا کر اپنی اس شاندار فتح پر مبارکباد دی۔ اس کے بعد سب سے پہلے زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی۔ فائز کے پڑاؤ سے ان کے ہاتھ بہت کچھ لگا تھا۔ سارے مال غنیمت کو جمع کر کے اس کا بیشتر حصہ لشکریوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد چھوٹے سالاروں کے ساتھ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ ایک جگہ جمع ہوئے۔ پھر زکریا بن ادریس، داؤد بن عائشہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! مریہ اور المریا کے درمیان ان کھلے میدانوں میں اپنے خداوند قدوس کی نصرت اور اس کی حمایت کے بل بوتے پر ہم افونش کے سپہ سالار فائز کو بدترین شکست دینے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ میرے عزیز بھائی! اگر تم پسند کرو تو صرف آنے والی شب اپنے لشکریوں کو یہاں آرام کرنے، سستانے کا موقع فراہم کریں گے، اس کے بعد اگلی صبح ہم اپنے لشکر کو لے کر بلنیا اور لورقا کے ان حصوں کا رخ کریں گے جہاں معتمد اپنے لشکر کے ساتھ افونش سے نکرانے کے درپے ہے۔“

زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب آگے بڑھ کر داؤد بن عائشہ نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! جیسا تم چاہ رہے ہو، ویسا ہی ہوگا۔ آؤ اب اپنے لشکریوں کے آرام اور ان کے کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔“

داؤد بن عائشہ کا جواب سن کر زکریا بن ادریس خوش ہو گیا تھا۔ پھر سارے چھوٹے سالار اور وہ داؤد بن عائشہ کے ساتھ ہو لئے تھے۔

دونوں نے اپنے لشکریوں کے ساتھ صرف ایک شب آرام کی خاطر وہاں قیام کیا اور اس سے اگلے روز وہ افونش کے مقابلے میں معتمد کی مدد کرنے کے لئے بلنیا اور لورقا کے میدانوں کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

بلنیا ایک بہت بڑا، عظیم اور پرانا شہر تھا۔ آج کل یہ صوبہ بلنیا کا دارالحکومت ہے۔ اس سے پہلے بھی سلاطین مروانیہ کے زمانے میں اور ان کے بعد طوائف الملوکی میں بھی وہ اس علاقہ کا صدر مقام تھا۔ دریائے ابیض کے داہنے کنارے پر یہ شہر آباد ہے۔ بحیرہ متوسط کا ساحل اس سے تین میل کے فاصلے پر پڑتا ہے۔ ہوا معتدل اور خشک ہے۔ سمندری ہوا چلتی ہے۔ مینہ کم ہی برستا ہے۔

شہر کی وضع قطع اب بھی اسلامی نظر آتی ہے۔ پُر وقار مینار اب بھی کثرت سے

ہیں۔ سنہری اور سفید رنگ کی روغنی اینٹیں مسلمانوں کے زمانے کی طرح اب تک برجوں اور میناروں پر لگائی جاتی ہیں۔

مشہور مؤرخ شریف اور لکھتے ہیں کہ شہر بلنیا اُنڈلس کا ایک مرکز ہے۔ سطح مرتفع زمین پر واقع ہے۔ علاقہ آباد ہے۔ تاجروں اور باہر والوں کی بڑی کثرت ہے۔ بازار بہت اور تجارت بے شمار ہے۔ مال بہت چڑھتا اور اُترتا ہے۔ بلنیا سے دریائے ابیض کے کنارے کنارے جاؤ تو سمندر تین میل طے کرنے کے بعد آ جاتا ہے۔ شہر دریائے ابیض کے کنارے واقع ہے۔ اس دریا سے یہاں کی زمین کو بڑا نفع پہنچتا ہے اور کھیتوں میں آپاشی اسی دریا سے ہوتی ہے۔ شہر کے ارد گرد مکانات اور عمارتیں مسلسل چلی گئی ہیں۔

مؤرخ ابن سعید کا بیان ہے کہ بلنیا اُنڈلس کے مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ اس کو مدینۃ التراب بھی کہتے ہیں۔ یہاں زعفران پیدا ہوتی ہے اور ایک پھل ہوتا ہے جس کو ارزہ کہتے ہیں۔ یہ انگور کے برابر نہایت شیریں اور خوشبودار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اُنڈلس کے تمام شہروں میں بلنیا سب سے زیادہ روشن ہے۔ یہاں سیرگاہیں اور عمارتیں بہت ہیں۔ باغوں میں سب سے زیادہ مشہور رصافہ اور مدیہ بن ابی عامر ہیں جن کے گلزار اور چمن، روشیں اور نہریں بڑی دل فریب ہیں۔

مؤرخ شفقدری لکھتا ہے کہ بلنیا کا نام مطیب اور اُنڈلس یعنی خوشبو کا قریہ بھی مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پھولوں اور پھلوں کے باغات کثرت سے ہیں اور ہر وقت خوشبو آتی رہتی ہے۔ یہاں جس باغ کا نام رصافہ ہے وہ نہایت پُر فضا مقام ہے۔ اس کے قریب ہی صاف شفاف پانی کی ایک جھیل ہے۔ آج کل اس جھیل کو البغیرہ کہتے ہیں۔

عام لوگوں کا بیان ہے کہ جھیل سے آفتاب کی شعاعیں منعکس ہو کر شہر پر اس طرح پڑا کرتی تھیں کہ شہر میں روشنی بڑھ جاتی تھی۔ بعض سیاحوں نے لکھا ہے کہ یہاں چھروں اور مکھیوں کی کثرت ہے۔ اس شہر کے متعلق ایک شاعر لکھتا ہے:

”بلنیا میں چھربانسری بجاتے اور کھیاں اس کی لے پر ناچتی ہیں۔“

شہر کے گرد ایک فصیل رومنوں کے زمانے میں موجود تھی اور اب بھی اس کے کچھ حصے سلامت ہیں مگر اب یہ فصیل صرف دروازوں تک ہی منحصر ہے۔ کہیں کہیں کوئی برج

باقی ہیں۔

اس شہر کے لئے دریاؤں سے آب پاشی اس قدر ہوتی ہے کہ شہر کے قریب دریا میں پانی کم رہ جاتا ہے۔ شہر کے کوچہ و بازار تنگ اور پیچیدہ ہیں۔ موجودہ دور میں بلنسیا شہر میں سینٹ نکولس نام کا جو گر جا ہے، کسی وقت میں مسلمانوں کی عمارت تھی۔

بلنسیا شہر کی مصنوعات میں روغنی اینٹیں اور ریشمی کپڑے بڑے مشہور ہیں۔ پھلوں میں یہاں کے باغوں میں کشمش، بادام اور انجیر وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ گیہوں، چاول اور زعفران بھی پیدا کی جاتی ہے۔ ریشم کے کیڑوں کو پرورش کر کے ریشم جمع کیا جاتا ہے۔ بلنسیا کے لوگ ایسے تھے جن کو رزم و بزم دونوں پر فضیلت تھی۔ ان میں بڑے بڑے فقہاء، ادیب اور شاعر اور بڑے بڑے مردانِ کارزار بھی پیدا ہوئے جنہوں نے ہمیشہ بڑی ہمت سے حملہ آور نصرائیوں کا مقابلہ کیا اور لڑائیوں کے خون آلود میدان میں تاجِ شہادت حاصل کیا۔

مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اہل بلنسیا بڑے متین ہوتے تھے۔ ان کا اخلاق اچھا تھا اور دین کی ہر ایک بات کے بڑے پابند تھے۔ یہاں کے مسلمان نہایت مہمان نواز تھے۔ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس شہر پر مسلمانوں کی حکومت صدیوں تک رہی۔ اس کے بعد بھی مسلمان ایک مدت تک وہاں عیسائیوں کی حکومت میں آباد رہے، لیکن پھر عیسائیوں نے ان کو وہاں سے خارج کر دیا۔

اس شہر سے متعلق مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ شہر پہلے شمال سے اٹھنے والی وحشی غال قوم کا مرکز تھا، اس کے بعد رومن اس پر قابض ہو گئے۔ دوبارہ غال قوم نے اس پر قبضہ کر لیا اور غالوں کی حکومت مسلمانوں نے ختم کر دی۔

مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ بنو امیہ کی تین سو برس سے اوپر کی حکومت کے بعد جب طوائف الملوکی ہوئی تو 412 ہجری یعنی 1021 عیسوی میں عبدالعزیز بن عبدالرحمن نے، جو منصور بن ابی عامر کے پوتے تھے، یہاں ایک مستحکم حکومت قائم کی۔ اس کے بعد ایک عیسائی سردار نے جو کبھی مسلمانوں کی ملازمت قبول کر کے عیسائیوں کے خلاف اور کبھی عیسائیوں کا مددگار بن کر مسلمانوں کے خلاف لڑا کرتا تھا، ایسی قوت حاصل کی کہ بلنسیا پر قابض ہو گیا۔ نصرانی مورخوں نے اس کا نام سید لکھا ہے جبکہ عرب مورخوں نے اس نصرانی سردار کا نام کنبتور لکھا ہے۔ عیسائی مورخوں کی زبان اس عیسائی سردار کی

تعریف میں خشک ہوئی جاتی ہے۔ مسلمان اس کو ابن الجیش یا کلب الجلیکیا لکھتے ہیں۔ اس کی دعا بازیاں اور مکاریاں پورے طور پر ثابت کرتے ہیں۔ اس کنبو تور کی حکومت اس شہر میں آٹھ برس تک رہی۔ اس کے بعد اس شہر پر پھر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور مسلمانوں کی حکومت اس شہر پر مزید 140 برس تک مسلسل قائم رہی۔

زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے افونش کے سپہ سالار اعلیٰ فائیز کو بدترین شکست دی۔ لہذا فائیز بلنسیا اور لورقا شہر کے درمیانی حصہ میں اُس طرف گیا تھا جہاں افونش نے ایک بہت بڑے اور جرار لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ اُس کے لشکریوں میں اُس کا بیٹا برگنزا، بڑے سالاروں میں سے لوکاس، اسپانیہ، پلاپوس، اس کے علاوہ افونش کی ملکہ لیستہ اور اس کی بیٹی مغریتا سب شامل تھے۔

افونش کا مقابلہ کرنے کے لئے معتمد، زکریا بن ادریس، غیردر بن شیب کے ساتھ لورقا اور بلنسیا کے درمیانی حصوں میں افونش پر ضرب لگانے کے لئے بڑھا تھا۔ لیکن جب معتمد اپنے لشکر کے ساتھ افونش کے مقابلے پر گیا تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ اس لئے کہ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، افونش کے لشکری پھلے ہوئے تھے۔ اب واپس جانا بھی معتمد کے لئے بڑے عار کی بات تھی لہذا اس نے افونش کا مقابلہ کیا لیکن اسے پسائی اور شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ بہر حال معتمد اپنے لشکر کو بچا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

دوسری طرف جب زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد اپنے بچے کچھے لشکر کو لے کر فائیز افونش کے پڑاؤ میں داخل ہوا اور افونش کے پڑاؤ میں یہ خبریں پھیلیں کہ مسلمانوں کے سالار زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں نے فائیز کو بدترین شکست دی ہے اور اس کے لشکر کا بہت نقصان ہوا ہے اور بچے کچھے لشکریوں کے ساتھ وہ پڑاؤ میں داخل ہو رہا ہے تب افونش، اس کی ملکہ ویستہ، بیٹی مغریتا، بیٹا برگنزا، سالاروں میں سے لوکاس، اسپانیہ، پلاپوس اور دوسرے چھوٹے بڑے سالار اور اُمراء سب اپنی اپنی قیام گاہوں سے باہر نکل آئے تھے۔ جس جگہ یہ سب اکٹھے ہوئے تھے وہاں فائیز اپنے چھوٹے سالاروں کے ساتھ آیا، گھوڑے سے اُترا، افونش کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ افونش نے اے مخاطب کرنے میں پہل کی اور کہنے لگا۔

”مجھے مسلمانوں کے دو سالاروں کے ہاتھوں تمہاری شکست کی خبر پہلے ہی ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں، میں تمہیں قصور وار نہیں ٹھہراؤں گا۔ یہ بتاؤ مسلمانوں کے کون سے سالار تھے جو تمہارے مقابل آئے؟“

اس پر فائیز کو کچھ حوصلہ ہوا، اپنے آپ کو سنبھالا اور افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”مسلمانوں کے دو سالار زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ میرے مقابل آئے اور میری بد قسمتی تھی کہ انہوں نے مجھے شکست دی اور پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کیا۔“

جواب میں افونش تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا، دوبارہ اس نے پوچھا۔

”کیا اس ٹکراؤ میں تمہارے لشکر کی تعداد زیادہ تھی یا ان دونوں کی؟“

فائیز جھوٹ نہ بول سکا۔ اس لئے کہ جانتا تھا اگر اس نے جھوٹ بولا تو افونش کے منہ حقیقت سے اسے آگاہ کر دیں گے لہذا سچ پر اترتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ عددی لحاظ سے مجھے ان پر کافی فوج تھی لیکن

حیرت کی بات ہے وہ مجھے شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔“

یہاں تک کہتے کے بعد فائیز خاموش ہوا۔ افونش اسے کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ افونش سے پہلے ہی اس کی بیٹی مغریتا بول اٹھی۔ کہنے لگی۔

”بابا! مسلمانوں کا یہ سالار جس کا نام زکریا بن ادریس ہے، اس سے پہلے بھی

ہمارے لئے کافی نقصان کا باعث بن چکا ہے۔ آپ جانتے ہیں، ہمارے ایک عمدہ

سالار کو بھی اس نے موت کے گھاٹ اتارا تھا اور کئی مواقع پر اس نے ہمارے لشکریوں

کو شکست سے دوچار کیا تھا۔ جہاں تک دوسرے سالار داؤد بن عائشہ کا تعلق ہے تو یہ

یوسف بن تاشفین کا سالار ہے۔ اس سے متعلق بھی سنا گیا ہے کہ بڑا نایاب اور بڑا عمدہ

سالار ہے۔ لہذا اس موقع پر میں یہ کہوں گی کہ اس سلسلے میں فائیز کا کوئی قصور نہیں

کیونکہ مسلمانوں کے ایسے سالاروں کا مقابلہ کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔“

جب تک افونش کی حسین اور خوبصورت بیٹی مغریتا بولتی رہی، افونش اور اس کی ملکہ

لیستہ دونوں مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ مغریتا جب خاموش ہوئی تب

افونش ایک طرح سے اپنی بیٹی کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”مغریتا ٹھیک کہتی ہے۔ یہ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ یقیناً وہ سالار ہیں

جو اپنی کامیابی کا درکھولنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی مسلمانوں کے دو سالار

ہیں۔ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم۔ یہ دونوں بھی زکریا بن اور لیس کے ساتھی ہیں لیکن یہ چونکہ معتمد کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ میرے خیال میں معتمد کی کوتاہیوں کی وجہ سے ہم انہیں شکست دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔“
ساتھ ہی افولش نے فائز کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”جس طرح مسلمانوں کے دو سالار زکریا بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ مرسیہ اور المریا کے درمیانی حصوں میں تم سے ٹکرائے، تمہیں شکست سے دوچار کیا، اسی طرح مسلمانوں کا ایک لشکر بلنسیا اور لورقا سے میری طرف بھی آیا تھا۔ اس لشکر کی کمانداری اشبیلیہ کا حکمران معتمد کر رہا تھا اور دو عمدہ سالار جن میں غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم شامل ہیں، اس کی نیابت کر رہے تھے۔ لیکن میں نے ان تینوں کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افولش رکا، کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

”فائز! اب ہمیں نئے سرے سے اپنے کام کی ابتداء کرنی ہے۔ اس سے پہلے ہم اپنے ناقابل تسخیر قلعے سے نکل کر مسلمانوں کے چار شہروں بلنسیا، لورقا، مرسیہ اور المریہ پر ضربیں لگانے کے علاوہ آس پاس کے علاقوں پر بھی حملہ آور ہو کر اپنے لئے فوائد حاصل کرتے رہے ہیں۔ میرا خیال ہے اب ہمیں اپنے دائرہ کار کو پھیلانا چاہئے۔ یوں کب تک ہم مسلمانوں کے مختلف علاقوں میں یلغار کرتے ہوئے اپنے لئے فوائد حاصل کریں گے۔ میں چاہتا ہوں بلنسیا، لورقا اور المریا پر قبضہ کر لیا جائے۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ایک طرح سے ہسپانیہ کا مشرقی حصہ ہماری گرفت میں آ جائے گا۔“

افولش مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا برگنزابول اٹھا، کہنے لگا۔

”بابا! میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا۔ آپ جانتے ہیں افریقہ کا حکمران یوسف بن تاشفین ایک بار زلاقیہ کے میدانوں میں ہمیں بدترین شکست دے چکا ہے۔ ہسپانیہ پر حملہ آور ہونے کے لئے اس نے جزیرۃ الخضراء کو اپنا محور و مرکز بنایا تھا۔ اپنا سارا سامان وہیں رکھا تھا۔ لشکر کا ایک محفوظ حصہ بھی اس نے وہاں جمایا تھا اور پھر ہم سے ٹکرایا تھا۔“

بابا! ایک بات یاد رکھئے گا، ہم سے شکست کھانے کے بعد معتمد آرام اور چین سے نہیں بیٹھے گا۔ میرا اندازہ ہے مسلمان آپس میں صلاح و مشورہ کرنے کے بعد ایک بار

پھر مزاکش کے حکمران یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور پھر ہمارے خلاف اس سے مدد طلب کریں گے۔

بابا! اگر پہلے کی طرح یوسف بن تاشفین پھر ہسپانیہ کے مسلمانوں کی مدد کے لئے تیار ہو گیا تو حسب سابق وہ جزیرۃ الخضراء کو اپنا مسکن و مرکز بنائے گا۔ وہیں سے اٹھ کر ہسپانیہ میں داخل ہو گا۔ سب نے پہلے ہسپانیہ کا شرقی حصہ ہی اس کی آماجگاہ بنے گا۔ بابا! اگر مسلمانوں کے چار شہر بلنسیا، لورقا، مرسیہ اور المریا فتح کرتے ہیں تو ان چاروں شہروں کے لئے ہمیں حاکم بھی مقرر کرنا ہوں گے اور چاروں شہروں کی حفاظت کے لئے وہاں ہمیں اپنے عساکر بھی متعین کرنا ہوں گے۔ اگر ہم نے وہاں لشکر نہ رکھے تو وہ شہر غیر محفوظ ہوں گے اور مسلمان دوبارہ ان پر قبضہ کر کے اپنی طاقت و قوت کو مستحکم کر سکتے ہیں۔

اور اگر ہم نے اپنے لشکر کے مختلف حصے چاروں شہروں میں رکھے تو یاد رکھئے گا ہماری عسکری طاقت کمزور ہو جائے گی اور پھر اگر مسلمانوں کی پکار پر یوسف بن تاشفین نے پھر افریقہ سے نکل کر ہسپانیہ کا رخ کیا تو یاد رکھئے گا اس کی آمد سے پہلے اگر ہم نے بلنسیا، لورقا، المرسیہ اور المریا پر قبضہ کر کے وہاں اپنے لشکر متعین کر دیئے تو یوسف بن تاشفین ہماری طرف آنے کی بجائے سب سے پہلے ان چاروں شہروں کا رخ کرے گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو پھر ان چاروں شہروں کے اندر جو ہمارے لشکری ہوں گے، ان سب کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ اس لئے کہ یوسف بن تاشفین کے آنے کی وجہ سے معتمد جیسے لوگ بھی شیر ہو جائیں گے۔ لہذا ہسپانیہ کے مسلمان یوسف بن تاشفین کے ساتھ مل کر وہ چاروں شہر واپس لیں گے اور یقیناً وہ واپس لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جب ایسا ہو گا تو ان چاروں شہروں کے اندر جو ہمارے لشکر ہوں گے ان میں سے کسی کو بھی مسلمان زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس طرح ہمیں بے پناہ نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بابا! میں چاہتا ہوں کچھ عرصہ انتظار کیا جائے۔ پہلے کی طرح اپنے مضبوط و مستحکم قلعے سے نکل کر مسلمانوں کے علاقوں پر ترک تاز جاری رکھی جائے اور اگر مستقبل قریب میں ہسپانیہ کے مسلمان پھر یوسف بن تاشفین سے مدد طلب نہیں کرتے تو پھر ہم چاروں شہروں پر حملہ آور ہو کر ان پر اپنا قبضہ مضبوط اور مستحکم کر لیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد برگزاجب رکاتب افونش کہنے لگا۔
 ”بیٹے! میں تیری تجویز سے اتفاق کرتا ہوں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ مراکش کا
 مسلمان سلطان یوسف بن تاشفین بار بار ہسپانیہ میں مسلمانوں کی مدد کے لئے نہیں
 آئے گا۔ آخر وہ کب تک ان کے لئے اپنے لشکر کو حرکت میں لاتا رہے گا؟ میرا دل کہتا
 ہے کہ اس بار اگر مسلمانوں نے پہلے کی طرح پھر یوسف بن تاشفین کو اپنی مدد کے
 لئے پکارا تو وہ ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔ تاہم بیٹے! میں تمہاری تجویز پر عمل کرنے کے
 لئے تیار ہوں۔ کچھ عرصہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا کیا ردِ عمل ہوتا ہے۔ جب مسلمانوں
 میں کوئی حرکت نہ ہوگی تو پھر ہم پیش قدمی کریں گے اور ان چاروں شہروں پر قبضہ کر
 لیں گے۔“

اپنے باپ کا یہ جواب سن کر برگزاجب ہی نہیں، سارے سالاروں کی بھی خوشی کی کوئی
 انتہا نہ تھی۔ اس کے بعد بچے کچھ لشکریوں کو، جو فانیز لے کر آیا تھا، افونش اپنے
 سالاروں کے ساتھ مل کر ان کے قیام اور آرام کا اہتمام کرنے لگا تھا۔





زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں اپنے لشکریوں کے ساتھ بڑی تیزی سے بلنیا اور لورقا کے درمیانی حصوں کا رخ کر رہے تھے کہ ایک جگہ دونوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچتے ہوئے انہیں روک دیا اس لئے کہ سامنے کی طرف سے کچھ سوار آتے دکھائی دیئے تھے۔ ان کی تعداد چار تھی۔ قریب آ کر وہ رکے، پھر ان میں سے ایک زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ اپنے لشکر کا رخ فوراً موڑ لیں۔ بلنیا اور لورقا کا رخ نہ کریں۔ اس لئے کہ وہاں افونش کے ہاتھوں معتمد اور دوسرے سالاروں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اور معتمد اپنے لشکر کو لے کر لگ بھگ دس فرسنگ مغرب کی طرف جا چکا ہے۔ ہمیں معتمد ہی نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔ افونش کے سپہ سالار فانیز کے مقابلے میں آپ دونوں کی کامیابی اور فتح مندی کی خبر معتمد تک پہنچ چکی ہے لہذا اب معتمد نے ہی ہمیں بھیجا ہے کہ آپ بلنیا اور لورقا کا رخ نہ کریں۔ دائیں جانب مڑیں اور ادھر کا رخ کریں جہاں معتمد نے اپنا پڑاؤ کر رکھا ہے۔ وہ بڑی بے چینی اور بے تابی سے آپ دونوں کا منتظر ہے۔“

یہ خبر سن کر داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس اواس ہو گئے تھے۔ چنانچہ آنے والوں کے پیغام کے مطابق انہوں نے اپنے لشکر کا رخ موڑا۔ اب وہ بلنیا اور لورقا کی طرف جانے کی بجائے دائیں ہاتھ مڑے اور اس سمت کا رخ کر رہے تھے جہاں شکست اٹھانے کے بعد معتمد نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔

زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ جب اس جگہ پہنچے جہاں معتمد، غیرور بن شیبہ اور زیدون بن مسلم نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا زکریا بن ادریس اور داؤد

بن عائشہ جب وہاں پہنچے تو سب نے شاندار انداز میں ان کا اور ان کے لشکریوں کا استقبال کیا۔ پھر دونوں کے ہاتھ پکڑ کر معتمد اس جگہ لے گیا جہاں اس سے پہلے وہ اپنے سالاروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ معتمد نے دونوں کو اپنے سامنے بلایا اور سب سے پہلے پوری تفصیل بتائی کہ کس طرح اسے افونش کے مقابلے میں شکست اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ تفصیل بتانے کے بعد کچھ دیر تک معتمد خاموش بیٹھا رہا، سوچتا رہا، اس کے بعد بڑھ کر یا بن اور لیس، داؤد بن عائشہ، غیر در بن شیب، زیدون بن مسلم اور دیگر سارے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! میں سمجھتا ہوں کہ ہسپانیہ کے حالات پھر ابتر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ افونش کے جس لشکر کا میرے ساتھ مقابلہ ہوا ہے اس لشکر کا میں نے جائزہ لیا کہ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، افونش کے لشکریوں کے سر ہی سر دکھائی دیتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں میرا پورا لشکر اس کے لشکر کا پندرہواں حصہ بھی نہیں ہوگا۔ میں تم دونوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ تم دونوں نے بہترین کارگزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے افونش کے سپہ سالار فانیز کو بدترین شکست دی ہے اور اس کے کافی لشکریوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ لیکن اس سے افونش کی طاقت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ افونش اب ہم پر پے در پے ضربیں لگا کر امیر یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں زلاقہ کے میدانوں کی شکست کا بدلہ لینے پر تکل گیا ہے۔ اس نے نہ صرف ہمارے علاقوں کے قرب و جوار میں بہترین اور مضبوط و مستحکم مسکن بنائے ہیں بلکہ جلیقیہ، کشتالیہ اور نبرہ سب علاقوں سے برابر تربیت یافتہ لشکری بھی اسے مل رہے ہیں۔ جس قدر لشکر کے ساتھ افونش نے زلاقہ کے میدانوں میں ہمارا اور یوسف بن تاشفین کا مقابلہ کیا تھا، اب افونش کے پاس اس سے بھی کہیں بڑا لشکر ہے۔ لہذا اپنے لشکر کی اس عددی فوقیت کو دیکھتے ہوئے افونش ایک طرح کے گھمنڈ اور تمرد میں آچکا ہے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ چھیڑنے کے بہانے تراشنے لگا ہے۔ اگر ہم نے اس کے خلاف صف آراء ہونے یا اس کے سامنے بند باندھنے میں تاخیر سے کام لیا تو یاد رکھئے گا، اپنے پہلے ہی حملے میں افونش اوزاس کے سالار بلنسیا، لورقا اور المرسیہ پر قبضہ کر لیں گے۔ جب وہ ایسا کر چکیں گے تو ہمارے لئے ان شہروں کو واپس لینا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو

جائے گا۔

دراصل مجھے تم دونوں ہی کا انتظار تھا۔ ابھی تک میں نے اپنے ارادوں کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔ اندر ہی اندر، دل ہی دل میں، ذہن ہی ذہن میں، شعور ہی شعور میں فیصلہ کرتا رہا۔ جو فیصلہ میں نے کیا ہے وہ یہ کہ میں ایک بار پھر امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوں گا، امیر سے ہسپانیہ کے سارے حالات کہوں گا اور ان سے التماس کروں گا کہ ایک بار پھر وہ ہسپانیہ آنے کی زحمت کریں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو افونش ہسپانیہ کے اندر ایسی طاقت اور قوت پکڑے گا کہ سالوں میں نہیں، مہینوں کے اندر یہاں مسلمانوں کی ساری حکومت کی بساط لپیٹ کر رکھ دے گا۔ جو تجویز میں نے پیش کی ہے، اس سے متعلق اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بولے۔“

جب سب نے کوئی اعتراض کھڑا نہ کیا تب معتمد نے اس پر طمانیت کا اظہار کیا، کہنے لگا۔

”میں یہاں سے واپس اشبیلیہ نہیں جاؤں گا۔ یہاں سے میں سیدھا مراکش کا رخ کروں گا۔ امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ میری التجا پر عمل کرنے پر رضامند ہو جائیں گے۔“

مجھے یہ بھی فکر لاحق ہے کہ میرے جانے کے بعد افونش مزید پُر پُر زے نکالے گا اور ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔ میں چاہتا ہوں میری غیر موجودگی میں تم سب سالار چوکس اور چوکے رہو۔ میری یہ بھی خواہش ہے کہ امیر یوسف بن تاشفین کے ہسپانیہ آنے تک تم کسی نہ کسی طرح افونش کی ترک تاز اور یلغار کو روکتے رہو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد معتمد جب رُکاتب بیچ میں زکریا بن ادریس بول اٹھا، کہنے لگا۔ ”ہم سب آپ کی اس تجویز سے اتفاق کر چکے ہیں کہ آپ یہاں سے امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہو جائیں۔ جہاں تک افونش کا تعلق ہے تو وہ یقیناً ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔ اُسے روکنے کے لئے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے جو لشکر اس وقت ہمارے پاس ہے۔ اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا داؤد بن عائشہ کے پاس، غیر در بن شیب میرے ساتھ کام کرے گا، زیدون بن مسلم داؤد بن عائشہ کے نائب کی

حیثیت سے فرائض سرانجام دے گا۔ ہم یہاں سے ہٹ کر اشبیلیہ سے تھوڑا مزید نزدیک ہوں گے اور دو مختلف جگہوں پر اپنے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیں گے۔ ہمارا یہ پڑاؤ دائیں بائیں ہوگا اور ہمارے درمیان میلوں کا فاصلہ ہوگا اور اپنے مخبروں اور نقیبوں کے ذریعے دونوں لشکر ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھیں گے۔

افونش خود یا اس کے سالار جس جگہ اس نے پڑاؤ کیا، وہاں سے اگر اشبیلیہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں تو راستے میں ہم انہیں اپنے ساتھ الجھائیں گے۔ پہلے میں ان پر حملہ آور ہوں گا۔ جب دیکھیں گے کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر ان کی راہ روکنے کے لئے آیا ہے تو وہ کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔ اس کے بعد مزید لشکری مختلف سمتوں سے ان پر حملہ آور ہوں گے۔ وہ اس طرح کہ جو لشکر میرے پاس ہوگا اور غیر در بن شیب میرے ساتھ کام کرے گا، اس لشکر کے بھی دو حصے کر دیئے جائیں گے۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا غیر در بن شیب کے پاس، اسی طرح دوسرے حصے کے بھی دو مزید جزو کر دیئے جائیں گے۔ ایک داؤد بن عائشہ اور دوسرا زیدون بن مسلم کے پاس۔ جب میں افونش پر حملے کی ابتداء کروں گا تو میرے حملے سے تھوڑی دیر بعد یہی کام غیر در بن شیب بھی کر دے گا۔ اس کے بعد مختلف سمتوں سے داؤد بن عائشہ، زیدون بن مسلم بھی اپنے اپنے حصوں کے ساتھ حملہ آور ہوں گے۔ جب ہم ایسا کریں گے تو افونش یہی خیال کرے گا کہ ان علاقوں میں مسلمانوں کے بہت سے لشکر گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں جو اس کے لئے نقصان کا باعث بن سکتے ہیں۔ لہذا وہ اشبیلیہ یا ہمارے کسی دوسرے شہر کی طرف پیش قدمی عارضی طور پر ترک کر دے گا تاکہ پہلے حالات کا جائزہ لے اور پھر فیصلہ کرے کہ اپنے لشکر کے ساتھ اس نے کس سمت پیش قدمی کرنی ہے۔“

سارے سالاروں کے علاوہ معتمد نے بھی زکریا بن اوریس کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد پورے لشکر نے مزید ایک شب وہاں قیام کیا۔ معتمد اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مراکش کی طرف روانہ ہو گیا تھا جبکہ زکریا بن اوریس، داؤد بن عائشہ اور ان کے سارے ساتھی لشکر کو لے کر مزید مغرب کی طرف تھوڑی سی پیش قدمی کرنے کے بعد دائیں بائیں مختلف جگہوں پر اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ گھات میں چلے گئے تھے۔



معمد ایک روز مراکش میں امیر یوسف بن تاشفین کی رہائش گاہ میں داخل ہوا۔ اس وقت امیر یوسف بن تاشفین اپنے بیٹے سیر بن ابی بکر اور کچھ امراء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ امیر یوسف بن تاشفین کو جو نبی معمد کے آنے کی خبر ہوئی، جس کمرے میں وہ بیٹھا ہوا تھا، اپنے بھتیجے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ وہاں سے باہر نکل کر معمد کا شاندار انداز میں استقبال کیا اور معمد کو اپنے ساتھ اسی کمرے میں امیر یوسف بن تاشفین لے کر گئے تھے جس کمرے میں وہ سب کے ساتھ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ معمد جب امیر یوسف بن تاشفین کے سامنے بیٹھ گیا تب کچھ دیر تک اس کی گردن جھکی رہی۔ امیر یوسف بن تاشفین بھی فکر اور پریشانی کے عالم میں اس کی طرف دیکھتا رہا، یہاں تک کہ یوسف بن تاشفین نے اسے مخاطب کیا۔

”لگتا ہے آپ کسی پریشانی کے عالم میں ہمارے ہاں آئے ہیں۔ یوں گردن جھکا کر سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کھل کر کہیں معاملہ کیا ہے؟“

اس موقع پر امیر یوسف بن تاشفین نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ امیر یوسف بن تاشفین اسے مخاطب کر کے کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ معمد بولا اور کہنے لگا۔

”امیر! میں ایک بار پھر انتہائی بے بسی کی حالت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ ہسپانیہ کے اندر ایک بار پھر تباہی کی کہانیاں، چھین کی داستانیں، ہلاکت کے خرابوں کی کہاوتیں، سرکش جذبوں، بربادی کو گلے لگاتے خون خرابے اور عداوتیں نجر پن کی طرح پھیلنا شروع ہو گئی ہیں۔“

امیر! خون پیتے دن، اندیشوں بھری راتیں، منافق ہوائیں، دوغلی صدائیں ایک بار پھر اندلس میں چلنا شروع ہو گئی ہیں۔ نا اُمیدیاں، خوف، تلخیاں ناقابل برداشت، درد ناک اضطراب کی طرح خوشونت آمیز رقابتوں اور تہمت کے گروہ کی طرح اندلس کی زمینوں پر اترنے لگی ہیں۔ امیر! ہم نے بڑی کوشش کی کہ آپ کے وہاں سے آنے کے بعد ہسپانیہ میں امن رہے۔ ہم مل کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ لیکن اب انفوس چنگھاڑتے طوفانوں، انحطاط و زوال کے بگولوں، بھڑکتی آگ کی آندھیوں کی طرح ہسپانیہ کے مسلمانوں کو ذلت و پستی کے عذاب سے دوچار کرنے کے درپے ہو گیا ہے۔ امیر! زلّاقہ کے میدانوں میں آپ کے ہاتھوں بدترین شکست اٹھانے کے بعد انفوس نے اپنی

عسکری طاقت اور قوت میں بے پناہ اضافہ کر لیا ہے۔“
اس کے بعد معتمد نے افونش کے لشکر کی پوری تفصیل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ
افونش کے لشکریوں کے بلنسیا، لورقا، المرسیہ اور المریا پر حملہ آور ہونے، زکریا بن ادریس
اور داؤد بن عائشہ کی کامیابی اور اپنی ناکامی اور شکست کی پوری روداد تفصیل سے کہہ
سنائی تھی۔

معتمد جب خاموش ہوا تب ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں یوسف بن تاشفین کہنے لگا۔
’معتمد! تمہارا سالار زکریا بن ادریس یقیناً قابلِ اعتماد اور بھروسے والا سالار ہے۔
میں جانتا ہوں وہ ایک بے بس انسان ہے۔ اس کا ماضی مصیبتوں اور دشواریوں سے بھرا
ہوا ہے۔ لیکن جب دشمن کے مقابلے پر جاتا ہے تو چھاتی تان کر اس کا سامنا کرتا ہے
اور میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اس کی جانثاری، اس کی فداکاری کی وجہ سے کامیابیاں
اس کے قدم چومتی ہیں۔‘

معتمد! یہ جو دشمن ہسپانیہ میں مسلمانوں کی قوت کا تمسخر اڑانے لگا ہے تو اس میں
اسلام دشمن قوتوں کا کوئی قصور نہیں۔ قصور سارا ہمارا اپنا ہے۔ ہم اپنے ماضی پر نگاہ نہیں
رکھتے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے جو کچھ کیا، ان میں سے جو اچھی باتیں تھیں انہیں اپنے
لئے ہم مشعلِ راہ نہیں بناتے۔ ہماری بدبختی یہ ہے کہ ہم اپنے آباء کی تاریخ کو پس پشت
ڈالتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہمارا سرمایہ ہے۔ معتمد! تاریخ دراصل انسانیت کا حافظہ ہے جو نہ
صرف قوم کا اثاثہ بلکہ کل نوعِ انسانی کے پچھلے تجربات کا دفتر محفوظ رکھ کر انسان کے
سامنے پیش کرتا ہے تاکہ ان تجربات کی روشنی میں انسان اپنے حال کا جائزہ لے اور
اپنے مستقبل کو آزمودہ بھلائیوں سے درست اور آزمودہ برائیوں سے محفوظ رکھنے کی
کوشش کرے۔

معتمد! یہ دنیا علت و اسباب کے مربوط سلسلے سے وابستہ ہے۔ دنیا کا ہر جدید واقعہ
کسی نہ کسی گزشتہ علت کا لازمی نتیجہ ہے۔ اگر موسمِ گرما میں آفتاب کی گرم کرنیں سمندر
کے پانی کو بھاپ بنا کر اڑاتی نہ رہیں تو سوکھی زمین پر کبھی مینہ نہ برے۔ اور اگر
برسات کے موسم میں بارش نہ ہو تو کھیت میں نہ غلہ پیدا ہو اور نہ شہروں میں تمدن وجود
میں آئے۔ بالکل اسی طرح دنیا کے تمام حادثات و واقعات اپنے ماضی سے وابستہ
ہیں۔ ماضی سے اچھی طرح واقف ہوئے بغیر نہ مستقبل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور نہ

حال کے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زندہ قوم تاریخ کا عموماً اور اپنے آباء کے حالات کا خصوصاً مطالعہ رکھتی ہے۔ اسی تاریخ کے ذریعے قوموں کے عروج و زوال کا اصول معلوم کیا جاسکتا ہے اور اسی تاریخ کے ذریعے انسانی ذہن کی صحیح تکمیل کی جاتی ہے۔ جس قوم کو آئندہ کی با عزت زندگی سے محروم کر دینا مقصود ہو، اس کے حال کا رشتہ ماضی سے منقطع کر دیجئے، پھر دیکھئے وہ قوم کیسی اور کس قدر تیزی سے پستیوں اور ذلت کی طرف چلی جاتی ہے۔ انسان روح و بدن کے ربط سے زندہ ہے لیکن قوموں کی زندگی کا دارومدار تاریخی روایات کو زندہ رکھنے پر ہے جو اپنی تاریخ سے واقف نہیں رہتی۔ وہ اس دنیا میں ایک زندہ قوم بن کر نہیں رہتی۔

معمد! اہل ہسپانیہ نے اپنے آباء کے کارناموں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جس طریقے سے انہوں نے یہ سرزمین حاصل کی، جو قربانیاں انہوں نے دیں اور جس انصاف اور جس رواداری سے کام لیتے ہوئے انہوں نے حکومت کی، یہ سارے معاملات اب ہسپانیہ سے غائب ہو چکے ہیں۔ ہسپانیہ جس میں کبھی مسلمانوں کی ایک مضبوط اور متحد حکومت ہوا کرتی تھی، اب وہی ہسپانیہ ہے جس میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں۔ معمد! ہاتھوں کی پانچوں انگلیاں اکٹھی رہ کر جب کام کریں گی تو ان کا مقابلہ ایک انگلی نہیں کر سکتی۔ ہسپانیہ کے حکمرانوں نے اپنی اپنی ریاستیں علیحدہ قائم کر کے خود دشمن کو دعوت دی ہے کہ آؤ ہمارے اندر نا اتفاقی ہے۔ ہم پر حملہ آور ہو۔ انوش ہسپانیہ کے مسلمانوں کی انہی کوتاہیوں اور انہی نا اتفاقیوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور مسلمانوں کو ہسپانیہ سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے۔ ہسپانیہ کے اندر میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ دوسری بڑی خامی یہ ہے کہ ریاست کا حکمران اپنے بعد اپنی اولاد میں سے کسی کو حکمران بنا دیتا ہے، خواہ وہ حکمرانی کے قابل ہو یا نہ ہو۔ حکمران وہی بنتا ہے۔ اور یہ صورت حال بھی حکومتوں کے اندر کمزوری اور تباہی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد لمحہ بھر کے لئے وہ خاموش ہوا، اس کے بعد اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”معمد! انسانی نسل جہاں ایک طرف اشرف المخلوقات اور محترم کائنات ہے تو دوسری طرف اس کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ کسی ایک اعلیٰ اور طاقتور ہستی

کو اپنا مرکز اور مقصد بنا کر رہے اور یہی فطری تقاضہ ہے جو اس کی باری تعالیٰ کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور تمام باطل قوتوں سے منحرف ہو کر اکیلے خدا کی پرستش پر آمادہ کرتا ہے۔

شیطانی فریب کاریوں میں سب سے بڑی فریب کاری یہ ہے کہ انسان نے حکومت اور سلطنت کے لئے قابلیت کی شرط کو فراموش کر کے وراثت اور نسب کے تعلق کو حکومت اور حکمرانی کے لئے بطور شرط لازم تسلیم کر لیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے لوگوں کو جو حکمرانی اور حکومت کے حقدار نہ تھے، محض حکمران کی اولاد ہونے کے سبب حکمران بننے اور مستحق حکمرانی لوگوں کو ذلیل و خوار بنانے کا موقع ملنے لگا۔ نوع انسانی کی اس غلطی نے دنیا میں بڑی بڑی خرابیاں اور ہنگامہ آرائیاں برپا کیں اور بنی آدم کو اپنی اس غلطی کے بڑے بڑے خمیازے بھی بھگتنے پڑے۔

قرآن کریم اور حضور ﷺ نے اس عالمگیر گمراہی اور نوع انسانی کی اس عظیم الشان غلط روی کا علاج کیا۔ حضور ﷺ نے خود حکومت کی فرمانروائی کر کے فرائض رسالت و نبوت کے علاوہ دینی حکمرانی اور حکومت کا بھی بہترین نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور نوع انسانی کو بتایا کہ حکمران کے فرائض کیا ہوتے ہیں اور ان کے اختیارات کی حدود کیا ہے۔

آپ کے بعد آپ کے بہترین فیض یافتہ اور تربیت حاصل کردہ گروہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی تعلیم کے مطابق بہترین شخص یعنی مستحق حکومت اور قابل فرمانروائی انسان کا انتخاب کیا اور عملی طور پر پہلی مرتبہ یہ شیطانی طلسم ٹوٹا کہ حکومت اور فرمانروائی کے لئے وراثت قابل لحاظ نہیں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی اصول پر ہوا جو انسانوں کے ہاں پسندیدہ ہے۔

بہر حال خلافت راشدہ کے بعد انسانی کمزوری اور شیطانی فریب کاری نے پھر نصی تعلقات کو حصول سلطنت کے لئے ضروری قرار دے دیا اور حکومت اور سلطنت بجائے اس کے کہ مستحق اور قابل افراد کا حصہ ہوتی، مخصوص خاندانوں کا حق سمجھی جانے لگی۔ لائق فرمانرواؤں کے بعد ان کے نالائق بیٹے تخت حکومت پر جلوہ افروز نظر آنے لگے اور ان نالائقوں سے تخت سلطنت پاک کرنے کے لئے لوگوں کو بڑی بڑی اذیتیں

برداشت کرنا پڑیں لیکن حکومت میں وراثت ایسا قبیح فعل تھا جسے بنی نوع انسان اپنے دامن سے نکال نہ سکا اور آج تک اس کے مضر اثرات پختہ ہوتے جا رہے ہیں۔“
یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین رکا، کچھ دیر بغیر معتمد کا جائزہ لیا، پھر کہنے لگا۔

”معتمد! زلّاقہ کے میدانوں میں انفوس کو شکست دینے کے بعد جب میں اپنے بیٹے کے مرنے کی وجہ سے واپس مراکش آیا تو میں نے یہ اُمیدیں باندھی تھیں کہ شاید اب ہسپانیہ کے سارے مسلمان یکجا ہو جائیں گے، اپنی نا اتفاقی کو پس پشت ڈال دیں گے، انفوس کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو جائیں گے اور ایک طاقت بن کر انفوس کا مقابلہ کریں گے، پر لگتا ہے اُنڈس کے حکمران اس قابل نہیں کہ باہم اتفاق و یکجہتی قائم رکھ سکیں۔“

بہر حال معتمد! تم آئے ہو تو میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ تم ایک لمبا سفر طے کر کے آئے ہو۔ آرام کرو۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ پھر پہلے کی طرح ہسپانیہ کا رخ کروں گا اور دیکھوں گا انفوس کیسے مسلمانوں کے لئے وبال جان بننے کی کوشش کرتا ہے۔“
امیر یوسف بن تاشفین کا یہ جواب سن کر معتمد خوش ہو گیا تھا۔ دو روز اس نے وہاں قیام کیا، پھر کوچ کیا۔ ساتھ ہی امیر یوسف بن تاشفین بھی اپنے لشکر کو لے کر انفوس پر ضرب لگانے کے لئے ہسپانیہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

ہسپانیہ کی بڑی خانہ بدوشی ہے، خواہ وہ صحرانورد حکومتوں کے اندر کمرزد ہو۔ یہاں تک کہنے کے آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا
”معتمد! انسانی نسل جہاں ایک طرف دوسری طرف اس کی فطرت میں یہ بات دائرہ



دوسری طرف افونش کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ امیر یوسف بن تاشفین ہسپانیہ کے مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک بار پھر ہسپانیہ کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر چکے ہیں، چنانچہ اس نے اپنی ساری عسکری قوت کو اپنے قلعے حصن اللیط کے پاس جمع کر لیا تھا۔ یہ قلعہ عیسائی دنیا کا ناقابل تخیر قلعہ خیال کیا جاتا تھا۔ کوہستانی سلسلے کے اوپر تھا، انتہائی مضبوط اور مستحکم تھا۔ اس قلعے کے اطراف میں افونش نے اپنے لشکریوں کو جمع کیا۔ وہاں اس نے خیموں کا ایک شہر آباد کر دیا۔ پھر سارے امراء اور سالاروں کا اس نے اجلاس طلب کر لیا تھا۔ جب سارے سالار اس کے پاس آ جمع ہوئے تب خود افونش، اس کا بیٹا برگنزا، ملکہ لیستہ، اس کی بیٹی مغریتا اس مجلس میں آئے، ایک نمایاں جگہ پر بیٹھ گئے۔ پھر افونش اپنے سارے سالاروں اور امراء کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”جیسا کہ ہمارے منجر ہمیں یہ اطلاع دے چکے ہیں کہ ہمارے ہاتھوں شکست اور ہزیمت اٹھانے کے بعد معتمد نے مراکش کا رخ کیا تھا اور ایک بار پھر اس نے مراکش کے یوسف بن تاشفین کو ہمارے خلاف حرکت میں آنے کے لئے آمادہ کر لیا ہے اور ہمارے منجر یہ اطلاع بھی دے چکے ہیں کہ یوسف بن تاشفین اپنے لشکر کے ساتھ روانہ بھی ہو چکا ہے۔“

مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے میں نے جو تجویز اپنے ذہن میں ٹھانی ہے اس کا میں تم پر اظہار کرتا ہوں۔ اس میں اگر تم میں سے کوئی تبدیلی کرنا چاہے اور تبدیلی قابل عمل ہوئی تو اس پر فوراً عمل کیا جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش رکا، کچھ سوچا، پھر دوبارہ اپنے امراء اور سالاروں کو

مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے پہلے زلّاقہ کے میدانوں میں ہمیں مراکش کے حکمران یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں ناکامی اور شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن وہ حالات اور تھے۔ اور اب ہمارا لشکر پہلے سے کئی گنا زیادہ ہے اور میں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ اس بار کھلے میدانوں میں مراکش کے یوسف بن تاشفین کو بدترین شکست دی جائے گی۔ کوشش یہ کی جائے گی کہ وہ ہسپانیہ سے بچ کر ہی نہ جائے۔ اگر بچنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو اسے ایسی ضرب لگائی جائے کہ آنے والے دور میں پھر کبھی وہ اندلس کی طرف آتا تو بہت دور کی بات، ہسپانیہ کے مسلمانوں کی مدد کے متعلق سوچ تک نہ سکے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد انوش رکا، دم لیا، کچھ سوچا، پھر دوبارہ وہ کہہ رہا تھا۔
 ”جو تجویز اس وقت میرے ذہن میں ہے، اس کے مطابق بیس ہزار کا ایک آزمودہ کار لشکر حصن اللیط میں رکھا جائے گا۔ یہ قلعہ ایسا ہے کہ ہسپانیہ کا یوسف بن تاشفین اگر ساری عمر بھی قلعے پر حملہ آور ہوتا رہے تو اس کو فتح نہیں کر پائے گا۔ باقی لشکر کے ساتھ ہم اپنی صفیں حصن اللیط سے باہر استوار کریں گے۔ حصن اللیط کے نواح میں جو کھلے میدان ہیں، انہی کے اندر ہم مسلمانوں سے ٹکرائیں گے اور مجھے امید ہے کہ اس ٹکراؤ کے دوران ہی ہم مسلمانوں کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

اس بار مجھے اپنی فتح اور کامیابی کا پورا یقین ہے۔ اس لئے کہ جب میں اپنے لشکر کی عددی حیثیت کا اندازہ لگاتا ہوں تو مسلمانوں کے عسا کر آٹے میں نمک کے برابر بھی محسوس نہیں ہوتے۔ ویسے بھی میرا دل کہتا ہے کہ اس بار فتح مندی اور کامیابی ہمارے ہی قدم چومے گی۔ اگر حالات زیادہ ہی ہمارے خلاف ہوئے اور مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیں پسپا ہونا پڑا تو ہم تھوڑا سا پیچھے ہٹیں گے، اس کے بعد نئے کام کی ابتداء کریں گے۔ وہ اس طرح کہ قلعے میں جو ہمارا بیس ہزار کا لشکر ہوگا، ہماری ناکامی کے بعد وہ بھی حرکت میں آئے گا۔ چنانچہ اس لشکر کے سالار کا ہمارے ساتھ رابطہ رہے گا اور گاہے گاہے، وقفہ وقفہ سے سامنے کی طرف سے میں اور میرے سالار جبکہ کبھی کبھی قلعے سے نکل کر ہمارا بیس ہزار کا لشکر مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا۔ اگر پہلی بار ہمیں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو یہ جو دوسرا طریقہ ہم مسلمانوں پر دوسرے حملہ کرنے کا شروع کریں گے

تو مسلمان زیادہ عرصہ ہمارے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے۔

میرے عزیز ساتھیو! اگر ایک بار ہم مراکش کے یوسف بن تاشفین کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھنا وہ یہاں قدم نہیں جمائے گا، مراکش کی طرف بھاگنے والی بات کرے گا۔ اور جب وہ مراکش کی طرف چلا جائے گا تو ہسپانیہ کے اندر جو چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستیں ہیں، انہیں تو ہم ہفتوں کے اندر اپنے سامنے زیر کر لیں گے اور ان سب کی حکومت اور سلطنت کی بساط لپیٹ کر ان کا خاتمہ کر دیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش کچھ دیر خاموش ہوا، سوچا، پھر اپنے سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں نے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا۔ اب تم میں سے کوئی تجویز کے حق میں یا تجویز کے خلاف کوئی بات کہنا چاہے تو اسے کہنے کی اجازت ہے۔“

افونش کی اس گفتگو کے جواب میں اس کا سالار لوکاس اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کیا ایسا ممکن نہیں کہ بیس ہزار کا لشکر ہم مسلمانوں کے ساتھ ٹکرانے سے پہلے قلعے میں نہ رکھیں بلکہ اس لشکر کو بھی اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں اور پوری قوت اور طاقت کے ساتھ مسلمانوں پر ضرب لگائیں۔ بیس ہزار کا وہ لشکر بھی جب ہمارے ساتھ ہو گا تو میرے خیال میں ہم بہتر انداز میں مسلمانوں پر ضرب لگائیں گے۔ ہاں اگر حالات ہمارے حق میں نہ ہوئے تو بعد میں بیس ہزار کا ایک لشکر ضرور قلعہ میں بھیجا جا سکتا ہے اور پھر اس کے ذریعے مسلمانوں پر دو طرفہ حملوں کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد لوکاس جب خاموش ہوا تب افونش کا سپہ سالار فانیز اپنی جگہ سے اٹھا اور افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”گو لوکاس نے ایک اچھا مشورہ دیا ہے لیکن میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔ بیس ہزار کا لشکر ہمیں پہلے ہی حصن اللیط میں بھیج دینا چاہئے۔ اس کے قلعہ میں بھیجے جانے سے ہمارے لشکر کی عددی فوقیت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔ مجھے امید ہے کہ جس قدر لشکر مسلمان ہمارے مقابلے پر لے کر آئے ہیں، ہمارا لشکر کم از کم ان سے دس گنا ہو گا اور اس لشکر کے ساتھ ہم مسلمانوں کو سمندر تک کھنکال کر رکھ دیں گے۔ ہاں! اگر حالات کی ستم ظریفی اور مقدر کی بد قسمتی سے مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیں پسپا ہونا

پڑتا ہے تو پھر اس پسپائی کے دوران یا اس کے بعد کوئی لشکر قلعے کے اندر نہیں بھیجا جا سکے گا اور یہ بڑا مشکل بلکہ مشکل ترین مرحلہ ہوگا۔“

فائز جب خاموش ہوا تب افونش کچھ دیر تک اپنے سپہ سالار کی طرف تو صغی انداز میں دیکھتا رہا، پھر اپنے سالار لوکاس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”لوکاس! جو کچھ فائز نے کہا ہے میں سمجھتا ہوں وہ بہتر مشورہ ہے اور ہمیں اسی پر عمل کرنا چاہئے۔“

باقی سالاروں نے بھی چونکہ فائز کے اس مشورے سے اتفاق کیا تھا لہذا اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ بیس ہزار آزمودہ کار لشکریوں پر مشتمل ایک لشکر قلعہ کے اندر بھیج دیا گیا۔ باقی لشکر کے ساتھ افونش مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دینے لگا تھا۔



ادھر امیر یوسف بن تاشفین اپنے لشکر کے ساتھ ہسپانیہ پہنچے۔ ہسپانیہ پہنچنے کے ساتھ ہی امیر یوسف بن تاشفین نے سب سے پہلے معتمد سے ملاقات کی۔ اس لئے کہ معتمد اپنے سارے سالاروں اور امراء کے ساتھ امیر یوسف بن تاشفین کا استقبال کرنے کے لئے آیا تھا۔ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے جو افونش کے خلاف اشبیلیہ کی حفاظت کے لئے گھات لگائی گئی تھی، وہ بھی ترک کر دی گئی تھی۔ چنانچہ جو لشکر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کی سرکردگی میں تقسیم کئے گئے تھے، انہیں متحد کر دیا گیا اور وہ سارے لشکر امیر یوسف بن تاشفین کے استقبال کے لئے پہنچ چکے تھے۔

ہسپانیہ کی سرزمین میں قدم رکھنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین نے معتمد سے مشورہ کرنے کے بعد دو کام کئے۔ پہلا یہ کہ تیز رفتار قاصد انہوں نے ہسپانیہ کے ملوک الطوائف کی طرف روانہ کئے اور انہیں دعوت دی کہ وہ ان کے ساتھ مل کر افونش کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

چنانچہ امیر یوسف بن تاشفین کی اس پکار کے جواب میں تمیم صاحب مالقہ، عبداللہ صاحب غرناطہ، مہتم صاحب مریہ اور چند دیگر کم درجہ کی ریاستوں کے فرمانرواؤں نے امیر یوسف بن تاشفین کی اس دعوت کو قبول کیا اور اپنے اپنے علاقوں سے لشکر لے کر

امیر یوسف بن تاشفین کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

دوسرا کام یہ کیا کہ معتمد اور دوسرے سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد قابل اعتماد مخبروں کو افونش کے عساکر کا جائزہ لینے کے لئے روانہ کر دیا گیا تھا۔ یہ دو کام کرنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین اور ہسپانیہ کے لشکری انتظار کرنے لگے تھے۔

چنانچہ چند ہی دن بعد مالقہ، غرناطہ، المریا اور دیگر علاقوں کے چھوٹے چھوٹے لشکر امیر یوسف بن تاشفین کے پاس پہنچ گئے تھے۔ جو جاسوس افونش کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے روانہ کئے گئے تھے ان میں سے بھی کچھ لوٹ کر آئے تھے۔ جس وقت وہ امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت امیر یوسف بن تاشفین کے پاس معتمد کے علاوہ دیگر مسلمانوں کے حکمران، زکریا بن ادیس، داؤد بن عائشہ، غیرور بن شیب، زیدون بن مسلم، امیر یوسف بن تاشفین کا بھتیجا سیر بن ابی بکر اور امیر یوسف بن تاشفین کے کچھ دیگر سالار بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر قابل توجہ اور قابل لحاظ بات یہ تھی کہ بطلیوس کے قاضی ابوالحق، غرناطہ کے قاضی ابو جعفر، قرطبہ کے قاضی ابن ادھم، اشبیلیہ کے قاضی محمد بن ابراہیم تک وہاں موجود تھے اس لئے کہ وہ سب امیر یوسف بن تاشفین کا استقبال کرنے کے لئے آئے تھے اور لشکر میں بخوشی شامل ہو گئے تھے۔

مخبر جب یوسف بن تاشفین کے پاس آئے، امیر نے انہیں مخاطب کیا۔ کہنے لگا۔
”ساتھیو! اگر تم کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو تو کہو۔“

اس پر آنے والے ان مخبروں میں سے ایک امیر یوسف بن تاشفین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر! ہم بڑی اہم خبریں حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہمارے کچھ ساتھی ابھی تک افونش کے لشکر کے اردگرد کے علاقوں میں منڈلا رہے ہیں اور اس کے لشکریوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔ جو خبریں ہم اب تک آپ کے پاس لے کر آئے ہیں، افونش نے دو قدم اٹھائے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ قلعہ حصن اللیط کے نواح میں مسلمانوں سے ٹکرائے گا۔ قلعے کے اطراف میں جو کھلے میدان ہیں، اس نے وہاں پڑاؤ کر لیا ہے اور انہی میدانوں کو وہ میدان جنگ بنانا چاہتا ہے۔

اس کے علاوہ اس نے بیس ہزار کا ایک لشکر قلعے کے اندر بھی رکھا ہے۔ اس لشکر

سے وہ کیا کام لینا چاہتا ہے یہ اطلاع ابھی تک ہم حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ ساتھ ہی اب ہم آپ سے یہ بھی کہہ دیں کہ اس بار افونش کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس سے پہلے زلاقہ کے میدانوں میں جو افونش سے ہمارا ٹکراؤ ہوا تھا تو اس لشکر کے مقابلے میں افونش کے پاس اس بار کئی گنا بڑا لشکر ہے۔ بس امیر! ابھی تک ہم یہی اطلاعات آپ کے پاس لے کر آئے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا تب امیر یوسف بن تاشفین تھوڑی دیر تک ان آنے والے مخبروں کو تو صغی انداز میں دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔
”میرے عزیز ساتھیو! تم انتہائی اہم، عمدہ اور سود مند اطلاعات لے کر آئے ہو اور اس سے ہم بہت زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔“

امیر کے ان الفاظ سے مخبر بھی مطمئن ہو گئے تھے۔ امیر نے کچھ دیر تک ان خبروں کا جائزہ لیا، کچھ سوچتا رہا، پھر ہلکا سا تبسم امیر یوسف بن تاشفین کے لبوں پر نمودار ہوا۔ ساتھ ہی معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”افونش اگر ہمیں دھوکے اور فریب میں رکھ کر اپنے لئے کامیابی کا در کھولنا چاہتا ہے تو اس میں اسے نہ صرف ناکامی ہوگی بلکہ ذلت اور پستی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔“
یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین خاموش ہوا، کچھ دیر سوچتا رہا، اس بار اس نے معتمد اور دیگر سارے سالاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا میرے بھتیجے سیر بن ابی بکر کے پاس، تیسرا زکریا بن اور لیس، چوتھا داؤد بن عائشہ اور پانچواں لشکر معتمد! تمہاری سرکردگی میں ہوگا۔ میں لشکر کے وسطی حصہ میں رہوں گا۔“

یہاں تک کہتے کہتے امیر یوسف بن تاشفین اچانک رک گیا، دوبارہ اس نے آنے والے مخبروں کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

”عزیز ساتھیو! یہ تو کہو کہ افونش نے اپنے لشکر کے ساتھ حصن اللیط کے کس طرف پڑاؤ کر رکھا ہے؟“

جواب میں ایک مخبر بولا اور کہنے لگا۔
”امیر! افونش نے اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ کے مشرقی سمت پڑاؤ کر رکھا ہے۔ یعنی جب یہاں سے ہم قلعے کی طرف جائیں تو افونش کا لشکر قلعہ کے دائیں جانب ہوگا۔“

مخبر کے خاموش ہو جانے کے بعد یوسف بن تاشفین نے پھر اپنے پہلے سلسلہ کلام کو آگے بڑھانا شروع کیا۔

”جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا تھا کہ میں اپنے لشکر کے ساتھ وسطی حصہ میں رہوں گا اور دائیں جانب یعنی میمنہ کی کمانداری میرے بھتیجے ہی کے پاس ہوگی۔ اور میں جانتا ہوں یہ بڑے احسن طریقہ سے اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کرے گا۔

جہاں تک بائیں بازو کا تعلق ہے تو اس میں معتمد، زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ تین مختلف لشکروں کے ساتھ ہوں گے۔ اب تم سب یہ پوچھو گے کہ لشکر کا دایاں پہلو ہلکا رکھا گیا ہے اس میں صرف میں نے اپنے بھتیجے سیر بن ابی بکر کو رکھا ہے جبکہ بائیں پہلو میں تین لشکر اور تین سالار رکھے گئے ہیں۔ تو اس کی توضیح میں تم پر واضح کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم اس سے مطمئن ہو گے۔

مخبر بتا چکے ہیں کہ افونش نے اپنے لشکر کے ساتھ حصن اللیط کے دائیں جانب پڑاؤ کر رکھا ہے۔ لہذا جب ہم اس سے ٹکرائیں گے تو حصن اللیط ہمارے بائیں جانب رہے گا۔ مخبر یہ بھی بتا چکے ہیں کہ افونش نے بیس ہزار کا ایک آزمودہ کار لشکر قلعے کے اندر رکھا ہوا ہے۔ اس لشکر سے وہ دو کام لے سکتا ہے۔

پہلا یہ کہ جنگ کے دوران ہی افونش کے کہنے پر اس لشکر کا سالار حرکت میں آئے گا، قلعے کے کسی مخالف سمت کے دروازے سے نکلے گا اور جب جنگ اپنے زوروں پر ہوگی تو ہمارے لشکر کے بائیں پہلو پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو میرا بھتیجا سیر بن ابی بکر اور معتمد قلب و میمنہ اور میسرہ کی حیثیت سے افونش کے ساتھ ٹکراتے رہیں گے۔ جو لشکر قلعے سے نکل کر حملہ آور ہوگا میں، سیر اور معتمد اس کی طرف بالکل توجہ نہیں دیں گے بلکہ اپنے سامنے افونش پر ضرب لگائیں گے۔ اس لشکر سے زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نمٹیں گے۔ سب سے بائیں جانب زکریا بن ادریس اپنے لشکر کے ساتھ ہوگا اور اس کے ساتھ داؤد بن عائشہ اور پھر معتمد ہوگا۔ چنانچہ جب حصن اللیط سے افونش کا لشکر نکل کر ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے آئے گا تو سب سے پہلے وہ ہمارے بائیں پہلو یعنی زکریا بن ادریس کا رخ کرے گا۔ اب زکریا بن ادریس کا کام یہ ہوگا کہ جونہی وہ دیکھے گا کہ ان کا لشکر قلعے سے نکلے گا اس پر ضرب لگانے کے لئے آ رہا ہے تو وہ ایک دم اپنی صفیں بائیں جانب درست کر لے گا۔ اپنے

لشکریوں کو جنگ شروع ہونے سے پہلے سارا معاملہ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ سمجھا دیں گے۔ چنانچہ سب سے پہلے زکریا بن ادریس قلعے سے نکلنے والے افونش کے لشکر سے ٹکرائے گا۔ ظاہر ہے اس کی تعداد بیس ہزار ہوگی۔ اس کے مقابلے میں زکریا بن ادریس کے لشکر کی تعداد بہت کم ہوگی۔ زکریا بن ادریس قلعے سے نکلنے والے لشکر کو روکے گا اور جب قلعے سے نکلنے والا لشکر زکریا بن ادریس کے ساتھ مصروف جنگ ہو جائے گا عین اسی لمحہ داؤد بن عائشہ بھی حرکت میں آئے گا اور وہ ایک دم بائیں طرف اپنے لشکر کو لاتے ہوئے قلعے سے نکلنے والے لشکر کے پہلو یا پشت کی جانب سے حملہ آور ہو جائے گا۔ اس طرح میرا اندازہ ہے کہ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ قلعے سے نکلنے والے اس لشکر کا قصہ تمام کر کے رکھ دیں گے، ان میں سے اگر کوئی بچے گا تو وہ بھاگ کر دوبارہ قلعے کے اندر چلا جائے گا۔ یہ ساری کارروائی مکمل کرنے کے بعد زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ پھر اپنی جگہ آئیں گے اور اپنی پوری طاقت و قوت کے ساتھ افونش کے لشکر پر ضربیں لگانا شروع کر دیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین رکا، کچھ سوچا، پھر دوبارہ اپنے سارے سالاروں اور امراء کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”اور اگر جنگ کے دوران افونش کا وہ لشکر جو قلعے میں ہوگا، وہ اپنی کسی کارروائی کی ابتداء نہیں کرتا، قلعے کے اندر ہی محصور رہتا ہے، وقت کا انتظار کرتا ہے تب زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ اپنے کچھ لشکریوں کے ذمہ یہ کام لگائیں گے کہ وہ قلعے پر نگاہ رکھیں۔ ساتھ ہی یہ دونوں سالار اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ تھوڑا سا آگے بڑھیں گے اور افونش کے لشکر کے پہلو پر ضرب لگائیں گے۔“

جب ایسا ہوگا تو یاد رکھئے گا، افونش کے لشکر میں وقتی طور پر ایک اضطراب پیدا ہو گا۔ اس لئے کہ انہیں اپنے لشکر کی صفوں کو درست کرنا پڑے گا، اپنے لشکر کے دائیں جانب اپنی قوت کو مزید بڑھانا ہوگا۔ جب وہ ایسا کریں گے تب میں، سیر بن ابی بکر اور معتمد اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کر دیں گے۔ ساتھ ہی جب زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ بھی اپنی پوری طاقت و قوت کے ساتھ دشمن کے پہلو پر ضرب لگائیں گے تو میرے عزیز ساتھیو! ہمارے ایسا کرنے سے ہماری فتح مندی اور افونش کی بدترین شکست اور ہزیمت یقینی ہو جائے گی۔

امیر یوسف بن تاشفین کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔
 اس کے بعد امیر یوسف بن تاشفین بڑی رازداری کے ساتھ اپنے سارے
 سالاروں کے ساتھ افونش کے خلاف جنگ کی ابتداء کرنے سے متعلق صلاح و مشورے
 کرنے لگا تھا۔
 اگلے روز امیر یوسف بن تاشفین نے افونش پر ضرب لگانے کے لئے حصن اللیط
 کا رخ کیا گیا۔





امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے لشکر کے ساتھ افونش کے بالکل سامنے حصن اللیط کے دائیں جانب آن پڑاؤ کیا تھا۔ ایک دن دونوں لشکری ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کئے رہے اور اگلے روز جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے افونش نے اپنے لشکر کے اندر طبل بجانے کا حکم دے دیا تھا۔

اس موقع پر وقت کی آنکھ، فضاؤں، ہواؤں اور سورج کی بصارت دیکھ رہی تھی کہ امیر یوسف بن تاشفین کے مقابلے میں افونش کا لشکر کئی گنا بڑا تھا۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، سر ہی سر دکھائی دیتے تھے۔ جب کہ اس کے مقابلے میں امیر یوسف بن تاشفین اور اس کے اتحادیوں کے لشکر کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔

اپنی عددی فوقیت کو سامنے رکھتے ہوئے افونش ایک طرح کے گھمنڈ، تکبر اور تہرد میں آ گیا تھا۔ لہذا اس نے مسلمانوں پر پہلے ضرب لگانے کا تہیہ کیا اور اسے یقین تھا کہ اس بار وہ مسلمانوں کو ایسی عبرت خیز اور بدترین شکست دے گا کہ آئندہ نہ کوئی مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے گا اور نہ ہی ہسپانیہ کے مسلمان اس کے خلاف سر اٹھانے کے قابل رہیں گے۔

چنانچہ جنگ کی ابتداء افونش نے ہی کی۔ افونش نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ وسطی حصہ کی کمانداری اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی اور اپنے سالاروں میں سے لوکاس کو نائب کی حیثیت سے ساتھ رکھا۔ بائیں حصہ کی کمانداری اپنے سالار فائیز کے سپرد کی اور اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے ساتھ اسپانہ کام کر رہا تھا۔ دائیں حصہ کی کمانداری افونش نے اپنے بیٹے برگنزا کے سپرد کی تھی جبکہ افونش کا سالار پلاگیوس برگنزا کی نیابت کر رہا تھا۔ ایک لشکر افونش نے اپنے سالار مارنوس کی سرکردگی

میں دے کر اسے اپنے پیچھے اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر چھوڑا تھا۔ یہ سارے انتظامات مکمل کرنے کے بعد افونش نے اپنے لشکر کو بے ثمر کرتی داستانوں، تپتی ریت کے گراؤز، دیولاخوں میں گونجتی آندھیوں، صدیوں پرانے راستوں پر ڈھول اڑاتے ہواؤں کے جھکڑوں، لو کے ہولناک تھپیڑوں کی طرح آگے بڑھایا۔ جس وقت اس کے لشکری آگے بڑھ رہے تھے، وہ احساس کو معطل کرتی خوفناک اندھی قوتوں، سکوت زاروں میں ہلچل برپا کرتے اور اضطراب کھڑا کرتے خروش، رگ و پے میں تلخی بھرتے نقاروں کی خوفناک گونجوں کی طرح نعرے اور صدائیں بلند کر رہے تھے۔ اس کے بعد افونش اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر موت کی تاریکیوں میں اُجالے کے ضمیر پر چھاتے ظلمتوں کے سیل، گردشِ دوراں میں تشنگی کا کرب بڑھاتے زرد طوفانوں کی کدورت اور غیض و غضب کا اضطراب کھڑا کرتے گردابِ اجل کے رقص کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اسلامی لشکر کی طرف سے پہلے امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ اس نے سب سے پہلے عجائبات کے سحر سے مسح کرتے عنبریں سحر کے افسانہ نور کی طرح ”نعم القادر اللہ“ یعنی اللہ تعالیٰ بہترین قدرت والا ہے کا نعرہ بلند کیا، اس کے بعد افونش کے لشکر پر رقیبوں کی رقابت، ظالموں کے ظلم کی داستانوں میں موت کے سندیے کھڑے کرتی عداوتوں کی خوفناک بھڑکتی آگ، بدنوں کی تہوں تک کو اُدھیڑ دینے والی ہواؤں کی شہ زوری، بادلوں کی گھن گرج اور حریفوں کی حرافت کو ماند کر دینے والی آگ کی لپٹوں کے گورکھ دھندے کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

امیر یوسف بن تاشفین کے بعد میمنہ کی کمانداری کرنے والے اس کے بھتیجے سیر بن ابی بکر نے بھی اسی کے انداز میں کام کی ابتداء کی۔ اس نے بھی حسین وادیوں میں چاندنی راتوں میں مسکراتے گلابوں کے سے انداز میں نعرہ بلند کیا۔ ”کنفی بالموت واعطاء“ یعنی نصیحت اور واعظ کے کے لئے موت ہی کافی ہے۔ اس کے بعد سیر بن ابی بکر بھی افونش کے لشکر پر نگاہوں میں اضطراب، چہروں پر سوزِ عتاب کھڑا کرتے ریت کے بگولوں کی حشر سامانیوں، وقت کی نبض کو درہم برہم کر کے روح میں دردِ الم کے طوفان کھڑے کرتے نفرت کے ہولناک جھکڑوں، حشر سامانیوں اور ظلم کی ظلم آرائیوں، شرکی ہر شکن اور نحوست کے گہن کو تمام کر دینے والے بھنور کی گرہیں کھولتے طوفانوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

اس کے بعد معتمد نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ اس نے بھی پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے مطابق زمزموں کی ساحری میں خوشبو بھرے حروف زار کے سے انداز میں نعریٰ بلند کیا۔ ”امنت بالذی خلقنی“ جس نے مجھے پیدا کیا میں اسی پر ایمان لایا ہوں۔ اس کے بعد معتمد بھی افونش کے لشکر پر دلوں کو ریزہ ریزہ، شیوہ دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے بھڑکتے آگ کے شعلوں، جذبات کو مجروح کرتے فطرت کے احتساب، زخموں کے حروف، درد کے الفاظ کھڑے کرتے تقدیر کے بدترین عذابوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

معتمد کے بعد داؤد بن عائشہ نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی۔ اس نے بھی قسموں کی ضوفشانی میں طرب خیز طلسم کی طرح نعرہ بلند کیا۔ ”امنت باللہ مخلصاً“ میں اخلاص کے ساتھ اللہ پر ایمان لایا۔ اس کے بعد داؤد بن عائشہ بھی بے جہت آسمان تلے روزہ شب کی روانی میں دل و جان کو شکن شکن کرتے قضا کے خوفناک گردابوں، زیست پر موت کی دستک دیتے آندھیوں کے قافلوں اور زرد رُو خزاؤں میں تباہی کے در تراشتی موت کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ آخر میں زکریا بن اوریس نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ اس نے بھی پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت خمار بھرے عطیوں میں مستی پر اترتے قافلہ نور کی طرح نعرے بلند کئے۔ ”الملک اللہ لا قوۃ اللہ باللہ“ یعنی حکومت اور ملک اللہ کا ہے، بجز اللہ کے اور کسی میں طاقت نہیں۔

یوں سب سے آخر میں زکریا بن اوریس بھی زیست کے کمال، حیات کی معراج کی بساط بچھاتے لوح و قلم کے امینوں کی طرح حرکت میں آیا اور وہ بھی عزم کی سرشاری کا مظاہرہ کرتی عمل کی کرشمہ سازیوں، اعصاب شکنی، شوخیزدہ مزاحی طاری کر دینے والی خون آشام اذیت ناکوں، موت کی ہر گھات، قضا کے ہر حصار، عزائم کے ہر غرور کو اپنے پاؤں تلے روند دینے والے آگ کے سیل و شرر اور غازیوں کے ثبات کی طرح دشمن پر ضربیں لگانا شروع ہو گیا تھا۔

یوں حصن اللیط کے نواجی میدانوں کے اندر موروثی تمدن کے اوہام میں تعصب کے مرض لاعلاج کے قہے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ حیات و موت کی کشمکش میں انسانی جسم کی قطع و بربید ہونے لگی تھی۔ دونوں طرف کے تیز حملوں نے آنت کو بے آنت، نشان کو بے نشان، ناموری کو بے نام، باضمیروں کو بے ضمیر بنانا شروع کر دیا تھا۔ زمین

کے چیتھڑے اڑاتے طوفانوں کی طرح چار سو مضطرب تھکنگی کے نوے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ہر سو ایک اعصابی ہیجان کھڑا ہو گیا تھا۔

عین اُس وقت جبکہ جنگ اپنے زوروں پر آگئی تھی، امیر یوسف بن تاشفین اپنے سارے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”غارِ حرا میں اقراء کی صداؤں کے امینو! شہرِ آذر میں اذان کی گونج بلند کرنے والے مجاہدو! سنو۔ کوئی خدا ہمارے اللہ جیسا نہیں۔ اسی کے لئے حمد کی ساری سرشاریاں، کائنات کی ساری سرفرازیاں ہیں۔ سنو! کوئی رسول ہمارے رسول ﷺ جیسا نہیں۔ سنو! ماؤں کی عظمت، بہنوں کی حرمت کے رکھوالو! بیٹیوں کی عصمت کے پاسبانوں! زمین کا سینہ چیرتے عزم کی طرح موت کا رقص کرتے ان اہلیوں پر ہستی کے اسرار و رموز میں لرزہ بر اندام کرتی خون کے اوراق پر گرتی ٹوٹی برق کی طرح حملہ آور ہو جاؤ۔“

میرے صاعقہ بدوش مجاہدو! حق و سچائی کا فروغ کرنے والے ساتھیو! صداقت کی قدیلیں روشن کرنے والے جانبازو! یہ دشمن اپنے لالچ کی اندھی کدال سے ہمارے لئے عقوبت ہمہ اذیت کھڑی کرنا چاہتا ہے۔ کین گاہ سے نکلتے خونِ درندوں کی طرح ہمیں بے بس کرنا چاہتا ہے۔ سنو ان کے سامنے جنگل کی دھاڑتی ہواؤں، صحرا سے اٹھتی قضاؤں اور شعلہ فشاں برق کی طرح جم جاؤ۔

قدیم گم شدہ اساطیری روایتوں کے امینو! دشمن پر ایسی ضرب لگاؤ کہ تمہاری ضربیں دشمن کو نجر زمین سے ہلکا، بے انقلاب و بے عزت، موت و حیات کی کشمکش میں بکھرے لہجوں کے غبار سا بنا کر رکھ دیں۔ سنو! وہ رب جس کے حکم سے بادلوں کے مساموں سے بجلیاں کوندتی ہیں، جس کے حکم سے بھنور سیپ پانی کے طشت پر اچھال دیتے ہیں، جس کے حکم سے فاش ہوتے اندھیروں میں روشنی کے بھید کھلتے ہیں، جس کے حکم سے قطرہ قطرے سے ملکر بحر بنتا ہے، جس کے حکم سے ذرہ ذرے کو گلے لگا کر دشت بنتا ہے، اسی کے حیرت انگیز کُن کے کمال سے روشنی کی کرنوں کے آنچل پھلتے ہیں۔ اسی رؤف و رحیم، سمیع و بصیر رب کو اپنی مدد کے لئے پکارتے ہوئے دشمن پر بدر کی تجلیوں کے سیلاب، غارِ حرا کے اُجالوں، غارِ ثور کی حرمتوں کی طرح حملہ آور ہو جاؤ۔“

امیر یوسف بن تاشفین کی اس تقریر کا خاطر خواہ اثر ہوا اور یہ تقریر سن کر مسلمان

شکری نفرت کی سنسان آندھیوں، کرب و عداوت کے ریتلے جھکڑوں، موت کے شکنجے کھڑے کرتے درد و الم کے المیوں، بیچ و تاب کھاتے بھنور، لاوے، شعلے، شراروں کی کھولتی تیز ہواؤں اور بے جہت کرتے برق و شرر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک دونوں لشکروں میں گھسان کی جنگ ہوئی، اس کے بعد افونش ہی نہیں خداوند قدوس مہربان کے حکم سے ہر آنکھ نے دیکھا کہ افونش کے لشکر کی حالت ندامت کے گہرے اندھیروں، بے چہرگی کے المیوں، صدیوں پرانے راستوں، ضمیر کی پستی، جبر کے اندھیاء، بے سکون سوالات، بربادی کی ندامت اور گرم ہواؤں، سلگتی دہلیز کی سی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

افونش اور اس کے سالاروں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے سامنے اپنے لشکر کو سنبھالیں لیکن اس میں انہیں بری طرح ناکامی ہوئی۔ ان کے لشکر آہستہ آہستہ پہلے پیچھے ہٹنے لگے، اس کے بعد ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ افراتفری کا عالم برپا ہو گیا تھا اور ساتھ ہی کچھ لشکر ادھر ادھر ہٹنے لگے تھے۔ یہ صورت حال افونش، اس کے بیٹے اور سالاروں کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ لہذا شکست کو قبول کرنے کے بعد افونش اپنے لشکر کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔

بھاگنے سے پہلے اپنے خاص کارندوں کے ذریعہ افونش نے حصن الیٹ کے اندر جو قلعہ دار تھا، اس کے پاس پیغام بھجو دیا تھا کہ اگر افونش کی شکست کی صورت میں مسلمان اس کا تعاقب کریں تو وہ اپنے بین ہزار کے لشکر کے ساتھ قلعے سے نکل کر مسلمانوں کی پشت پر حملہ آور ہو جائے تاکہ ناکامی کو کامیابی میں تبدیل کیا جاسکے۔

لیکن افونش کی بد قسمتی کہ جس وقت وہ شکست اٹھا کر بھاگا، امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے لشکر کو تعاقب کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ روک دیا۔ سب سے پہلے افونش کے پڑاؤ پر قبضہ کیا گیا۔ پڑاؤ سے مسلمانوں کے ہاتھ خوراک اور ہتھیاروں کے علاوہ دوسرا سامان اس قدر لگا کہ جنگ میں حصہ لینے والے لشکر سب مالا مال ہو کر رہ گئے تھے۔

افونش نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے اس کا تعاقب نہیں کیا تو وہ حصن الیٹ سے تین میل کے فاصلے پر جا کر پھر پڑاؤ کر گیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے تین بڑے شہروں جلیقیہ، نبرہ اور کشتالہ کی طرف تیز رفتار قاصد روانہ کئے۔ وہاں سے کمک کے علاوہ اس

نے رسد کا سامان بھی منگوا لیا تھا۔

حصن الملیط سے تین میل کے فاصلے پر پڑاؤ کرنے کے بعد افونش نے ایک بار پھر اپنے سارے سالاروں اور امراء کو اپنے پاس طلب کر لیا تھا۔ جب سب اس کے پاس جمع ہو گئے تب افونش اٹھائی دکھ اور مایوسی میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! اس سے پہلے جب افریقہ کے یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں ہمیں زلاّقہ کے میدانوں میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا تو میں اسے ایک اتفاقی حادثہ سمجھا تھا۔ اس بار میں نے پکا تہیہ کر رکھا تھا کہ یوسف بن تاشفین کو شکست دوں گا اور مجھے یقین بھی تھا کہ اسبار ہماری عدوی فوقیت پہلے کی نسبت بہت زیادہ ہے لہذا فتح ہماری ہی ہوگی۔ لیکن لگتا ہے حالات ہمارے خلاف پلٹا کھا چکے ہیں۔ ہماری بد قسمتی کہ پہلے کی طرح پھر شکست نے ہمارا ہی استقبال کیا اور مسلمان ہمارے مقابلے میں کامیاب رہے۔ حالانکہ تم نے بھی اندازہ لگایا، مسلمانوں کی تعداد ہمارے لشکر کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی۔ اس کے باوجود ہمیں شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ مسلمانوں کے مقابلے سے ہٹنے سے پہلے میں نے اپنے قاصد حصن الملیط میں اپنے قلعہ دار کی طرف روانہ کر دیئے تھے اور میں نے اس کی طرف یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ پسپائی ہمارا مقدر بننے والی ہے اور اگر ہم اپنے لشکر کو لے کر بھاگیں اور مسلمان ہمارا تعاقب کریں تو وہ قلعے سے نکل کر مسلمانوں کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو جائے۔ لیکن ہمارے مقابلے میں یہ مسلمان ایسے خوش بخت ثابت ہوئے کہ انہوں نے ہمارا تعاقب کیا ہی نہیں ہے۔“

اس موقع پر افونش کی حسین اور خوب صورت بیٹی مغریتا بول اٹھی، کہنے لگی۔

”بابا! انہیں ہمارا تعاقب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہمارے پڑاؤ میں اس قدر سامان تھا کہ جو شاید مسلمانوں کے لشکر کے پاس بھی نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے تعاقب پر ہمارے پڑاؤ کی ہر چیز سمیٹنے کو ترجیح دی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے کسی مخبر نے اپنے امیر یوسف بن تاشفین کو یہ اطلاع کر دی ہو کہ آپ نے بھاگنے سے پہلے اپنے قلعہ دار کو حکم روانہ کر دیا ہے کہ وہ پشت کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ چنانچہ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں نے ہمارا تعاقب ہی نہیں کیا۔ ہاں! ایک بات ضرور حیرت انگیز ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مغربتا رکی، کچھ سوچا، دوبارہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”زلاقہ کے میدانوں میں امیر یوسف بن تاشفین کے ساتھ ہمارا پہلا ٹکراؤ ہوا تھا اور ہم اس کے طریقہ جنگ سے واقف نہیں تھے۔ لیکن اس دوسرے ٹکراؤ میں تو ہمیں پہلے کی نسبت بہتر کارگزاری کا مظاہرہ کرنا چاہئے تھا۔ لیکن لگتا ہے ہمارے لشکری مسلمانوں کے مقابل جم کر لڑنے کی ہمت اور جرأت نہیں رکھتے۔ اسی بناء پر ہمیں مسلمانوں کے مقابلے میں شکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مغربتا رکی، پھر افونش اپنے لشکریوں کے سپہ سالار اعلیٰ فائز کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”فائز! اب یولو۔ مسلمانوں کے خلاف ہمیں کون سی منصوبہ بندی کرنی چاہئے؟“

افونش کے اس سوال پر فائز نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

”ہمیں اپنے لشکر کے ساتھ ہمیں پڑاؤ کرنا چاہئے جہاں ہم نے پڑاؤ کر رکھا ہے۔ چند ہی دنوں بعد ہمارے تینوں بڑے شہروں کشتالیہ، جلیقیہ اور نبرہ سے ہمارے لئے کمک اور رسد کا سامان مل جائے گا اور مسلمانوں کے ساتھ اس جنگ کے دوران جو ہمارا عسکری نقصان ہوا ہے وہ پورا ہو جائے گا اور ہم پھر خم ٹھونک کر مسلمانوں کے مقابلے پر آئیں گے اور شکست کو ان کا مقدر اور کامیابی کو ہم اپنی جھولی میں سمیٹنے کی کوشش کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد فائز رکا، کچھ سوچا، پھر دوبارہ وہ کہہ رہا تھا۔

”اس کے لئے ہمیں کوئی خاص طریقہ کار وضع کرنا ہوگا۔ جہاں تک میرا ذاتی خیال ہے مسلمانوں کے سالار اپنے لشکر کے ساتھ چند روز تک وہیں قیام کریں گے جہاں ان کے ساتھ ٹکراؤ ہوا ہے۔ اس دوران اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کریں گے۔ لشکریوں کو ستانے کا موقع فراہم کریں گے۔ اتنی دیر تک ہمیں کشتالیہ، جلیقیہ اور نبرہ سے کمک اور ضروریات کا سامان بھی پہنچ جائے گا۔ اس دوران یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے جاسوس ان کے سالاروں کو یہ اطلاع کر دیں کہ ہم نے حصن اللیط سے تین میل کے فاصلے پر شمال میں پڑاؤ کر رکھا ہے اور مجھے امید ہے کہ یوسف بن تاشفین کو اس کے یہ خبریں پہنچائیں گے تو چند دن میدان جنگ میں ستانے کے بعد وہ اپنے لشکر کو حرکت

میں لائے گا اور ادھر کا رخ کرے گا جہاں اس وقت ہم نے پڑاؤ کر رکھا ہے۔
 جس وقت آپ حصن اللیط کے سامنے کھلے میدانوں میں جنگ کی منصوبہ بندی کر رہے تھے اس وقت مجھے کچھ اعتراضات تھے لیکن میں مصلحتاً خاموش رہا۔ آپ نے جو بیس ہزار کا لشکر حصن اللیط کے اندر مقرر کیا تھا، اول تو اسے مقرر کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی، اپنے ساتھ رکھنا چاہئے تھا۔ اس طرح ہماری کارکردگی پہلے سے بہت بہتر ہوتی۔ اگر ہم نے اسے قلعہ کے اندر متعین کر ہی دیا تھا تو اس کی طرف یہ پیغام بھیجا جانا چاہئے تھا کہ جب مسلمانوں کے ساتھ جنگ اپنے عروج پر آجائے تو قلعہ دار بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ نکل کر اس وقت مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائے جس وقت گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ اس وقت قلعہ میں محصور لشکر باہر نکل کر اگر مسلمانوں کے پہلو پر ضرب لگاتا تو ہم بھی اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دیتے تو یقیناً کامیابی ہمارے ہی قدم چومتی۔ چونکہ ایسا نہیں ہوا لہذا ہمیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

اب مسلمان اگر چند دن ستانے کے بعد اس طرف بڑھتے ہیں جہاں ہم نے پڑاؤ کر رکھا ہوے تو ان سے ہم دوہری جنگ سے مقابلہ کریں گے۔ آپ آج ہی اپنے کچھ قاصد حصن اللیط کے قلعہ دار کی طرف بھجوا دیں اور اسے تاکید کریں کہ جو بھی مسلمانوں کا لشکر ہماری طرف پیش قدمی کرے، قلعہ دار مسلمانوں کے لشکر پر نگاہ رکھے اور پھر مناسب موقع جان کر اپنے لشکر کے ساتھ نکلے اور مسلمانوں کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو جائے۔ سامنے کی طرف سے ہم بھرپور ضرب لگائیں گے۔ اس لئے کہ کشالیہ، جلیقیہ اور نبرا سے کمک آنے کے بعد ہمارے لشکر کی حالت پہلے سے مستحکم ہو جائے گی اور اگر ہم ایسا کریں تو ہم مسلمانوں کو بڑی آسانی کے ساتھ شکست دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش کا سپہ سالار فانیز جب خاموش ہوا تب اس کا بڑا بیٹا برکنز ابول اٹھا۔ کہنے لگا۔

”فانیز نے جو منصوبہ بندی پیش کی ہے، بہت اچھی، عمدہ اور قابل عمل ہے پہلے اسی کو آزما لیا جائے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ مسلمان یقیناً چند دن ستانے کے بعد ادھر کا رخ کریں گے جہاں ہم نے پڑاؤ کر رکھا ہے چنانچہ ہمارا قلعہ دار ان پر نگاہ رکھے۔ جب وہ ہمارے قریب آئیں تو قلعہ دار اچانک قلعے سے نکلے اور مسلمانوں کی پشت پر

حملہ آور ہو جائے۔ سامنے کی طرف سے ہم حملہ آور ہو کر اپنی فتح مندی کو یقینی اور مسلمانوں کی شکست کو ان کا مقدر بنا دیں گے۔

اگر اس میں ہمیں کامیابی ہو جاتی ہے تو ہماری خوش قسمتی اور اگر اس میں ہمیں کامیابی نہیں ہوتی تو پھر ہمیں ایک اور کام کرنا چاہئے، اپنے لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے اور مختلف سالاروں کی کمانداری میں دیتے ہوئے مختلف علاقوں پر حملہ آور ہونے کی ابتداء کر دی جائے۔ ایسی صورت میں ہم سے نمٹنے کے لئے مسلمان بھی اپنے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیں گے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو ان کی طاقت و قوت کمزور ہو جائے گی اور ایسی صورت میں ہم مسلمانوں کو اپنے سامنے زیر کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔“

افونش کا بیٹا برگزاجب خاموش ہوا تب اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے افونش کہنے لگا۔

”تم دونوں نے جو تجویزیں اور منصوبہ بندی پیش کی ہیں دونوں ہی قابل عمل ہیں۔ پہلے فائز کے طریقہ کار پر عمل کیا جائے گا۔ اس میں اگر ہمیں کامیابی ہو گئی پھر یہ کامیابی ہماری خوش قسمتی بن جائے گی اور اگر اس طریقہ کار میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ہمیں شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو پھر جو منصوبہ بندی برگزاجب نے بتائی ہے اس پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنی فتح مندی کا دزکھولنے کی کوشش کریں گے۔“

اس کے ساتھ ہی افونش اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا۔

”اٹھو! سب سے پہلے اپنے زخموں کی دیکھ بھال کریں، پھر لشکریوں کے کھانے کا اہتمام کریں۔“ اس کے ساتھ ہی افونش کے سارے سالار اور امراء اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لئے تھے۔





افولش کے شکست اٹھا کر بھاگنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین، اس کا بھتیجا سیر بن ابی بکر، زکریا بن ادریس، معتمد، داؤد بن عائشہ، غیردر بن شبیب، زیدون بن مسلم اور دیگر سالار فوراً حرکت میں آئے۔ سب سے پہلے زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی، اس کام سے فارغ ہونے کے بعد دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا گیا اور امیر یوسف نے دشمن کے پڑاؤ سے ملنے والی چیزوں کی اکثریت کو لشکریوں میں تقسیم کر دیا تھا جس سے لشکری مالا مال ہو گئے تھے۔ چند روز تک لشکریوں کو ستانے کا موقع فراہم کیا گیا، پھر ایک روز یوسف بن تاشفین کے کہنے پر سب سالار اس کے پاس جمع ہوئے۔ اس موقع پر اپنے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! ہم اپنے خداوند قدوس کا جس قدر شکر ادا کریں کم ہے کہ اس نے اتنے بڑے لشکر کے مقابلے میں ہمیں کامیابی عطا کی۔ افولش کا لشکر ہم سے کئی گنا بڑا ہے اور یہ صرف رب کریم کی مہربانی اور تمہاری کارکردگی ہے جس کی بناء پر افولش کو ہم شکست دینے میں کامیاب ہوئے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد یوسف بن تاشفین رکا، تب معتمد بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”افولش اور اس کے سالاروں کو ہم نے بدترین شکست تو دے دی ہے، اب ہمارا اگلا قدم کیا ہوگا؟“

جواب میں یوسف بن تاشفین کہنے لگا۔

”دو دن مزید لشکریوں کو ستانے کا موقع فراہم کر دیا جائے گا۔ اس طرح جو معمولی زخمی ہوئے ہیں، پھر جنگ میں حصہ لینے کے قابل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد

ہمارے سامنے دو راستے ہوں گے۔ پہلا یہ کہ یہاں سے ہم کوچ کریں، ادھر کا رخ کریں جہاں ہم سے شکست اٹھانے کے بعد افونش نے پڑاؤ کر رکھا ہے۔ ایک بار پھر اس پر ضرب لگائیں اور اس کی طاقت و قوت کو کچلنے کی کوشش کریں۔

دوسرا قدم ہم یہ اٹھا سکتے ہیں کہ افونش کی طرف نہ جائیں، حصن اللیط پر تیز حملے شروع کر دیں، قلعہ کو فتح کرتے کی کوشش کریں۔ قلعے کے چاروں طرف اپنے لشکریوں کا حصار کھینچ کر رکھ دیں اور قلعہ جب فتح ہو تو قلعے کے اندر جو افونش کا لشکر ہے اس کا خاتمہ کرنے کے ساتھ ساتھ قلعے کو نیست و نابود کر کے زمین کے برابر کر دیا جائے تاکہ آنے والے دور میں پھر کبھی افونش اس قلعے کو مرکز بنا کر مسلمانوں کے قریبی علاقوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہ کرے۔

میرے عزیز ساتھیو! جہاں تک پہلے قدم کا تعلق ہے تو اس میں ہمارے لئے کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم یہاں سے کوچ کرنے کے بعد افونش کا رخ کرتے ہیں تو ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔ لشکر کا ایک حصہ یہیں کہیں قلعے کے اطراف میں گھات میں بٹھانا ہوگا، باقی لشکر کے ساتھ ہمیں افونش پر ضرب لگانا ہوگی تاکہ قلعہ کے اندر جو افونش کا بیس ہزار کا لشکر ہے وہ اگر قلعے سے نکل کر افونش کی مدد کے لئے روانہ ہو تو جو ہمارا لشکر یہاں گھات میں بیٹھا ہوگا وہ اچانک گھات سے نکلے گا اور قلعے سے نکلنے والے لشکر پر حملہ آور ہو کر اسے ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گا۔ ایسی صورت میں ہمارے لشکر کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔

دوسرا طریقہ زیادہ سود مند اور آسان ہے۔ یعنی ہم افونش کو نظر انداز کر دیں گے، وہ جو چاہے کرتا پھرے، ہم حصن اللیط کو اپنا ہدف بنائیں گے، ہر صورت میں اس قلعے کو فتح کر کے اسے زمین کے برابر کرنے کی کوشش کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین جب رکا اور اپنی ان دونوں تجویزوں سے متعلق اپنے سالاروں سے مشورہ طلب کیا تب سب نے یہی رائے دی کہ یہاں سے کوچ کر کے افونش کی طرف نہیں جانا چاہئے بلکہ ہمیں قلعے پر حملہ آور ہونا چاہئے، قلعے کو فتح کر کے اس کو مسمار اور ویران کر دینا چاہئے تاکہ پھر کوئی اور نصرانی لشکر اس قلعہ کو مرکز بنا کر مسلمانوں کے خلاف اپنی کارروائیوں کو عروج پر لانے کی کوشش نہ کرے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین رکا، کہنے لگا۔
 ”تم سب نے جو دوسری تجویز سے اتفاق کیا ہے تو اس پر میں تم سب کا شکر گزار
 ہوں۔ اس سے پہلے میں معتمد سے بات کر چکا ہوں، اس نے مجھ پر انکشاف کیا ہے کہ
 مرسیہ اور المریا میں ان کاریگروں کی کافی تعداد ہے جو منجیقیں بنا سکتے ہیں۔ ساتھ ہی اس
 نے مجھ پر یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ مرسیہ سے شاید کاریگروں کی صورت میں کوئی مدد نہ
 ملے اس لئے کہ وہاں ابن رشیق حکمران ہے اور وہ معتمد کا ان دنوں سخت مخالف ہے۔
 بہر حال پہلے المریا اور مرسیہ والوں کی طرف پیغام بھیجا جائے گا اور وہاں سے کاریگر
 منگوائے جائیں گے۔ منجیقیں تیار کرانے کے بعد حصن الملیط پر ہم اپنے حملوں کی ابتداء
 کر دیں گے۔“

سارے سالاروں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ تیز رفتار قاصد مرسیہ اور المریا
 کی طرف روانہ کئے گئے اور قاصدوں کو یہ تاکید کی گئی کہ وہ اپنے طور پر وہاں کے
 کاریگروں سے ملیں، انہیں بہترین معاوضہ کی پیش کش کریں اور انہیں اپنے ساتھ لے
 کر آئیں۔

اس میں قاصدوں کو کامیابی بھی ہوئی اور وہ اپنے ساتھ کچھ کاریگر لے کر آئے اور
 ان کاریگروں نے امیر یوسف بن تاشفین کے لئے بڑی تیزی سے منجیقیں بنانا شروع
 کر دی تھیں۔



امیر یوسف بن تاشفین ایک روز اپنے سالاروں کے ساتھ اپنے پڑاؤ میں بیٹھا ہوا
 تھا کہ کچھ مخبر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وہ مخبر تھے جنہیں معتمد کے ساتھ مل کر
 امیر یوسف بن تاشفین نے دشمن پر نگاہ رکھنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ جب وہ مخبر آئے
 تب انہیں امیر یوسف بن تاشفین نے بڑے احترام سے اپنے سامنے بٹھایا، پھر انہیں
 مخاطب کیا۔

”کیا تم کوئی نئی خبر لے کر آئے ہو؟“

اس پر ان مخبروں میں سے ایک بول اٹھا۔

”امیر! نئی خبر یہ ہے کہ ہمارے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد افونش نے یہاں
 سے تین میل شمال کی طرف پڑاؤ کر رکھا ہے اور اب اس کے لشکر کی یہ حالت ہے کہ اس

کے تین بڑے شہروں کشتالیہ، جلیقیہ اور نبرا سے اس کے لئے تربیت یافتہ لشکر پہنچنا شروع ہو گئے ہیں اور بڑی تیزی کے ساتھ وہ اپنے لشکر کی تعداد کو پھر پہلے کے مطابق لے آنا چاہتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر جب خاموش ہوا تب یوسف بن تاشفین کہنے لگا۔
”میرے عزیز ساتھیو! تم جاؤ، اپنے کام میں پھر لگ جاؤ۔ جو کچھ تم نے کہا ہے، میں اسے پوری طرح سمجھ گیا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی وہ مخبر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد اب اپنے سارے سالاروں کی طرف دیکھتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! یہ بات تو میں پہلے ہی جانتا تھا کہ افونش ایک بار پھر ہم سے ٹکرائے گا۔ ہو سکتا ہے یہ ٹکراؤ کئی بار ہو، اس لئے کہ افونش کو اپنی عسکری طاقت و قوت پر بڑا ناز ہے اور وہ ہم سے اپنی شکستوں کا انتقام لینے کی کوشش کرے گا اور ہم نے یہ کوشش کرنی ہے کہ صرف اس کی شکستوں میں اضافہ کرتے چلے جائیں۔“

”میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جب اس کے لشکر کی تعداد خوب زیادہ ہو جائے گی تو وہ ضرور ہمارے خلاف حرکت میں آئے گا، لیکن میں چاہتا ہوں اس وقت تک حصن الملیط کے قلعے پر حملہ آور ہو کر اسے نیست و نابود کر دیا جائے۔ گرا کر، مسمار کر کے پہاڑی کے برابر کر دیا جائے تاکہ آنے والے دور میں پھر کوئی باغی اس قلعے میں محصور ہو کر مسلمانوں کے لئے اذیت کا باعث نہ بنے۔“

سارے سالاروں نے امیر یوسف بن تاشفین کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر جب منجیقین تیار ہو گئیں تو ان کو قلعے کے مشرقی حصے میں مناسب فاصلے پر نصب کیا گیا۔ منجیقوں کے آگے موٹے تختے لگے ہوئے تھے تاکہ شہر پناہ کے اوپر برجوں کے اندر سے اگر مسلمانوں پر تیر اندازی کی جائے تو وہ تیر آ کر ان تختوں پر لگیں اور ان تختوں کے پیچھے منجیق چلانے والے محفوظ رہیں۔

جب منجیقین تیار ہو گئیں تب یوسف بن تاشفین نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے لشکر کے کئی حصے کئے اور انہیں حصن الملیط کے چاروں طرف پھیلا دیا اور انہیں تاکید کر دی کہ جو بھی لشکر کے کسی حصے کو دشمن کا کوئی اور لشکر آتا دکھائی دے تو وہ فوراً سب کو مطلع کرے تاکہ لشکر متحد ہو کر اس پر ضرب لگائیں۔

اپنے لشکریوں کو یہ سب کچھ سمجھانے کے بعد جب منجیقین شہر کے مشرقی جانب نصب کی گئیں تو منجیقوں نے شہر پناہ پر سنگ باری شروع کر دی تھی۔ یہ سنگ باری اتنی شدید تھی کہ اس حصار کی موٹی چار دیواری کے اندر جو مکان تھے، اس سنگ باری سے ان مکانوں کو بھی خاصا نقصان ہوا تھا۔ اس کے بعد امیر یوسف بن تاشفین نے زیادہ تر اپنی سنگ باری کا نشانہ شہر کی فصیل کو بنانا شروع کر دیا تھا۔ لگاتار سنگ باری ہونے سے حصن الملیط کی مضبوط اور مستحکم فصیل لرزنے اور کاپنے لگی تھی۔ گو وہ فصیل بڑے مضبوط کوہستانی پتھروں سے بنائی گئی تھی اس کے باوجود لگاتار سنگ باری نے فصیل پر لرزا اور کپکپاہٹ طاری کر کے رکھ دی تھی۔

چونکہ قلعہ کوہستانی سلسلے کے اوپر تھا اور اس کی فصیل بڑے بڑے کوہستانی پتھروں کے ذریعے بنائی گئی تھی لہذا اسے گرانا بھی اتنا آسان نہ تھا۔ تاہم جب لگاتار سنگ باری سے دیوار لرزنے اور کاپنے لگی تب شہر کے اندر جو نصرانیوں کا بیس ہزار پر مشتمل لشکر تھا اس کے کمانداروں نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ اچانک قلعے سے نکل کر افونش کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے۔ اس طرح قلعہ بھی مسمار ہونے سے بچ جائے گا اور ان کی جانیں بھی محفوظ رہیں گی۔

لیکن قلعے سے نکل کر بھاگنے والے اس بیس ہزار کے لشکر کو شاید یہ خبر نہ تھی کہ مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ جب امیر یوسف بن تاشفین کو اس کے مخبروں نے یہ اطلاع دی کہ قلعے کے اندر جو افونش کا بیس ہزار کا لشکر ہے اس پر بد دلی چھا گئی ہے اور وہ کسی وقت بھی بھاگ سکتا ہے، ساتھ ہی امیر یوسف بن تاشفین نے بڑی سختی کے ساتھ قلعے کے اندر کوئی چیز جانے اور باہر لانے کی ممانعت کر دی تھی، اس طرح شہر کے لوگ تنگ ہونا شروع ہو گئے تھے۔

قلعے کے اندر محصور لشکر کے بھاگنے کی خبر جب امیر یوسف بن تاشفین تک پہنچی تو اس نے دوسرا کام یہ کیا کہ اس قلعے کے مغربی جانب زکریا بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ مقرر تھے، ان کے لئے یہ حکم جاری کیا گیا کہ وہ اپنے اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ گھات میں چلے جائیں۔ افونش کا سالار جو قلعے میں بند ہے، اس کے پاس لگ بھگ بیس ہزار کا ایک لشکر ہے۔ وہ قلعے سے نکل کر افونش کی طرف جا چاہتا ہے لہذا جونہی وہ ایسا کریں، پشت کی جانب سے ان پر ایسی ضربیں لگائیں کہ ان کا خاتمہ کر کے

رکھ دیں۔

امیر یوسف بن تاشفین کا یہ حکم پا کر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ جو حصن اللیط کے مغرب میں کوہستانی سلسلے کے قریب اپنے اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر چکے تھے، حکم ملتے ہی وہ دونوں اپنے اپنے حصے کے لشکر کو لے کر کوہستانی سلسلے کے اندر گھات لگا گئے تھے۔

دو تین دن کا وقفہ ڈال کر آخر کار افونش کا وہ لشکر جس کی تعداد بیس ہزار تھی، جو حصن اللیط قلعے میں محصور تھا، ایک روز آدھی رات کے قریب بڑی رازداری کے ساتھ قلعے کے مغربی دروازے سے نکلا۔ ایسا کرنے سے اس کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمان حملہ کرتے ہوئے تھکے ہارے ہوں گے، لہذا جلدی گہری نیند سو جائیں گے لہذا وہ بیچ کر بھاگنے کا بہترین وقت سمجھا گیا۔

چونکہ افونش اپنے لشکر کے ساتھ قلعے کے شمال میں قیام کئے ہوئے تھا لہذا قلعے سے نکلتے ہی افونش کے سالار نے شمال کا رخ کیا کہ تیزی سے حرکت کرتے ہوئے افونش سے جا ملے۔

افونش کا وہ سالار قلعے سے نکل کر ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس کے لئے مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس لئے کہ داؤد بن عائشہ اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ رات کی گہری تاریکی میں اس کی راہ روک کھڑا ہوا تھا۔

داؤد بن عائشہ کے پاس چونکہ چھوٹا سا ایک لشکر تھا لہذا افونش کے اس قلعہ دار نے داؤد بن عائشہ اور اس کے لشکر کو کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ اس تمر اور غرور میں پڑ گیا تھا کہ اس کے مقابل آنے والا مسلمانوں کا لشکر عدوی لحاظ سے نہ ہونے کے برابر ہے لہذا یقیناً وہ اس گھمنڈ میں پڑا تھا کہ اس لشکر پر حملہ آور ہو کر اور اسے بہت جلد رگیدتے ہوئے وہ افونش سے جا ملے گا۔

اس قلعہ دار نے داؤد بن عائشہ اور اس کے لشکریوں کو کوئی اہمیت نہ دی اس لئے کہ اس نے اندازہ لگا لیا تھا، راہ روکنے والا لشکر عدوی لحاظ سے اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔ چنانچہ رات کی گہری تاریکی میں افونش کے قلعہ دار نے اپنے لشکر کو استوار کیا، ویران اندھی راتوں میں اس نے آنڈھیوں کے تیز جھکڑوں کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا، پھر وہ حلقہ در حلقہ رقص کرتی ابلیس کی خوفناک تلپیس، نفرتوں اور

عدوتوں کو دوام بخشتی سنگین حصار کی سی کدورتوں، انحطاط طاری کرتی کہر، آفاق کو سنسان کرتی آندھیوں، عصمتوں پر گندگی اُچھالتے برہنہ شیطانی قہقہوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرنے میں داؤد بن عائشہ نے بھی تاخیر نہیں کی۔ وہ بھی چہروں کو ہلدی کرتے لُو کے ہولناک تھپڑوں، بے آبروئی کی آندھیوں میں بدن کی دھجیاں اُڑاتی بھیانک صحرا کی پیاس، بھٹکتے تصورات میں نارسائی کے قدموں کی دھول اُڑاتے خاک آلود جذبوں کے خوفناک شرر کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

افونش کے قلعہ دار کا خیال تھا کہ اس کے مقابلے میں چھوٹا سا ایک لشکر مسلمانوں نے بھیجا ہے جسے تو وہ لمحوں کے اندر ذلیل و خوار کر کے اس کا خاتمہ کر دے گا۔ ابھی وہ انہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اس کی پشت کی جانب سے ایک خونی انقلاب رونما ہوا۔ اس لئے کہ پشت کی جانب سے زکریا بن ادریس اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ پھر وہ خیالات کی ہر آسودگی چھین کر تخیلات کو شکن شکن کرتے قضا کے بے کراں سحر، تمناؤں کو لہو لہو کرتی تلپٹ کر دینے والی آندھیوں، خوابوں کو کرچی کرچی کرتی آہ کی نادیدہ لپٹوں، برہنہ مٹی کی بنجر پیاس اور درد لمحوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

پشت کی جانب سے زکریا بن ادریس کے حملہ آور ہونے سے افونش کے قلعہ دار کے سارے دم خم ماند ہونا شروع ہو گئے تھے۔ پہلے تو وہ خوشی محسوس کر رہا تھا کہ مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے سالار نے اس کی راہ روکی ہے جس کا خاتمہ کر کے وہ بہت جلد آگے نکل جائے گا۔ اب پشت کی جانب سے زکریا بن ادریس کے حملہ آور ہونے سے وہ ایک مصیبت اور کرب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ رات کی گہری تاریکی میں اس طرح قلعے کے شمال کی طرف ان تینوں کے ٹکرانے سے اندھیروں میں موت کے چڑھتے ساگر، بصارتوں اور سماعتوں سے محروم کرتے طوفان، ہر ذی جان کو رعبہ بر اندام کر کے دُکھ کی میعاد بڑھاتے دہکتے آتشی الاؤ کھڑے ہونا شروع ہو گئے تھے۔

داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس نے قلعہ دار اور اس کے سارے لشکریوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اتنی دیر تک رات کی گہری تاریکی میں مسلمانوں کی منجیقیں بول اُٹھی تھیں اور قلعہ پر انتہائی شدت کے ساتھ سنگ باری کر دی گئی تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ وہ قلعہ جہاں سے نکل کر افونش مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوتا تھا، اسے امیر

یوسف بن تاشفین نے گرا کر زمین بوس کر دیا تھا۔

جس رات مسلمانوں نے یہ کارروائی کی تھی، اس سے اگلے روز صبح ہی صبح افونش کے پڑاؤ میں ہزاروں لشکریوں پر مشتمل کئی گروہ داخل ہوئے۔ یہ گروہ کشتالیہ، جلیقیہ اور نبرہ شہروں سے آئے تھے۔ پہلے کشتالیہ، جلیقیہ اور نبرہ تینوں علیحدہ علیحدہ مملکتیں تھیں اور اب تینوں کو ملا کر افونش نے ایک طاقتور اور پُر قوت مملکت بنا لی تھی۔

جب ان تینوں جگہوں سے ہزاروں کی تعداد میں جنگجو افونش کے لشکر میں پہنچے تو افونش کی طمانیت اور خوشی کی انتہا نہ تھی۔ افونش نے اپنے سپہ سالار اعلیٰ فانیز، اپنے بیٹے برگنزا، اپنی ملکہ لیستہ، بیٹی مغریتا اور دوسرے سارے سالاروں کے ساتھ مل کر آنے والوں کا شاندار انداز میں استقبال کیا۔ ان ہزاروں کی تعداد میں نئے آنے والے جنگجوؤں کی خوشی میں افونش کے لشکر میں نہ صرف خوشی کا مظاہرہ کیا گیا بلکہ اس کے لشکری بے پناہ جذبات کا اظہار کرتے ہوئے نعرے بلند کرنے لگے تھے۔

جس وقت افونش کے حکم پر اس کے چھوٹے سالار آنے والے ہزاروں لشکریوں کی قیام گاہ کا اہتمام کر رہے تھے اور افونش ایک جگہ اپنے سپہ سالار اعلیٰ فانیز، بیٹی مغریتا، ملکہ لیستہ، بیٹے برگنزا، بڑے سالاروں میں سے مارنوس، لوکاس، اسپانہ، پلاؤس کے ساتھ کھڑا تھا کہ کچھ گھڑسوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہاں آئے۔ وہ افونش کے مخبر تھے۔ قریب آ کر اپنے گھوڑوں سے وہ اترے۔ افونش جستجو بھرے انداز میں انہیں گھوڑوں سے اترتا دیکھ رہا تھا، کسی قدر پریشان اور فکر مند بھی ہو گیا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بیٹی، بیٹا، بیوی اور سالار بھی کسی قدر پریشانی اور فکر مندی کا اظہار کر رہے تھے۔ آنے والے مخبر جب قریب آئے تب افونش نے انہیں مخاطب کیا۔

”تمہارا اس طرح آنا نہ کسی علت کے بغیر ہو سکتا ہے اور نہ ہی کسی اہم خبر کے۔“

اس پر آنے والوں میں سے ایک افونش کو تعظیم دینے کے بعد انتہائی عاجزی اور انکساری میں مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

”مالک! ہم ایک بری خبر لے کر آئے ہیں۔ خبر یہ ہے کہ مسلمانوں نے دن کے وقت سے ہی حصن الملیط پر سنگ باری شروع کر دی تھی اور سنگ باری کی وجہ سے قلعے کی دیواریں کئی جگہ سے لرز کانپ گئی تھیں اور ان کے گرنے کا عمل شروع ہو گیا تھا۔“

چنانچہ آدمی رات کے وقت حصن اللیط میں ہمارا قلعہ دار قلعے کے اندر جو ہمارا بیس ہزار کا لشکر تھا، اسے لے کر نکلا۔ ابھی اس نے قلعے سے تھوڑی دور تک ہی سفر کیا تھا کہ یوسف بن تاشفین کا سالار داؤد بن عائشہ ایک چھوٹے سے لشکر کے ساتھ اس کی راہ روک کھڑا ہوا۔ ہمارا قلعہ دار مطمئن اور خوش تھا کہ مسلمانوں کے جس لشکر نے اس کی راہ روکی ہے، اسے کچل کر اور اس کا قتل عام کر کے وہ آپ کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لہذا وہ فی الفور اس پر حملہ آور ہو گیا تھا لیکن ہمارے قلعہ دار کی بد قسمتی کہ جس وقت وہ یوسف بن تاشفین کے سالار داؤد بن عائشہ سے ٹکرایا تھا، عین اسی لمحہ پشت کی جانب سے اشبیلیہ کا سالار زکریا بن ادریس ایک لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور ہمارے لشکر اور قلعہ دار کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہوا۔ اس دو طرفہ حملے سے نہ صرف یہ کہ ہمارا قلعہ دار مارا جا چکا ہے بلکہ قلعے کے اندر جو ہمارا لشکر تھا اس کا بھی خاتمہ کر دیا گیا ہے۔“

یہ خبر سن کر افونش اچانک بچھ جانے والی شمع سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی بیٹی، بیٹا اور سالار سب اُداس ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ چند لمحے رک کر مخبر نے پھر کہنا شروع کیا تھا۔

”مالک! بات یہیں پر ہی ختم نہیں ہوئی بلکہ حصن اللیط کے نواح میں قیام کے دوران مسلمانوں نے جو حقیقی تیار کی تھیں ان سے انہوں نے کام لے کر قلعہ اور اس کے اندر بنی ہوئی ساری قیام گاہوں کو گرا دیا ہے اور زمین کے برابر کر دیا ہے۔ ایسا انہوں نے اس لئے کیا ہے تاکہ آنے والے دور میں کوئی اور ان کی مخالف قوت اس قلعے کا استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف حرکت میں نہ آسکے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا مخبر جب خاموش ہوا تب افونش اسے مخاطب کرتے ہوئے انتہائی دکھ اور درد بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”مسلمانوں کے جن دونوں سالاروں نے یعنی داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس نے ہمارے قلعہ دار اور لشکریوں پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کیا ہے تو اس مہم کی تکمیل کے بعد وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اور کس جگہ ان کا قیام ہے؟ میں فی الفور ان کے خلاف حرکت میں آنا چاہتا ہوں اور اپنے بیس ہزار مرنے والے ساتھیوں کا حق سے انتقام ضرور لوں گا۔“

اس پر اس بار دوسرا مخر بول اٹھا۔ افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”مسلمانوں کے ان دونوں سالاروں نے اپنی یہ کارروائی بڑی تیزی سے مکمل کی
 اور صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے انہوں نے سارے مرنے والوں کی لاشوں
 کو ٹھکانے لگا کر فراغت حاصل کر لی تھی اور جس وقت مشرق سے سورج طلوع ہو رہا
 تھا، مسلمانوں کے وہ دونوں سالار اپنے لشکر کو سمیٹ کر واپس یوسف بن تاشفین کی
 طرف چلے گئے تھے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخر جب خاموش ہوا تب انتہائی برہمی اور غصہ کا اظہار
 کرتے ہوئے افونش کا بیٹا برگز بول اٹھا، کہنے لگا۔

”بابا! مسلمانوں کے ہاتھوں ہم کب تک بے عزتی اور رسوائی اٹھاتے رہیں گے؟
 کیا افریقہ کا یوسف بن تاشفین اتنا ہی ناقابلِ تسخیر ہے کہ اسے ہم شکست ہی نہیں دے
 سکتے۔ پہلی بار آیا تو ذلت آمیز شکست دی، اس بھر بھی آیا تو ہمیں پہلے کی نسبت زیادہ
 توہین آمیز شکست سے دوچار کیا۔ آپ جانتے ہیں ہمارا حصن اللیط کا یہ قلعہ ناقابلِ تسخیر
 خیال کیا جاتا تھا۔ کوہستانی سلسلے کے اوپر بنا ہوا تھا اور جو لشکر اس پر حملہ آور ہوتے تھے،
 چونکہ انہیں چڑھائی چڑھتے ہوئے اوپر جانا پڑتا تھا لہذا قلعے کے اندر جو ہمارا محفوظ لشکر تھا
 اسے یہ آسانی تھی کہ وہ اونچائی پر ہوتے ہوئے تیر اندازی کرتے تھے اور قلعے کی طرف
 بڑھنے والوں کو لمحوں کے اندر موت کے گھاٹ اتار کر قلعے کو محفوظ بنا دیا کرتے تھے۔“

برگز جب خاموش ہوا تب آنے والے مخروں میں سے ایک بول اٹھا۔

”مالک! بات یہ ہے کہ یوسف بن تاشفین نے یہاں آنے کے بعد قلعہ حصن
 اللیط کا بغور جائزہ لیا تھا۔ ہمارے لشکر کو پہلے شکست دینے کے بعد وہ یہی کام کرتا رہا،
 اپنے کچھ دستوں کے ساتھ اُس نے قلعے کے ارد گرد چکر لگایا تھا، اس کے بعد اُس نے
 معتمد سے بات کی تھی کہ وہ خاص قسم کی منجیقیں بنوانا چاہتا ہے جس سے وہ قلعے کی شہر
 پناہ کو مسمار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔“

یوسف بن تاشفین کے علاوہ معتمد کے لشکر میں بھی ایسے صنّاع اور کاریگر نہیں تھے
 جو اس قسم کی منجیقیں تیار کر سکیں۔ چنانچہ معتمد نے یوسف بن تاشفین پر یہ انکشاف کیا
 کہ ایسی منجیقیں تیار کرنے کے لئے صنّاع دوشہروں سے مل سکتے ہیں، مرسیہ اور المریاء۔
 لیکن زیادہ تر کاریگر چونکہ مرسیہ سے مل سکتے تھے لہذا معتمد نے مرسیہ ہی کو فوقیت دی،

ساتھ ہی امیر یوسف بن تاشفین پر انکشاف کر دیا تھا کہ مرسیہ پر اس وقت ابن رشیق حکومت کر رہا ہے، جو معتمد کا بدترین دشمن ہے اور اگر رشیق سے یہ کہا گیا کہ وہ حصن اللیط کو فتح کرنے کے لئے صناع اور کاریگر مہیا کرے تو ابن رشیق کبھی بھی ایسا نہیں کرتا۔ چنانچہ معتمد کے کہنے پر کچھ خاص آدمی مرسیہ اور المریا کی طرف روانہ کئے گئے جنہوں نے اپنے طور پر صناعوں سے بات کی اور انہیں انتہائی معقول معاوضہ دینے کا وعدہ کیا چنانچہ وہی لوگ ان صناعوں کو حصن اللیط کی طرف لائے اور وہاں انہی صناعوں نے مسلمانوں کے لئے منجیقین بنائیں۔ یہ منجیقین بھی عجیب قسم کی تھیں۔ بڑی دور تک پتھر پھینکتی تھیں۔ چنانچہ انہی منجیقوں نے قلعے کو مسمار اور پیوند زمین بنا کر رکھ دیا۔“

مخبر جب خاموش ہوا تب اس بار افونش کی حسین و خوبصورت بیٹی مغریتا بے پناہ غصہ اور غضب ناک کی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم اشبیلیہ کے سالار زکریا بن ادریس کا خاتمہ کر سکیں؟ اشبیلیہ کا یہ سالار اس سے پہلے بھی ہمارے لشکریوں کو بہت نقصان پہنچا چکا ہے اور اب اس کی طاقت و قوت میں اس طرح اضافہ ہو گیا ہے کہ اس جیسا ایک اور سالار داؤد بن عائشہ بھی اس کے ساتھ مل گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں یوسف بن تاشفین کے ان علاقوں کی طرف دوسری بار آنے سے پہلے جہاں آپ نے معتمد اور اس کے سالاروں میں سے غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کو شکست دی تھی تو شمال میں اسی زکریا بن ادریس نے داؤد بن عائشہ کے ساتھ مل کر ہمارے سپہ سالار اعلیٰ فانیز کو نہ صرف شکست دی بلکہ ہمارے ایک بہت بڑے لشکر کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ بابا! گو مسلمانوں کے سالار غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم بھی جیسا کہ میں نے سنا ہے، زکریا بن ادریس ہی کے ساتھی ہیں اور ان کا جنگ کرنے کا طریقہ بھی اسی جیسا ہے لیکن یہ زکریا بن ادریس زیادہ خطرناک ہے۔ بابا! کیا ایسا ممکن نہیں کہ آئندہ اگر مسلمانوں کے ساتھ ہماری جنگ ہو تو پہلے کسی کو انفرادی مقابلے کے لئے نکالا جائے جو زکریا بن ادریس کا نام لے کر اس کو مقابلے کے لئے پکارے اور جب وہ نکلے تو اس کا خاتمہ کر دے۔ اس کے بعد وہی جنگجو یا ہمارا کوئی دوسرا تیغ زن میدان میں اترے اور مسلمانوں کے دوسرے سالار داؤد بن عائشہ کا نام لے کر انفرادی مقابلے کے لئے للکارے۔

اے میرے باپ! اگر ان دو انفرادی مقابلوں میں مسلمانوں کے دو سالاروں یعنی

زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کا خاتمہ کر دیا جائے تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مسلمانوں کی طاقت اور قوت میں ضعف آجائے گا۔“

مغربیتا یہاں تک کہنے کے بعد خاموش ہو گئی یہاں تک کہ اس کا بھائی برگنرا بول اٹھا اور اپنی بہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”مغربیتا! میری بہن! میں تمہاری اس تجویز، تمہارے ان خیالات سے قطعی اتفاق نہیں کرتا۔ مسلمانوں کی فتح اور کامیابی صرف زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کی کارگزاری پر منحصر نہیں ہے، ان سارے عوامل کے پیچھے یوسف بن تاشفین کی ذات ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور لوگوں کے سامنے عملی مثال بھی پیش کرتا ہے۔ میں یہاں یہ بھی کہوں گا کہ ہمیں اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ مسلمان اپنے مذہب کو عالمگیر تبلیغی دین سمجھتے ہیں اور اس کی اشاعت و تبلیغ اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اسلام تمام نوعِ انسانی کے لئے رحمت بن کر آیا ہے اور اس کے ماننے والوں پر فرض ہے کہ وہ اس رحمت کو دنیا کے ہر ملک میں پہنچائیں اور ہر قوم کو اس سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسی میں اسلام کی حقیقی عظمت و فوقیت، صداقت، قوت اور ترقی کا راز پنہاں ہے اور قرونِ اولیٰ کے مسلمان اس راز کو اچھی طرح سمجھتے تھے چنانچہ اسی بناء پر اشاعتِ اسلام کے لئے وہ ہر ممکن قربانی اور ایثار سے دریغ نہ کرتے تھے۔ اسی جذبہ کے تحت وہ صحرائے عرب کے گوشہ گوشہ میں پھرے، اسی جذبہ کے تحت انہوں نے قیصر و کسریٰ کی قوتوں کا مقابلہ کیا اور ان کی سلطنتوں میں توحید کو پھیلا دیا اور لوگوں کو حقیقی کامیابی کا صحیح اور سیدھا راستہ دکھا دیا۔ چنانچہ یہی جذبہ تھا کہ جس کے تحت انہوں نے سیندر کے سینہ کو چیر کر ہسپانیہ جیسے ان دیکھے ملک پر حملہ کیا اور اس پر قابض ہو گئے۔

اس کے علاوہ مسلمان جہاد کو اپنی اسلامی اصطلاح سمجھتے ہیں جس کے معنی وہ یہی خیال کرتے ہیں کہ قوم و ملت کے دشمنوں کے خلاف دفاعی جنگ کرنا۔ مظلوم انسان کی مدد کے لئے اگر جنگ کرنی پڑے تو اس سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی راہ میں کوشش کرنا اور اس راہ میں ہر مہم قوت اور دشمن کا مقابلہ کرنا، الغرض ظلم و نا انصافی اور جارحیت کے خلاف جنگ کو مسلمان جہاد کا نام دیتے ہیں۔

مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قوم و ملت کی بقاء، دین کی حفاظت اور جارحیت کا

مقابلہ کرنے کے لئے جہاد نہایت ضروری ہے۔ اس لئے اسلام نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ اس کے لئے بے حساب فضائل بیان کئے ہیں اور اسے ہر مسلمان پر فرض کیا ہے۔ جہاد میں چونکہ انسان مسلمانوں کے بقول اللہ تعالیٰ کے حکم پر قوم و ملت کی خاطر جان دیتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا اجر جنت کی ابدی زندگی قرار دیا ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ قرونِ اولیٰ یعنی اسلام کی پہلی تین صدیوں کے مسلمانوں کو جہاد کی اہمیت کا پورا پورا احساس تھا اور وہ ہر وقت جہاد کے لئے تیار رہتے تھے اور اسے قوم و ملت کی بقاء، عالم انسانی کے امن و سلامتی اور حق کے بول بالا کے لئے ناگزیر سمجھتے تھے۔ یہی اسلام کی اشاعت اور اسلام کی ہمہ گیر اور حیرت انگیز ترقی کا راز تھا۔ چنانچہ یہی جذبہ جہاد مسلمانوں کے ہسپانیہ پر حملہ کرنے کا ایک زبردست محرک بھی تھا۔

اب مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ خداوند قدوس کو اپنا خالق و مالک اور اس کو ہی قوت کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں اور ضرورت کے وقت اسے ہی مدد اور حمایت کے لئے پکارتے ہیں۔

اب ذرا ہم اپنا جائزہ لیں تو ہسپانیہ کا شروع میں ریاستی مذہب کیتھولک عیسائیت تھا اور کیتھولک کلیسا نے بت پرستی، شرک اور قبر پرستی کو شرعاً جائز قرار دے دیا تھا۔ کلیسا کی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے لوگ تو ہم پرست ہو گئے اور ان میں ہر طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا ہو گئیں۔ عوام کو قطعاً مذہبی آزادی حاصل نہیں تھی۔ چنانچہ کوئی شخص بھی کیتھولک عقائد اور روایات اور رسوم کے خلاف کوئی بات نہ کرتا۔ اگر کرتا تو فوراً کلیسا کے قلم و ستم کا نشانہ بنتا تھا۔

یہودی اس ملک میں سب سے زیادہ مظلوم اور مقہور تھے۔ ملک کی تجارت پر چونکہ ان کا قبضہ تھا اس لئے وہ بہت دولت مند تھے اور یہ دولت مندی ہی ان کے لئے مصیبت کا باعث بنی۔ اہل کلیسا ان پر بہانے بہانے بھاری جرمانے کرتے، ان کی جائیدادیں بحق کلیسا ضبط کر لیتے۔ علاوہ ازیں مذہب کے نام پر یہودیوں پر اور بھی انسانیت سوز الم توڑے جاتے لیکن جب مسلمان یہاں وارد ہوئے، انہوں نے بت پرستی، شرک اور قبر پرستی کو لات ماری تو یہودیوں نے دیکھا کہ وہ ان کے ہم خیال ہیں، ساتھ ہی یہودیوں نے جب مسلمانوں کے عدل و انصاف کا جائزہ لیا تو وہ ہسپانیہ کے

رہنے والے ہو کر عیسائیوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کا ساتھ دینے لگے۔ اس سے ہسپانیہ کے عیسائیوں کو بڑا نقصان ہوا۔ اس کے علاوہ ہسپانیہ میں کلیسا ملک کی کل زندگی پر حکومت کرتا تھا اور وہ بھی اس عہد کے مطلق العنان بادشاہوں اور جاگیردار امراء کی طرح جابر اور آمر تھا۔ کلیسا کی مذہبی عدالتیں اپنے ظلم و تشدد کی وجہ سے رسوائے زمانہ تھیں۔ کلیسا کے مظالم، نا انصافیوں، غلط رسومات، مشرکانہ عقائد یا اس کی دیگر بدعنوانیوں اور سیاہ کاریوں کے خلاف کچھ کہنا نہایت سنگین جرم تھا جس کی سزا اذیت ناک موت تھی۔ بات بات پر کفر و الحاد کے فتوے لگائے جاتے تھے اور لوگوں کو ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا جاتا تھا۔ جاگیردار امراء کی طرح کلیسا کی بھی اپنی جاگیریں تھیں جن کی آمدنی سے وہ بہت زیادہ دولت مند ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ اہل کلیسا مذہب کے نام پر طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے روپیہ بٹورتے تھے اور نذر و نیاز کی آمدنی اس کے علاوہ تھی۔ یہودیوں کی طرح وہ بھی امراء پر بھاری جرمانے کرتے اور ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرتے رہتے تھے۔ اس سے کلیسا کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی، اس کا وجود بادشاہ اور امراء دونوں کے لئے ایک مستقل خطرہ تھا اور وہ اس کی طاقت سے خائف رہتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کلیسا کو من مانی کرنے کی آزادی تھی اور وہ کسی طاقت کے سامنے جواب دہ نہ تھا۔

اس کے علاوہ کلیسا تمام مذہبی امور میں مطلقاً آزاد تھا، وہاں مذہبی اور مذہب سے تعلق رکھنے والے تمام امور کا فیصلہ کلیسا کی اپنی عدالت کرتی تھی۔ یہ مذہبی عدالتیں جن کے اختیارات غیر محدود تھے، اپنے ظلم و ستم کے لئے بے حد بدنام تھیں۔ عوام تو عوام، بڑے بڑے امراء، وزراء، جاگیردار بھی مذہبی عدالت کے تصور سے کانپ جاتے تھے۔ ان عدالتوں سے عدل و انصاف کی توقع رکھنا عبث تھا اور ان کے ظلم و تشدد سے وہی لوگ بچ سکتے تھے جو بھاری رشوتیں دے سکتے تھے۔

اس کے مقابلے میں ہم اگر مسلمانوں کا جائزہ لیں تو ان کی حالت مختلف نظر آتی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں مذہب کا رنگ تو سب پر چڑھا ہوا تھا لیکن مسلمانوں کے اندر کلیسا جیسی کوئی مذہبی طاقت نہ تھی جو حکومت کو یکسر نظر انداز کر کے لوگوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے حکمران اور خلیفہ خود مذہبی رسومات اور عقائد پر عمل کرنے کا نمونہ پیش کرتے تھے جس کی بناء پر مسلمان ان سے متاثر ہوتے تھے، ان

کا کہا ماننے کے لئے لبیک کہہ اٹھتے تھے۔ جبکہ ایسی صورت ہمارے ہاں نہیں رہی۔ شاید آپ لوگ اس بات سے بھی اتفاق کریں گے کہ مسلمان خلفاء اور حکمران ہی نہیں بلکہ عام سپہ سالار بھی جب دوسری اقوام سے جنگ کرتے تھے تو خود لشکر کے آگے رہتے تھے۔ آج بھی ان کے ہاں یہی طریقہ کار کارفرما ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں سالار اور حکمران لشکر کے وسطی حصہ میں رہ کر اپنے لشکریوں کو ابھارتے ہیں۔ مسلمانوں کی یہی فوقیت ہے جس کی بناء پر وہ ہم پر غالب رہتے ہیں۔ پھر میں یہ بھی کہوں کہ مراکش کے حکمران یوسف بن تاشفین نے اپنے اندر ایک اچھے مسلمان حکمران کی ساری صفات جمع کر لی ہیں لہذا جب وہ ہمارے سامنے آتا ہے تو اس کے لشکری اس پر جان چھڑکنے کے لئے بے تاب رہتے ہیں اور یہی عمل اس کی فتح مندی اور کامیابی کی علامت بنتا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں ہم اس عمل سے بہت پیچھے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش کا بیٹا برگنزا جب خاموش ہوا تب افونش اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”برگنزا! میرے بیٹے! جو کچھ تم نے کہا ہے، میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ یقیناً مراکش کا حکمران یوسف بن تاشفین اپنے قرونِ اولیٰ کے بہترین مسلمان حکمرانوں کی اپنے کردار اور اپنے عمل سے عکاسی کرتا ہے۔ لیکن بیٹے! جو تجویز میری بیٹی مغریتا نے ابھی پیش کی ہے، اس پر عمل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر اس طرح ہم مسلمانوں کے دو سپہ سالاروں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو یہ مسلمانوں کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔ حصن الملیط کا انتقام مسلمانوں سے ہم نے ہر صورت میں لینا ہے۔ کشتالیہ، جلیقیہ اور نبرہ سے مکہ پہنچنے کے بعد ہماری طاقت اور قوت پہلے سے بہتر ہوگئی ہے۔ لہذا میں اس یوسف بن تاشفین کے خلاف کامیابی اور فتح مندی حاصل کرنے کے لئے اس کے ساتھ ایک ٹکراؤ ضرور رکھوں گا اور اسی ٹکراؤ کے دوران انفرادی مقابلوں کا اہتمام کیا جائے گا۔“

بیٹے! ابھی اور اسی وقت جو لشکری پہلے تھے اور ان میں جواب آئے ہیں، سب میں منادی کرا دو کہ مسلمانوں کے ساتھ جو ہمارا آئندہ ٹکراؤ ہونے والا ہے، اس میں انفرادی مقابلے کے لئے دو عمدہ اور ناپاب قسم کے تیغ زن چاہئیں جن کے ذریعے ہم مسلمانوں کے خلاف انفرادی مقابلے کی ابتداء کریں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دو کہ ان

انفرادی مقابلوں کے دوران ہمارا جو بھی تیغ زن جیتے گا اسے اتنا بڑا انعام دیا جائے گا کہ آنے والے دور میں وہ اپنی زندگی کی ضروریات سے بالکل مطمئن و بے فکر ہو جائے گا۔“

افولش کی اس تجویز پر جہاں مغربیا اور ملکہ لیستہ کے علاوہ سپہ سالار فانیز اور دیگر سارے سالار خوشی کا اظہار کر رہے تھے، وہاں برگنزا بھی مطمئن تھا۔ چنانچہ سارے سالار اور برگنزا حرکت میں آئے، لشکر کے اندر منادی کرانے لگے تھے کہ دو عمدہ قسم کے تیغ زنوں کا انتخاب کیا جائے گا اور اس کے لئے تیغ زنی کے مقابلے کرائے جائیں گے۔ چنانچہ افولش کے لشکر میں تیغ زنی کے مقابلوں کا اہتمام کر کے دو عمدہ قسم کے تیغ زنوں کا انتخاب ہونا شروع ہو گیا تھا۔

افولش کو چونکہ اپنے تین بڑے شہروں سے خاصی تعداد میں کمک مل گئی تھی لہذا اس نے ایک بار پھر مسلمانوں کے خلاف قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنے جبار لشکر کے ساتھ پھر حصن اللیط کی طرف کوچ کیا تھا۔ امیر یوسف بن تاشفین نے ابھی تک وہیں قیام کیا ہوا تھا۔ چنانچہ اپنے لشکر کو لے کر افولش ایک بار پھر پنجہ آزمائی کرنے کے لئے امیر یوسف بن تاشفین کے سامنے آیا اور پڑاؤ کر لیا۔

اگلے روز جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرانے کے لئے صف آرائی کر رہے تھے، مسلمانوں کا ایک جاسوس بڑی تیزی سے اس جگہ آیا جہاں امیر یوسف بن تاشفین، اس کا بھتیجا سیر بن ابی بکر، معتمد، زکریا بن ادریس، داؤد بن عائشہ، غیرور بن عبیب، زیدون بن مسلم اور دوسرے سالار کھڑے ہوئے تھے۔ قریب آ کر وہ مخبر کا نور امیر یوسف بن تاشفین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تھوڑی دیر پہلے ہمارے ہاتھ ایک خبر لگی ہے اور جنگ سے پہلے وہ خبر میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے ہو سکتا ہے ہمیں فائدہ ہو۔“

امیر یوسف بن تاشفین نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، پھر بڑی نرمی سے کہنے لگا۔

”کہو میرے عزیز! وہ کیا خبر ہے؟“

اس پر وہ مخبر کہنے لگا۔

”امیر! بات یہ ہے کہ آپ کی آمد سے پہلے یہاں ہمارے دو لشکروں کا افونش کے لشکر سے ٹکراؤ ہوا تھا۔ ایک لشکر کی کمانداری زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے کی تھی، اس کا مقابلہ افونش کے سپہ سالار فانیز سے ہوا تھا اور فانیز کو ان دونوں نے بدترین شکست دی تھی۔ دوسرے حصہ میں معتمد، غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم تھے لیکن ہمارے اس حصہ کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔ چونکہ زکریا بن ادریس اس سے پہلے کئی مواقع پر افونش کے لشکریوں کو بدترین شکست سے دوچار کرتا رہا ہے اور اب داؤد بن عائشہ بھی اس کے ساتھ مل کر اسی راہ پر چل پڑا ہے، لہذا افونش کا بیٹا اور اس کی بیٹی کے علاوہ دوسرے سالار زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کو اپنے لئے سب سے خطرناک مسلمان سالار خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ ان دونوں سالاروں کا اگر خاتمہ کر دیا جائے تو مسلمانوں کے لشکر میں ضعف آ جائے گا۔ چنانچہ چند روز پہلے انہوں نے اپنے لشکر کے اندر منادی کرائی تھی کہ تیغ زنوں کا مقابلہ کیا جائے گا۔ جو تیغ زن اوپر آئیں گے ان میں سے دو سب سے اچھے تیغ زنوں کا انتخاب کیا جائے گا اور جنگ سے پہلے ان کے انفرادی مقابلے کا اہتمام کیا جائے گا اور افونش نے یہ بھی اعلان کیا تھا اگر وہ اپنے انفرادی مقابلے میں کامیاب رہے تو پھر انہیں اپنی قدر نوازا جائے گا کہ وہ زندگی بھر کے لئے اپنی ضروریات سے بالکل بے فکر ہو جائیں گے۔“ یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

”امیر! افونش اور اس کے سالاروں نے اپنے جن دو بہترین تیغ زنوں کا انتخاب کیا ہے ان کے نام گاتھا اور دادیق ہیں۔ مقابلے کے دوران یہی دونوں سرفہرست آئے تھے۔ سب سے پہلے گاتھا میدان میں اترے گا، زکریا بن ادریس کا نام لے کر انفرادی مقابلے کے لئے للکارے گا۔ گاتھا کے بعد دادیق اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا میدان میں اترے گا اور انفرادی مقابلہ کے لئے داؤد بن عائشہ کو پکارے گا اس طرح دو انفرادی مقابلوں کے بعد افونش جنگ کی ابتداء کرے گا۔“

جب تک وہ مخبر بولتا رہا، یوسف بن تاشفین ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کبھی زکریا بن ادریس اور کبھی داؤد بن عائشہ کی طرف دیکھتا رہا، پھر بڑی نرمی میں امیر نے مخبر کو جا کر پھر اپنے کام میں لگ جانے کے لئے کہا۔ اس موقع پر زکریا بن ادریس، امیر یوسف بن تاشفین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر! ہمارے لئے یہ بہت بڑی عزت اور سعادت کا مقام ہو گا کہ دشمن کا کوئی تیغ زن انفرادی مقابلے کے لئے مجھے اور داؤد بن عائشہ کو لٹکارے۔ ہمارا مخبر کہہ چکا ہے کہ انفرادی مقابلے کے لئے پہلے گاتھا اترے گا اور وہ میرا نام لے کر پکارے گا۔ امیر! میں اس انفرادی مقابلے کے لئے تیار ہوں اور میرے خداوند قدوس نے چاہا تو یہ افونش ایک گاتھا تو کیا، دس گاتھا بھی لے آئے تو میں انہیں اپنے رب کا نام لے کر میدان جنگ میں رگید کر رکھ دوں گا۔“

زکریا بن ادریس کے یہ الفاظ سن کر امیر یوسف بن تاشفین مسکرایا، اس کا شانہ تھپتھپایا اور کہنے لگا۔

”ابن ادریس! مجھے تم سے ایسے ہی الفاظ کی امید تھی۔ قسم خداوند قدوس کی، تمہاری جو عزت، جو مقام میرے دل میں ہے، اس کا کبھی میں نے کھل کر تم سے اظہار نہیں کیا۔ تمہاری عزت، تمہارا مقام اور تمہاری حیثیت میرے بیٹوں کی سی ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے امیر یوسف بن تاشفین کو رک جانا پڑا اس لئے کہ بڑے بڑے طبل افونش کے لشکر میں بج اٹھے تھے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین نے جو اپنے لشکر کی تقسیم کی تھی، اسے آخری شکل دی اور سارے سالار اپنے اپنے حصہ کے لشکر کے سامنے چلے گئے تھے۔ حسب سابق لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ وسطی حصہ میں خود امیر یوسف بن تاشفین رہا، معتمد کو اپنے ساتھ رکھا، دائیں جانب سیر بن ابی بکر تھا، اس کی نیابت غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کر رہے تھے۔ جبکہ بائیں جانب کے لشکر کی کمانداری زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں کے حوالے کی گئی تھی۔

کچھ دیر تک افونش کے لشکر میں خوفناک انداز میں طبل بجتے رہے، دھنوں پر چوٹیں لگائی جاتی رہیں جبکہ امیر یوسف بن تاشفین کے لشکر میں اسی انداز میں تکبیریں بلند ہوتی رہیں۔ لوگ بڑے جوش و خروش سے اپنی فتح مندی اور کامیابی کے نعرے لگاتے رہے، یہاں تک کہ افونش کے لشکر سے ایک گھڑ سوار نکلا، اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا وہ دونوں لشکروں کے درمیانی حصہ میں آیا، کچھ دیر تک اسلامی لشکر کا جائزہ لیا، ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار بے نیام کی، گھوڑے کی زین سے لٹکتی ہوئی ڈھال سنبھالی، تلوار اور ڈھال ایک ساتھ فضا میں بلند کی، اس کے بعد زکریا بن ادریس کا نام لے کر اس نے

انفرادی مقابلے کے لئے لکارا تھا۔

زکریا بن ادریس تو پہلے ہی منتظر تھا اور اس انفرادی مقابلے کے لئے ذہنی طور پر بالکل تیار تھا۔ دوسری طرف یوسف بن تاشفین اور معتمد کے علاوہ سارے سالار بھی منتظر تھے کہ انولش کا جو تیغ زن اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا میدان میں اُترے وہ یقیناً انفرادی مقابلے کے لئے زکریا بن ادریس کا نام ہی پکارے گا۔ اس پکار کے جواب میں زکریا بن ادریس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میانہ روی سے اسے آگے بڑھایا۔ اس موقع پر اس نے ایک نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی، پھر انتہائی عاجزی میں کہنے لگا۔

”اے اللہ! تُو ہی ہمارا اُجالا، تُو ہی ہمارا حوالہ ہے، حیات کے

بازار میں تُو ہی نصیب کو فرحت عطا کرتا ہے۔ میرے مالک! لا سے الیٰ

تک سفر ہی ہمارا استغراق ہے۔ لبوں کی آنچ میں تیری حمد کی پرچھائیاں

ہی ہمارا ہنر ہیں۔ میرے اللہ! تیری حمایت نہ ہو تو پوری دنیا دکھ کا نگر

ہے۔ تیری نصرت حاصل نہ ہو تو یہ زندگی زرد پتوں کی کہانیوں سے بھی

بدتر ہے۔ میرے مالک! میرے معبود! آسمان پر یہ بادلوں کی اڑتی

کشتیاں، یہ زمین پر خوشیاں بانٹتے بگولے سب تیرے سن کا کمال ہیں۔

اے میرے معبود! ارض و سماء کے اس طلسم خانے میں دشمن کے مقابلے

میں مجھ خام کار کو پختہ کار بنا دے۔ اے اللہ! میں میدان میں اُرتا ہوں،

تُو مجھے انفرادی مقابلے کے لئے اُترنے والے کے مقابلہ میں غارِ حرا میں

اُرتی وحی کے صدقے آوازِ حق کی حرمت کی تقدیس کے صدقہ میں

کامیاب و کامران رکھنا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس نے اپنے گھوڑے کو انگخت کرنے والی

ایک مہینز لگائی، اس کے بعد گھوڑا ہنہناتا ہوا بڑی تیزی سے میدان کے اُس وسطی حصہ

کی طرف بڑھا تھا جہاں گا تھا انفرادی مقابلہ کی ابتداء کرنے کے لئے منتظر کھڑا تھا۔

زکریا بن ادریس جب اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا گا تھا کے سامنے گیا تب گا تھا کچھ

دیر تک طنزیہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر کھولتے لہجے میں پوچھا۔

”کیا تُو ہی زکریا بن ادریس ہے؟“

زکریا بن ادریس نے گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

”تو کیسا جاہل انسان ہے؟ جب تو نے زکریا بن ادریس کو مقابلہ کے لئے پکارا ہے تو وہی تیرے ساتھ انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے اترے گا۔ سو میں ہی زکریا بن ادریس ہوں۔“

گاتھا نے گھورنے کے انداز میں زکریا بن ادریس کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

”تیرے لشکر میں تیری حیثیت کیا ہے؟“

زکریا بن ادریس نے گردن ہلائی، کہنے لگا۔

”گاتھا! تو نے مقابلہ لشکر میں میری حیثیت و منصب سے نہیں کرنا، میری ذات

سے کرنا ہے۔ سو میں تیرے سامنے موجود ہوں۔“

گاتھا نے لمحہ بھر کے لئے زکریا بن ادریس کو گھورا، پھر کہنے لگا۔

”ہمارے لشکر میں تیرا بہت ذکر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تو ماضی میں ہمارے کئی

سالاروں اور لشکریوں کو نقصان پہنچا چکا ہے۔ پھر آج کا یہ میدان تیری زندگی کا آخری

میدان ثابت ہوگا۔ دیکھ ابن ادریس! میں جب امرتیل کی طرح پھلتے ہوئے تیری انا

کی دھیوں کے نقوش کو قضا میں ڈھلتی فتا کی گھاٹیوں میں بکھیروں گا، تجھے کھلی سفاکیوں

کی کہانیوں کو نارسائی کی داستانوں کا اسیر کروں گا، تب تو جانے گا کہ تجھ سے مقابلہ

کرنے کے لئے کوئی تیغ زن میدان میں اترے گا۔ زکریا بن ادریس! میں تجھے تیری

برداشت کی آخری حد تک لے کر جاؤں گا اور پھر تیری حالت زخم زخم بدن، بجھی بجھی

مشعلوں، سوختہ سوختہ چراغوں، مجروح مجروح حواس، بے خواب راتوں، انتظار کے داغ

لئے عندیوں سے بھی ابتر بنا کر رکھوں گا۔ مقابلہ کے دوران ہی تو اپنی زیست، اپنی

ہست کو اپنے لئے باعثِ شرم خیال کرنے لگے گا۔“

گاتھا کی اس توہین آمیز گفتگو سے زکریا بن ادریس بھی تاؤ کھا گیا تھا، کہنے لگا۔

”گاتھا! اس دم بخود ارض و سما میں جھوم کر اٹھتے بن برسات کے ابر، دشت و کوہ

کے محبوس سایوں میں بے موج سمندر، پیاسے صحرا جیسے لاف زن میں نے زندگی میں

بہت دیکھ رکھے ہیں۔ گاتھا! تو نے اپنی زندگی کے زیادہ دن آخری شب کے سناٹوں

میں آنچلوں کے لہراتے مدوجزر میں بسر کئے ہوں گے، یہاں تو میں شام و سحر کی ڈستی

تنہائیوں میں تجھے تہہ جام کی تلخیوں سے متعارف کرا کر رکھ دوں گا۔

گاتھا! میرے نزدیک آ! مجھ سے ٹکرا۔ پھر دیکھ میں کیسے تجھ پہ یوں وارد ہوتا ہوں

جیسے بے نور بستیوں کی مسافتوں میں اُجالے تاریکیوں کی مسافتوں کو نکلتے ہیں۔ گاتھا! مجھ سے ٹکرا کر تو دیکھ، دشتِ نا اُمیدی میں بھٹکتے غولِ بیابانی کی طرح جراحاتوں سے تیرے دل کا علاج نہ کر دوں تو کہنا، سوچوں کی مٹی پھانکتے طوفانوں میں، میں تجھے یوں نہ کاٹ دوں جیسے کلک کی رگوں کو تیشہ کاٹتا ہے تو کہنا۔

گاتھا! یہ موت کا میدان ہے، تیرے لشکر کی حسیناؤں کا جھر مٹ نہیں ہے۔ یہاں چاروں طرف جدائی کے راستے، فرقت کے موسم، بھری کھولتی قضا کھڑی منتظر ہے۔ اب وقت ضائع نہ کر۔ آنکرا میں۔ دیکھ! میری تلوار موت کا سرسام بن کر تیری جرأت مندی کو کیسے ابہام میں تبدیل کرتی ہے۔ تیرے ضبط کے سارے بندھنوں کو شکستہ کر کے تیری سانسوں کی اوس کو چاٹتی ہے۔ گاتھا! میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر تیرے سامنے کھڑا ہوں۔ آ مقابلہ کی ابتداء کریں۔ پھر دیکھ میں موت کا تلخ سرکہ تیرے حلق سے کیسے نیچے اُتارتا ہوں اور کیسے تیری زیست کی شیریں مہک کو تلخ خواب میں بدل کر رکھ دیتا ہوں۔“

زکریا بن ادریس کی اس گفتگو سے گاتھا غضب ناک ہو گیا تھا۔ اپنے گھوڑے کو اس نے ایڑ لگائی، زکریا بن ادریس کے قریب ہوا، پھر زکریا بن ادریس پر اس نے ایک خوفناک وار کیا۔ زکریا بن ادریس نے بڑی آسانی کے ساتھ اس کے وار کو روکا۔ ساتھ ہی وہ بھی جوابی وار کرنے لگا تھا۔ کچھ دیر تک دونوں اپنے گھوڑوں کو ادھر ادھر کرتے ہوئے، مختلف پینترے بدلتے ہوئے اور مختلف رُخ اختیار کرتے ہوئے ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے حملہ آور ہوتے رہے۔ گاتھانے جب دیکھا کہ زکریا بن ادریس کسی طرح بھی اُس کے قابو میں نہیں آ رہا تب اس نے پہلے اس کے گھوڑے کو زخمی کر کے مار گرانے کا ارادہ کیا تا کہ زکریا بن ادریس کو زیر کرنے کا ایک راستہ کھل جائے۔ چنانچہ ایک بار اپنی تلوار کو زکریا بن ادریس کی ڈھال سے علیحدہ کرنے کے بعد ایک دم اس نے اپنی تلوار زکریا بن ادریس کے گھوڑے پر برسانا چاہی۔ ایسا کر کے گاتھا اس کے گھوڑے کو بدکا کر اسے نیچے گرانا چاہتا تھا تا کہ اسے زیر کرنے کے لئے اس کے سامنے کوئی راستہ نکل آئے۔ لیکن زکریا بن ادریس شاید اس کے ان ارادوں کو پہلے سے بھانپ چکا تھا۔ جونہی گاتھانے اپنی تلوار زکریا بن ادریس کے گھوڑے کے منہ پر گرائی، زکریا بن ادریس نے فوراً اپنی ڈھال سامنے کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو محفوظ کیا، ساتھ ہی وہ

اپنی تلوار بھی فضا میں بلند کر چکا تھا۔ چنانچہ اپنے آپ کو زکریا بن ادریس کی تلوار سے محفوظ کرنے کے لئے گاتھا اپنی ڈھال کو سامنے لایا تھا۔ زکریا بن ادریس نے اپنی تلوار گاتھا کی ڈھال پر نہیں برسائی بلکہ اس نے ایک دم خوب قوت کے ساتھ اپنی تلوار کا دستہ گاتھا کی پسلیوں پر دے مارا تھا۔ یہ دستہ اس قدر زور اور شدت کے ساتھ لگا تھا کہ گاتھا گھوڑے پر اپنا توازن قائم نہ دکھ سکا اور نیچے گر گیا۔ عین اسی لمحہ جست لگا کر زکریا بن ادریس بھی اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ گاتھا کے گھوڑے کو بدکا کر ایک طرف کر دیا۔ گاتھا کے قریب ہی کھڑا ہو کر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”اٹھ! میں گرے ہوئے دشمن پر وار کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ تجھے اٹھنے کا موقع دیتا ہوں تاکہ تیرے لشکری دیکھیں کہ میں نے کس قدر انصاف اور صفائی کے ساتھ تیرے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔“

زکریا بن ادریس کی اس گفتگو سے گاتھا کسی قدر بد دل اور شکستہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ تاہم جست لگا کر اٹھ کھڑا ہوا، دوبارہ مقابلہ کرنے کے لئے تیار اور مستعد ہو گیا تھا۔ دونوں ایک باہر ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے لگے تھے۔ زمین پر گرنے سے گاتھا کے ہاتھوں پر چڑھے ہوئے جوشن اور شانوں پر پہنے ہوئے آہنی خول کسی قدر اپنی جگہ سے کھسک گئے تھے۔ وہ بار بار اپنے کندھے اچکانے لگا تھا۔ اُس کی اس کیفیت کو شاید زکریا بن ادریس نے بھانپ لیا تھا۔ لہذا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا اور گاتھا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”پہلے اپنے ہاتھوں کے جوشن درست کر لو، کندھے پر جو تم نے آہنی خول چڑھا رکھے ہیں، انہیں بھی اپنی جگہ بٹھا لو تاکہ تمہیں میرے ساتھ مقابلہ کرنے میں کوئی دقت اور تکلیف پیش نہ آئے۔“

زکریا بن ادریس کے ان چبھتے ہوئے الفاظ سے گاتھا اور زیادہ پریشانی اور فکر مندی کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے جوشن اور کندھے پر چڑھے ہوئے آہنی خول درست کئے، دوبارہ وہ زکریا بن ادریس سے ٹکرانے لگا تھا۔ دو چار وار ایک دوسرے پر کرنے کے بعد اچانک زکریا بن ادریس نے ایک جست لگائی، ساتھ ہی اپنی تلوار اس نے اس انداز میں فضا کے اندر بلند کی کہ گاتھا کچھ نہ سمجھ پایا کہ وہ کیا کرنے لگا ہے، پھر زور دار انداز میں اس نے دوبارہ تکبیریں بلند کیں اور ان تکبیروں کے سائے میں سب سے

پہلے اس نے گاتھا پر اپنی ڈھال برسانا چاہی۔ گاتھا یہ سمجھا کہ شاید وہ اس کے سر پر ڈھال مار کر اس کے سر کا خود اتارنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اپنی ڈھال اور اپنی تلوار اس نے اپنے سامنے کر لی تھی تاکہ زکریا بن ادریس کی ڈھال کی ضرب اس کے سر پر نہ پڑے۔ اسی موقع پر فضا میں بلند زکریا بن ادریس کی تلوار گری اور اس کے آہنی خود کو کاٹی ہوئی نیچے تک اتر گئی تھی۔ جواب میں گاتھا ایک دو بار لڑکھڑایا، پھر بے سدھ سا ہو کر زمین پر گر گیا تھا۔ زکریا بن ادریس آگے بڑھا اور گاتھا کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔ گاتھا کا خاتمہ کرنے کے بعد زکریا بن ادریس نے گاتھا کے لباس ہی سے اپنی تلوار صاف کی، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، پھر گاتھا ہی کے انداز میں اس نے اپنی تلوار اور ڈھال فضا میں بلند کی اور افونش کے لشکر کی طرف منہ کر کے زور سے پکارتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابلیس کے نمائندو! میں نے تمہارے تیغ زن گاتھا کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب میں گاتھا کے ساتھی اور تمہارے دوسرے تیغ زن دادیق کو انفرادی مقابلے کے لئے پکارتا ہوں۔ اسے میدان میں اتارو تاکہ وہ میرے ساتھ انفرادی مقابلہ کرے۔“

زکریا بن ادریس کی اس پکار کے جواب میں افونش جو اپنے لشکر کے درمیان اپنے کچھ سالاروں کے ساتھ موجود تھا، ساتھ ہی اس کا بیٹا بھی جنگی لباس میں کھڑا ہوا تھا، پریشان ہو گئے تھے۔ اُس کی بیٹی مغریتا بھی وہاں موجود تھی۔ بڑی فکر مندی میں وہ افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اے میرے باپ! یہ زکریا بن ادریس کس قسم کا تیغ زن ہے کہ ہمارے لشکر میں کوئی ایسا شمشیر زن نہیں ہے جو انفرادی مقابلے میں اس زکریا بن ادریس کو زیر کر سکے؟ ہم نے تو یہ سوچا تھا کہ گاتھا انفرادی مقابلے میں زکریا بن ادریس کا کام تمام کر دے گا، اس کے بعد ہم دادیق کو میدان میں اتاریں گے اور وہ داؤد بن عائشہ کو انفرادی مقابلے کے لئے للکارے گا اور اس طرح گاتھا اور دادیق مسلمانوں کے دونوں بڑے سالاروں زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کا خاتمہ کر دیں گے اور اس طرح مسلمانوں کے اندر ایک بد دلی اور حوصلہ شکنی کی فضا پھیل جائے گی۔ لیکن میں دیکھتی ہوں کہ اس زکریا بن ادریس نے بڑی آسانی کے ساتھ گاتھا کو اپنے سامنے زیر کر دیا ہے اور اب وہ انفرادی مقابلے کے لئے دادیق کو دعوت دے رہا ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے مغربتا رک گئی، اس لئے کہ اسی لمحہ افونش کے لشکریوں کے سپہ سالارِ اعلیٰ فائیز کے کہنے پر دوسرا تیغ زن دادیق انفرادی مقابلہ کے لئے میدان میں اتر اٹھا۔

جس وقت زکریا بن ادریس نے گاتھا کا خاتمہ کرنے کے بعد دادیق کو انفرادی مقابلے کے لئے للکارا تھا، اس وقت داؤد بن عائشہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا یوسف بن تاشفین کے پاس آیا اور شکوؤں بھری آواز میں کہنے لگا۔

”اے امیر! طے یہ پایا تھا کہ گاتھا کا انفرادی مقابلہ زکریا بن ادریس کرے گا اور دادیق کے ساتھ میں انفرادی مقابلہ کروں گا۔ امیر! آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس سلسلے میں زکریا بن ادریس زیادتی کر رہا ہے۔ گاتھا کو اپنے سامنے آسانی کے ساتھ زیر کرنے کے بعد اس کو چاہئے تھا کہ واپس اپنے لشکر میں آتا۔ اس کے بعد میں خود میدان میں اترتا اور افونش کے تیغ زن دادیق کو انفرادی مقابلہ کے لئے للکارتا لیکن زکریا بن ادریس نے مجھے ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا۔“

یوسف بن تاشفین نے ایک گہری نگاہ داؤد بن عائشہ پر ڈالی، پھر رقت آمیز انداز میں داؤد بن عائشہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”ابن عائشہ! میرے بیٹے! زکریا بن ادریس جیسے نوجوان ہی ہوس کی گہری تاریکیوں میں اپنی ذات کے علاوہ ملت کی تجسیم کی حفاظت کا سامان کرتے ہیں۔ ایسے نوجوان ہی قانونِ فطرت کی روایتوں کے پابند رہ کر لوحِ تاریخ پر اپنی جرأت مندی کی آیاتِ نورم کرتے ہیں، اپنی ملت کے حروفِ تہذیب کے پاسبان، عظمتِ ماضی کے نشانات کے محافظ بن جاتے ہیں۔“

ابن عائشہ! جس طرح اذان کی آوازیں کر مرغ جاگتے ہیں، پرندے چونکتے ہیں، ایسے ہی زکریا بن ادریس جیسے مجاہد اپنی جرأت مندی کی ضو سے پھلتے اندھیروں میں اپنی ملت کے لئے روشنی سے روشنی کے سلسلے جوڑتے ہیں، جنگلوں کی کھوئی اُداسیوں میں ایسے مجاہد ہی فاختاؤں کے اڑتے بیروں کو آباد کرتے ہیں، نحوست کی بدتر فالوں کو پاش پاش کرتے ہیں، دعا کے لئے اٹھے بے ثمر ہاتھوں میں امن و آشتی کے حسین الفاظ بھر دیتے ہیں، تعمیر کی لگن میں اپنی تخلیق کی پرکھ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ابن عائشہ! میرے بیٹے! میں اس زکریا بن ادریس کی چوم لینے کی بے نام

خواہشوں اور روح پر رقہاں کرنوں جیسی جرأت مندی، نورس آرزوؤں اور خوشیوں اور سکون کے امتزاج سی شجاعت، سپنوں کی بارش میں خوشیوں کی سرشاری سی دلیری، وقت کی کالی سیاست میں کرنوں کے بے روک سفری اس کی جانثاری، سورج کی پھیلتی روشنی میں موسموں کی دستکوں جیسی اس کی عزیمت، مشیت کے قانون سی اٹل اور بے انت و بے کنار استقامت کو سلام پیش کرتا ہوں۔ ایسے نوجوان، ملت کے ایسے فرزند ہی زیت کے امتحان میں لازوال اور بے مثال ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے فرزند ہی بارش میں نمک کے گھر تعمیر کرنے والوں کے خلاف چربی تک کو پگھلا دینے والی حدت کی طرح حرکت میں آتے ہیں۔ ایسے ہی بے لوث اور جانثار سالار بے خونی کے جنگل میں صفحہ ہستی سے مٹا دینے والی بھوکی جبلتوں کی طرح اپنے کام کی ابتداء کرتے ہیں اور تقویم و ساعتوں کی زنجیریں تک کاٹ کر اپنی ملت، اپنی قوم، اپنے دین کے لئے روشنی کے جزیرے اور قحط کے اُجاڑ پن تک کو آباد کر دیتے ہیں۔

ابن عائشہ! میرے بیٹے! زکریا بن ادریس نے تمہاری حق تلفی کی ہے نہ زیادتی کی ہے۔ دیکھ بچے! اگر کوئی اور سالار زکریا بن ادریس جیسا جانثار اور وفادار نہ ہوتا تو وہ گاتھا کا مقابلہ کر کے واپس چلا آتا۔ مزید اپنی جان کو جوکھوں میں نہ ڈالتا، یہ سمجھتا کہ جس کے ساتھ اس نے انفرادی مقابلہ کرنا تھا، وہ کر بیٹھا ہے۔ اب دوسرا دوسرے کا مقابلہ کرے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اُس کے اس عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمہارے لئے انتہا درجہ کا مخلص اور جانثار ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے یوسف بن تاشفین کو رک جانا پڑا اس لئے کہ بڑی ارادت مندی میں داؤد بن عائشہ بول اٹھا۔

”امیر! اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جیسا جانثار بھائی، اس جیسا وفادار ساتھی، اس جیسا جرأت مند اور دلیر سالار نہیں ملے گا۔“

یہاں تک کہتے کہتے داؤد بن عائشہ کو رک جانا پڑا۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑی اور اپنے حصہ کے لشکر کی طرف جا رہا تھا۔ اس لئے کہ عین اسی لمحہ افونش کے لشکر سے دادیق اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا نکلا۔ اس کے ایک ہاتھ میں لبا نیزہ اور دوسرے میں ڈھال تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے زکریا بن ادریس نے اپنی تلوار نیام میں کر لی تھی، زین کے ساتھ بندھا ہوا لوہے کا وزنی آہنی نیزہ اس نے

سنجھال لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دادیق کی طرف دوڑایا۔ قریب جا کر زکریا بن ادریس نے اس زور سے نیزہ مارا کہ اس کا آہنی نیزہ دادیق کی زڑہ کو پھاڑتا ہوا اُس کے سینہ میں پیوست ہو گیا تھا۔ دادیق، زکریا بن ادریس پر پہلے اپنے نیزے کا وار کرنا چاہتا تھا لیکن ایسا کرنا تو بہت دُور کی بات، وہ زکریا بن ادریس کے آہنی نیزے کے سامنے اپنا دفاع نہ کر سکا۔ زکریا بن ادریس کا نیزہ اس کے سینہ میں پیوست ہو چکا تھا اور تھوڑی دیر کی لڑکھڑاہٹ کے بعد دادیق اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا تھا۔ اس کے قریب جا کر زکریا بن ادریس نے اپنا نیزہ کھینچا، اسے صاف کر کے گھوڑے کی زین سے باندھا، دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، پھر مڑا اور ایڑ لگاتا ہوا اپنے لشکر کی طرف چلا گیا تھا۔

اس موقع پر افونش کے لشکر میں حملہ آور ہونے کے لئے ہلچل شروع ہو گئی تھی۔ لہذا زکریا بن ادریس سیدھا امیر یوسف بن تاشفین کی طرف نہیں گیا بلکہ داؤد بن عائشہ کی طرف گیا جہاں اس نے داؤد بن عائشہ کے ساتھ مل کر اپنے لشکر کے حصہ کی کمانداری کرنی تھی۔

جب وہ داؤد بن عائشہ کے قریب گیا تو داؤد بن عائشہ نے مسکراتے ہوئے اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگائی، ساتھ ہی اس کا شانہ تھپتھپایا اور کہنے لگا۔

”زکریا بن ادریس! میرے بھائی! تم نے میرے حصے کی زحمت بھی برداشت کر لی۔ کاش! کبھی کوئی ایسا وقت آتا کہ میں تمہاری باری بھی استعمال کرتے ہوئے تمہارے لئے کوئی آسائش و سکون کا سامان فراہم کرتا۔“

زکریا بن ادریس، داؤد بن عائشہ کے ان الفاظ کا جواب دینا چاہتا تھا پر خاموش ہو گیا اس لئے کہ افونش اور اس کے سالاروں نے حملہ آور ہونے کے لئے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا تھا۔ لہذا داؤد بن عائشہ کے ساتھ زکریا بن ادریس بھی بالکل مستعد ہو گیا تھا۔

افونش اور اس کے سالاروں نے اپنے لشکر کو بخر دھرتی پر حیات کے مہروں میں تفکرات کے بھنور، وقت کے صفحات پر برپا ہوتے انقلابِ ازل سے دستِ احوال اور جوان رنگوں سے اٹھتی اُمتوں کی طرح آگے بڑھایا، اس کے بعد وہ امیر یوسف بن تاشفین کے لشکر پر بھنور بھنور موجوں میں موت کے مناظر کھڑے کرتے آگ اُگلنے

طوفانوں، صدیوں کی سلگتی موت کی تمازت پھیلاتی کرب کی آندھیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے امیر یوسف بن تاشفین اور معتمد نے اپنے کام کی ابتداء کی، اپنے لشکر کے وسطی حصہ کو وہ حرکت میں لائے اور وہ بھی کوہستانوں سے سرکتے شور کی سرحدوں پر ضرب لگاتے دکھ کے بے روک سیلاب، دھواں دھواں شام کے الاؤ میں شعلوں کے لرزاں رنگوں کی طرح پھیلتے مانوق الفطرت عزائم رکھنے والے عناصر کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔ اس کے بعد دائیں جانب سے سیر بن ابی بکر، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ بھی ہستی کو نیستی اور زندگی کے ہر لمحہ کو مسلسل جبر میں تبدیل کرتے فطرت کے کھولتے عذابوں، سسکیاں بھرتی ہواؤں میں بے پراثران رکھنے والے کالے اور پیلے موسموں کی طرح افونش کے لشکر پر ٹوٹ پڑے تھے۔

اس کے بعد بائیں جانب سے داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس بھی اپنے حصہ کے لشکر کو حرکت میں لائے اور وہ بھی افونش کے لشکر پر مرگ کی اساس بناتے متحیر اور مجوس کر دینے والے سمندر کے جلال کی ہیبتوں کے نزول اور موسموں کی گرد میں دھان کی بالیوں پر اترتی پرندوں کی لپکتی ڈاروں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے میدان جنگ میں لشکری ریت پر لکھے حروف، ذوریوں کے خوابوں میں رنج کے اٹھتے سایوں، وقت کی بے ثباتی کے قصوں کی طرح ختم ہونے لگے تھے۔ رزم گاہ کی گردش مقیاس میں غموں کی آزمائشیں، دکھ کے استعارے، نفرت کی آتش کے شرارے، ذلت کے تندریلے اور بربادیوں کے کھولتے لمحے ناچ اٹھے تھے۔

افونش، اس کے سالاروں اور اس کے بیٹے نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح صرف ایک بار مسلمانوں کو پسپا کر دیں، صرف ایک بار مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی فتح مندی کو یقینی بنا دیں۔ لیکن شاید ایسا ان کے مقدر میں نہیں لکھا ہوا تھا۔ اس بار بھی امیر یوسف بن تاشفین اور اس کے سالاروں کے ہاتھوں افونش اور اس کے سالاروں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ شکست ازاں کہ افونش اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ سیر بن ابی بکر، داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس نے امیر

یوسف بن تاشفین اور معتمد کو اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ وہیں رہنے دیا جہاں دشمن کے ساتھ ٹکراؤ ہوا تھا جبکہ وہ خود اپنے اپنے حصہ کے لشکر کو لے کر افونش کے لشکر کے پیچھے لگ گئے تھے۔

یہ تعاقب کچھ دور تک جاری رہا اور اس تعاقب کے دوران بھی زکریا بن ادریس، داؤد بن عائشہ، سیر بن ابی بکر، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم نے اپنے لشکریوں کو للکارتے ہوئے دشمن کے بھاگتے ان گنت لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے افونش کے لشکر کی تعداد مزید کم کی تھی۔ اس کے بعد یہ تعاقب ترک کر دیا گیا اور سارے مسلمان سالار اپنے لشکریوں کو لے کر اس جگہ آئے جہاں افونش کے ساتھ ٹکراؤ ہوا تھا۔ ان کی آمد تک امیر یوسف بن تاشفین اور معتمد نے اپنے چھوٹے سالاروں کے ساتھ مل کر سارے زخمیوں کی دیکھ بھال کی تھی اور ساتھ ہی افونش کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔





امیر یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں بدترین شکست اٹھانے کے بعد افونش اپنے لشکر کو لے کر لگ بھگ 25 میل دور شمال کی طرف جا کر پڑاؤ کر گیا تھا۔ وہیں جا کر اس نے زخمیوں کی دیکھ بھال کی۔ جو زیادہ زخمی ہوئے تھے، وہ راستے ہی میں دم توڑ گئے تھے۔ جب وہ اور اس کے سالار زخمیوں کی دیکھ بھال سے فارغ ہوئے تب افونش اپنے بیٹے برگنزا کے ساتھ اپنے شاہی خیمے میں داخل ہوا۔ خیمے میں اس وقت اس کی بیوی لیستہ اور بیٹی مغریتا دونوں بیٹھی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ افونش اور برگنزا دونوں باپ بیٹا بھی جا کر ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تک خیمے میں خاموشی رہی، اس کے بعد حسین و خوبصورت مغریتا اپنے باپ افونش کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”بابا! یہ ہر بار مسلمان ہی بدن کی تہوں میں اتر جانے والا بھیانک و خون آشام خوف بن کر ہم پر وارد ہوتے ہیں۔ ہر شے کی خود اعتمادی کو ختم کرتی رات کی گھن گرج کی طرح ہم پر چھا جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ یہ ان کا تیسرا ٹکراؤ ہے اور ہر ٹکراؤ میں، میں نے دیکھا مسلمان روح کی آخری ضو کو بچانی نفرت بھری آنکھوں اور زندگیوں کی گردش میں مجروح کر دینے والے خونی گرداب کی طرح ہم پر حاوی اور مسلط رہے، ہر ٹکراؤ میں وہ ہمارے لئے تعبیروں کا کرب، دکھ کا استعارہ، قحط کا عذاب ہی ثابت ہوئے اور ہماری حالت ان کے سامنے رات کی تاریکی میں ٹوٹتے ستاروں اور مسافر پرندوں سے بھی بدتر اور ہولناک رہی۔

یہاں تک کہنے کے بعد مغریتا رکی، پھر پہلے سے بھی زیادہ دکھ بھرے انداز میں وہ افونش کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”بابا! یہ کیا وجہ ہے کہ ہر بار مسلمان ہماری جدوجہد کی مسافتوں کو بے جہت کرنے

میں کامیاب ہو جاتے ہیں جبکہ تقدیر ان کے دامن میں ستاروں کی چمک، چاند کی ٹھنڈک سی فوز مندی کا رس ڈال دیتی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مغربیتا رکی اور اس بار وہ پہلے کی نسبت زیادہ کرب خیز انداز میں کہہ رہی تھی۔

”کاش اندھیروں کی دیوار کے سرد سینے میں سمندر اور طوفانی ہواؤں کی ستیزہ کاری کا مظاہرہ کرنے والا کوئی جنگجو ہمارے لشکر میں بھی ہوتا۔ بحر کے سینے سے اٹھ کر دکھ کی پکار دینے والی موجوں کی وحشت سا کوئی تیغ زن ہمارے لشکریوں کی نمائندگی کرتا، ندیوں کو جل تھل کرتی برسات میں جسموں پر کوڑے برساتی ہواؤں جیسا بے روک اور ناقابل تسخیر شمشیر باز ہمارے لشکریوں کا بھی حوصلہ اور ولولہ بلند کرنے والا ہوتا۔

بابا! لگتا ہے ہمارے سالاروں میں سے کوئی بھی یہ کام نہیں کر پائے گا۔ بار بار ذلت و رسوائی کے سکے ہماری ہی تجوری میں آ کر کیوں گرتے ہیں؟ مسلمانوں کی کامیابی کو ناکامی اور اپنی ناکامی کو کامیابی میں تبدیل کرنے کے لئے میرا دل کہتا ہے کہ مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مغربیتا جب رکی تب اس کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھتے ہوئے اس کا بھائی برگز ابول اٹھا تھا۔ ”تم ناکامی کو کامیابی اور کامیابی کو ناکامی میں تبدیل کرنے کے لئے کیا کر سکتی ہو؟“

جواب میں حسین و خوبصورت مغربیتا کے لبوں پر تبسم نمودار ہوا، کچھ سوچا، پھر کہنے لگی۔ ”عورت اگر جوان ہو، خوب صورت ہو، پرکشش ہو، اس کے جسمانی زاویوں میں جذب ہو تو وہ عذابوں، سزاؤں کے قصوں کو خوشبوؤں اور پیار میں بدل سکتی ہے۔ سلگتے بے زار لمحوں کو محبت و چاہت بھرے تبسم، ٹوٹی بکھرتی صداؤں، بے خزاں پھولوں کی وادیوں کو چاہتوں کی سرمئی سی مسافتوں، جذب کی طلب خوش نوائی کا روپ دے سکتی ہے۔ عورت دل کی سونی راہوں، کرب کی طوفانی موجوں اور یادوں کے بے شمار ویرانوں کو جسم و جاں کے حوصلے، جذبوں کی لطافت، قربتوں کی دلکشی، خوشیوں اور خوشبو بھری تحریریں، بے اتھاہ چاہتوں کے بحر دے سکتی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مغربیتا جب خاموش ہوئی تب چہتے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا بھائی برگز ابول اٹھا تھا۔

”تو گویا تم اپنی خوبصورتی، اپنے حُسن، اپنی کشش، اپنی جوانی اور شباب کو مسلمانوں کے خلاف حرکت میں لاؤ گی؟ سن میری بہن! یہ تیری بھول، تیرے اندازوں کا فریب، تیرے خیالوں کا دھوکا ہے۔ یاد رکھنا! مسلمان ان پھندوں، ان جالوں میں آنے والے نہیں ہیں۔ وہ اپنے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں تو نہ خوبصورتی کی طرف دیکھتے ہیں نہ حُسن کی پرواہ کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے مخالفوں پر ضرب لگاتے ہیں تو نہ نغموں، خوشبوؤں اور پیار کے طوفانوں پر نگاہ رکھتے ہیں نہ محبت و چاہت بھرا کوئی تبسم ان پر اثر انداز ہوتا ہے۔“

برگنزا جب خاموش ہوا تب گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مغربیا بول اٹھی۔

”اگر میں مسلمانوں کے کسی سالار کو اپنی طرف مائل کر کے اور اسے گمراہ کر کے، ان کے اندر ایک ہیجان، ایک غلط فہمی، نفرت اور نا اتفاقی کا بیج ڈال دوں تو پھر میرے بھائی! تمہارا کیا خیال ہے؟“

”ایسا تم کس کے ساتھ کر سکتی ہو؟“ غور سے مغربیا کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے بھائی برگنزا نے پوچھ لیا تھا۔

جواب میں مغربیا نے کچھ سوچا، پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔

”بھائی! پہلے یہ بتاؤ کہ مسلمانوں کے سالاروں میں اب وہ کون ہے جس نے آج تک ہمارے لشکریوں، ہمارے سالاروں اور ہمارے جنگجوؤں کو زیادہ نقصان پہنچایا؟“

افونش اور اس کی ملکہ لیستہ، اپنی بیٹی مغربیا اور بیٹی برگنزا کی گفتگو کو بڑی خاموشی اور انہماک سے سن رہے تھے۔ جب مغربیا نے سوال کیا تب برگنزا سے پہلے ہی افونش بول اٹھا۔

”بیٹی! اگر تو یہ پوچھتی ہے تو جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں، اس کے مطابق آج تک مسلمانوں کے سالاروں میں سے سب سے زیادہ نقصان ہمیں زکریا بن اور لیس نے پہنچایا۔ اس نے نہ صرف انفرادی مقابلوں میں ہمارے کئی بہترین تیغ زنوں اور جنگجوؤں کو اپنے سامنے پچھاڑا، ان کے سر قلم کئے بلکہ کئی مواقع پر وہ مسلمانوں کی کامیابی اور فتح مندی کا باعث بھی بنا۔ اس میں کوئی شک نہیں جب سے افریقہ کا مسلمان حکمران یوسف بن تاشفین ہماری سرزمینوں میں داخل ہوا ہے، مسلمانوں کی

کامیابی یوسف بن تاشفین ہی کی وجہ سے ہے۔ یوسف بن تاشفین کے ساتھ اب تک ہمارے تین ٹکراؤ ہو چکے ہیں اور ان تینوں ٹکراؤ میں، میں اپنے اندازوں کے مطابق کامیابی اور کامرانی کی وجہ یوسف بن تاشفین ہی کو کہہ سکتا ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ کام کرنے والے اس کے سالاروں میں سے سب سے زیادہ کارکردگی میرے خیال میں تین سالاروں کی رہی ہے۔ ایک زکریا بن ادریس، دوسرا داؤد بن عائشہ اور تیسرا یوسف بن تاشفین کا بھتیجا سیر بن ابی بکر۔ ہاں! میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ان سرزمینوں میں یوسف بن تاشفین کے آنے سے قبل ہمارے لئے سب سے زیادہ نقصان کا باعث زکریا بن ادریس ہی رہا۔ وہ معتمد کے ساتھ کام کرتے ہوئے ہمیشہ ہماری کامیابیوں پر مٹی دھول ہی برساتا رہا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش رکا، پھر اپنی بیٹی مغریتا کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکے ہلکے تبسم میں کہنے لگا۔

”بیٹی! جو سوال تم نے اپنے بھائی برگنزا سے کیا تھا، اس کا جواب میں نے تمہیں دے دیا ہے۔ اب میں نہیں جانتا کہ تمہارے اس سوال کا جواب تمہارے بھائی کے ذہن میں کیا ہے؟“

اس موقع پر برگنزا بھی مسکرایا، پھر افونش کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
 ”اے میرے باپ! جو جواب میں دینا چاہتا تھا، وہی آپ نے دے دیا ہے۔ یقیناً ہمارے لئے سب سے زیادہ نقصان کا باعث زکریا بن ادریس ہی رہا ہے۔“
 جواب میں مغریتا کے چہرے پر عجیب سا تبسم نمودار ہوا، کہنے لگی۔

”اگر مسلمان سالاروں میں سے سب سے زیادہ یہ زکریا بن ادریس ہی ہمارے لئے نقصان کا باعث رہا ہے تو پھر میں زکریا بن ادریس کو ہی اپنا ہدف بناؤں گی اور پھر دیکھنے گا میں کیسی تبدیلی، کیسا انقلاب برپا کرتی ہوں۔ اے میرے باپ! جو کام ہمارے لشکر کے بڑے بڑے سالار، بڑے بڑے سورا اور جنگجو نہیں کر سکے، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں وہ کام میں اپنی خوب صورتی اور اپنے حسن کو کام میں لاتے ہوئے بڑی آسانی سے کر گزروں گی۔“

افونش اور برگنزا دونوں باپ بیٹے نے مغریتا کے ان الفاظ کا کوئی جواب نہ دیا، خاموشی اختیار کی اور ان کی خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ وہ مغریتا کے خیالات اور اس کے

عزائم اور ارادوں سے متفق اور مطمئن ہیں۔ کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی، اس کے بعد افونش باری باری اپنی بیوی، بیٹی اور بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”جو کچھ میری بیٹی مغریتا نے کہا ہے اس سے تو میں کم از کم اتفاق کرتا ہوں۔ اس لئے کہ مغریتا عیسائی دنیا کے لئے بہت کچھ کر سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی خوبصورتی بڑے سے بڑے اُجد، بڑے سے بڑے متقی اور پرہیزگار کو بھی اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکتی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش رکا، اس موقع پر اس کا بیٹا برگنزا کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی افونش پھر بول اٹھا۔

”جو کچھ مغریتا نے کہا ہے اس کے علاوہ بھی ایک ایسا عمل ہے جس کے تحت ہم اُنڈلس میں نہ صرف مسلمانوں کو کمزور کر سکتے ہیں بلکہ آنے والے دور میں امیر یوسف بن تاشفین اور اس کے سارے سالاروں کو بھی اپنے سامنے جھکنے کے لئے بے بس اور لاچار کر سکتے ہیں۔“

افونش کے ان الفاظ پر اس کی بیٹی مغریتا اور برگنزا کے علاوہ ملکہ لیستہ کی آنکھوں میں بھی چمک پیدا ہوئی تھی۔ پھر افونش کا بیٹا برگنزا اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بابا! جو کچھ آپ نے کہا ہے میں اس سے متعلق کچھ نہیں سمجھا۔ ذرا تفصیل سے کہیں، دوسرا عمل کون سا ہے جس کے تحت ہم اُنڈلس میں اپنی کامیابیوں کو یقینی بناتے ہوئے مسلمانوں کی شکست اور بربادی کا سبب بن سکتے ہیں؟“

برگنزا جب خاموش ہوا تب افونش کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

”جو تجویز میں نے سوچی ہے وہ میرے ذہن میں میری بیٹی کی گفتگو کے بعد ہی آئی ہے اور میں اس پر عمل بھی کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ اس لئے میں تین چیزوں سے کام لوں گا۔ ایک خوبصورتی، دوسری مال و دولت کی چمک اور تیسری اپنے قاصدوں، اپنے جاسوسوں کے ذریعے لو بھ اور لالچ پھیلانے کی طاقت و قوت۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش رکا، دوبارہ کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

”جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا لب لباب یہ ہے کہ مقامی حکمرانوں کو امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف کر دیا جائے۔ غرناطہ کا حکمران عبداللہ مالقہ کے حکمران تمیم کا بھائی ہے۔ ان دونوں کو مٹھی میں لینا کوئی مشکل نہیں ہے۔ المریا کا حکمران معتصم بھی

بکنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ بطلیوس کا حاکم متوکل ہمارا ساتھ دینے میں زیادہ تاخیر سے کام نہیں لے گا۔ تاہم اشبیلیہ کے حاکم معتمد کو اپنا ہمنوا بنانے میں کچھ عرصہ لگے گا۔ اس کے علاوہ مرسیہ کا حاکم ابن رشیق پہلے سے ہماری مٹھی میں ہے اور اس کا نہ صرف ہم سے رابطہ و تعلق ہے بلکہ وہ ہماری ہر بات ماننے کے لئے تیار اور آمادہ بھی ہے۔

میں آج ہی کچھ تحائف، انتہائی قیمتی اشیاء اور نقدی کی تھیلیاں اپنے قاصدوں کے ہمراہ اُنڈلس کے مختلف علاقوں کی طرف روانہ کروں گا۔ جو وفد میں اُنڈلس کے مقامی چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کی طرف بھیجوں گا، ان وفد میں حسین و خوبصورت لڑکیاں بھی شامل ہوں گی۔ جہاں دولت کام کرے گی، جہاں میرے بھیجے ہوئے قاصد مخبری کا کام کرتے ہوئے مسلمانوں کے اندر غلط فہمی اور تضاد پیدا کرنے کی کوشش کریں گے، وہاں حسین و خوبصورت لڑکیاں بھی اُنڈلس کے مقامی حاکموں اور یوسف بن تاشفین اور اس کے لشکریوں کے خلاف ایک بہت بڑا محاذ کھڑا کرنے کی کوشش کریں گی اور مجھے امید ہے کہ ایسا کر کے یقیناً ہم یوسف بن تاشفین کے مقابلہ میں کامیاب رہیں گے اور اسے اُنڈلس سے نکال یا ہر کریں گے۔ یوسف بن تاشفین نے ابھی تک اسی جگہ قیام کر رکھا ہے جہاں اس کے ساتھ ہمارا ٹکراؤ ہوا تھا اور میں اپنی اس مہم کی ابتداء بھی آج ہی کرنے والا ہوں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش جب رکاب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مغربا بول اٹھی۔

”بابا! آپ نے میرے دل کی بات کہی ہے۔ میں بھی ایسا ہی چاہتی ہوں۔ میں آپ سے یہ کہتی ہوں کہ جو وفد آپ مختلف شہروں کی طرف روانہ کریں گے اور ان میں خوبصورت لڑکیاں بھی شامل ہوں گی، ان میں ایک اور کا اضافہ کر دیا جائے اور وہ میں خود ہوں گی۔ مجھے بھی کسی وفد کے ساتھ روانہ کیا جائے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں مسلمانوں کے بڑے بڑے سالاروں کو اپنا ہمنوا بنا کر آپ کے حق میں کرنے میں کامیاب رہوں گی۔“

مغربا کی اس گفتگو کے جواب میں افونش کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ کہنے لگا۔

”بیٹی! اگر تو ایسا ہی چاہتی ہے تو میں اس کے لئے رضامند ہوں۔ مگر تجھے یہ کام

خفیہ طور پر کرنا ہوگا۔ جن ساتھیوں کے ساتھ جائے گی، میں انہیں بھی سمجھا دوں گا، تو خود بھی رازداری برتنا اور کسی پر یہ ظاہر نہ کرنا کہ افونش کی بیٹی ہے۔ یہ سب سے اچھی بات ہے کہ اُنڈلس کے حکمرانوں اور ان کے سالاروں میں سے کوئی بھی تمہیں تمہارے چہرے سے نہیں پہچانتا۔ لہذا میں سمجھتا ہوں کہ تم دوسری لڑکیوں کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں کام کر سکتی ہو۔ میں چاہتا ہوں تمہیں اس وفد کے ساتھ بھیجوں جس کو میں غرناطہ کی طرف روانہ کر رہا ہوں۔“

مغریتا نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی روز افونش حرکت میں آیا، اپنی سلطنت سے اس نے خوبصورت لڑکیوں کو منگوا بھیجا۔ دولت کے انبار بھی منگوا لئے، مختلف وفود مرتب کئے اور چند دن بعد ان وفد کو مسلمانوں کے مختلف شہروں اور حاکموں کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا۔





امیر یوسف بن تاشفین نے ابھی تک اسی جگہ قیام کر رکھا تھا جہاں افونش کے ساتھ اس کا ٹکراؤ قلعہ حصن اللیظ کے پاس ہوا تھا۔ یہاں قیام کے دوران ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ بات یہ تھی کہ امیر یوسف بن تاشفین غرناطہ کے محضی ابو جعفر کی بڑی عزت، ان کا بڑا احترام کرتا تھا اس لئے کہ قاضی ابو جعفر نہ صرف متقی، پرہیزگار اور شرع کے سختی سے پابندی کرنے والے تھے بلکہ امت مسلمہ کے بڑے ہمدرد اور مسلم قوم کے بڑے خیر خواہ تھے۔ امیر یوسف بن تاشفین وہاں قیام کے دوران اکثر و بیشتر قاضی ابو جعفر کو اپنے خیمے میں بلاتا۔ کبھی ان سے اندلس کے موجودہ چھوٹے چھوٹے حکمرانوں سے متعلق گفتگو کرتا، اندلس کے مستقبل کے متعلق مشورہ کرتا، کبھی ان سے دین کے موضوع پر باتیں کیا کرتا تھا۔ امیر یوسف بن تاشفین، اس کا بیٹا سیر بن ابی بکر، زکریا بن اور لیس، غیر در بن شیب، داؤد بن عائشہ، زیدون بن مسلم اور کچھ دوسرے لوگ اس گفتگو کے موقع پر امیر یوسف بن تاشفین اور قاضی ابو جعفر کے پاس ہوا کرتے تھے۔

قاضی ابو جعفر غرناطہ کے رہنے والے تھے۔ امیر یوسف بن تاشفین کا یوں دن میں کئی بار اور رات کے کسی لمحے میں قاضی ابو جعفر اور دیگر سالاروں کو اپنے خیمے میں بلانا حاکم غرناطہ امیر عبداللہ کو گراں گزرنے لگا۔ وہاں قیام کے دوران تو وہ قاضی ابو جعفر سے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس لئے کہ وہاں اگر وہ قاضی صاحب سے کچھ کہتا تو امیر یوسف بن تاشفین کی ناراضگی مول لیتا اور غرناطہ کا حکمران ایسا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ چند روز وہاں قیام کرنے کے بعد مختلف شہروں اور علاقوں کے حکمران امیر یوسف بن تاشفین کے کہنے پر اپنے اپنے علاقوں کی طرف ہو لئے اور انہیں رخصت کرنے سے پہلے امیر یوسف بن تاشفین نے انہیں تاکید کی کہ اپنے علاقوں میں جا کر نہ صرف یہ کہ

اپنے عوام اور اپنی رعایا کی بہتری اور فلاح کے لئے کام کریں بلکہ اپنے اپنے علاقوں میں نئے لشکری بھرتی کر کے ان کی تربیت کا کام کریں تاکہ آنے والے دور میں یونہی منہ اٹھائے افونش ان پر چڑھ نہ دوڑے بلکہ وہ متحد ہو کر افونش کو اپنے علاقوں سے مار بھگانے میں کامیاب رہیں۔

چنانچہ امیر یوسف بن تاشفین سے یہ نصیحت لے کر جب سب روانہ ہونے لگے تب روانگی سے پہلے جس وقت معتمد کوچ کرنے والا تھا، امیر یوسف بن تاشفین نے زکریا بن ادریس کو بلایا۔ زکریا بن ادریس جب امیر کی خدمت میں حاضر ہوا، تب اس نے بڑی عاجزی اور انکساری میں پوچھا۔

”امیر محترم! جب کبھی بھی مجھے آپ اپنے پاس بلاتے ہیں تو میرے جسم میں خون پہلے کی نسبت زیادہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ میں اس بات پر فخر محسوس کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے طلب کیا ہے۔“

جواب میں امیر یوسف بن تاشفین مسکرایا، کہنے لگا۔

”سن عزیز بیٹے! تو معتمد کے ساتھ ہی اشبیلیہ چلا جا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں اشبیلیہ شہر میں تیرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ نہ وہاں تیرے عزیز واقارب ہیں، نہ ہی کوئی ایسا شخص ہے جس سے تیرا خاندانی رشتہ ہو۔ تاہم کچھ ہستیاں وہاں ایسی ہیں جو تمہیں اپنا سمجھتی ہیں۔ بیٹے! میرا اشارہ رواندہ، اس کے باپ انیتش، اس کی ماں اموسیہ کی طرف ہے۔ بیٹے! تیرے متعلق داؤد بن عائشہ مجھے سب کچھ بتا چکا ہے اور میں جانتا ہوں تو اپنا کوئی راز داؤد بن عائشہ سے نہیں چھپاتا۔ میں چاہتا ہوں تو اشبیلیہ واپس چلا جا۔ اس لئے کہ اشبیلیہ شہر سے باہر نکل کر روز وہ تیری راہ دیکھتا ہوگا۔ بچے! وہاں جا۔ انیتش اور رواندہ کی ماں اموسیہ سے مل۔ لیکن چند روز وہاں رہ کر واپس میرے لشکر میں آ جانا۔ وہاں قیام کے دوران کوشش ہوگی کہ تمہاری اور رواندہ کی منگنی طے ہو جائے۔ اس طرح تمہارے درمیان ایک رشتہ پکا و پختہ ہو جائے گا اور اسی رشتہ کو سامنے رکھتے ہوئے تم جب اور جس وقت چاہو گے رواندہ سے مل سکو گے۔ اس لئے کہ جہاں تک مجھے بتایا گیا ہے، رواندہ تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا عزم کئے ہوئے ہے۔

بچے! جہاں میری نگاہوں میں تمہاری حیثیت ایک بیٹے اور فرزند کی ہے، وہاں رواندہ کی حیثیت میری بیٹیوں کی سی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے بھتیجے سیر بن ابی بکر کی طرف دیکھا۔ شاید کچھ معاملہ پہلے سے طے ہو چکا تھا۔ سیر بن ابی بکر نے نقدی کی ایک تھیلی امیر یوسف بن تاشفین کو تھمائی۔ وہ تھیلی امیر یوسف بن تاشفین نے زکریا بن ادریس کی طرف بڑھائی اور کہنے لگا۔

”نقدی کی یہ تھیلی اپنے پاس رکھو۔ جب تمہاری منگنی رواندہ کے ساتھ طے ہو تو اس میں سے رواندہ کو نوازنا اور جو لوگ جمع ہوں ان کی خاطر ومدارات کا سامان کرنا۔ یہ بھی کوشش کرنا کہ اشبیلیہ شہر میں اپنے لئے کوئی حویلی خرید لو جس میں تم اپنی بیوی رواندہ کے ساتھ آنے والے دور میں باعزت اور خوشگوار زندگی بسر کر سکو۔ اب تم معتمد کے ساتھ اشبیلیہ روانہ ہو جاؤ لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے اس کام کی تکمیل کے بعد جلد لوٹ کر میرے پاس آنا۔ اس لئے کہ میں بہت جلد واپس افریقہ جاٹھا چاہتا ہوں اور جانے سے پہلے میں تمہیں، داؤد بن عائشہ اور اپنے بھتیجے سیر بن ابی بکر سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی امیر یوسف بن تاشفین زکریا بن ادریس کو گلے لگا کر ملا اور زکریا کے بعد سیر بن ابی بکر اور داؤد بن عائشہ بھی اسی انداز میں زکریا بن ادریس سے ملے، پھر زکریا بن ادریس باہر نکلا اور اسی روز وہ معتمد کے ساتھ اشبیلیہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔



قاضی ابو جعفر کا امیر یوسف بن تاشفین سے ملنا جلنا غرناطہ کے حکمران عبداللہ کو ناگوار گزرا تھا۔ چنانچہ جس وقت سب حکمران اپنے اپنے علاقوں کو واپس گئے تو عبداللہ بھی اپنے حصہ کے لشکر کو لے کر غرناطہ چلا گیا۔

غرناطہ پہنچ کر عبداللہ نے ایک نہایت ناپسندیدہ حرکت کی۔ اس نے غرناطہ پہنچتے ہی قاضی ابو جعفر کو اپنے ہاں طلب کیا۔ اپنے سامنے کھڑا رکھ کر ان پر بغاوت کا الزام لگایا اور قاضی ابو جعفر سے یہ کہا کہ وہ امیر یوسف بن تاشفین کے ساتھ زیادہ میل جول رکھ کر غرناطہ ہی نہیں بلکہ اندلس کے دوسرے مسلمان حکمرانوں کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ یہ الزام لگانے کے بعد غیر ذمہ دار امیر عبداللہ نے یہ حکم دیا کہ اس جرم میں قاضی ابو جعفر کو قتل کر دیا جائے۔

جہاں تک قاضی ابو جعفر کا تعلق تھا تو وہ لوگوں میں بڑے ہر و عزیز تھے۔ متقی و پرہیزگار ہونے کے علاوہ اپنے دین سے محبت، مذہب سے چاہت رکھنے کی بناء پر لوگوں کو ان سے ایک عقیدت تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب حاکم غرناطہ عبداللہ نے قاضی ابو جعفر پر بغاوت کا الزام لگاتے ہوئے ان کے قتل کا حکم دیا تب اس کی ماں آڑے آئی۔ عبداللہ اپنی ماں سے بڑی محبت کرتا تھا اور اس کی بات ماننا تھا اور اس کا بڑا مطیع بھی تھا۔ اس کی ماں نے اسے سمجھایا کہ وہ ایسے نیک بزرگ کا خون بہانے سے باز رہے۔ چنانچہ کافی دیر تک اپنی ماں کے سمجھانے کے بعد حاکم غرناطہ عبداللہ نے قاضی ابو جعفر کو قتل تو نہ کیا بلکہ اپنے قصر کے ایک کمرے میں ایک اسیر کی حیثیت سے قید کر دیا۔

مورخین اس حادثہ سے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ قاضی ابو جعفر جب قصر میں قید کر دیئے گئے تو ان کا یہ روزمرہ کا معمول تھا کہ صبح سویرے اندھیرے میں اٹھتے، نماز کی تیاری کرتے، نماز پڑھنے کے بعد قرآن مقدس کی تلاوت کرتے۔ وہ بڑے خوش الحان تھے۔ آواز میں درد اور سوز تھا۔ جب حاکم غرناطہ عبداللہ نے انہیں اپنے قصر میں قید کر دیا، تب بھی قاضی ابو جعفر نے اپنے معمولات میں فرق نہ آنے دیا۔ قیدی کی حیثیت سے بھی صبح منہ اندھیرے اٹھ کر نماز کی تیاری کرتے، اس کے بعد بلند آواز میں قرآن مقدس کی تلاوت شروع کرتے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ جب وہ تلاوت کرتے تو حاکم غرناطہ عبداللہ کا پورا قصر گونجنے لگتا تھا۔ ہر شخص ان کی تلاوت کو نہایت ادب سے سنتا۔ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلتی کہ کہیں کوئی آواز سن کر قاضی صاحب خاموش نہ ہو جائیں۔ اس طرح جہاں غرناطہ کے لوگ قاضی صاحب کے حق میں تھے، وہاں قصر کے اندر جو عبداللہ کے عزیز و اقارب اور خدام وغیرہ کام کرتے تھے وہ بھی قاضی صاحب کے حق میں ہو گئے۔ عبداللہ کے کان تک یہ بات پہنچی کہ خود اس کے اپنے عزیز و اقارب بھی قاضی ابو جعفر کی وجہ سے اس کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں تو بڑا پریشان ہوا۔ اس موقع پر کچھ لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ اگر قاضی ابو جعفر کو فوراً رہا نہ کیا گیا تو عنقریب خدا کا غضب غرناطہ پر ٹوٹے گا۔ ان حالات کی خبر جب غرناطہ کے حکمران عبداللہ کی ماں کو ہوئی تو اس نے عبداللہ کو ڈرایا دھمکایا، کبھی عاجزی سے بیٹے کو سمجھایا اور کہا کہ قاضی ابو جعفر جیسے عالم دین کو رہا کر دے اور ان پر سختی نہ کرے ورنہ وہ خدا کے قہر و غضب سے بچ نہ سکے گا۔

چنانچہ اپنی ماں کے ڈرانے دھمکانے پر عبداللہ نے قاضی ابو جعفر کو رہا کر دیا مگر اپنے کچھ کارندوں کو یہ حکم دیا کہ وہ قاضی ابو جعفر کی کڑی نگرانی کریں، ان کے ہر قدم، ہر فعل پر نگاہ رکھیں۔

انہی دنوں غرناطہ شہر میں مول نام کا ایک شخص رہتا تھا۔ بڑا دیندار، متقی، پرہیزگار تھا۔ مسلم اُمہ کے لئے درد رکھنے والا تھا۔ اسے بھی خبر ہو چکی تھی کہ حاکم غرناطہ عبداللہ نے قاضی ابو جعفر کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یہ مول حاکم غرناطہ عبداللہ کے باپ کے دور میں اس کے لئے ایسی خدمات انجام دے چکا تھا جس کی وجہ سے عبداللہ کا باپ بادیز، مول کی بڑی عزت اور احترام کرتا تھا۔

چنانچہ مول کو جب خبر ہوئی کہ عبداللہ نے قاضی ابو جعفر کو رہا تو کر دیا ہے لیکن ان پر پہرہ لگا دیا ہے اور ان کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لئے کہا گیا ہے تب اس نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ وہ خود بھی قاضی ابو جعفر کا بڑا عقیدت مند تھا۔ چنانچہ ایک رات اس نے قاضی ابو جعفر کو غرناطہ سے بھاگ جانے میں مدد کی اور اس کی وجہ سے قاضی ابو جعفر غرناطہ سے نکل کر الکلیہ شہر کی طرف چلے گئے۔

وہاں پہنچ کر قاضی ابو جعفر نے سب سے پہلے کام یہ کیا کہ ایک خط امیر یوسف بن تاشفین کے نام لکھا۔ اس خط میں امیر یوسف بن تاشفین کے پاس سے روانہ ہونے کے بعد جو کچھ غرناطہ میں ان پر بتی، اس کی تفصیل لکھی۔ خاصی عاجزی سے امیر یوسف بن تاشفین سے التجا کی کہ غرناطہ کے غیر ذمہ دار حکمران ہی نہیں، اُنڈلس کے دوسرے حکمران بھی اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ یہ سب آپس میں اتحاد و اتفاق نہیں رکھتے اور افولش کو جس وقت بھی موقع ملا، یکے بعد دیگرے ان کی نالائقیوں، ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ نہ صرف ان علاقوں پر قبضہ کر لے گا بلکہ اُنڈلس کے مسلمانوں کو غلام بنا کر رکھ دے گا۔

امیر یوسف بن تاشفین کو خط لکھنے کے ساتھ ساتھ قاضی ابو جعفر نے اُنڈلس کے قاضیوں اور فقیہوں کو بھی خطوط لکھے، جو کچھ ان پر بتی تھی، اس کی تفصیل کے ساتھ ساتھ ان سے ایک ایسا فتویٰ بھی طلب کیا جس میں ملوک الطوائفی کی نالائقیوں بالخصوص بادیز کے دونوں پوتوں یعنی حاکم غرناطہ عبداللہ اور مالقہ کے حاکم تمیم کی غیر ذمہ داریوں کا ذکر کیا۔ اس لئے کہ تمیم اور عبداللہ دونوں بھائی ہی تھے۔

چنانچہ قاضی ابو جعفر کے یہ خطوط جب مختلف علاقوں کے قاضیوں اور فقیہوں کے پاس پہنچے اور انہیں یہ خبر ہوئی کہ بادیز کے بڑے پوتے حاکم غرناطہ عبداللہ نے قاضی ابو جعفر کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا ہے تو انہوں نے بھی اپنی طرف سے خطوط امیر یوسف بن تاشفین کو لکھے جس میں امیر یوسف بن تاشفین سے استدعا کی گئی تھی کہ امیر یوسف بن تاشفین کا فرض ہے کہ ایسے حکمرانوں کے خلاف حرکت میں آئے جو ہمارے محترم رسول ﷺ کی شرع کے خلاف کام کرتے ہیں۔ ان علاقوں کے مختلف قاضیوں اور فقیہوں نے امیر یوسف بن تاشفین کو لکھے جانے والے خطوط میں یہ بھی تحریر کیا کہ اُنڈلس کے مختلف حاکموں نے اپنی رعایا پر غیر اسلامی ٹیکس عائد کر رکھے ہیں، انہیں بھی منسوخ کرایا جائے۔

یوں غرناطہ کے قاضی ابو جعفر غرناطہ سے نکل کر شہر میں پرسکون دن گزارنے لگے

تھے۔





اشبیلیہ شہر میں ایک روز رواندہ اپنے باپ انیش اور ماں اموسیہ کے ساتھ دیوان خانہ میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ موضوع یہی تھا کہ افونش کے ساتھ امیر یوسف بن تاشفین کی جنگ ختم ہو چکی ہے اور اب شاید زکریا بن ادریس اشبیلیہ شہر کا رخ کرے۔ ابھی اسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی کہ باہر دروازے پر دستک ہوئی۔ جواب میں انیش اپنی جگہ پر اٹھا اور کہنے لگا۔

”میں دیکھتا ہوں کون ہے؟“

رواندہ فوراً اٹھی، اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے دوبارہ نشست پر بٹھا دیا، باپ سے کہنے لگی۔

”بابا! آپ بیٹھیں۔ میں پوچھتی ہوں کہ دستک دینے والا کون ہے۔ میں دروازہ نہیں کھولوں گی، ویسے ہی پوچھوں گی، اگر کوئی اجنبی ہوا تو آپ کو بلا لوں گی۔“

انیش مطمئن ہو گیا تھا۔ چنانچہ رواندہ دیوان خانہ سے نکلی، تیز تیز چلتی ہوئی صدر دروازے کے قریب گئی، دروازے کے ساتھ منہ لگا کر دھیمی ہلکی سی آواز میں اس نے پوچھا۔ ”کون ہے؟“

رواندہ کے اس استفسار کے جواب میں باہر سے مسکراتی ہوئی آواز آئی۔

”دروازہ کھولو تو پھر بتاؤں گا کہ میں کون ہوں؟“

رواندہ آواز کو پہچان گئی جو زکریا بن ادریس کی تھی۔ چنانچہ اس آواز کو سن کر رواندہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ آنکھوں میں چمک، لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ ایک دم اس نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے زکریا بن ادریس اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا۔ قبل اس کے کہ رواندہ اپنے جذبات، اپنے احساسات کا اظہار کرتی، انیش اور

اموسیہ بھی دیوان خانہ سے نکل کر برآمدے میں آگئے تھے۔ رواندہ نے اپنی بے پناہ خوشی پر قابو پایا، کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ مسکراتے ہوئے زکریا بن ادریس بول اٹھا۔

”اب تم دروازے کے بیچ ہی میں کھڑی رہو گی یا مجھے اندر آنے کے لئے بھی کہو گی؟ ایسا لگتا ہے کہ تم مجھے باہر ہی کھڑا کرنا چاہتی ہو۔“

زکریا بن ادریس کے ان الفاظ پر رواندہ چونک سی پڑی تھی، ایک دم ایک طرف ہو گئی۔ زکریا بن ادریس حویلی میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی اموسیہ اور انیتش بھی اس کی طرف لپکے۔ دونوں نے زکریا بن ادریس کو پیار کیا۔ اس موقع پر انیتش نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اصطلبل کی طرف لے جانا چاہا لیکن زکریا بن ادریس نے اسے اپنے گھوڑے کی باگ نہیں دی بلکہ سنجیدگی میں کہنے لگا۔

”کیا آپ ایسا کرتے ہوئے اچھے لگتے ہیں؟ کیا یہ عمل میرے لئے باعثِ شرمندگی نہ ہوگا کہ میں یہاں کھڑا ہوں اور آپ میرے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اصطلبل کی طرف لے جائیں۔ کم از کم میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔“

زکریا بن ادریس کے یہ الفاظ سن کر اموسیہ اور رواندہ دونوں ماں بیٹی خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ اس موقع پر رواندہ آگے بڑھی۔ جب اس نے بھی زکریا بن ادریس سے کہا کہ گھوڑے کی باگ لینا چاہی تب زکریا بن ادریس نے پہلے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

”رواندہ! یہ تمہارا کام بھی نہیں ہے۔ میں اس حویلی کے محل وقوع سے واقف ہوں۔ میں خود گھوڑے کو اصطلبل میں باندھتا ہوں۔“

چنانچہ انیتش اور اموسیہ وہیں کھڑے رہے۔ زکریا بن ادریس اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے جب اصطلبل کی طرف گیا تو رواندہ بھی اس کے ساتھ ہو لی تھی۔

جونہی زکریا بن ادریس وہاں گھوڑے کو باندھنے لگا، رواندہ فوراً جلدی جلدی حرکت میں آئی، نیچے جھک کر اس نے گھوڑے کی زین کا بند کھولا۔ جس وقت وہ زین اتار کر اصطلبل میں ایک اونچی جگہ رکھ رہی تھی، زکریا بن ادریس نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیا تمہارے لئے ایسا کرنا ضروری اور لازم تھا؟“

رواندہ نے زین وہاں رکھنے کے بعد پلٹ کر زکریا بن ادریس کی طرف دیکھا، پھر

کہنے لگی۔

”ہاں! میرے لئے ایسا کرنا ضروری اور لازم ہے۔ اس لئے کہ میرا آپ سے ایک تعلق، ایک رشتہ ہے اور اس رشتہ کے تحت آپ کا کام کرنا میرا فرض ہے۔“
زکریا بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”اچھا یہ بات ہے تو زین کے ساتھ جو میری دو خوجینیں ہیں وہ بھی اتار لو۔“ اتنی دیر تک زکریا بن ادریس گھوڑے کا دہانہ اتارنے لگا تھا۔

رواندہ فوراً حرکت میں آئی۔ قریب ہی لکڑی کی ایک بڑی ناب میں دانہ ملا بھس بھرا ہوا تھا، اس میں سے چھوٹی سی ایک ٹوکری میں بھس ڈال کر رواندہ نے وہ ایک طرف رکھی۔ چارے کی بڑی ناب کے قریب ہی لکڑی کا پانی کا ایک حوض تھا جس میں سے کچھ پانی لے کر رواندہ نے پہلے گھوڑے کو پانی پلایا، پھر جو چارہ اس نے ٹوکری میں ڈالا تھا، وہ چارہ اس نے گھوڑے کو ڈال دیا۔ گھوڑے کا دہانہ اتارنے کے بعد رواندہ کی یہ ساری کارروائی زکریا بن ادریس بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ فارغ ہوئی تب میٹھی آواز میں رواندہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے خیال میں جو کام تم کرنا چاہتی تھیں، وہ تو کر چکیں۔ اب آؤ بابا اور اماں کی طرف چلیں۔“

رواندہ نے ہاتھ صاف کئے اور چپ چاپ زکریا بن ادریس کے ساتھ ہوئی تھی۔ انیتش اور اموسیہ دونوں میاں بیوی اس وقت تک حویلی کے صحن ہی میں کھڑے تھے۔ جب زکریا بن ادریس اور رواندہ دونوں ان کے قریب آئے تب چاروں دیوان خانہ کی طرف بڑھے اور وہاں نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔ سب سے پہلے گفتگو کا آغاز رواندہ نے کیا اور زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”امیر! یوسف بن تاشفین اور افولش کے درمیان جو لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا، اس کی اطلاع اشبیلیہ میں پہنچتی رہی ہے۔ میں آنے والوں سے بابا کے ذریعے اکثر آپ کی کارروائیوں سے متعلق بھی سوال کرتی رہتی تھی۔ میں آپ کو ان جنگوں میں بہترین کارگزاری پر مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ سب سے زیادہ میں اس بات پر خوش ہوں کہ آپ نے انفرادی مقابلہ میں گاتھا اور دادیق جیسے خونخوار تیغ زنوں کو اپنے سامنے زیر کر کے رکھا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد روانہ جب خاموش ہوئی تب کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کسی قدر سنجیدگی میں روانہ کا باپ انتیش، زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”بیٹے! اب تم آئے ہو تو کتنا عرصہ یہاں اشبیلیہ میں قیام کرو گے؟“

جواب میں زکریا بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”بابا! بات یہ ہے کہ میں چند دن سے زیادہ یہاں قیام نہیں کر پاؤں گا۔ اس لئے کہ ایسا کرنا میرے لئے امیر یوسف بن تاشفین کا حکم ہے۔“

اس کے بعد بڑی احتیاط کے ساتھ زکریا بن ادریس نے امیر یوسف بن تاشفین سے رخصت ہوتے وقت جو گفتگو ہوئی تھی، اس کی تفصیل کہہ دی تھی۔

یہ تفصیل جان کر جہاں روانہ کے چہرے پر حیا کی سرخ لہریں رقص کر گئی تھیں وہاں اس کا باپ انتیش اور ماں اموسیہ بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے بعد انتیش اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے! امیر یوسف بن تاشفین نے ہم دونوں میاں بیوی کے دل کی بات کو کہنا

آسان کر دیا ہے۔ بیٹے! اس موضوع پر میں اور اموسیہ دونوں خود ہی گفتگو کرنا چاہتے

تھے لیکن اچھا ہوا ہم دونوں میاں بیوی کی مشکلات آسان ہو گئیں۔ اس موضوع کی

ابتداء خود ہی امیر یوسف بن تاشفین کی طرف سے ہو گئی۔ بیٹے! جو گفتگو تم نے امیر

یوسف بن تاشفین کے حوالے سے کی ہے، اس کے مطابق تم صرف چند روز یہاں

اشبیلیہ میں قیام کرو گے۔ میں چاہتا ہوں تمہارے اس قیام کے دوران تمہاری اور

رواندہ کی باقاعدہ منگنی کا اہتمام کر دیا جائے۔ میرے بیٹے! اس طرح تمہارے اور

رواندہ کے درمیان ایک رشتہ طے ہو جائے گا۔ آس پاس کے لوگوں کے علاوہ شہر کے

لوگوں میں بھی یہ بات عام ہو جائے گی کہ رواندہ تمہاری منسوبہ ہے۔ اس لئے تم اب

اشبیلیہ ہی نہیں، اندلس کے بہترین اور صف اول کے سالاروں میں شمار کئے جانے لگے

ہو۔ بیٹے! تمہارے ساتھ رشتہ طے ہونا صرف میرے اور میری بیوی اموسیہ ہی کے لئے

خوشی کا باعث نہیں بلکہ یہ میری بیٹی رواندہ کی بھی خوش قسمتی اور خوش بختی ہے۔ بیٹے!

رواندہ کے مزاج سے اب تم بھی آگاہ ہو چکے ہو، اس کے باوجود میں تمہیں یقین دلاتا

ہوں یہ تمہیں خوش اور پرسکون رکھے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد انتیش جب خاموش ہوا تب زکریا بن ادریس نے اپنی

خرچین کے اندر ہاتھ ڈال کر نقدی کی ایک تھیلی نکالی اور وہ تھیلی اس نے انیتش کی گود میں رکھنے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”بابا! یہ نقدی کی تھیلی رکھئے۔ یہی وہ تھیلی ہے جس کا میں نے اپنی گفتگو کے دوران ذکر کیا ہے، جو مجھے امیر یوسف بن تاشفین نے دی تھی۔ اپنے قریب اور گرد و نواح میں کسی حویلی پر نظر رکھئے گا اور جو پکنے والی ہو، اسے خرید لیجئے گا۔“

جواب میں انیتش غور اور کسی قدر جواب طلب انداز میں زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے! نقدی کی تھیلی تم اپنے پاس محفوظ رکھو۔ حویلی خریدنے کی کیا ضرورت ہے بیٹے؟ جس حویلی میں اس وقت ہم بیٹھے ہیں، یہ رواندہ ہی کے نام ہے۔ بیٹے! اب ہم دونوں میان بیوی رواندہ اور تم میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ لہذا جو چیز رواندہ کی ملکیت ہے وہ تمہاری ملکیت بھی ہے۔ اس لئے کہ جب تم دونوں کے درمیان رشتہ طے ہو جائے گا تو رواندہ بذات خود تمہاری ملکیت ہو جائے گی۔ بیٹے! میں سمجھتا ہوں.....“

یہاں تک کہتے کہتے انیتش کورک جانا پڑا اس لئے کہ بیچ میں زکریا بن ادریس بول پڑا اور کہنے لگا۔

”بابا! یہ جو نقدی اس تھیلی میں ہے اس سے ایک چھوڑ دو حویلیاں خریدی جا سکتی ہیں۔ بابا! حویلی کا خریدنا ضروری ہے اور حویلی اپنے آس پاس ہی خریدیے گا۔ بابا! میری اور رواندہ کی جب شادی ہو تو شادی کے بعد رواندہ اپنی حویلی میں منتقل ہوگی۔ جب میری اور اس کی شادی ہو تو لوگ کم از کم یہ نہ کہیں کہ رواندہ کی شادی جس شخص سے ہوئی ہے اس کے پاس تو رہنے کے لئے حویلی تو دور چھپر نہیں ہے۔ بابا! میں ایسا نہیں چاہتا۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہو گا تو رواندہ کسر نفسی کا شکار ہوگی اور میں کم از کم رواندہ کو کسر نفسی کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو آپ کی حویلی ہے، وہ بھی رواندہ کی ہے لیکن اس کے علاوہ کوئی ایسی بھی حویلی ہونی چاہئے جس سے متعلق رواندہ کہہ سکے کہ یہ حویلی میرے شوہر کی ہے۔ اس طرح یہاں کے طوگوں ہی نہیں، جاننے والوں کی نگاہوں میں بھی رواندہ کی عزت اور اس کا احترام بڑھے گا۔“

اس موقع پر رواندہ بڑے فخریہ اور توصیفی انداز میں زکریا بن ادریس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ زکریا بن ادریس

نے اپنی خزمین میں ہاتھ ڈالا اور ایک تھیلی اس نے اور نکالی۔ اس تھیلی کا منہ کھول کر دیکھا، مسکرایا پھر انیتش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بابا! اگر آپ اور اماں کی اجازت ہو تو اس موقع پر میں رواندہ کو کچھ دوں۔ اس لئے کہ ہم دونوں کے درمیان اب آپ اور وقت نے ایک رشتہ طے کر دیا ہے۔“

زکریا بن ادریس کے ان الفاظ پر اموسیہ اور انیتش مسکرا دیئے تھے۔ پھر انیتش کہنے لگا۔ ”بیٹے! رواندہ تو اب ہمارے پاس تمہاری امانت ہے۔ یہ تمہاری زندگی کی ساتھی ہے۔ اگر تم دونوں آپس میں لین دین کا کوئی معاملہ کرتے ہو تو اس سلسلے میں ہم دونوں میاں بیوی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

انیتش کے ان الفاظ سے زکریا بن ادریس خوش ہو گیا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور جو تھیلی اس کے ہاتھ میں تھی وہ اس نے آگے بڑھ کر رواندہ کی گود میں رکھ دی تھی۔ رواندہ کچھ دیر تک مسکراتی رہی، پھر اس تھیلی کو اس نے پکڑا، اس کا منہ کھول کر دیکھا، اندر سنہرے سکوں اور نقدی کے علاوہ کچھ جواہرات بھی تھے۔ اپنی رائے کا اظہار کرنا ہی چاہتی تھی کہ اسے مخاطب کر کے زکریا بن ادریس بول اٹھا۔

”یہ تھیلی جو میں نے رواندہ کی گود میں رکھی ہے، یہ مالِ غنیمت میں سے میرا حصہ ہے۔ بابا! میرا حصہ رواندہ ہی کا حصہ ہے۔ اس لئے میں اسی کے حوالے کر رہا ہوں۔“

زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب رواندہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ زیادہ سے زیادہ کتنے دن اشبیلیہ میں قیام کریں گے؟“

جواب میں زکریا بن ادریس نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

”زیادہ سے زیادہ تین یا چار دن قیام کروں گا، اس سے زائد نہیں۔ اس کے بعد میں اشبیلیہ سے کوچ کر کے واپس امیر یوسف بن تاشفین کے لشکر میں جاؤں گا اور یہ بات امیر یوسف بن مین نے معتمد سے بھی کہہ دی ہے کہ زکریا بن ادریس واپس ان کے لشکر میں جا۔“

زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب رواندہ نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگی۔

”جتنے دن آپ نے اشبیلیہ میں قیام کرنا ہے، اب آپ سرائے میں اپنا قیام نہیں رکھیں گے۔ آپ کی آمد سے پہلے جنگوں کے علاوہ آپ کی ذات سے متعلق ہی گفتگو ہو رہی تھی۔ چند دن پہلے بھی اس موضوع پر گھر میں گفتگو ہوئی تھی اور اس گفتگو

کے نتیجے میں حویلی کے اندر ایک کمرہ آپ کی رہائش کے لئے مختص کر دیا گیا تھا۔ لہذا اب سرائے میں نہیں، اس حویلی کے اسی کمرے میں قیام کریں گے جو آپ کے لئے مختص ہے۔“

جواب میں زکریا بن ادریس کہنے لگا۔ ”جیسا تم چاہو گی رواندہ! ویسا ہی ہوگا۔“
 زکریا بن ادریس کا جواب سن کر رواندہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ اٹھی اور کہنے لگی۔

”آپ کو بھوک لگی ہوگی۔ میں کھانا تیار کرتی ہوں۔“

اس پر امونسیہ بھی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی، کہنے لگی۔

”بیٹی! تم یہیں بیٹھو۔ وہاں پر زکریا کے پاس بیٹھ کر باتیں کرو۔ کھانا میں تیار کر

لیتی ہوں۔“

جواب میں رواندہ نے نفی میں گردن ہلائی، اپنی ماں کا بازو پکڑ کر اس نے دوبارہ نشست پر بٹھایا، پھر کھانا تیار کرنے کے لئے وہ دیوان خانہ سے نکل گئی تھی۔

دوسرے روز شہر کے کچھ معززین اور ہمسائیوں کی موجودگی میں زکریا بن ادریس اور رواندہ کی باقاعدہ منگنی ہی نہیں بلکہ نکاح کا بھی اہتمام کر دیا گیا تھا۔ فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ زکریا بن ادریس کے لئے نئی حویلی خریدنے کے بعد دونوں کی شادی کر کے نئی حویلی میں منتقل کر دیا جائے گا۔

اس طرح اس منگنی اور نکاح کے تین دن بعد زکریا بن ادریس واپس امیر یوسف بن تاشفین کے لشکر کی طرف چلا گیا تھا۔





غرناطہ کے محترم قاضی ابو جعفر کی طرف سے خط ملنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین کو غرناطہ کے حاکم عبداللہ کے اس رویہ پر بڑا دکھ اور افسوس ہوا۔ اُسے اس بات کی بھی تکلیف ہوئی کہ مالقہ کا حکمران تمیم جو غرناطہ کے حکمران عبداللہ کا بھائی تھا، وہ بھی اپنے بھائی عبداللہ کی طرف داری کرتے ہوئے قاضی ابو جعفر کے خلاف ہی رویہ اختیار کئے ہوئے تھا۔ یہ صورت حال یقیناً افونش کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی۔ چنانچہ امیر یوسف بن تاشفین نے اس نتیجہ اور فتنہ کو دور کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ لے کر وہ خود غرناطہ کی طرف بڑھا اور باقی تین حصوں کو اپنے پیچھے پیچھے آنے کے لئے کہا۔ ایسا امیر یوسف بن تاشفین نے اس لئے کیا تھا کہ کہیں غرناطہ کا حکمران عبداللہ یہ نہ سمجھے کہ امیر یوسف بن تاشفین غرناطہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔

لیکن حالات کی بد قسمتی کہ غیر ذمہ دار عبداللہ نے نامعقول رویہ اختیار کرتے ہوئے غرناطہ کی طرف امیر یوسف بن تاشفین کی پیش قدمی کو یہی سمجھا کہ امیر یوسف بن تاشفین غرناطہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف تھی۔ امیر یوسف بن تاشفین نے اگر غرناطہ پر حملہ آور ہونا ہوتا تو وہ اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم نہ کرتا۔ پورے لشکر کے ساتھ غرناطہ پر وارد ہوتا اور لمحوں کے اندر فتح کر لیتا۔ عالم اسلام کا وہ سپہ سالار، مسلم قوم کا وہ راجہ عظیم جس نے افونش کی اتنی بڑی قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا تھا، غرناطہ کا حکمران اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا تھا۔ اس کے باوجود غرناطہ کے حکمران عبداللہ نے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جنگی تیاریوں کو آخری شکل دے دی تھی۔ ساتھ ہی اس نے تیز رفتار قاصد مالقہ میں اپنے

بھائی تمیم کو بھجوا دیئے تھے کہ اگر یوسف بن تاشفین سے اس کا ٹکراؤ ہو تو وہ امیر کے خلاف اس کی مدد کرے۔

اس کے علاوہ عبداللہ نے اس موقع پر سب سے برا اور جو گھناؤنا فعل کیا، وہ یہ کہ اس نے امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف افونش سے مدد بھی طلب کر لی۔ ساتھ ہی اس نے بھاری رقوم خرچ کرتے ہوئے ہر قسم کے اہل حرفہ کو جن میں سوداگر، جولاہے اور دوسرے لوگ شامل تھے، اپنے لشکر میں بھرتی کرنا شروع کر دیا تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ امیر یوسف بن تاشفین غرناطہ کے حکمران عبداللہ کے خلاف نہ کوئی پیش قدمی کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی اس پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ دوسری طرف غرناطہ کا حکمران عبداللہ اپنے دادا بادیز سے کسی بات میں بھی نہ ملتا تھا۔ بادیز ایک جاہل مگر نہایت مضبوط دل و دماغ کا آدمی تھا۔ عبداللہ کسی قدر لکھا پڑھا ضرور تھا، عربی خاصی بول لیتا تھا بلکہ عربی میں شعر بھی کہتا تھا، خوش نویس اعلیٰ درجے کا تھا اور اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید ایک عرصہ تک غرناطہ میں محفوظ رہا۔ لیکن حوصلے کا ضعیف، آرام طلب اور کاہل الوجود تھا۔ مرد ایما تھا جو عورت کے لئے مطلق دلکش نہ ہو۔ تلوار دیکھ کر ڈر جاتا تھا اور تذبذب ہر بات میں اتنا تھا کہ جو پاس آتا، اسی سے صلاح و مشورہ کرنے لگتا تھا۔

چنانچہ جب اسے خبر ہوئی کہ قاضی ابو جعفر نے اس کے خلاف ایک خط امیر یوسف بن تاشفین کو لکھ دیا ہے تب غرناطہ کے حکمران عبداللہ نے اس نازک موقع پر اپنے سارے امراء اور اراکین سلطنت کا اجلاس طلب کر لیا۔ جب سب لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے تب سب سے پہلے عبداللہ نے پیرانہ سال مول سے جس نے عبداللہ کے دادا بادیز کی کوئی بڑی خدمت انجام دی تھی، کی صلاح پوچھی۔

مول نے حاکم غرناطہ عبداللہ کو سمجھایا کہ امیر یوسف کوئی ارادہ اس کے خلاف ایسا نہیں رکھتا جس سے دشمنی ثابت ہوتی ہو۔ لہذا عبداللہ کو چاہئے کہ امیر المسلمین یوسف بن تاشفین کے استقبال کو جائے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ عبداللہ اس پر اعتماد رکھتا ہے۔ مول کی یہ صلاح اور اس کا یہ مشورہ عبداللہ کو ناگوار گزرا۔ چنانچہ جب مول کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی صلاح عبداللہ کو ناگوار گزری ہے اور حاکم عبداللہ امیر یوسف بن تاشفین سے لڑنے کو تیار ہے تب ایک بار پھر اس نے عبداللہ کو سمجھایا اور اس پر انکشاف

کیا کہ امیر یوسف بن تاشفین کا مقابلہ ناممکن ہے۔

گو مول کی یہ نصیحت بالکل درست تھی اور عبداللہ کسی بھی صورت امیر یوسف بن تاشفین کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی مجلس کے پرانے، تجربہ کار اراکین اور دوسرے امرائے سلطنت نے بھی مول کی اس صلاح سے اتفاق کیا تھا لیکن عبداللہ کو بوڑھے مول کی خیر خواہی میں شبہ تھا اور وہ خیال کرتا تھا کہ قاضی ابو جعفر جن کے ساتھ عبداللہ کی دشمنی شروع ہو چکی تھی، وہ مول سے ملے ہوئے ہیں۔ قاضی ابو جعفر جس وقت غرناطہ سے فرار ہوئے تھے تو یہ سمجھ کر کہ مول کے اشارے سے ایسا ہوا ہے، عبداللہ اب اس بوڑھے نمک خوار کو بہت برا بھلا کہہ چکا تھا اور اس کی نیت پر شبہ بھی کرنے لگا تھا۔ غرض عبداللہ حاکم غرناطہ نے اپنے اس مخلص بوڑھے مول کی نصیحت کو ایک دھوکا خیال کیا، چونکہ اسے کچھ لالچی امیروں اور نوجوان جذباتی صلاح کاروں اور مشیروں نے اس غلط فہمی میں ڈال دیا تھا کہ امیر یوسف بن تاشفین غرناطہ کی طرف یونہی نہیں آ رہا، وہ غرناطہ پر حملہ آور ہوگا۔ چنانچہ اپنے ان نوجوان صلاح کاروں اور غیر ذمہ دار دوستوں ہی کے ایماء پر عبداللہ نے یہ ارادہ کر لیا کہ تلوار کا جواب تلوار سے دیا جائے گا۔

مول کے علاوہ بہت سے برگزیدہ مسلمان امراء نے عبداللہ کو سمجھایا کہ وہ امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف حرکت میں نہ آئے۔ اس طرح اُنڈلس کے اندر مسلمانوں میں نفاق اور بے چینی پیدا ہوگی۔ لیکن جب عبداللہ نے ان سب کی بری نصیحت کی تو وہ اس کی حرکتوں سے مجبور ہو کر غرناطہ سے نکل گئے۔

چنانچہ مول اور اس کے ہم خیال رات کے وقت غرناطہ سے نکل کر پہلے نوشہ شہر کی طرف گئے اور وہاں شہر کے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر ایک طرح سے شہر پر انہوں نے قبضہ کر کے وہاں امیر یوسف بن تاشفین کی حکومت کا اعلان کر دیا۔

حاکم غرناطہ عبداللہ نے اس موقع پر ایک اور نلٹھی کی کہ ان لوگوں کے مقابلے کے لئے ایک خاصا بڑا لشکر بھیجا۔ ان لوگوں نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی بلکہ پرامن رہے جس کے نتیجے میں عبداللہ کے لشکریوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ چنانچہ نوشہ سے وہ سب غرناطہ لائے گئے۔ غرناطہ کے بازاروں میں ان کی تشہیر اس طرح کی گئی کہ گویا وہ بہت ہی بری قسم کے مجرم ہوں۔ حاکم غرناطہ انہیں بدترین شکست دینا چاہتا تھا کہ عین اسی دوران امیر یوسف بن تاشفین کے کچھ قاصد غرناطہ شہر میں داخل ہوئے اور انہوں

نے عبداللہ کو امیر یوسف بن تاشفین کا یہ پیغام پہنچایا کہ ان سب لوگوں کو باعزت طور پر بری کر دیا جائے۔

کشکش کے انہی دنوں میں حاکم غرناطہ عبداللہ ایک روز غرناطہ کے قصر میں بیٹھا تھا کہ اس کا چوہدار سامنے آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مالک! افونش کی طرف سے ایک پادری اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔“

ان الفاظ پر عبداللہ چونکا تھا اس لئے کہ اس نے اپنے کچھ قاصد افونش کی طرف امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف مدد کے لئے بھیجے تھے۔ چنانچہ وہ یہی سمجھا کہ اس کی مدد کرنے کے لئے افونش نے کوئی پیغام بھیجا ہے۔ چنانچہ اپنے چوہدار کو اس نے حکم دیا کہ پادری کو فوراً اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

چنانچہ تھوڑی دیر بعد مرکس نام کے ایک پادری کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ عبداللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ عبداللہ نے شاندار انداز میں ان کا استقبال کیا۔ پرجوش انداز میں ان سے بلا، بڑے طریقے وسیلے کے ساتھ انہیں نشستوں پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ بیٹھ گئے تب پادری مرکس کو مخاطب کرتے ہوئے عبداللہ کہنے لگا۔

”کیا آپ مجھے تفصیل بتائیں گے جس کے تحت آپ میری طرف آئے ہیں؟ اس لئے کہ میں نے افونش سے یوسف بن تاشفین کے خلاف مدد طلب کی تھی۔“

پادری مرکس کو سارے حالات کا علم تھا چنانچہ وہ بات بتاتے ہوئے کہنے لگا۔

”ان حالات میں افونش آپ کی مدد کرنے کے قابل نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں اسے ایک نہیں، تین بار یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں بدترین شکست کا سامنا ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کا لشکر ایک طرح سے کچلا اور مسلا گیا ہے اور وہ خود اور اس کے لشکری اس وقت اس حالت میں نہیں کہ آپ کی مدد کرتے ہوئے ایک بار پھر یوسف بن تاشفین سے ٹکرائیں۔ تاہم انہوں نے مجھے اور میرے ان ساتھیوں کو ضرور بھیجا ہے۔

ہمارے ساتھ کچھ لڑکیاں بھی ہیں، انہیں ہم نے ایک محفوظ جگہ رکھا ہے۔ وہ لڑکیاں بہت حسین اور خوبصورت ہیں۔ ہم سب مل کر یوسف بن تاشفین کے لشکر میں اپنے کام کی ابتداء کریں گے۔ اس کے بڑے بڑے سالاروں کو بہکائیں گے، ان میں سے جو بھی ہمارے بہکاوے میں آگیا اسے قیمتی تحائف پیش کریں گے اور جو نہ آیا، اس کا ہم کام

بھی تمام کر سکتے ہیں۔ بس آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ہمیں غرناطہ میں قیام کرنے کی اجازت دے دیں۔ غرناطہ میں ہمارے کچھ جاننے والے عیسائی گھرانے ہیں، انہوں نے ہماری ان لڑکیوں کے لئے جو ہمارے ساتھ آئی ہیں، ایک حویلی خالی کر دی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ ہمیں غرناطہ شہر میں رہنے اور امیر یوسف بن تاشیفین اور اس کے سالاروں اور اس کے مفادات کے خلاف کام کرنے کی اجازت دے دیں۔“

مرکس جب خاموش ہوا تب عبداللہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔
”یہ تو تم میرے ہی مطلب کی بات کر رہے ہو۔ تم لوگ یہاں رہ بھی سکتے ہو۔ اگر تمہارے لئے رہائش کا کوئی عمدہ انتظام نہیں تو اس کا بہترین انتظام بھی کر دیا جائے گا بلکہ میں تو اس سلسلے میں تمہاری مدد بھی کروں گا۔ بہر حال میں چاہوں گا کہ تم لوگ اپنی لائی ہوئی لڑکیوں کے ساتھ غرناطہ میں قیام کرو اور یوسف بن تاشیفین کے لشکر کے خلاف حرکت میں آ جاؤ۔“

عبداللہ کا یہ نامعقول جواب سن کر مرکس اور اس کے ساتھی خوش ہو گئے تھے۔ پھر وہ عبداللہ سے اجازت لے کر وہاں سے نکل گئے۔ مرکس اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ جو لڑکیاں آئی تھیں، ان لڑکیوں میں افونش کی حسین و خوب صورت بیٹی مغریتا بھی شامل تھی۔

امیر غرناطہ، امیر یوسف بن تاشیفین کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی عسکری اور جنگی تیاریوں کو اپنے عروج پر لے آیا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ امیر یوسف بن تاشیفین سے خوف زدہ بھی تھا اور اس خواہش کا بھی اظہار کرتا تھا کہ یہ ٹکراؤ نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔ دوسری طرف مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ خود غرناطہ کی رعایا، امیر غرناطہ عبداللہ سے دل میں ناراض تھی اور بہت شوق سے غرناطہ کے سب لوگ امیر یوسف بن تاشیفین کی آمد کے منتظر تھے۔ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ غرناطہ کے ان گنت لوگ ہر روز شہر سے باہر نکل کر امیر یوسف بن تاشیفین کا انتظار کرنے لگے تھے۔

آخر 14 رمضان 483 ہجری اتوار کا دن آیا جس روز امیر یوسف بن تاشیفین غرناطہ سے صرف آٹھ میل کی مسافت پر رہ گیا۔

یہ صورت حال یقیناً حاکم غرناطہ عبداللہ کے لئے بڑی حوصلہ شکن تھی۔ چنانچہ ان

حالات پر قابو پانے کے لئے عبداللہ نے پھر اپنے اراکین مجلس کا اجلاس طلب کیا۔ چنانچہ سب امراء اور اپنے سالاروں سے عبداللہ نے مشورہ کیا تو سب لوگوں نے رائے دی کہ امیر یوسف کا مقابلہ کر کے شہر کو بچانا بے سود ہوگا اور اس بات کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہئے۔ اور کسی بھی صورت امیر یوسف بن تاشفین سے ٹکراؤ نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ امیر یوسف بن تاشفین افریقہ سے اپنے سارے معاملات کو پس پشت ڈالنے کے بعد اندلس کے مسلمانوں کی مدد کے لئے آیا ہے۔

مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبداللہ نے جب یہ مجلس طلب کی تو اس مجلس میں اس کی ماں بھی موجود تھی۔ چنانچہ جب سب اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے لگے تب عبداللہ کی ماں بھی اپنے بیٹے عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹا! تیرے لئے سلامتی کی بس یہی صورت ہے کہ امیر یوسف بن تاشفین کے استقبال کو جا۔ وہ تیرا عم زاد ہے۔ یعنی تو بھی برابر ہے اور امیر یوسف بن تاشفین بھی برابر ہے۔ وہ تجھ سے اچھی طرح ملے گا اور تیری بہت عزت کرے گا۔“

چنانچہ اپنی ماں کا عبداللہ نے کہا مان لیا۔ دوسری طرف عبداللہ نے جو قاضی ابو جعفر کی بے عزتی اور اہانت کی، اس کی وجہ سے امیر یوسف بن تاشفین عبداللہ سے انتہا درجہ کا برہم بھی تھا۔ بہر حال امیر غرناطہ عبداللہ اپنی ماں کے ساتھ ایک بڑے جلوس کی صورت میں غرناطہ شہر سے نکلا اور یوسف بن تاشفین کے استقبال کو اس کے پڑاؤ کی طرف بڑھا جو اس نے غرناطہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر لگا رکھا تھا۔

اس موقع اور اس صورت حال کی منظر کشی کرتے ہوئے مورخین لکھتے ہیں:

”عبداللہ جس وقت اپنے سواروں کے ساتھ امیر یوسف بن تاشفین سے ملنے کے لئے گیا تو اس کے چاروں طرف مسلح جوان تھے۔ سب کے سروں پر سفید عمامے تھے، نہایت عمدہ گھوڑوں پر وہ سوار تھے۔ ایسے گھوڑے جن پر زری کا سامان تھا۔“

چنانچہ غرناطہ کا حاکم عبداللہ جب امیر یوسف بن تاشفین کے پڑاؤ میں داخل ہونے کے بعد اس کے سامنے آیا تب عبداللہ گھوڑے سے اُترا اور امیر یوسف بن تاشفین سے کہنے لگا۔

”اگر کسی وجہ سے میں نے امیر المسلمین کو ناخوش کیا ہے تو معافی دی جائے۔“

اس پر امیر یوسف بن تاشفین نے قاضی ابو جعفر کے سلسلہ میں اس سے سرزنش کی۔ اس موقع پر عبداللہ کی حالت دیکھتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین کو بے حد دکھ اور صدمہ بھی ہوا۔ اس لئے کہ حاکم غرناطہ عبداللہ اپنے ساتھ جن مسلح دستوں کو لے کر آیا تھا ان میں سے اکثریت نصرانیوں کی تھی۔ اس صورت حال نے عبداللہ سے متعلق امیر یوسف بن تاشفین کو شبہات میں ڈال دیا تھا۔ چنانچہ قاضی ابو جعفر کے سلسلے میں جب امیر یوسف بن تاشفین نے عبداللہ سے گفتگو کی تو عبداللہ قاضی ابو جعفر سے برا اور ناروا سلوک رکھنے کی کوئی وجہ نہ بتا سکا۔ اس کے علاوہ امیر یوسف بن تاشفین کے پاس یہ بھی خبر پہنچ چکی تھی کہ حاکم غرناطہ عبداللہ نے امیر یوسف بن تاشفین کا مقابلہ کرنے کے لئے تیز رفتار قاصد افونش کی طرف روانہ کئے تھے اور امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف اس نے افونش سے مدد طلب کی تھی۔ یہ ایک ایسا فعل تھا جو کسی بھی صورت قابل معافی نہیں تھا۔ افونش وہ شخص تھا جو اندلس میں مسلمانوں کی بساط لپیٹ دینے کے درے تھا اور غرناطہ کا حکمران عبداللہ ایسا نالائق، ایسا غیر ذمہ دار اور باقاعدہ قسم کا بے وفا شخص تھا جس نے امیر کے خلاف اس شخص سے مدد طلب کی جو مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔ چنانچہ عبداللہ کے انہی گھناؤنے جرائم کو دیکھتے ہوئے امیر یوسف بن تاشفین نے اسے واپس غرناطہ نہیں جانے دیا بلکہ اسے اپنے لشکر کے ایک خیمے میں نظر بند کر دیا تھا۔

اس کے بعد جب غرناطہ کے دیگر امراء یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے ملاقات کی تو امیر یوسف بن تاشفین بڑی خوش طبعی سے ان سے ملا اور انہیں یقین دلایا کہ سب کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا اور ان پر یہ بھی انکشاف کیا کہ عبداللہ کو اس بناء پر نظر بند کیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں اور عالم اسلام کے لئے خطرے کا باعث بن رہا ہے۔ اس نے مسلمانوں کے اندر اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ وہ مسلمانوں کے نفاق اور بے اتفاقی ہی کی وجہ بنا چاہتا ہے۔ اس بناء پر اسے نظر بند کر دیا گیا ہے۔

اس موقع پر لوگ جوق در جوق امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ امیر یوسف بن تاشفین نے جب دیکھا کہ غرناطہ کے لوگ بڑے والہانہ انداز میں اس کا استقبال کر رہے ہیں اور اس کی

بڑی عزت کرتے ہیں تب اس نے غرناطہ میں حکم بھجوایا کہ غرناطہ کے شہریوں پر جس قدر بھی غیر شرعی ٹیکس اور محصول لگائے گئے ہیں، ان سب کو معاف کیا جاتا ہے۔

چند دن غرناطہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر قیام کرنے کے بعد آخر امیر یوسف بن تاشفین بھی غرناطہ شہر کی طرف بڑھا۔ اتنی دیر تک لشکر کے باقی تین حصے بھی امیر یوسف بن تاشفین سے آن ملے تھے۔ اس طرح پورے لشکر کو لے کر امیر یوسف بن تاشفین غرناطہ پہنچا۔ لوگوں نے شاندار انداز میں استقبال کیا۔ بڑے جوش و خروش سے امیر کی آمد پر لوگوں نے مسلمانوں کے اتحاد اور ان کی خوشحالی کے نعرے لگائے۔ چنانچہ غرناطہ شہر میں داخل ہونے کے بعد یوسف بن تاشفین نے پہلے غرناطہ کے سارے خزانوں کا جائزہ لیا۔ یہ خزانے اور ذخیرے بے شمار اور حیرت انگیز تھے۔ قصر کے کمروں میں دیوار پوش نہایت قیمتی آئینے لگے ہوئے تھے اور نہایت بیش قیمت قالینوں کا فرش تھا۔ ہر جگہ زمرد، فیروزے، لعل، یاقوت، ہیرے، موتی اور بلور کے ظروف، سونے چاندی کے قیمتی سامان کی چمک سے نظر خیرہ ہو جاتی تھی۔ صرف ایک ہار میں چار سو موتی ایسے تھے جن میں سے ہر موتی کی قیمت سو اشرافیاں تھی۔

امیر یوسف بن تاشفین ان سارے خزانوں کو دیکھ کر حیران اور دنگ رہ گیا۔ چنانچہ اس نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ وہ خزانے، وہ جواہرات، وہ دولت کے انبار جو غرناطہ کے حکمرانوں نے اپنے عوام کا پیٹ کاٹتے ہوئے جمع کئے تھے، اپنے ایک ہی حکم سے امیر یوسف بن تاشفین نے اعلان کیا کہ یہ سارے خزانے عوام میں تقسیم کئے جائیں۔ جس وقت امیر یوسف بن تاشفین نے غرناطہ کے سارے خزانے لوگوں میں تقسیم کئے تو اس موقع پر مسلمان مورخین تو ایک طرف رہے، غیر مسلم مورخین نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ جس وقت امیر جواہرات، خزانے اور دولت کے انبار تقسیم کر رہا تھا، اس نے اپنے لئے کچھ نہ رکھا تھا۔

اندلس کے دیگر حکمرانوں کو جب خبر ہوئی کہ امیر یوسف بن تاشفین لشکر کے ساتھ غرناطہ پہنچ گیا ہے تو سب غرناطہ میں امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اسے غرناطہ میں داخل ہونے پر مبارک باد دیں۔

اندلس کے جو حکمران غرناطہ میں امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں اشبیلیہ کا حاکم معتمد، بطلیوس کا حاکم متوکل، المریا کے حکمران معتمد نے

اپنے بیٹے عبداللہ کو مبارک باد دینے کے لئے بھیجا۔

اس موقع پر معتمد نے ایک بہت بڑی غلطی کی۔ جس وقت امیر یوسف بن تاشفین نے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کیا تھا تو اس نے جزیرۃ الخضراء کو اپنے لشکر کا مرکز بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ جزیرۃ الخضراء کو امیر کے حوالے کر دیا گیا تھا جس میں امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے محفوظ دستوں کے علاوہ جنگ کے لئے ضروری سامان رکھا تھا۔ اب جبکہ امیر یوسف بن تاشفین اپنے لشکر کے ساتھ غرناطہ میں داخل ہوا تو معتمد نے یہ ٹھان لی کہ وہ امیر یوسف بن تاشفین سے جزیرۃ الخضراء کے بدلے غرناطہ شہر مانگ لے گا۔ اس طرح معتمد غرناطہ جیسے عظیم اور بڑے شہر کو اپنی عملداری میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ جس وقت امیر یوسف بن تاشفین اُندلس کی طرف نہیں آیا تھا تو اس کا بیٹا راضی جزیرۃ الخضراء پر حاکم تھا۔ اب جبکہ جزیرۃ الخضراء کو امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے لشکر کا مرکز بنا دیا ہے تو غرناطہ اس کے حوالے کر دیا جائے۔ غرناطہ پر اس کے بیٹے راضی کو حاکم مقرر کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں مورخین لکھتے ہیں کہ معتمد کی یہ بڑی نادانی تھی جو اس کی عقل سے بعید بھی معلوم ہوتی تھی کہ اس حالت میں وہ ایک عجیب اُمید دل میں قائم کر کے خوش ہونے لگا تھا۔ وہ اُمید یہ تھی کہ امیر یوسف بن تاشفین غرناطہ کی ریاست معتمد کے فرزند راضی کو جزیرۃ الخضراء کے عوض دیدے گا۔ جس شخص نے امیر یوسف سے یہ اُمید رکھی کہ وہ ملک کا کوئی حصہ کسی کو دے گا، اسے امیر یوسف کی طبیعت اور مزاج سے قطعی ناواقفیت تھی۔ چونکہ امیر یوسف بن تاشفین اُندلس کے حکمرانوں کی غلطیوں، کوتاہیوں اور اُن کے کارناموں سے سخت نالاں تھا لہذا ان میں سے اکثر کے ساتھ امیر یوسف بن تاشفین نے بے رُخی اور سرد مہری کا برتاؤ کیا۔ چنانچہ جس وقت معتمد نے غرناطہ کی نسبت اشارتاً امیر یوسف بن تاشفین سے کچھ کہا تو امیر یوسف بن تاشفین نے اسے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

جب امیر یوسف بن تاشفین کی طرف سے اشبیلیہ کے حکمران معتمد کو غرناطہ شہر نہ ملا تب معتمد دل ہی دل میں امیر یوسف بن تاشفین کو ناپسند کرنے لگا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد اشبیلیہ کا حکمران معتمد اور بطلیوس کا حاکم متوکل امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بہانہ کیا کہ ان کے علاقوں پر عیسائیوں کی طرف سے

حملہ ہونے کا خدشہ ہے لہذا انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی جائے۔ چنانچہ امیر یوسف بن تاشفین نے انہیں واپس اپنے علاقوں کی طرف جانے کی اجازت دے دی تھی۔

اس موقع پر جبکہ اُنڈلس کے چھوٹے چھوٹے حکمران آپس میں اتحاد و تعاون نہیں کر رہے تھے، اُنڈلس کے فقہاء اور علماء نے مل کر ایک فیصلہ جاری کیا۔ اس فیصلے میں کہا گیا کہ:

”ملوک الطوائف بڑے بے دین اور فاسق و فاجر ہیں۔ انہوں نے اپنی بری مثال سے رعایا کو خراب اور دین سے اسے مقاطع کر رکھا ہے۔ یہ حکمران نماز کی طرف سے کیسے غافل ہیں اور باوجودیکہ امیر المسلمین کی معاونت کریں، انہوں نے خلاف شرع محصول اب تک جاری رکھے ہیں۔ ان کی نازیبا حرکتوں میں بدترین کثرت یہ ہیں کہ کشتالیہ کے عیسائی بادشاہ سے جا ملے ہیں اور یہ کافر بادشاہ وہ ہے جو دین حق کا جانی دشمن ہے۔ یہ ملوک الطوائف ہرگز مستحق نہیں رہے کہ وہ مسلمانوں پر حکومت کریں۔ امیر یوسف بن تاشفین نے جس قدر عہد و پیمان ان سے کئے تھے، اب ان کی وعدہ خلافی پر امیر موصوف مطلقاً مجبور نہیں رہے اور یہ ان کا حق ہی نہیں بلکہ فرض عین ہے کہ وہ ملوک الطوائف کو بلا تامل ان کی حکومتوں سے معزول کر دیں۔“

ان سارے علماء اور فقہاء نے اپنے اس فیصلے کے آخر میں لکھا:

”ہم نے اپنے فیصلے کی نسبت خدا کے سامنے جواب دینے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اگر ہم غلطی پر ہیں تو عاقبت میں اس کی پاداش بھگتیں گے اور کہے دیتے ہیں کہ امیر المسلمین امیر یوسف بن تاشفین اب آپ اس امر میں ہر سابقہ عہد و پیمان سے آزاد ہیں اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ اگر آپ نے اُنڈلس کے ان بادشاہوں کو سلامت چھوڑ دیا تو وہ اس ملک کو کفار کے حوالے کر دیں گے اور اس صورت میں آپ کو خدا کے سامنے اس غفلت کا جواب دہ ہونا ہوگا۔“

علماء نے جو فیصلہ کیا تھا، اس میں مختلف حکمرانوں پر ان علماء نے الزام لگائے تھے۔

ان فیصلوں میں معتمد کی ملکہ رمیکیز کا بھی ذکر تھا۔ اس پر یہ الزام تھا کہ اس نے اپنے شوہر کو دیدہ دانستہ عیش و عشرت اور شراب خوری میں مبتلا کیا اور پابندی دین کے زوال اور انحطاط کا باعث یہی ہوتا ہے۔

بہر حال امیر یوسف بن تاشفین نے مسلمان علماء کے اس فیصلے کی قدر کی۔ اس کے بعد اس نے لشکر کا ایک حصہ اپنے ساتھ لیا اور وہاں سے افریقہ چلا گیا۔ جبکہ لشکر کے باقی حصوں کے ساتھ وہ اپنے سالاروں کو اُنڈلس شہر ہی میں چھوڑ گیا تھا تاکہ اُنھیں قیام کرنے کے وہ چھوٹے بڑے مسلمان حکمرانوں کو یکجا کرتے ہوئے ان کے اندر اتحاد و تعاون اور یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔





زکریا بن ادریس ایک روز غرناطہ کے بازار میں اپنے اور رواندہ کے لئے کچھ چیزوں کی خریداری کے لئے نکلا تھا۔ جس وقت وہ شمشیر گروں کی ایک دکان کے سامنے کھڑا تھا تو ایک طرف سے ایک دراز قد لڑکی جس کے جسمانی زاویے نہایت دلکش تھے، جس نے اپنے جسم پر عباء اور چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا، زکریا بن ادریس کے پاس آ کر رکی۔ جب وہ لڑکی اس دکان کے سامنے بالکل زکریا بن ادریس کے قریب آ کر کھڑی ہوئی تب زکریا بن ادریس نے جو نبی پیچھے ہٹنا چاہا تب اس لڑکی نے زکریا بن ادریس کو مخاطب کیا۔

”اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ زکریا بن ادریس ہیں۔“

اس لڑکی کے ان الفاظ پر زکریا بن ادریس چونکا تھا، اس لڑکی کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگا۔

”میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ میرا تو یہاں کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے، پھر تم مجھے کیسے جانتی اور پہچانتی ہو جبکہ اس شہر میں، میں نووارد ہونے کے ساتھ ساتھ ناشناسا ہوں۔ میرا یہاں کوئی عزیز واقارب اور رشتہ دار بھی نہیں ہے۔“

زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب اس لڑکی نے بڑی اپنائیت اور مٹھاس بھری آواز میں کہا۔

”پورا اُندلس ہی آپ کا رشتہ دار ہے۔ یہ ساری سرزمینیں آپ کی احسان مند ہیں بلکہ اُندلس کے سارے مسلمان اور وہ نصرانی جو امن پسند ہیں، نہ صرف آپ کے نام سے شناسا ہیں بلکہ آپ کے قدر دان ہونے کے ساتھ ساتھ آپ سے ایک انوکھی عقیدت اور ارادت مندی بھی رکھتے ہیں۔“

اتنا کہنے کے بعد وہ لڑکی رکی، پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔
 ”میں تو آپ کو تلاش کرتی اور ڈھونڈتی ہوئی بڑی مشکل سے یہاں پہنچی ہوں۔
 میں گزشتہ دو دنوں سے آپ کا پوچھ رہی تھی۔ شہر سے باہر جو آپ کے لشکر کی خیمہ گاہ
 ہے، وہاں جانا میں نے مناسب نہ سمجھا۔ بس اس انتظار میں تھی کہ جب کوئی مجھے بتائے
 کہ زکریا بن ادریس شہر میں داخل ہوئے ہیں، تب میں ان سے ملوں۔ آج مجھے کسی نے
 بتایا کہ آپ شمشیر گروں کے اس بازار کی طرف آئے ہیں، تب آپ سے ملاقات کے
 لئے میں بھی ادھر چلی آئی۔ دراصل گزشتہ کئی ماہ سے آپ کی جرأت مندی، آپ کی
 بہادری، آپ کی جانثاری اور وفاداری کی وجہ سے آپ کا نام اُندلس کی سرزمینوں ہی میں
 نہیں، ہر شہر، ہر قلعے کے در و دیوار سے ٹکراتا ہوا گونجتا ہے۔ زکریا بن ادریس ایک ایسا
 نام ہو چکا ہے جسے اُندلس کے سب لوگ جانتے ہیں۔ میں بس آپ کو آپ کی اس
 کارگزاری پر مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی جرأت مندی، جانثاری اور
 اُندلس سے آپ کی محبت کو سلام پیش کرنا چاہتی تھی۔“

زکریا بن ادریس جب اس دکان سے پیچھے ہٹا تب وہ لڑکی بھی اس کے ساتھ ہو
 لی۔ تھوڑا سا آگے جا کر اس لڑکی نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ وہ افونش کی بیٹی
 مغربیا تھی۔ زکریا بن ادریس نے اس کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی، پھر کہنے لگا۔
 ”تمہیں مزید مجھ سے کوئی کام ہے؟“

زکریا بن ادریس کے ان الفاظ پر پہلے تو مغربیا کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس نے جس
 وقت اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا تھا تو وہ خیال کر رہی تھی کہ اُس کا حُسن، اُس کی خوب
 صورتی دیکھ کر زکریا بن ادریس دنگ رہ جائے گا اور اس سے گفتگو کو طول دے گا اور
 زیادہ سے زیادہ اس کی صحبت کا طلب گار ہوگا۔ لیکن زکریا بن ادریس پر ایسا کوئی اثر نہ
 ہوا تھا لہذا ایک جھرجھری کے ساتھ مغربیا نے اپنے آپ کو سنبھالا، پھر کہنے لگی۔

”میرے گلے میں صلیب لٹک رہی ہے۔ میرے خیال میں مجھے آپ نصرانی سمجھ
 کر کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں۔ حالانکہ میں نصرانی ہونے کے ساتھ ساتھ غرناطہ شہر
 کی رہنے والی ہوں۔ اس بناء پر ہماری ساری ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ وابستہ
 ہیں۔“

مغربیا کے ان الفاظ پر زکریا بن ادریس چونکا، کہنے لگا۔

”خاتون! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس میں نصرانی اور مسلمان ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ جو گفتگو تم نے مجھ سے کی ہے، اس کے لئے میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے اس لئے مزید پوچھا کہ شاید تم کہیں جا رہی تھیں، تمہیں کوئی ضروری کام ہوگا۔“
مغربی مسکرائی اور کہنے لگی۔

”مجھے کوئی ضروری کام نہیں تھا۔ میں تو صرف آج آپ سے ملنے اور آپ کو سلام پیش کرنے کے لئے نکلی تھی۔ اب میں آپ سے ایک اور گزارش کرنا چاہتی ہوں۔“
”وہ کیا؟“ چونکے کے انداز میں زکریا بن ادریس نے اس کی طرف دیکھا تھا۔
”جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور میں بتا بھی چکی ہوں، میں نصرانی ہوں۔ شہر کے شمال مشرق میں جو نصرانیوں کا محلہ ہے اسی میں، میں رہتی ہوں۔ اگر آپ برا نہ مانیں اور کسی روز میں آپ کی دعوت کروں تو آپ برا تو نہیں مانیں گے؟ اور دعوت کے لئے ہمارے ہاں تشریف لائیں گے؟“

یہاں تک کہنے کے بعد مغربیا جب رکی تب زکریا بن ادریس نے ایک عازر نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔
”میں نہیں جانتا تمہارا نام کیا ہے؟“

اس پر زکریا بن ادریس کی بات کاٹتے ہوئے مغربیا جھٹ سے بول اٹھی۔
”میرا نام مغربیا ہے۔“

زکریا بن ادریس کے لبوں پر تعجب نمودار ہوا، کہنے لگا۔
”سن مغربیا! میں اس سے پہلے تمہیں نہیں جانتا۔ اگر تم نے مجھے اس سے پہلے کہیں دیکھ رکھا ہے تو وہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن جہاں میری شناسائی نہیں ہوتی، وہاں میں عموماً آتا جاتا نہیں ہوں۔ ہاں! تمہارے ہاں اگر کوئی مرد ہو، وہ مجھ سے ملاقات کرے اور وضاحت کرے کہ کیوں میری دعوت کی جانی ہے، پھر اگر وہ مجھے مطمئن کر دے تو میں ضرور آؤں گا۔“

چلتے چلتے ایک جگہ زکریا بن ادریس رُک گیا۔ جس دکان کے سامنے وہ رُکا تھا اس میں زیادہ تر عورتوں کا سامان تھا۔ مغربیا بھی رُک گئی تھی۔ زکریا بن ادریس دکان میں داخل ہوا اور مختلف اشیاء دیکھنے لگا۔ اس نے رواندہ، اس کی ماں اور باپ کے لئے کچھ کپڑے خریدے اور رواندہ کے لئے زیبائش کا کچھ سامان بھی لیا۔ جب وہ سارا سامان

لے کر اپنی خرابیوں میں ڈال کر ادائیگی کر کے پیچھے ہٹا تب مغربتا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”جو سامان آپ نے خریدا ہے، اس سے بھی میں متاثر ہوئی ہوں۔ آپ کی پسند بہت اچھی ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ یہ سامان آپ نے کس کے لئے خریدا ہے؟“

ہلکا سا تبسم اس موقع پر زکریا بن اور لیس کے لبوں پر نمودار ہوا، سرسری سی ایک نگاہ اس نے مغربتا کے سراپا پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”یہ سامان میں نے ایک لڑکی، اس کی ماں اور اس کے باپ کے لئے خریدا ہے۔“

زکریا بن اور لیس کے ان الفاظ پر مغربتا کی جستجو بڑھی، ٹوہ لینے کے انداز میں کہنے لگی۔ ”وہ خوش قسمت اور خوش نصیب لڑکی کون ہے جس کے لئے اور جس کے ماں باپ کے لئے آپ نے اس قدر خریداری کی ہے؟“

خوش کن انداز میں زکریا بن اور لیس کہنے لگا۔ ”وہ لڑکی میری ہونے والی بیوی ہے۔ اس کے ساتھ اس کی ماں اور باپ بھی ہیں۔“

زکریا بن اور لیس کے ان الفاظ پر مغربتا نے کچھ سوچا، پھر سنجیدگی میں کہنے لگی۔

”اگر آپ برانہ مانیں تو کیا میں اس لڑکی کا نام جان سکتی ہوں جو آپ کی ہونے والی بیوی ہے؟“

جواب میں زکریا بن اور لیس جھٹ سے کہنے لگا۔

”اس لڑکی سے نہ صرف یہ کہ میری منگنی ہو چکی ہے بلکہ ہم دونوں کا نکاح بھی ہو چکا ہے، رخصتی نہیں ہوئی۔ لڑکی کا نام رواندہ ہے۔“

یہ نام سن کر مغربتا چونک سی پڑی تھی، کچھ سوچا، پھر کہنے لگی۔

”اگر اس لڑکی کا نام رواندہ ہے جس کے لئے یہ سامان آپ نے خریدا ہے تو اگر میں غلطی پر نہیں تو کیا اس کے باپ کا نام انیش اور ماں کا نام اموسیہ ہے۔“

مغربتا کے ان الفاظ پر چونکنے کے انداز میں زکریا بن اور لیس نے اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”تم رواندہ اور اس کے ماں باپ کو کیسے جانتی ہو؟“

جواب میں مغربتا کہنے لگی۔

”اس لڑکی کو میں اس لئے جانتی ہوں کہ وہ اُنڈلس میں سب سے حسین اور

خوبصورت ہے۔ اس کے علاوہ ماضی میں یہ بات بھی اٹھی تھی کہ لیون اور کشتالیہ کے حکمران افونش نے اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہا پر اس لڑکی نے افونش کے حرم میں آنے سے انکار کر دیا اور میرے خیال میں بھاگ کر ایشیلیہ چلی گئی۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو اس رواندہ نام کی لڑکی سے آپ کی ایشیلیہ ہی میں کہیں ملاقات ہوئی ہوگی اور پھر آپ دونوں ایک دوسرے کے نزدیک آگئے ہوں گے۔“

جواب میں زکریا بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”ہاں! تمہارا اندازہ درست ہی ہے۔ میری اس کی ملاقات کچھ ایسے ہی ہوئی تھی۔“ پھر ایک جگہ زکریا بن ادریس رک گیا اور مغربیتا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خاتون! اب میں یہاں سے اپنی خیمہ گاہ کی طرف جاؤں گا، جو شہر سے باہر ہے۔ میں تمہارا ممنون اور شکر گزار ہوں کہ تم نے میری کارکردگی کی تعریف کی۔“

زکریا بن ادریس کے ان الفاظ پر مغربیتا جھٹ سے بول اٹھی، کہنے لگی۔ ”اگر آپ برانہ مانیں تو کیا میں آپ کی خیمہ گاہ میں آ کر کبھی کبھی آپ سے مل سکتی ہوں؟“

جواب میں زکریا بن ادریس کہنے لگا۔

”سنو خاتون! میں اس طرح کسی لڑکی سے ملاقات نہیں کرتا۔ تم نے دکان کے سامنے میرے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا، وہ بھی میرے لئے ناپسندیدہ تھا۔ لیکن چونکہ تم گفتگو کا آغاز کر چکی تھیں لہذا میں نے تمہاری دل شکنی نہیں کی۔ میں تمہیں اپنی خیمہ گاہ میں ملاقات کرنے کی کیسے اجازت دے سکتا ہوں؟ خاتون! ہمارے ہاں کسی اجنبی لڑکی کا خیمہ گاہ میں آ کر کسی اجنبی مرد سے ملنا بڑا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ ہاں تمہاری کوئی ضرورت ہو تو کہو، میرے بس میں ہوا تو پوری کر دوں گا۔“

جواب میں مغربیتا کہنے لگی۔

”میری، آپ کی یہ پہلی ملاقات ہے۔ میری ایک ضرورت ضرور ہے۔ لیکن پہلی ملاقات میں تو میں وہ ضرورت نہیں کہہ سکتی۔ اگر آپ پھر کبھی مجھے ملاقات کا موقع دیں تو میں ضرور وہ بات کہوں گی جو کہنے کے لئے آپ کی طرف آئی ہوں۔“

اس پر زکریا بن ادریس کہنے لگا۔

”اس وقت تو میں جاتا ہوں۔ تم نے اپنا نام مغربیتا بتایا ہے۔ کبھی وقت نکال کر میں تمہاری بات سنوں گا۔“

اس کے ساتھ ہی زکریا بن ادریس جب وہاں سے ہٹنے لگا تو مغریتا نے پھر اسے مخاطب کرنا چاہا لیکن زکریا بن ادریس مڑ چکا تھا۔ پھر تیز تیز چلتا ہوا وہ ایک طرف ہو گیا۔ مغریتا حیران و پریشان وہاں کھڑی رہ گئی۔ لوگوں کی بھیڑ میں جب زکریا بن ادریس اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوا تب وہ بھی مڑی اور اپنے چہرے پر نقاب ڈالا اور ایک طرف ہو لی تھی۔

تھوڑی دیر بعد مغریتا ایک حویلی میں داخل ہوئی۔ اُس حویلی میں پہلے سے مرس، اس کے ساتھی اور کچھ لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ مغریتا جب ان کے پاس گئی تب سب نے اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے تعظیم دی۔ مغریتا جب بیٹھی تب سب بھی بیٹھ گئے۔ اس کے بعد پادری مرس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

”بیٹی! جس کام کے لئے تم گئی تھیں، اس کا کچھ بنا؟“

جواب میں بڑی سنجیدگی سے مغریتا کہنے لگی۔

”میرے خیال میں وہ ایک ایسا نوجوان ہے جس پر حسن و خوب صورتی اور بدن کی کماتوں اور زاویوں کے جال نہیں پھینکے جاسکتے۔ وہ ان سے متاثر ہونے والا نہیں ہے۔ تاہم میں نے اس سے گفتگو کی ہے، میں اسے اپنی طرف مائل کرنے میں تو بالکل ناکام ہوئی ہوں لیکن میں یہ بھی کہہ سکتی ہوں کہ آنے والے دور میں بھی میں اس پر حاوی ہونے میں کامیاب نہیں ہوں گی۔ تاہم اس کے ساتھ اس ملاقات اور گفتگو کے دوران ایک نیا انکشاف ہوا ہے اور وہ انکشاف رواندہ سے متعلق ہے۔“

مغریتا کے ان الفاظ پر پادری مرس چونکا اور کہنے لگا۔ ”وہ رواندہ جو انتہا درجہ کی خوب صورت تھی اور کبھی ہمارے ہاں سے بھاگ گئی تھی؟“

تلخ مسکراہٹ اس موقع پر مغریتا کے چہرے پر نمودار ہوئی، کہنے لگی۔

”ہاں! آپ کا اندازہ درست ہے۔ وہی رواندہ جسے میرے باپ نے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہا لیکن وہ بھاگ گئی۔ میرے خیال میں وہ بھاگ کر اپنے ماں باپ کے ساتھ اشبیلیہ شہر گئی۔ وہیں کہیں اس کی ملاقات اس زکریا بن ادریس سے ہوئی اور دونوں میں محبت ہو گئی۔ جو انکشاف زکریا بن ادریس نے مجھ سے کیا ہے، اس کے مطابق رواندہ سے اس کا نکاح ہو چکا ہے۔ ابھی اس کی رخصتی نہیں ہوئی۔ میری اس کی ملاقات بازار میں ہوئی جہاں وہ رواندہ اور اس کے ماں باپ کے لئے کچھ سامان خرید

رہا تھا۔“

یہاں تک کہ کہنے کے بعد مغرب تار کی، پھر اداس اور افسردہ لہجے میں کہنے لگی۔
 ”لگتا ہے میں جس مقصد کے لئے آئی تھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکوں گی۔ میں
 نے اس کے سامنے اپنے چہرے سے نقاب اٹھایا۔ میں نے جو عبا پہن رکھی تھی، اس کا
 سامنے والا حصہ بھی میں نے کھول دیا تھا۔ اپنے چہرے کے علاوہ اپنے جسم کے زاویوں
 کو بھی اس پر نمایاں کیا تھا لیکن اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ توجہ اسے دینی
 بھی نہیں چاہئے تھی اس لئے کہ جب رواندہ کے ساتھ اس کا نکاح ہو چکا ہے تو پھر وہ
 کسی اور لڑکی کی طرف کیوں متوجہ ہوگا۔ اس لئے کہ رواندہ حُسن کا معیار ہے، خوبصورتی
 کا ایک معجزہ ہے۔“

یہاں تک کہ کہنے کے بعد مغرب تار خاموش ہو گئی۔ اس حویلی کے دروازے پر دستک
 ہوئی۔ جب دروازہ کھولا گیا تو ان کا ایک اور ساتھی آیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی ان کے پاس
 بیٹھ کر اپنی کارکردگی کی داستان ان سے کہنے لگا تھا۔



اُندلس کے حالات اب دن بہ دن بد سے بدتر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ امیر
 یوسف بن تاشفین نے جب غرناطہ کے حکمران عبداللہ اور مالقہ کے حکمران تمیم دونوں کو
 ان کی حکمرانی سے معزول کر کے وہاں اپنے حاکم مقرر کر دیئے تب اُندلس کے اندر جو
 چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور علاقوں کے حکمران تھے، وہ سب کے سب امیر یوسف بن
 تاشفین کے خلاف ہو گئے تھے۔

امیر یوسف بن تاشفین نے غرناطہ کے عبداللہ اور مالقہ کے تمیم کو اس لئے معزول
 اور درخواست کیا تھا کہ وہ دوسری مسلمان ریاستوں کے خلاف حرکت میں آنے کے لئے
 اکثر و بیشتر افونش سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔ اور پھر ایک موقع پر وہ یوسف بن
 تاشفین کے خلاف بھی افونش سے مدد کے طالب ہو چکے تھے اور یہ بات امیر یوسف
 بن تاشفین کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ لہذا ان دونوں کو ان کی حکمرانی سے معزول
 کر دیا گیا تھا۔

ان حالات میں المریا، جزیرہ طریف، قرطبہ، بلنسیہ، بطلیوس اور اُندلس کے سارے

چھوٹے بڑے حکمرانوں کے علاوہ اشبیلیہ کے حکمران معتمد نے بھی ایک طرح سے امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا اعلان کر دیا تھا۔ گو اس نے یہ اعلان کھل کر نہیں کیا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ اپنی جنگی تیاریوں کو عروج پر لا رہا تھا۔ ان دنوں قرطبہ شہر بھی معتمد کے تحت تھا اور وہاں اس کا بیٹا فتح ابن معتمد حاکم تھا اور اس کا لقب المامون تھا۔ اس نے اعلانیہ یوسف بن تاشفین کے خلاف بغاوت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے علاوہ معتمد کے دوسرے دو بیٹے راضی اور معتمد بھی سرکشی کا اعلان کر چکے تھے۔ راضی رندہ کا حاکم تھا اور معتمد مرثلہ کے علاقے پر حاکم مقرر تھا۔ تاہم رشید نام کا معتمد کا بیٹا اشبیلیہ میں اس کے ساتھ تھا اور وہ ایک اعتدال پسند جوان تھا۔

اندلس میں مسلمان حکمرانوں کی یہ حالت دیکھتے ہوئے سب سے زیادہ خوشی افونش کو ہوئی تھی۔ افونش نے مختلف مسلمان حکمرانوں کی طرف جو اپنے منجر، اپنے پادری اور حسین و خوب صورت لڑکیاں بھجوائی تھیں، انہوں نے بھی اپنا کام کر دکھایا تھا۔ جس کے نتیجے میں جگہ جگہ مسلمان حکمرانوں نے امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف سرکشی اور بغاوت کے علم کھڑے کر دیئے تھے۔

اشبیلیہ میں معتمد نے اعلان بغاوت کا اظہار اس لئے نہیں کیا تھا کہ اس کے تین بڑے سالار زکریا بن ادیس، غیردر بن شیب اور زید بن مسلم تینوں ہی غرناطہ میں امیر سیر بن ابی بکر کے لشکر میں شامل تھے اور وہ کسی نہ کسی طرح یہ چاہتا تھا کہ اس کے یہ تینوں سالار اس کے پاس واپس آجائیں، اس کے بعد وہ اپنی کارروائیوں کی ابتداء کرے۔

افونش ایک روز اپنی ملکہ لیستہ، بیٹے برگنزا اور کچھ دوسرے سالاروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وہ سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جو کام ہم نے اپنے منجروں، اپنی حسین و خوبصورت لڑکیوں اور اپنے جاسوسوں سے لینا چاہا، وہ قبل از وقت ہی انجام کو پہنچ گیا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم نے جو لڑکیاں اور اپنے جو جاسوس مختلف علاقوں کی طرف روانہ کئے ہیں، وہ مسلمان حکمرانوں کو اصل راہ سے ہٹانے کے لئے کچھ وقت لیں گے لیکن یوسف بن تاشفین نے غرناطہ کے حاکم عبداللہ اور اس کے بھائی مالقہ کے حکمران تمیم کو ان کی حکمرانی سے ہٹا کر ایک طرح سے ہمارے سارے ہی کام آسان کر دیئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ

اندلس کے اندر جس قدر چھوٹے بڑے مسلمان حکمران ہیں، اس وقت سارے کے سارے یوسف بن تاشفین کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا اظہار کر چکے ہیں۔“
یہاں تک کہنے کے بعد افونش کچھ دیر کورکا، پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”اس وقت ہمارے لئے سب سے بڑھ کر خوشی کا مقام یہ ہے کہ یوسف بن تاشفین بھی بذات خود اس وقت اندلس میں نہیں ہے۔ اپنے لشکر کا ایک حصہ لے کر وہ افریقہ جا چکا ہے۔ اس طرح اس کے لشکر میں بھی کمی واقع ہوئی ہے اور اس لشکر سے نمٹنا اب ہمارے لئے اتنا دشوار نہیں رہے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش جب خاموش ہوا تب اس کا بیٹا برگز ابول اٹھا۔
”بابا! بے شک یوسف بن تاشفین اپنے لشکر کا ایک حصہ لے کر واپس جا چکا ہے لیکن اس کے وہ سالار جو اس کے پہلو بہ پہلو ہمارے خلاف جنگ کرتے ہوئے فتح مندی اور کامیابی کا باعث بنتے رہے ہیں، وہ تو ابھی تک یہیں ہیں۔ ان میں زکریا بن ادریس ہے، داؤد بن عائشہ ہے اور خود یوسف بن تاشفین کا بھتیجا سیر بن ابی بکر ہے۔ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے پاس بہت اچھے سالار ہیں اور ہم تک یہ بھی خبریں پہنچ چکی ہیں کہ مسلمانوں کے کچھ علماء بھی حرکت میں آ چکے ہیں جیسا کہ گزشتہ دن ہمارے کچھ مخبروں نے ہمیں بتایا تھا کہ بطلیوس کے قاضی ابو اسحق، غرناطہ کے قاضی ابو جعفر، قرطبہ کے قاضی ابن ادھم اور اشبیلیہ کے عالم دین شیخ احمد بن ابراہیم جگہ جگہ مسلمانوں کے اندر خطبات دے رہے ہیں اور لوگوں کو اندلس میں بغاوت اور سرکشی کرنے والے مسلمان حکمرانوں کے خلاف امیر یوسف بن تاشفین کے لشکر کا ساتھ دینے کی ترغیب دے رہے ہیں اور ان کی اس ترغیب کے جواب میں یوسف بن تاشفین کے بھتیجے سیر بن ابی بکر کے لشکر میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح امیر یوسف بن تاشفین لشکر کا جو حصہ لے کر افریقہ گیا ہے، اس کی کمی ان قاضیوں اور علماء کی تقریروں کی وجہ سے بھی پوری ہو سکتی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد برگز جب خاموش ہوا تب افونش کا سپہ سالار اعلیٰ فانیز افونش کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس موقع پر میں بھی کچھ کہنا چاہوں گا۔ میرے خیال میں جو کچھ اس وقت

میرے ذہن میں ہے اس پر عمل کیا جائے تو یقیناً مسلمانوں کے خلاف ہمیں شاندار اور دور رس کامیابیاں نصیب ہوں گی۔“

فائز کی اس گفتگو کے جواب میں چونکنے کے انداز میں افونش نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ برگز اور دوسرے سالار بھی فائز کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ فائز نے کہنا شروع کیا۔

”یہ بات تو اب عیاں ہو چکی ہے کہ اُنڈلس کے اندر جس قدر مسلمان حکمران ہیں سب نے یوسف بن تاشفین اور اس کے لشکر کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور اب یہ سارے حکمران یوسف بن تاشفین کے بھتیجے سیر بن ابی بکر کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ سیر بن ابی بکر بھی چپ نہیں بیٹھے گا۔ جہاں جہاں سے بھی بغاوت کے شعلے اُٹھیں گے، جس جس علاقے کی بھی اسے خبر ملے گی کہ وہاں یوسف بن تاشفین کے خلاف بغاوت کی اطلاع ملی ہے، وہ ان علاقوں کے خلاف ضرور حرکت میں آئے گا۔ اس وقت اس کے پاس لشکر بھی ہے، بہترین سالار بھی ہیں۔ لہذا ان حالات میں ہمیں یہ کرنا چاہئے کہ جب ہم دیکھیں کہ کسی جگہ سیر بن ابی بکر بغاوت کرنے والے مسلمان حاکموں کے خلاف حرکت میں آنا چاہتا ہے تو ہم فی الفور ایک ایسا لشکر مقرر کر دیں جو ان علاقوں کے مسلمانوں کی سیر بن ابی بکر کے خلاف مدد کرے۔ اگر ہم جگہ جگہ ایسا کریں گے تو ہم سیر بن ابی بکر کی ناکامی اور اس کی شکست کا باعث بن سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں آنے والا دور اُنڈلس میں ہمارا ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد فائز جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک تو صفی انداز میں افونش اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

”فائز! میرے عزیز! جیسا تو نے چاہا ہے، ویسا ہی ہوگا۔ جہاں جہاں بھی بغاوت فرو کرنے کے لئے یوسف بن تاشفین کا بھتیجا اور اس کے سالار نکرائیں گے، وہاں وہاں ہم ان کے باغی اور سرکشی کرنے والوں کی مدد کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے ایسا کرنے سے جگہ جگہ سیر بن ابی بکر اور اس کے ساتھی سالاروں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اور جب یہی سیر بن ابی بکر لگاتار ناکامیوں کا سامنا کرنے کے بعد اپنے لشکر کو سمیٹ کر واپس افریقہ جائے گا تو اس کی غیر موجودگی میں ہم بڑا تیزی کے ساتھ جست و خیز کرتے ہوئے سارے مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں گے اور ہر ایک کو اپنا

مطیع اور فرمانبردار بنا کر سب کے علاقوں پر قبضہ کر کے یہاں ایک وسیع اور مستحکم سلطنت قائم کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش خاموش ہو گیا اور اس کے بعد وہ اپنے بیٹے، سپہ سالار فائیز اور دیگر سالاروں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور لشکر گاہ میں وہ اپنے لشکر کے مختلف حصے سالاروں کی کمانداری میں مقرر کرنے لگا۔





سیر بن ابی بکر اپنے لشکر کے ساتھ ابھی تک غرناطہ ہی میں قیام کئے ہوئے تھا۔ جب مختلف شہروں سے اُندلس کے مختلف حکمرانوں کی طرف سے سرکشی اور بغاوت کی خبریں آنا شروع ہوئیں تب سب سے پہلے سیر بن ابی بکر نے اپنے لشکر میں سے تیز رفتار جاسوس اور قاصد مختلف علاقوں کی خبریں حاصل کرنے کے لئے روانہ کر دیئے۔ اس کے بعد اس نے اپنے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔

سارے سالار جب سیر بن ابی بکر کے پاس جمع ہوئے تب سیر بن ابی بکر نے جو صورتِ حال نمودار ہوئی تھی، اس پر روشنی ڈالی۔ اس موقع پر داؤد بن عائشہ سیر بن ابی بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اس وقت تین کے علاوہ باقی مسلمان حکمران اندر ہی اندر اپنی عسکری تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور جنہوں نے علی الاعلان ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے اور ہمارے مفاد کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا ہے۔ وہ تین ہیں۔ اول المریا کا حاکم، دوم مرسیہ کا حکمران ابن رشیق اور تیسرا جزیرہ طریف کا حکمران۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے ان تینوں جگہوں پر ضرب لگائی جائے۔ اب تک جو خبریں ہمارے مخبر ہمیں دے چکے ہیں ان کے مطابق مرسیہ اور المریا والوں نے آپس میں اتحاد کر لیا ہے اور انہوں نے یہ طے کیا ہے کہ جو نبی ہماری طرف سے کوئی لشکر المریا یا مرسیہ پر حملہ آور ہونے کے لئے جائے گا تو دونوں شہروں کی قوتیں مل کر ہمارا مقابلہ کریں گی۔ مرسیہ میں ابن رشیق حاکم ہے جبکہ المریا پر بنو سادہ کی حکمرانی ہے۔ دونوں جگہ کافی بڑے لشکر ہیں۔ میں اپنی طرف سے چاہتا ہوں کہ جزیرہ طریف پر حملہ آور ہونے کے لئے غیر در بن شیبہ اور زیدون بن مسلم کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ کر دیا جائے جبکہ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ

دونوں کو مرسیہ اور المریا پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا جائے۔ پہلے مرحلہ میں جب ہم بڑی سختی سے مرسیہ، المریا اور جزیرہ طریف میں اٹھنے والی بغاوتوں اور سرکشی کو اپنے سامنے فرو کر دیں گے تو دوسرے دشمنوں کو ایک دم اٹھ کر ہمارے خلاف حرکت میں آنے سے پہلے کچھ سوچنا پڑے گا، وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہوں گے۔ میرے عزیز بھائیو! جو کچھ میرے ذہن میں تھا، میں نے تم لوگوں سے کہہ دیا ہے۔ اگر تم اس میں کوئی تبدیلی کرنا چاہو تو بولو۔“

سارے سالاروں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اسی روز ایک لشکر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کی سرکردگی میں مرسیہ اور المریا کی طرف روانہ کیا گیا اور دوسرا لشکر غیر در بن شبیب اور زیدون بن مسلم کی کمانداری میں جزیرہ طریف کا رخ کر گیا تھا۔

سیر بن ابی بکر کے مخبروں کی اطلاع درست ہوئی۔ اس لئے کہ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں ہی جب مرسیہ اور المریا کے درمیانی حصہ میں گئے تو وہاں ان کا استقبال کرنے کے لئے مرسیہ اور المریا کا متحدہ لشکر بالکل تیار اور مستعد تھا اور اس سارے لشکر کی کمانداری باغی اور سرکش ابن رشیق کر رہا تھا۔

زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں کو مخبر پہلے ہی اطلاع دے چکے تھے کہ ابن رشیق ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان کا سامنا کرے گا۔ چنانچہ راستے ہی میں داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس نے اپنے لشکر کو برابر دو حصوں میں تقسیم کر کے آگے بڑھنا شروع کیا تھا اور جب وہ دونوں ابن رشیق کے لشکر کے سامنے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ابن رشیق ٹکراؤ کی ابتداء کرنے کے لئے اپنے لشکر کی صفیں درست کر چکا تھا۔ دوسری طرف یہ صورت حال دیکھتے ہوئے زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ اس کے بعد ابن رشیق نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ اپنے لشکر کو اس نے آگے بڑھایا، پھر وہ نبض کا سکون، سینے کی آسودگی درہم برہم کرتے آگے اور خون کے سیلاب، آنکھوں کی چمک، ناموں کے جلال و جمال کو ابتر کرتے موت کے درکھولتے طوفانوں اور خوشیوں کی ہیجان کو دار کے طوق و گلو میں اور صلوں کی نوید اور طمانیت کو ابتری کا شکار کرتے قیامت بدوش آندھیوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

ابن رشیق کے اس حملے کے جواب میں زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں شیشے کی دیواروں کو آہنی چٹانوں میں تبدیل کر دینے والے کیمیا گروں، نحیف و دل گرفتہ کر دینے والے خوف کو راحت و اطمینان بھرے اسرارِ حیات میں بدل دینے والے پارکھوں کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے۔ اس کے بعد وہ بھی تمناؤں کے کھیتوں میں عذاب بھری کہانیاں بھر دینے والے طوفانوں کی ماورائی کدورتوں، پُرکشش بیداریوں میں سوز و سوزش و اضطراب و انتقام کے صرصر بھر دینے والے موت کے دہکتے بھڑکتے دوزخ اور تاروں کی پُر ہجوم روشنیوں اور چاند کی انوار فشانی کی طرح وارد ہونے والے عبادتوں کے کسی منتہی اور وظیفہ شب میں خوابوں کی صداقتوں کو عیاں کرتے کسی مُرتاض کی ریاضتوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

المریا اور مرسیہ میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے چاروں طرف فریب ذات کی ویرانیوں میں خوفناکی کے کردار جاگ اُٹھے تھے۔ شور کرتے اُٹھتے صبح خیز لمحے حال کو داغدار، مستقبل کو زنگ آلود کرنے لگے تھے۔ برق کے برہم تازیانے کروٹیں لیتی زیت میں ایک طرح سے تلخیاں گھولنے والے بحری طوفان کی طرح ضربیں لگانے لگے تھے۔ کچھ دیر تک ہولناک ٹکراؤ ہوتا رہا۔ ابن رشیق نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح وہ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائے لیکن اس کا ہر حربہ بدتر اور ناکام رہا اور پھر آہستہ آہستہ المریا اور مرسیہ کے متحدہ لشکر کی حالت زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے سامنے بوسیدہ درپچوں میں خود سے گریزاں سایوں، ہوس کے گرداب میں خواب عذاب داستانوں اور غم انگیز سکوت میں خشک پتوں کی حزیں آوازوں سے بھی بدتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

ابن رشیق نے جب اندازہ لگایا کہ اب زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے خلاف اس کی کوئی بات بنتی نہیں ہے تب اس نے اپنی عافیت، اپنی سلامتی اسی میں جانی کہ شکست اٹھا کر بھاگے اور اپنی جان بچائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ لیکن دوسری طرف داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس بھی بڑے محتاط تھے۔ جونہی ابن رشیق نے بھاگنے کی کوشش کی، انہوں نے اپنے لشکر کو تین اطراف میں پھیلایا اور ابن رشیق کا تعاقب شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک تعاقب جاری رہا۔ اس تعاقب کے درمیان المریا اور المرسیہ کی ساری عسکری قوت کا خاتمہ کر دیا گیا اور ابن رشیق کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کے بعد زکریا بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ جب فارغ ہوئے تب دونوں کے چھوٹے سالاروں نے ان کے کہنے پر ابن رشیق کو ان کے سامنے پیش کیا۔ ابن رشیق جب ان دونوں کے سامنے آیا تو اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ دونوں کے سامنے آکر وہ چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ اس موقع پر داؤد بن عائشہ، زکریا بن اور لیس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن اور لیس! میرے عزیز بھائی! اس ابن رشیق سے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اس لئے کہ تم اس کو میری نسبت بہتر جانتے ہو۔ جو بھی تم فیصلہ کرو گے میرے لئے وہی آخری ہوگا۔“

”زکریا بن اور لیس تھوڑی دیر تک کھا جانے والے انداز میں ابن رشیق کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔“

”ابن رشیق! تُو نے ماضی میں بھی مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ جس وقت امیر یوسف بن تاشفین حصن اللیط کے نواح میں اتونش سے ٹکرا رہے تھے، اس وقت بھی تُو نے ہمارے خلاف اتونش کے ساتھ ساتھ باز کی تھی۔ اس کے علاوہ معتمد جو تیرا محسن تھا، اس سے بھی تُو نے غداری کر کے المرسیہ پر قبضہ کر لیا اور اب تُو ہمارے محترم امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ کیا ایسا کرتے ہوئے تجھے شرم نہ آئی؟ کیا مسلمانوں کے خلاف اس قدر کارروائیوں اور گھناؤنے جرائم میں حصہ لیتے ہوئے تیرے ضمیر نے تجھے کبھی نہیں جھنجھوڑا؟ کیا تُو نے کبھی اپنے آپ کو ملامت بھی نہ کی کہ تُو کیا کر رہا ہے؟ کیا تیرے لاشعور سے شعور کی طرف آتے خیر کے جذبوں نے بھی تیرے ضمیر پر یہ ضرب نہیں لگائی کہ جو کچھ تُو کر رہا ہے اس کے آگے اندھیرے ہی اندھیرے، موت کے سائے ہی سائے ہیں۔ ابن رشیق! میں جانتا ہوں کہ تُو کچھ نہیں بولے گا۔ اس لئے کہ تُو ظالم و جاہل اور گناہ آلود انسان ہے۔“

اس کے ساتھ ہی اپنی آنکھ سے مخصوص اشارہ زکریا بن اور لیس نے اپنے ایک چھوٹے سالار کو کیا جس کے جواب میں ابن رشیق کو پیچھے ہٹا دیا گیا اور پھر اس کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد داؤد بن عائشہ اور زکریا بن اور لیس، المرسیہ اور المریہ دونوں شہروں کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لینے میں مصروف ہو گئے تھے۔

دوسری طرف غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم نے اپنے حصہ کے لشکر کے

ساتھ جزیرہ طریف کا رخ کیا تھا۔ جزیرہ طریف جنوب مغربی اُندلس کے صوبہ قادس کے جنوبی حصہ میں جزیرۃ الخضراء سے 18 میل مغرب میں آبنائے طارق کے کنارے واقع ہے۔ یہ ایک پرانا شہر تھا جس کا نام طریف بن مالک کے نام پر جزیرہ طریف مشہور ہوا۔ طریف بن مالک وہ مجاہد، وہ مسلمان جنگجو اور رجلِ عظیم تھا جس نے اُندلس میں فتوحاتِ عرب کے شروع ہونے سے پہلے رمضان المبارک 91 ہجری بمطابق ستمبر 710 عیسوی میں اُندلس کی سرزمین میں سب سے پہلے قدم رکھا تھا۔

مشہور جغرافیہ دان شریف ادریسی نے جزیرہ طریف کو اقلیم جیرہ کا ایک شہر لکھا ہے جو صوبہ قادس کے بڑے حصہ سے مطابقت رکھتا تھا۔ اس شہر کا حال کچھ مؤرخین اس طرح لکھتے ہیں کہ جزیرہ طریف بحیرہ روم پر زکاء کے شروع میں واقع ہے۔ اس کا مغربی حصہ بحیرہ ظلمات سے ملتا ہے۔ یہ ایک پُرکشش شہر ہے۔ اس کے گرد شہر پناہ بھی تھی۔ اس میں ایک چھوٹی سی ندی بھی بہتی تھی جو شہر کے ایک جانب سے دوسری جانب تک چلی گئی تھی۔ بازار، سرائے اور حمام بھی اس کے اندر وافر مقدار میں تھے اور سامنے دو چھوٹے جزیرے بھی تھے جن میں سے ایک کا نام القنطیر تھا۔ یہ دونوں جزیرے خشکی سے قریب تھے۔

غیر در بن شبیب اور زیدون بن مسلم جب اپنے لشکر کے ساتھ جزیرہ طریف کی طرف بڑھے تو یہاں جو باغی تھے، وہ پہلے ہی ان دونوں کی آمد سے خوف زدہ ہو گئے تھے۔ ان دونوں کا وہاں کوئی خاص ٹکراؤ نہ ہوا اور بڑی آسانی سے وہ دونوں جزیرہ طریف پر قابض ہو گئے تھے۔ اس طرح وہ جزیرہ طریف کے نظم و نسق کو درست کرنے میں لگ گئے تھے۔

جزیرہ طریف میں اپنی کارروائیاں مکمل کرنے کے بعد غیر در بن شبیب اور زیدون بن مسلم واپس غرناطہ کی طرف چلے گئے تھے جبکہ دوسری طرف زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ بھی المریا اور المرسیہ کا نظم و نسق درست کر کے، وہاں حاکم مقرر کر کے غرناطہ میں سیر بن ابی بکر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔



مرسیہ، المریا اور جزیرہ طریف کا نظم و نسق درست کرنے کے بعد اب قرطبہ شہر کی باری آئی۔ قرطبہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا اور اس شہر کی بڑی اہمیت تھی۔ چونکہ جگہ جگہ

بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں لہذا قرطبہ پر قبضہ کرنا بڑا ضروری ہو گیا تھا۔ المرسیہ اور المریا اور جزیرہ طریف کے بعد دو جگہوں پر بڑی خوفناک بغاوت اٹھی۔ ایک قرطبہ اور دوسرا کرمونا۔ قرطبہ ان دنوں معتمد کے قبضہ میں تھا اور وہاں معتمد کا بیٹا فتح بن معتمد حکمران تھا جو المامون کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ قرطبہ کے لوگوں کو جب پتہ چلا کہ اُندلس میں مسلمانوں کی مختلف ریاستوں نے امیر یوسف بن تاشفین کے لشکر کے خلاف جگہ جگہ بغاوتیں کھڑی کر دی ہیں، تب قرطبہ کے لوگ اپنے حکمران المامون کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اعلانیہ اس بات کا اظہار کرنا شروع کر دیا کہ وہ امیر یوسف بن تاشفین کے مطیع اور فرمانبردار ہیں اور اُندلس میں ان کی حکومت چاہتے ہیں۔ ان حالات نے قرطبہ کے اندر مامون کے لئے حالات بدتر کر دیئے۔ اس نے بھاگنا چاہا۔ اتنی دیر تک سیر بن ابی بکر بھی اپنا لشکر لے کر وہاں پہنچ گیا تھا۔ امیر یوسف بن تاشفین کے حامیوں نے بھاگنے والے المامون کو پکڑا اور اس کا سر قلم کر دیا۔

اس طرح سیر بن ابی بکر اپنے پوزے لشکر کے ساتھ قرطبہ شہر میں داخل ہوا۔ قرطبہ پر قبضہ سے جہاں سیر بن ابی بکر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، وہاں زکریا بن اوریس، داؤد بن عائشہ، غیردر بن شیبہ، زیدون بن مسلم اور دیگر سارے سرداروں نے قرطبہ پر امیر یوسف بن تاشفین کے لشکر کا قبضہ ہونے پر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا تھا۔

قرطبہ اُندلس کا مرکزی ہی نہیں بلکہ ایک غیر معمولی شہر تھا۔ کہتے ہیں اسے قدیم عربوں نے جنہیں تاریخ کے اوراق میں کنعانی، فونیقی یا عمالقہ بھی کہا جاتا ہے، آباد کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام سے قبل دوسری صدی قبل مسیح میں جس وقت کنعانی عرب اور اہل روم میں جنگ ہوئی تو ہسپانیہ میں شہر قرطبہ بڑا مشہور تھا اور اس کی تجارت عمدہ حالت میں تھی۔ 52 ق م میں روم کے سپہ سالار مارکی لوس نے اس شہر پر قبضہ کر لیا اور روم کے رہنے والوں کو وہاں لا کر بسایا جس کے نتیجے میں یہ شہر مقبوضات ہسپانیہ کے جنوبی علاقوں کا مرکزی شہر بن گیا۔

جس وقت رومن جرنیل سیزر اور پومپی میں لڑائیاں ہوئیں تو اہل قرطبہ نے پومپی کی طرف داری کی۔ اس لئے جب 49 ق م میں جنگ سندہ پیش آئی تو سیزر نے قرطبہ کے رہنے والوں کو نہایت سخت سزائیں دیں۔ رومن شہنشاہی کے زمانہ میں کبھی قورطوبہ اس شہر کو پکارا گیا کبھی ہسپالس کا نام اسے دیا گیا۔

اسلام سے قبل وحشی قوطی قوم آ کر یہاں آباد ہو گئی اور انہوں نے رومنوں پر غلبہ پا لیا۔ آخر مسلمانوں نے قوم قوط پر قبضہ پایا اور اُندلس میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ 92 ہجری میں اسلامی سالار لشکر طارق بن زیاد کے حکم سے مغیث رومی نے قرطبہ کے شہر کو فتح کیا۔ اہل شہر کے ساتھ عربی لشکر نہایت رعایت سے پیش آیا۔ شروع زمانہ حکومت میں مسلمانوں نے اشبیلیہ کو اپنا دار الحکومت قرار دیا تھا۔ لیکن جب خلیفہ دمشق سلیمان عبدالملک بن مروان کے زمانے میں یعنی 100 ہجری میں اُندلس کی امارت پر سما بن مالک خولانی حاکم مقرر ہو کر آئے تو انہوں نے اشبیلیہ کی بجائے اسی شہر قرطبہ کو اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ اس وقت سے لے کر مروانی سلاطین میں خلفائے اُندلس کے دور میں یہ شہر نہ صرف صوبہ قرطبہ کا بلکہ تمام اُندلس کا دار الحکومت قائم رہا۔

اس شہر کی اصلی ترقی کا زمانہ اس وقت شروع ہوا جب 138 ہجری میں دمشق کے خلفائے بنو اُمیہ میں سے ساتویں خلیفہ ہشام اول کے پوتے عبدالرحمن بن معاویہ اُندلس میں اپنے آبائی سلطنت کے دعویٰ دار ہو کر داخل ہوئے اور یوسف بن عبدالرحمن فہری جو درحقیقت خلفائے دمشق کے خدام میں سے تھے، اس وقت اُندلس میں امارت کر رہے تھے، ان سے اُندلس کی حکومت واپس لے لی اور اپنے خاندان میں دولت بنو اُمیہ کی اُندلس میں بنیاد ڈالی۔

یوسف بن عبدالرحمن کے بعد عبدالرحمن الداخل کی حکومت اُندلس میں ہو گئی۔ اس کے خاندان کے سولہ بادشاہوں نے اُندلس میں حکومت کی۔ ان میں سے تین بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو دو مرتبہ تخت پر بیٹھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس شہر کے 21 محلے تھے۔ ہر محلہ میں مسجدیں، بازار تھے۔ وہاں کے رہنے والوں کی ضروریات کے لئے ہر چیز موجود تھی۔ کسی ضرورت کے لئے ایک محلے والا، دوسرے محلے کا محتاج نہ تھا۔

مورخین اس شہر کی تفصیل لکھتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ قرطبہ شہر کے جنوبی سمت میں دریائے کبیر کے پاس دو محلے تھے۔ ایک کا نام ربز شکندہ تھا اور دوسرے کا نام ربز منیجا تھا۔

قرطبہ شہر کے مغربی سمت میں نو محلے تھے اور اس محلے میں مٹھائیاں اور نان بنانے والے بڑے ماہر آباد تھے۔ قرطبہ شہر کی شمالی سمت میں تین محلے تھے جبکہ مشرقی سمت میں سات اہم محلے موجود تھے۔

مورخین مزید لکھتے ہیں کہ ان 21 محلوں کے بیچ میں قرطبہ کا خاص شہر تھا۔ شہر کی فصیل علیحدہ تھی۔ پہلے کسی محلے کے گرد کوئی چار دیواری نہ تھی لیکن جب خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں تو ہر محلہ کے گرد خندقیں کھود کر مضبوط اور اونچی دیواریں کھینچ دی گئی تھیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اس دور میں قرطبہ شہر کے سات دروازے تھے۔ پہلے دروازے کا نام باب القنطرہ یعنی نل والا دروازہ تھا۔ اس کو باب الوادی یعنی دریا والا دروازہ کہتے تھے۔ جنوبی محلہ میں جو شہر آباد تھے ان کو پہلے دریائے کبیر کا نل اترنا پڑتا تھا۔ نل کے اسی سرے پر قلعہ کا برج واقع تھا۔ یہ چھوٹا سا قلعہ جس کے وسط سے گزر کر نل پر پہنچتے تھے، رومنوں کے زمانے سے اب تک موجود ہے۔ اس کا رومن نام کالی گورس تھا جس کو عربوں نے کلہرہ کر دیا۔ دریائے کبیر کا یہ نل اترتے ہی قرطبہ شہر کا پہلا محلہ باب القنطرہ تھا جس کے ذریعہ شہر میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔

دوسرے دروازے کا نام باب جزیرۃ الخضراء تھا۔ شہر کا یہ دروازہ بھی جنوب کی طرف تھا۔ اس سے دریائے کبیر کی طرف راستہ نکلتا تھا۔ تیسرا باب الجدید تھا۔ اس کو باب سرقسطہ، باب ابن الجبار، باب طلیطلہ اور باب رومیہ بھی کہتے تھے۔ اس دروازے کے سامنے شہر سے باہر رومنوں کے زمانے کی تین شاہراہیں مختلف جگہوں کا چکر لگاتی ہوئی یہاں آ کر ملتی تھیں۔ ایک شاہراہ اُندلس کے شہر قادس سے، دوسری کرمونا شہر کی طرف سے آتی تھی، تیسری شاہراہ ایک اور سمت سے قرطبہ کی طرف آتی تھی۔

چوتھے دروازے کا نام باب الطلیبیرہ تھا۔ اسے باب البون بھی کہتے تھے۔ یہ غالباً شمال میں واقع تھا۔ پانچویں دروازے کا نام باب عامر القرشی تھا۔ اس دروازے کے سامنے عامر القسوی کا مقبرہ تھا۔ چھٹے دروازے کا نام باب الجوز تھا۔ اس کو باب بطلیوس بھی کہتے تھے۔ یہ عام طور پر باب اشبیلیہ بھی کہلاتا تھا۔ ان سات دروازوں کے ساتھ ایک اور دروازہ تھا جس کو باب الیہود کہتے تھے مگر اس نام کو مسلمان پسند نہ کرتے تھے اس لئے نام بدل کر المقران رکھ دیا گیا تھا۔

اسلامی عہد کے یہ دروازے اب باقی نہیں ہیں۔ صرف ایک دروازہ البتہ ایسا موجود ہے جس کی تعمیر مسلمانوں کے زمانے کی معلوم ہوتی ہے، جو آج کل باب المدور کے نام سے مشہور ہے۔

اوپر جو دروازے بیان کئے گئے ہیں ان میں کوئی دروازہ باب المدور نام کا نہیں

ہے۔ ایک قلعہ عربوں کے وقت کا یعنی حصن المدور چونکہ قرطبہ کے مغرب میں چند میل کے فاصلہ پر تھا، اس لئے ممکن ہے شہر کے مغربی دروازوں میں سے کسی دروازے کا نام باب المدور رکھ دیا گیا ہو۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد امیر سیر بن ابی بکر کا لشکر قرطبہ کے شاہی محل کی طرف گیا۔ یہ محل اپنے دور کا ایک عجوبہ کہلاتا تھا۔ اس سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ قرطبہ کا شاہی محل اپنی ابتدائی شکل میں وہی تھا جس کو شروع زمانے کے مؤرخوں نے بلاذریک لکھا ہے۔ یہ نام اس وجہ سے نہ تھا کہ قوطی بادشاہ رزریک جس سے مسلمانوں نے اُندلس فتح کیا تھا، اس کا بانی تھا بلکہ اس نام کی وجہ یہ تھی کہ رزریک جب اپنے دار الحکومت طلیطلہ یا کسی اور مقام سے قرطبہ میں آتا تھا تو اسی محل میں مقیم ہوا کرتا تھا۔ چھٹی صدی کا ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ اس محل کو ایک قدیم عمارت بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ یہاں زمانہ سلف کے وہ بادشاہ جن کی اس ملک پر حکومت تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے سکونت رکھتے تھے۔ قصر کے اندر اور باہر پرانے وقتوں کی تمام چیزیں نظر آتی تھیں اور ایرانیوں، رومیوں، قوطیوں اور ان قوموں کے جو اب موجود نہیں ہیں، یہاں عجیب و غریب آثار تھے۔

ان قدیم بادشاہوں کے بعد جب خلفائے بنو امیہ کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اس قدیم قصر یعنی بلاذریک کو اپنی سکونت کے لئے پسند کیا اور انہوں نے اس میں طرح طرح کی صنایع، بدائع اور عجیب ہی آثار چھوڑے۔

مسلمانوں نے قرطبہ شہر میں بے نظیر باغ لگوائے۔ ہر طرح کا سامان نیش و آرام مہیا کیا۔ دور کے پہاڑوں سے جن کو جبال قرطبہ کہتے تھے، آب شیریں کی نہریں کاٹ کر محل میں لائی گئیں۔ پھر یہاں سے نہروں کا پانی جست کے تلوں میں جاری کر کے شہر کے چپے چپے کو شادابی اور طراوت دی گئی۔ انہی تلوں سے یہ پانی ایک حوض سے دوسرے حوض میں جو مختلف وضع کے، کہیں خالص سونے اور کہیں سچی چاندی کے اور کہیں پیتل کے چمکتے ہوئے پتروں سے بہتا ہوا ہوا بڑی پرفضا جھیل اور خوشنما تالابوں میں جمع ہو جاتا تھا اور جا بجا یونان کے نہایت صاف و پاکیزہ سنگ مرمر کے بنے ہوئے خوب صورت فواروں میں اپنے چھوٹے کی بہار دکھاتا تھا۔

یہاں ایک فوارہ صناعتوں نے ایسا تیار کر رکھا تھا جس میں جب پانی کی دھاریں

بہت اونچی اٹھتی تھیں، یہ فوارہ ایسا عجیب تھا کہ اس کی مثل مشرق و مغرب میں کہیں نہ تھی۔ سب سے زیادہ رونق اس قصر کو جسے اسپین کے لوگ اب القادر کہتے ہیں اور شہر کے مغرب میں واقع ہے، خلیفہ عبدالرحمن الناصر نے بخشی تھی اور اس کے چاروں طرف خوبصورت باغ لگوائے تھے۔ مسلمانوں کے وقت میں قصر میں بڑے بڑے عالیشان کمرے اور جا بجایہ تکلف ہال تھے۔ قصر رزریک کی نسبت ایک عیسائی مؤرخ بیان کرتا ہے کہ اس کا زمانہ وہ ہے جبکہ قرطبہ میں مسلمانوں کی حکومت باقی نہ تھی۔ یہ مؤرخ لکھتا ہے کہ:

”یہ محل قوطی بادشاہ رزریک کے باپ تھیوڈو فریڈ نے بنوایا تھا جب وہ قرطبہ کا حاکم تھا اور جس کا زمانہ پہلی صدی ہجری کی ابتداء سمجھنا چاہئے۔ یہ محل شہر سے دو میل کے فاصلے پر اس مقام پر تھا جس کو عیسائی مؤرخ کا سا بلانکا اور اہل عرب اپنے زمانے میں یا قدائع ابو عبیدہ یا قصر ایض کہتے تھے۔“

اس سے ظاہر ہے کہ اس قصر کے بوسیدہ آثار باقی تھے لیکن آثار کی شکل اس کے زمانہ میں وہ نہ ہوگی جو اصلی بلاد رزریک کی تھی۔ اُس نے اس عالیشان قصر کے بوسیدہ آثار دیکھے ہوں گے جن کو مسلمان قصر رزریک میں تبدیل کر کے یا از سر نو بنا کر چھوڑ گئے ہوں گے۔

کچھ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس قصر میں مسلمانوں کے وقت کے جو آثار ہیں، وہ برائے نام ہیں۔ خلیفہ عبدالرحمن الناصر کا بنایا ہوا باغ اب بھی اس شکل میں موجود ہے کہ دیکھ کر مسلمانوں کی تعمیر معلوم ہوتا ہے۔ شہر کے باہر دریائے کبیر کے کنارے جو درختوں کے جھنڈ ہیں، ان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر کبھی واقعی عربوں کا مرکز رہا تھا۔ چند برج اور ایک حمام بھی ابھی تک باقی ہیں۔

قرطبہ سے اسلامی حکومت اٹھ جانے کے تقریباً 150 برس بعد جبکہ مسیح بادشاہ فرڈیننڈ اور اس کی ملکہ از ایلا کا زمانہ آیا تو مسلمانوں کے بنائے ہوئے اکثر حمام مسمار کر دیئے گئے۔ قصر میں جو عالیشان کمرے اور اوطاق تھے، ان کے نشانات بھی کہیں کہیں بہت بوسیدہ حالت میں سیاحوں کو نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ بوسیدگی مسلمانوں ہی کے بنائے ہوئے قصر پر منحصر نہیں ہے بلکہ قرطبہ پر عیسائیوں کی حکومت ہونے کے تقریباً سو

برس بعد جب اس قصر کی جگہ جو مسلمان چھوڑ گئے تھے، بادشاہ کشتالیہ نے نیا قصر بنایا جس میں بعد میں ایک مدت تک اس کے اندر پادریوں نے ہزار ہا یہودیوں اور مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر ہلاک کیا تو یہ نیا قصر بھی زمانہ کے ہاتھوں نہ بچ سکا۔ اب اس کا صرف ایک حصہ باقی ہے اور اس میں آج کل شہر کا جیل خانہ ہے۔ قصر کے علاوہ شہر کے اندر اور باہر بہت سے عالیشان محل، مکانات اور باغات تھے جو سلاطین بنو امیہ نے اپنی سکونت یا تفریح کے لئے بنوائے تھے۔ وہ بھی بڑے خوبصورت اور دیکھنے میں ایک عجوبہ لگتے تھے۔

قرطبہ شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے والی یہاں کی جامع مسجد بھی تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ پرانے اور قدیم زمانے میں جبکہ ہسپانیہ میں رومنوں کا تسلط تھا اور رومن بت پرست تھے، قرطبہ کے شہر میں ان کا ایک بڑا معبد یا بت خانہ تھا۔ جب اسپین میں عیسائیت مذہب پھیلا تو اس معبد کی جگہ ایک بڑا کلیسا تعمیر کیا گیا جو کلیسائے شنتِ بجنڈ کے نام سے مشہور ہوا۔ قوطی قوم کے بادشاہوں نے اس عمارت میں تکلفات پیدا کئے۔ مدت تک یہ گرجا اسی طرح رہا۔ جب اسلامی دور آیا اور مسلمانوں نے اُندلس پر لشکر کشی کی تو قرطبہ کے شہر پر بشرائط صلح قبضہ کیا اور جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کے گرجا کو عیسائیوں اور مسلمانوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا تھا، یہی امر اب شنتِ بجنڈ کے گرجا کے متعلق قرطبہ میں ہوا۔ یعنی گرجا کا نصف حصہ مسلمانوں نے اپنی مسجد کے لئے مخصوص کر لیا اور نصف حصہ میں عیسائیوں کو ان کے عقیدے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔

لیکن اسمع مالک بن خوانی والی اُندلس کے زمانے میں امارت میں قرطبہ مسلمانوں کا دارالحکومت ہو گیا تو وہاں مسلمانوں کی آبادی بڑھی۔ بہت سے امراء عرب نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ اب مسجد میں نمازیوں کے لئے جگہ میں تنگی ہونے لگی۔ گنجائش نکالنے کے لئے بہت سی ترکیبیں کی گئیں مگر وہ سب ایسی تھیں جس سے نمازیوں کو مسجد میں داخل ہونے میں بڑی مشقت اور دشواری ہوتی تھی۔ ایک مدت تک یہی حالت رہی حتیٰ کہ امیر عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام اُندلس میں بادشاہ ہوئے اور انہوں نے قرطبہ ہی کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ جب اُن کی حکومت کو استحکام ہو گیا تو شہر کی

ضروریات اور آرائش کی طرف توجہ کی۔ پہاڑیوں سے نہریں کاٹ کر لائے۔ بازار، حمام اور سرائے بنوائیں، پُر تکلف باغات اور عمارات کی بنیاد ڈالی۔ جامع مسجد کی توسیع کرنے کا بھی خیال گزرا مگر شرائطِ صلح کے مطابق جو حصہ گرجا کا عیسائیوں کو مل چکا تھا اس کو کیونکر حاصل کر کے مسجد کو وسیع کر سکتے تھے۔

بہر کیف کوشش کی۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے رئیسوں کو بلایا۔ ان سے کہا گیا کہ گرجا کا جو حصہ تمہارے پاس ہے، اسے مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کر دو۔ ہم نہایت گراں قیامت دینے کو تیار ہیں۔ عیسائیوں کو صلح کی شرائط معلوم ہی تھیں۔ انہوں نے پہلے تو بیچنے سے قطعی انکار کر دیا لیکن پھر کچھ سوچ سمجھ کر اس شرط پر اپنا حصہ فروخت کرنے پر راضی ہو گئے کہ شہر کے باہر جو گرجا گرائے گئے تھے ان کو از سر نو بنانے کی اجازت دی جائے۔

امیر عبدالرحمن نے عیسائیوں کا یہ فیصلہ سن کر جو بھاری قیمت ان کو دینے کو کہی تھی، وہ ادا کر دی اور گرے ہوئے گرجوں کو بنانے کی اجازت بھی ان کو دے دی تھی۔ اس کے بعد شدتِ بخت کے پورے گرجا پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

قبضہ پانے کے بعد امیر عبدالرحمن نے گرجا کو گرا کر اس کی جگہ ایک عالیشان مسجد بنا ڈالی۔ مگر یہ زمانہ ان کی حکومت کا آخری زمانہ تھا۔ یعنی ان کی وفات 132ھ سے صرف دو برس پہلے یہ مسجد شروع کی گئی تھی۔ دمشق کے ایک بڑے ماہر فن نے مسجد کا نقشہ تیار کیا تھا۔ چونکہ مسجد کو ایک بڑے پیمانے پر بنانے کا قصد تھا اس لئے امیر کی زندگی میں تعمیر مکمل نہ ہو سکی۔ ان کے بعد ان کے فرزند امیر ہشام بادشاہ ہوئے تو انہوں نے بڑے شوق سے مسجد کی تعمیر جاری رکھی اور اپنی تخت نشینی کے چھٹے سال اس کو مکمل کیا۔ جس شکل و صورت میں امیر ہشام کے زمانے میں یہ مسجد تعمیر ہوئی تھی، اس کی کیفیت یہ تھی کہ مسجد کے گرد ایک چار دیواری تھی۔ اس چار دیواری میں دیواروں کی مضبوطی کے لئے باہر کے رخ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر پشت بان بنے ہوئے تھے جن پر کنگرے بنے ہوئے تھے۔ اس چار دیواری اور اس کے کنگرے در دیوار اور پشت بان کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ مسجد میں کوئی قلعہ ہے۔ چاروں سمتوں کی شمالی دیوار میں مسجد کا دروازہ تھا۔ جس سے مسجد میں داخل ہوا جاتا تھا۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اُندلس میں قبلہ جنوب مائل بہ مشرق ہے۔ اس دروازے سے ملا ہوا مغرب کی سمت میں

مسجد کا مینار تھا جس پر مؤذن اذان کہتا تھا۔ یہ مینار چوپہل تھا۔ اس کے اوپر ایک ہی زینہ تھا اور اس کی بلندی عمارت کے لحاظ سے موزوں تھی۔ صحن کے گرد شمال مشرق اور مغرب کی جانب اکہرے دالان خوب صورت محرابوں کے تھے۔ بیچ میں وضو کے لئے ایک حوض یا سقاہ تھا جس میں مسجد سے باہر کنوئیں سے پانی بھرا جاتا تھا۔

مسجد کی عجیب و غریب عمارت کچھ اس طرح تھی کہ اگر صحن مسجد سے قبلہ رو یعنی جنوب کی طرف کھڑے ہو کر دیکھیں تو دس دس ستونوں کی صفیوں یا گیارہ گیارہ پہلوؤں والے دالان در دالان آٹھ نظر آتے تھے۔ سب سے آخری دالان یعنی قبلہ کی دیوار سے ملے ہوئے دالان کے وسط میں دیوار سے کچھ اندر کو بڑھا ہوا ایک خوشنما گنبد کے نیچے مسجد کا وہ حصہ تھا جس کو اصطلاح میں محراب کہتے ہیں۔ یہاں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ تھی اور ایک طرف منبر رکھا ہوا تھا۔ دالانوں کے ستونوں کے ہر صف پر ایک وضع تھی۔ محرابوں کی ایک صف تھی۔ ستونوں کی بلندی تقریباً بارہ فٹ تھی۔ ہر ستون پر ایک اور ستون تھا جس سے ایک دوسری صف ستون کی پہلی ستونوں کی صف پر قائم ہوتی تھی۔ اس مسجد سے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسجد کے صدر حصہ میں بڑے بڑے ستونوں کی تعداد لگ بھگ ایک ہزار تھی۔

کہا جاتا ہے کہ معتمد کے باپ المنصور کے زمانے سے پہلے مسجد کے نو دروازے تھے۔ ان میں سے تین یعنی ایک مشرق کی طرف، دوسرا مغرب اور تیسرا شمالی دیوار میں تھا، باقی چھ دروازے مسجد کے مسقف صحن صدر میں تین مشرق کی سمت میں اور تین مغرب کی سمت میں تھے۔ ان میں سے ہر دو جانب ایک ایک دروازہ عورتوں کے لئے مخصوص تھا، باقی مردوں کے لئے تھے۔ ان دروازوں پر چمکتے ہوئے پیتل کی چادریں لگی تھیں اور ایک دروازے میں ایک بہت خوب صورت کڑا نہایت عمدہ صنعت کا پڑا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ قرطبہ کی جامع مسجد میں روشنی کا بھی بہترین انتظام تھا۔ پیتل کے جھاڑ جو مسجد میں روشن کئے جاتے تھے، ان کی تعداد کسی نے 280 اور کسی نے 224 لکھی ہے۔ ان میں وہ جھاڑ شامل نہیں ہیں جو دروازوں پر روشن کئے جاتے تھے۔ ان کی تعداد کسی نے 7425 اور کسی نے 10805 لکھی ہے۔ ان میں جو تیل خرچ ہوتا تھا وہ لگ بھگ 314 من کے قریب ہوتا تھا اس میں نصف سے کچھ کم صرف ماہ رمضان میں صرف ہو جاتا تھا۔

بہر حال سیر بن ابی بکر اپنے پورے لشکر کے ساتھ قرطبہ شہر میں داخل ہوا۔ یہاں چند دن قیام کیا گیا۔ اس کے بعد امیر سیر بن ابی بکر نے لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ قرطبہ شہر ہی میں قیام کئے رکھا جبکہ ایک لشکر دے کر مونا میں اٹھنے والی بغاوت اور سرکشی کو فرو کرنے کے لئے زکریا بن اور لیس، داؤد بن عائشہ، غیر در بن شیبہ اور زیدون بن مسلم کو روانہ کیا تھا۔





افولش ایک روز اپنے شامیانہ نماخیمے میں اپنی بیوی لیستہ، اپنے بیٹے برگنزا کے ساتھ کچھ چپ اور خاموش بیٹھا ہوا تھا، جیسے اسے کسی کا بڑی بے چینی سے انتظار ہو۔ پھر تھوڑی دیر بعد سب سے پہلے اس خیمے میں اس کا سپہ سالار اعلیٰ فائز داخل ہوا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے اس کے لشکر کے سارے چھوٹے بڑے سالار وہاں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔

جب سب لوگ وہاں آ گئے تب ایک غائر نگاہ سب پر ڈالتے ہوئے افولش نے ان کا جائزہ لیا، پھر انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! قدرت ہمیں مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے ایک بہترین موقع فراہم کر رہی ہے۔ یہ بات آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ یوسف بن تاشفین یہاں سے جا چکا ہے، اس کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کے سالاروں اور لشکریوں میں وہ دم ختم نہیں رہے گا جو یوسف بن تاشفین کی موجودگی میں ہوا کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے اپنے پہلے مرحلہ میں مرسیہ، المریا اور جزیرہ طریف میں یلغار کرتے ہوئے وہاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ لیکن ان کی ایک کامیابی پھر ناکامی میں بدل گئی ہے اور وہ یہ کہ مرسیہ پر پھر باغیوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور باغی مرسیہ شہر میں اب اپنی طاقت و قوت کو بڑی تیزی سے بڑھا رہے ہیں۔ ہم نے بھی ان سے رابطہ قائم کیا اور ان سے کہا ہے کہ پہلے جب مسلمان سالار ان شہروں پر حملہ آور ہوئے تھے تو ہمیں اس کی خبر نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ ہم دور تھے۔ اب ہم ان سے اپنے مخبروں کے ذریعے پورا رابطہ رکھیں گے اور اب اگر یوسف بن تاشفین کے کسی لشکر نے مرسیہ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو ہم پوری طرح مرسیہ کے باغیوں کی مدد کریں

گے۔ ہمارا یہ پیغام ملنے کے بعد مرسیہ پر قبضہ کرنے والے باغیوں نے زور و شور سے اپنی عسکری تیاریوں کو عروج پر پہنچا دیا ہے۔

یہ تو ایک معاملہ ہے۔ دوسرا معاملہ کچھ اس طرح ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، مسلمانوں کا لشکر قرطبہ پر قابض ہو چکا ہے اور قرطبہ کا حاکم فتح بن معتمد موت کے گھاٹ اتارا جا چکا ہے۔ یہ مسلمانوں کے لشکر کی کوئی بڑی کامیابی نہیں ہے۔ اس لئے کہ فتح بن معتمد کے پاس قرطبہ میں کوئی بڑا لشکر نہیں تھا جو حملہ آوروں کا مقابلہ کرتا۔ اس کے علاوہ قرطبہ کے سب لوگوں نے فتح بن معتمد کی بجائے یوسف بن تاشفین کے لشکریوں کا ساتھ دیا تھا۔

میرے عزیز ساتھیو! جہاں ہم نے مرسیہ والوں کو حوصلہ دلایا، ہر صورت میں ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے، وہاں میں نے ایک بہت بڑا معرکہ مسلمانوں کے خلاف سر کرنے کا عزم کیا ہے۔

قرطبہ پر قبضہ کرنے کے بعد اب مسلمانوں کا ایک لشکر کرمونا کا رخ کئے ہوئے ہے۔ کرمونا میں وہاں کے باغیوں کی ایک خاصی بڑی تعداد ہے بلکہ وہاں ایک ایسا لشکر ہے جو حملہ آوروں کے خلاف خوب مزاحمت کر سکتا ہے۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک لشکر کرمونا کی طرف روانہ کیا جائے اور جب یوسف بن تاشفین کا لشکر کرمونا پر حملہ آور ہو تو کرمونا ان کے لئے وبال جان بن جائے۔ ایک طرف سے کرمونا کا لشکر ان پر حملہ آور ہو اور دوسری طرف سے ہمارا لشکر ان پر ضرب لگائے۔ اس طرح دو طرفہ ضرب سے ان کے لشکر کا پاتا تو خاتمہ کر دیا جائے یا ان کی تعداد کچھ ایسی کم کر دی جائے کہ آنے والے دور میں وہ کسی کے خلاف بھی کوئی بڑی کارروائی کرنے کے قابل نہ رہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش رکا، اس کے بعد دوبارہ وہ اپنے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”میں ایک تیسرے معاملہ پر بھی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ پر پہلے کرمونا کا معاملہ طے کر لینا چاہئے۔ آپس میں مشورہ کرو کہ کیا کرمونا والوں کی مدد کے لئے ہمیں لشکر بھیجنا چاہئے اور اس کے لئے کوئی لشکر تیار کیا جائے تو اس کی کمانداری کسے سونپی جائے؟“

افونش کے ان الفاظ پر اس کے سارے سالار آپس میں مشورہ کرنے لگے تھے۔ پھر اس کا سپہ سالار اعلیٰ فانیز اپنے چھوٹے بڑے سب سالاروں کی نمائندگی کرتے

ہوئے کہہ رہا تھا۔

”سب آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ ایک خاصا بڑا لشکر کرمونا کی طرف روانہ کیا جائے جو یوسف بن تاشفین کے لشکر کو کرمونا شہر کے نزدیک نہ آنے دے۔ ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ پہلے یہ دیکھا جائے کہ یوسف بن تاشفین کا جو لشکر کرمونا کے باغیوں کے خلاف حرکت میں آ رہا ہے اس کی کمانداری کون کر رہا ہے؟ اس میں دیگر سالار کون سے ہیں؟ اسی کے مطابق ہمیں بھی اپنے سالاروں کا انتخاب کرنا ہوگا۔“

افونش کا سپہ سالار فانیز جب خاموش ہوا تب مسکراتے ہوئے افونش بول اٹھا۔
 ”جو خبریں اب تک ہمارے مخبروں نے پہنچائی ہیں، ان کے مطابق یوسف بن تاشفین تو خود واپس افریقہ جا چکا ہے اور اپنے ساتھ لشکر کا ایک حصہ بھی لیتا گیا ہے۔ اُنڈلس میں اب سارے لشکروں کا کماندار اعلیٰ اس کا بھتیجا سیر بن ابی بکر ہے۔ سارے سالار اسی کے تحت کام کر رہے ہیں۔ سیر بن ابی بکر ان دونوں لشکروں کے ایک حصہ کے ساتھ قرطبہ میں قیام کئے ہوئے ہے جبکہ اس نے جو لشکر کرمونا پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا ہے اس میں داؤد بن عائشہ، زکریا بن ادریس، غیردر بن شبیب اور زیدون بن مسلم بڑے سالار ہیں اور انہی کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں بھی اپنے سالاروں کا انتخاب کرنا ہوگا۔“

افونش کے ان الفاظ پر فانیز مسکرایا، پھر کہنے لگا۔

”اگر کرمونا کا رخ کرنے والے مسلمانوں کے لشکر کی کمانداری زکریا بن ادریس، داؤد بن عائشہ، غیردر بن شبیب اور زیدون بن مسلم کر رہے ہیں تو پھر ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم جو لشکر روانہ کریں اس میں لوکاس، ہسپانہ، بلاویس کے علاوہ لیوٹس کو رکھیں۔ لیوٹس گونیا آنے والا سالار ہے لیکن بلا کا عمدہ قسم کا تیغ زن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین سالار بھی ہے اور حرب و ضرب کے سارے ہی فنون میں ماہر ہے۔“
 فانیز جب خاموش ہوا تب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے افونش کہنے لگا۔

”فانیز! یہ کام میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ آج آنے والی رات کو ایک لشکر ہمارے انہی چاروں سالاروں کی کمانداری میں کرمونا کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے۔ اس لشکر کا سالار اعلیٰ لوکاس ہوگا۔ ہسپانہ، بلاویس اور لیوٹس اس کے تحت کام کریں

گے۔ میں ان سارے سالاروں کی اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ ہمارے کچھ مخبر تھوڑی دیر پہلے کرمونا کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ انہیں میں نے سب معاملات تفصیل کے ساتھ سمجھا دیئے ہیں۔ سب سے پہلے وہ کرمونا کے باغیوں اور ان کے سالاروں سے رابطہ قائم کریں گے اور پھر مسلمانوں کے لشکر کی نقل و حرکت اور ان کے محل وقوع سے بھی لوکاس کو آگاہ کرتے رہیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش جب خاموش ہوا تب برگزنا کہنے لگا۔

”آپ ایک اور معاملے پر بھی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے کہا تھا کہ پہلے سالاروں کا معاملہ طے ہو جائے تو پھر آپ تیسرے معاملے پر گفتگو کریں گے۔ اب کہیں وہ معاملہ کیا ہے؟“

جواب میں بڑا خوشگوار تبسم افونش کے چہرے پر نمودار ہوا، کہنے لگا۔

”ہم نے مسلمانوں کے مختلف شہروں کی طرف جو اپنے پادری، ان کے ہمنوا، خوب صورت لڑکیاں روانہ کی تھیں، مخبروں کے ذریعہ ہمیں یہ اطلاع مل گئی ہے کہ ان کی کارروائیاں بہترین رہی ہیں اور وہ مسلمانوں کے اندر غلط فہمیاں، بغاوت اور سرکشی کے آثار پیدا کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ یہ بھی اطلاع آگئی ہے کہ میری بیٹی اور اس کے ساتھ کچھ لڑکیوں نے پادری مرکس کے ساتھ پہلے غرناطہ میں قیام کیا ہوا تھا اور چونکہ غرناطہ میں اب کوئی بڑی کارروائی کرنے کا موقع نہیں رہ گیا ہے اس لئے کہ غرناطہ زیر ہو چکا ہے اور وہاں کے حکمران عبداللہ اور اس کے بھائی تمیم کو جو مالقہ کا حکمران ہوا کرتا تھا، یوسف بن تاشفین اپنے ساتھ افریقہ لے جا چکا ہے۔ اب وہاں کوئی بڑی کارروائی کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس لئے پادری مرکس اپنی بیٹی اور دوسری لڑکیوں کے علاوہ اپنے دیگر ساتھیوں کو لے کر اب غرناطہ سے قرطبہ شہر میں ایک کلیسا کے اندر منتقل ہو چکا ہے۔ اب یہ سب مل کر اپنی کارروائیاں قرطبہ میں کریں گے۔ یہ بھی اطلاع آئی ہے کہ میری بیٹی نے زکریا بن ادریس سے ملاقات کی، اس کے سامنے اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا اور بدن کے زاویے بھی نمایاں کئے لیکن جو پیغام میری بیٹی کی طرف سے مخبروں کے ذریعے آیا ہے، اس کے مطابق وہ اپنی خوب صورتی اور اپنی اداؤں کے ہر حربہ سے زکریا بن ادریس کو متاثر کرنے یا اپنی طرف مائل کرنے میں قطعی کامیاب نہیں ہوئی۔ اب میرے خیال میں میری بیٹی اور پادری مرکس قرطبہ شہر میں نہ صرف یہ

کہ بغاوت کھڑی کرنے کی کوشش کریں گے بلکہ میری بیٹی مغربیتا، زکریا بن اور لیس کے پیچھے پڑے گی۔ یا تو اسے اپنے دام فریب میں پھانس کر رہے گی۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکی تو جو پیغام آیا ہے اس کے مطابق وہ زکریا بن اور داؤد بن عائشہ کے علاوہ کچھ دیگر نمایاں مسلمان سالاروں کو کسی نہ کسی طرح خواہ فریب و دھوکا سے یا زہر خورانی سے ان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرے گی۔“

اتنا کہنے کے بعد افونش خاموش ہوا، کچھ سوچا اور اس بار وہ بڑے غور سے اپنے سپہ سالارِ اعلیٰ فانیز کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”فانیز! اب اٹھو۔ جس لشکر کو تم لوکاس، ہسپانہ، پلاپوس اور لیونس کے ساتھ بھیجنا چاہتے ہو، اس کی تیاری کرو۔ آج رات کے پہلے حصہ میں ایک لشکر کر مونا شہر کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے۔“

افونش کا یہ حکم سن کر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سارے سالاروں نے لشکر گاہ کا رخ کیا۔ ایک خاصا بڑا لشکر علیحدہ کیا گیا، اسے مستعد رہنے کا حکم دیا گیا اور آنے والی شب کو وہی لشکر اپنے چار بڑے سالاروں کی کمانداری میں کر مونا شہر کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ جہاں تک کر مونا شہر کا تعلق تھا تو یہ جنوبی اُندلس کا ایک مشہور و معروف شہر تھا جو اشبیلیہ سے لگ بھگ 25 میل مشرق میں واقع تھا۔ اس شہر کو رومنوں ہی نے آباد کیا تھا اور رومنوں کے دور میں اس کا نام کارموتا تھا۔

کہتے ہیں یہ شہر ایک بلند مقام پر اس طرح واقع تھا کہ اہل شہر کو دشمن کے حملوں کا ہر دم خوف رہتا تھا۔ اس لئے کہ بلندی پر ہونے کی وجہ سے اس شہر میں جو لشکر تھا، اسے دفاعی آسانیاں رہتی تھیں اور حملہ آوروں کو چونکہ چڑھائی پر چڑھنا پڑتا تھا لہذا ان کے لئے دشواریاں کھڑی ہوتی تھیں اور عموماً یہ شہر فتح نہیں ہوتا تھا۔

پہلی صدی قبل مسیح میں جس وقت رومن سپہ سالار سینر اور پومپی میں لڑائیاں شروع ہوئیں، اس شہر کے لوگوں نے سینر کا ساتھ دیا اور ایک خود سر حکومت قائم کر کے اپنا سکہ بھی چلایا۔

رومنوں کے بعد قوطیوں کی یہاں حکومت قائم ہوئی۔ یہاں تک کہ 93 ہجری بمطابق 712 عیسوی میں عالم اسلام کے بہترین سالار موسیٰ بن نصیر نے اس شہر کو فتح کیا اور اس وقت سے یہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اور جس وقت موسیٰ بن نصیر اس شہر کو فتح کر کے اس پر قابض ہوا تو یہ شہر کارمو سے کر مونا ہو گیا اور مسلمان اسے کارمو کی

بجائے کر مونا ہی پکارنے لگے۔

اس شہر سے متعلق کچھ اہم تاریخی واقعات بھی وابستہ ہیں۔ امیر عبدالرحمن الداخل جس کو اُنڈلس کی حکومت 138ھ میں ملی تھی، اس شہر میں محصور ہونے پر مجبور ہوا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ جس وقت اُنڈلس کی سلطنت پر وہ قابض ہوئے تو مخالفوں نے جا بجا بغاوتیں شروع کر دیں۔ اُدھر عباسی خلیفہ سفاح نے ان کی سلطنت کو اُنڈلس سے مٹانا چاہا اور افریقہ کے ایک سالار مغیث کو اُنڈلس کا والی اپنی طرف سے مقرر کر کے افریقہ سے اُنڈلس روانہ کیا۔

مغیث اُنڈلس میں کر مونا سے مغرب میں باجہ شہر کے قریب آیا اور شہر پر اس نے قبضہ کر لیا۔ عبدالرحمن الداخل مقابلہ کے لئے قرطبہ سے اشبیلیہ کی طرف گیا لیکن بھی اشبیلیہ تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ کر مونا کے شہر میں افریقہ سے آنے والے سالار مغیث کے طرف داروں نے اس کو محصور کر دیا۔ کچھ دنوں اسی حالت میں رہنے کے بعد آخر عبدالرحمن ایک دن اپنے جانبازوں کو لے کر نکلا، کر مونا کے ایک دروازے سے جس کو باب اشبیلیہ کہتے تھے، نکل کر مخالفوں پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ چاروں طرف ہلاکت خیزیاں کھڑی کر کے رکھ دیں اور افریقہ سے جو سالار عباسیوں کے خلیفہ سفاح نے اُنڈلس پر قبضہ کرنے کے لئے بھجوایا تھا، اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اسی شہر میں ایک اور اہم واقعہ بھی پیش آیا۔ وہ یہ کہ 230ھ میں جب امیر عبدالرحمن ثانی اُنڈلس کا بادشاہ ہوا تو شمال کے وحشی اور بدتہذیب نارمنوں نے اُنڈلس پر حملہ کر دیا اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ وہ اشبیلیہ تک آ پہنچے تو اس موقع پر کر مونا کے شہر والوں نے اہل اشبیلیہ کو ان وحشیوں سے پناہ دی تھی۔

تیسری صدی ہجری میں جس وقت اُنڈلس کے لوگ نو مسلم اور ان کی اولاد نے سلاطین قرطبہ سے بغاوتیں کرنا شروع کیں تو کر مونا ہی ان باغیوں کی سازشوں کا مرکز بن گیا۔ پانچویں صدی ہجری کے شروع میں جس وقت دولت بنو اُمیہ کو اُنڈلس میں زوال ہوا اور طوائف الملوکی شروع ہوئی تو کر مونا ایک بربری خاندان بنی برزال کے تحت آ گیا تھا۔ بنی برزال کا علاقہ بہت مختصر تھا جس کے اندر صرف دو بڑے شہر تھے۔ ایک کر مونا اور دوسرا استجا جو کر مونا سے مشرق میں دریائے شنیل کے کنارے واقع تھا۔ بنی برزال کے شمالی علاقہ کی زمین وادی الکبیر کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس

خاندان کے بادشاہوں میں سے محمد بن عبداللہ برزالی نے 420 ھ سے 441 ھ تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے اسحاق نے 441 ھ سے 446 ھ تک حکومت کی۔ اس کے بعد العزیز نے 447 ھ سے 460 ھ تک کرمونا پر خود مختارانہ حکومت کی۔ اس کے بعد یہ شہر بنو عباد کے قبضہ میں چلا گیا اور بنو عباد ہی نے کرمونا شہر میں امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف بغاوت کھڑی کی تھی اور اسی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے زکریا بن ادریس، داؤد بن عائشہ، غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم لشکر لے کر بڑی برق رفتاری سے کرمونا کی طرف بڑھے تھے۔

زکریا بن ادریس، داؤد بن عائشہ اور ان کے ساتھی سالاروں نے اپنے لشکر کے ساتھ کرمونا شہر سے لگ بھگ دو میل کے فاصلہ پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔ دوسری طرف افونش کا لشکر بھی کرمونا کے شمال میں تقریباً چار میل کے فاصلہ پر اپنا پڑاؤ قائم کر چکا تھا جبکہ کرمونا شہر کے اندر بنی عباد کا لشکر بھی بالکل تیار اور مستعد تھا۔

تعداد کے لحاظ سے بھی افونش کا لشکر زیادہ تھا۔ جس وقت زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے اپنے لشکر کے ساتھ کرمونا شہر سے دو میل کے فاصلہ پر جا کر پڑاؤ کیا تب افونش کے لشکر کے سالار لوکاس نے اپنے سارے سالاروں کو اپنے خیمے میں جمع کر لیا تھا۔ جب سب اس کے پاس اکٹھے ہو گئے تب لوکاس انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تھوڑی دیر پہلے اپنے کچھ مخبر آئے ہیں اور مسلمانوں کے لشکر کے محل وقوع اور ان کی تعداد کے علاوہ ان کے انتظامات سے بھی آگاہ کیا ہے۔ مسلمانوں کا لشکر اس وقت کرمونا شہر سے دو میل کے فاصلے پر جنوب مشرق کے رخ پر پڑاؤ کئے ہوئے ہے۔ میرے خیال میں چند روز وہاں قیام کر کے وہ حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ یقیناً انہیں ہماری یہاں موجودگی کا علم ہو چکا ہوگا اور وہ یہ بھی سوچ چکے ہوں گے کہ اگر وہ کرمونا کے نزدیک جاتے ہیں تو پھر دو طرح کے لشکر دو مختلف سمتوں سے ان پر حملہ آور ہوں گے۔ ایک ہمارا لشکر دوسرا کرمونا سے بنو عباد کا لشکر نکلے گا اور ان کی ہیئت بگاڑ کر رکھ دے گا۔

میرے بھائیو! جب تک مسلمانوں کا لشکر سوچ و بچار میں رہتا ہے، میں چاہتا ہوں ان پر ایک شب خون مار کر ان کی طاقت و قوت کو پاش پاش کیا جائے اور وہ کرمونا پر حملہ آور ہوئے بغیر واپس جانے پر مجبور ہو جائیں۔

ہمارا پڑاؤ جہاں ہے، وہیں رہے گا۔ چھوٹا سا ایک لشکر پڑاؤ کی حفاظت پر مقرر کیا جائے گا اور اس لشکر کی کمانداری ہمارا بھائی ہسپانہ کرے گا۔ جبکہ میں، پلاپوس اور لیوس باقی لشکر کو لے کر مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لئے نکلیں گے۔ یہ ایک طرح کا دوہرا شب خون ہوگا۔ ابھی تھوڑی دیر بعد میں بنو عباس کے لشکر کے کماندار کی طرف پیغام بھجواؤں گا کہ آنے والی شب جب آسمان کے وسط میں سفر کرنے والے تینوں ستارے جو متوازی رہتے ہوئے سفر کرتے ہیں، بالکل سر کے اوپر آجائیں تب وہ شہر سے نکلیں۔ اس لئے کہ وہ ستارے آدھی رات کے قریب بالکل سر کے اوپر آتے ہیں۔ کرمونا والوں کے ساتھ یہ منصوبہ بندی کی جائے گی کہ ہم یہاں سے روانہ ہوں گے اور مسلمانوں کے پڑاؤ کے ایک پہلو پر شب خون ماریں گے جبکہ اسی وقت بنو عباد کا لشکر بھی شہر سے نکلے گا اور مسلمانوں پر دوسری سمت سے حملہ آور ہوگا۔

ہمارے اور بنو عباد کے لشکر کے درمیان رابطہ کچھ اس طرح ہوگا کہ مسلمانوں کے لشکر سے دو میل دور جانے کے بعد کرمونا شہر کی طرف چلتے ہوئے پروں کا ایک تیرداغا جائے گا۔ یہ تیر کرمونا کے بنو عباد کے لشکریوں کے سالار کے لئے یہ اشارہ ہوگا کہ ہم مسلمانوں کے لشکر سے دو میل کے فاصلہ پر رہ گئے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں نے بھی کرمونا شہر سے دو میل کے فاصلہ پر قیام کیا ہوا ہے لہذا ہمارے چلتے ہوئے پروں والے تیر کا اشارہ پا کر کرمونا کا کماندار اپنے لشکریوں کو لے کر نکلے گا، ادھر سے ہم بھی روانہ ہوں گے۔ چنانچہ ایک ساتھ دونوں لشکر دو مختلف سمتوں سے مسلمانوں پر شب خون ماریں گے اور مجھے امید ہے کہ ہم اگر اس طرح شب خون مارنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر مسلمانوں کے سارے لشکری ہی نہیں، ان کے سارے سالاروں کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

لوکاس کے سارے سالاروں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اسی وقت کچھ مخبر کرمونا شہر میں بنو عباد کے لشکر کے سالار کی طرف روانہ کئے گئے تھے اور اسے مسلمانوں پر شب خون مارنے کی منصوبہ بندی سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔





جہاں افونش کے مخبر اور جاسوس بڑی تیزی سے کام کرتے ہوئے مسلمانوں کے لشکر اور ان کی نقل و حرکت اور پڑاؤ سے متعلق لوکاس کو اطلاعات فراہم کر رہے تھے وہاں مسلمان طلایہ گر بھی بڑی سرگرمی سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ جس روز لوکاس نے اپنے سالاروں کے ساتھ مل کر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے لشکر پر دو طرفہ شب خون مارنے کی منصوبہ بندی کی تھی، اسی روز مغرب کی نماز کے بعد زکریا بن ادریس، داؤد بن عائشہ، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم جب نماز سے فارغ ہو کر اکٹھے ایک طرف بٹے تب ان کے دو مخبر بڑی تیزی سے ان کے قریب آئے انہیں دیکھتے ہوئے چاروں ایک جگہ رک گئے تھے۔ دونوں مخبر قریب آئے۔ اس کے بعد لوکاس نے جو اپنے سالاروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے لشکر پر شب خون مارنے کی منصوبہ بندی کی تھی، اس کی تفصیل ان دونوں میں سے ایک نے چاروں سے کہہ دی تھی۔

ساری تفصیل جاننے کے بعد دونوں مخبروں کو تو پھر اپنے کام میں لگ جانے کے لئے کہا گیا۔ یہاں تک کہ چاروں گہری سوچوں میں ڈوب گئے۔ پھر داؤد بن عائشہ نے زکریا بن ادریس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! اس کا مطلب ہے آنے والی شب کو ہمیں دشمن کے دو طرفہ شب خون کا سامنا کرنا ہوگا۔“

داؤد بن عائشہ کے ان الفاظ کے جواب میں زکریا بن ادریس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، کہنے لگا۔

”ابن عائشہ! میرے بھائی! ہمیں کیا ضرورت ہے کہ دشمن کے دو طرفہ شب خون

کے بوجھ برداشت کر کے اپنی توانائیوں کو خواہ مخواہ ضائع کریں۔ اسے یہ شب خون مارنے دیں۔ جب ہم اپنی جوابی کارروائی کریں گے تو کرمونا کے سالاروں ہی نہیں، افونش کے سالاروں کے پاؤں تلے سے بھی زمین سرکنا شروع ہو جائے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے داؤد بن عائشہ کہنے لگا۔

”میرے بھائی! جو کچھ کہنا چاہتے ہو کھل کر اور ذرا صاف صاف کہو۔“

جواب میں زکریا بن ادریس مسکراتا رہا، پھر چاروں الیک دوسرے کے نزدیک ہو گئے اور بڑی رازداری میں زکریا بن ادریس اپنے تینوں بڑے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! آج عشاء کی نماز کے بعد ہم اپنے کام کا ابتداء کریں گے۔ غیر در بن شبیب کے ذمہ میں یہ کام لگاتا ہوں کہ اپنے کچھ مسلح دستوں کو اپنے پڑاؤ کے اطراف میں دور دور تک مقرر کرے اور جو بھی مشکوک آدمی انہیں دکھائی دے اس کا خاتمہ کرتے چلے جائیں تاکہ ہماری نقل و حرکت اور کارروائیوں کی اطلاع نہ افونش کے سالار لوکاس اور نہ ہی کرمونہ شہر میں بنو عباد کے لشکریوں کے سالار اعلیٰ تک پہنچے۔ اب ہم نے کیا کرنا ہے اس کی تفصیل میں آپ تینوں سے کہتا ہوں اور اگر وہ تفصیل آپ تینوں کی مرضی کے مطابق ہو اور آپ لوگ یہ سوچیں کہ اس پر عمل کرنا ہمارے لئے سودمند ہے تو پھر اس پر عمل کرنے کے لئے ہم فوراً حرکت میں آجائیں گے۔ پہلے میں تفصیل کہتا ہوں، غور سے سنو۔ ساری تفصیل جاننے کے بعد پھر اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنا۔“

جیسا کہ میں پہلے عرض کر رہا تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد ہم حرکت میں آئیں گے۔ سب سے پہلے غیر در بن شبیب اپنی کارروائی کی ابتداء کرے گا اور پڑاؤ کے اطراف میں مشتبہ لوگوں کا خاتمہ کرنے کے لئے اپنے کچھ دستے پھیلا دے گا۔ اس کے بعد پڑاؤ اٹھالیا جائے گا۔ پڑاؤ کے اندر روشنی ویسے کی ویسی ہی رہے گی جیسے گزشتہ شب ہم نے کی تھی۔ پڑاؤ کے اندر جگہ جگہ لکڑیاں نصب کر کے ان کے ساتھ مشعلیں باندھ کر روشن کر دی جائیں گی جو اس بات کی نشان دہی کریں گی کہ ہمارا پڑاؤ یہی ہے۔ جبکہ پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹ کر ہم کرمونا شہر کے جنوب کی طرف چلے جائیں گے۔ سارا سامان

ہمارے ساتھ، دگا۔ وہاں جا کر ہم نے کیا کرنا ہے، غور سے سنا۔

لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا داؤد بن عائشہ، تیسرا غیردر بن شیب، چوتھا زیدون بن مسلم کی کمانداری میں ہوگا۔ باقی چھوٹے سالار چار حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ جو تفصیل ہمارے طلائیہ گروں نے بتائی ہے اس کے مطابق افونش کا سالار لوکاس اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ ہمارے پڑاؤ کی طرف بڑھے گا۔ ان تین میں سے ایک خود لوکاس، دوسرا پلا یوس اور تیسرا لیوس ہوں گے جبکہ وہ اپنے چوتھے سالار ہسپانہ کو اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر چھوڑیں گے۔

دوسرا پہلو شب خون کا یہ ہے کہ کرمونا میں بنو عباد کا لشکر کرمونا شہر کی فصیل کے شرقی دروازے سے نکل کر ہم پر شب خون مارنے کے لئے آئے گا اور افونش اور کرمونا کے لشکریوں کے درمیان جلتے پروں کا تیر رابطہ کے طور پر استعمال ہوگا اور ہم نے جلتے پروں والے اسی تیر پر نگاہ رکھنی ہے۔

میرے عزیز ساتھیو! جو چار حصے ہم اپنے لشکر کے کریں گے اس میں سے جو حصہ غیردر بن شیب کی کمانداری میں ہوگا، وہ اس وقت حرکت میں آئے گا جب فضا کے اندر جلتے پروں والا تیر دکھائی دے گا اور تیر کے فضا میں بلند ہوتے ہی غیردر بن شیب اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ کرمونا شہر کے مغرب میں ذرا فاصلہ رکھتے ہوئے بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ شمال میں افونش کے لشکر کے پڑاؤ کی طرف جائے گا۔ پڑاؤ میں اس وقت افونش کا سالار ہسپانہ چند دستوں کے ساتھ پڑاؤ کی حفاظت پر مقرر ہو گا۔ غیردر بن شیب ہسپانہ پر حملہ آور ہوگا، پڑاؤ کی حفاظت پر افونش کا جس قدر لشکر ہو گا اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد پڑاؤ کی ہر کارآمد چیز کو سمیٹ کر غیردر بن شیب پھر مشرق کی طرف سے ہوتا ہوا کرمونا شہر کے جنوب کی طرف آجائے گا۔

یہ ہماری پہلی کارروائی ہوگی۔ دوسری کارروائی ہمارا بھائی زیدون بن مسلم کرے گا۔ جس وقت تیر بلند ہوگا، زیدون بن مسلم تیار اور مستعد رہے گا اور جب جلتے پروں کے تیر کے بلند ہونے کے بعد کرمونا شہر سے بنو عباد کا لشکر نکلے گا تو زیدون بن مسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس موقع پر نگاہ رکھے گا اور جو نبی بنو عباد کا لشکر شہر سے نکل کر ہمارے اس پڑاؤ کی طرف آئے، زیدون بن مسلم فوراً حرکت میں آئے گا اور جس دروازے سے کرمونا والوں کا لشکر نکلے گا، اسی دروازے سے زیدون بن مسلم شہر میں

داخل ہو جائے۔ شہر کی فصیل کے محافظ اگر مزاحمت کریں تو ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ شہر کے اندر جو بھی مسلح ہو کر سامنے آئے، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس طرح رات کی تاریکی میں جب تک غیر در بن شیب، افونش کے پڑاؤ کی ہر چیز سمیٹ کر جنوب کی طرف آئے گا اس وقت تک زیدون بن مسلم شہر کے اندر داخل ہو چکا ہوگا۔ چنانچہ غیر در بن شیب بھی اس کے پیچھے پیچھے دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز کو لئے شہر میں داخل ہو جائے گا۔ اس طرح گویا شہر کے اندر ہمارا آدھا لشکر داخل ہو کر شہر کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔

اب میرے اور داؤد بن عائشہ کے کام کی ابتداء ہوگی۔ جس وقت جلتے پروں والا تیر فضا میں بلند ہو گا میں اور داؤد بن عائشہ دونوں اپنے اپنے حصہ کے لشکر کو لے کر کر مونا شہر سے دور رہتے ہوئے مزید مشرق کی طرف جائیں گے۔ ہم اپنے موجودہ پڑاؤ سے بھی کافی مشرق میں رہیں گے اور جب دائیں جانب سے لوکاس، پلاویس اور لیونس شب خون مارنے کے لئے ہمارے پڑاؤ کے قریب آئیں گے تو میں فوراً حرکت میں آؤں گا اور مشرق میں پھیلے اندھیروں سے نمودار ہو کر افونش کے لشکر پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔

اسی وقت میرا بھائی داؤد بن عائشہ بھی اپنے کام کی ابتداء کرے گا۔ بنو عباد کا لشکر جب کر مونا شہر سے نکل کر ہمارے اس پڑاؤ کی طرف بڑھے گا اور نزدیک آئے گا تب میری طرح داؤد بن عائشہ بھی مشرقی اندھیروں سے نمودار ہو کر کر مونا کے لشکر پر حملہ آور ہو جائے گا۔

اب صورت حال یہ سامنے آئے گی کہ ہم شہر سے باہر دشمن سے ٹکرائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ میں اور داؤد بن عائشہ افونش اور کر مونا دونوں کے لشکروں کو اپنے سامنے مار بھگائیں گے اور جب وہ ہم سے شکست اٹھا کر بھاگیں گے تو پھر انہیں مزید تکلیف دہ حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ افونش کا سپہ سالار لوکاس اپنے ساتھیوں اور لشکریوں کے ساتھ جب اپنے پڑاؤ کی طرف جائے گا تو پڑاؤ میں سب سے پہلے تو ہسپانہ اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں ان کا استقبال کریں گی۔ اس کے بعد وہ دیکھیں گے کہ ان کے پڑاؤ کے اندر کوئی بھی ان کے کام کی چیز نہیں ہے۔ صرف خیمے ہی انہیں نظر آئیں گے۔ ان کے پڑاؤ کی ہر چیز اس وقت تک غیر در بن شیب سمیٹ کر شہر میں داخل ہو چکا ہوگا۔

اب جو بنو عباد کے لشکر پر بیتے گی، اس کی بھی سنو۔ میرے اور داؤد بن عائشہ کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد ظاہر ہے وہ شہر میں داخل ہونے کے لئے شہر پناہ کے شرقی دروازے کا رخ کریں گے۔ اس وقت تک چونکہ ابن مسلم اور ابن شیبہ شہر میں داخل ہو کر شہر پر گرفت کر چکے ہوں گے۔ چنانچہ اپنے کچھ آدمی یہ شہر پناہ پر مقرر کر دیں گے اور جس وقت کرمونا کا شکست خوردہ لشکر شہر کی طرف جائے گا تو ابن شیبہ اور زیدون بن مسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان پر ایسی تیر اندازی کریں گے کہ ان کے اندر موت کا کرب پھیلا دیں گے۔ ساتھ ہی شہر کی فصیل کے اوپر سے بلند آوازوں میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے ان پر انکشاف کریں گے کہ شہر پر ہمارا قبضہ ہو چکا ہے۔

اس انکشاف پر بنو عباد کے اس لشکر کے پاؤں تلے سے بھی زمین سرک جائے گی لہذا مجبوراً وہ کرمونا شہر کے شمال میں افولش کے پڑاؤ کا رخ کریں گے۔ اب صبح تک دونوں لشکر یعنی افولش اور بنو عباد کا لشکر اکٹھے ہو جائیں گے اور جب سورج طلوع ہو رہا ہوگا اور وہ اس جستجو میں ہوں گے کہ اپنے لشکریوں کے کھانے پینے کا انتظام کیسے اور کہاں سے کریں، اس وقت اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ میں ان کے مشرق سے جبکہ داؤد بن عائشہ ان کے مغرب کی طرف سے نمودار ہوں گے اور پھر دونوں ایک ساتھ تکبیریں بلند کرتے ہوئے ان پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں مجھے امید ہے کہ افولش کے بہت کم لشکریوں کو اپنی جانیں بچا کر بھاگنا نصیب ہوگا۔ کرمونا شہر کی طرف وہ نہیں آئیں گے اس لئے کہ انہیں خبر ہو چکی ہوگی کہ کرمونا پر ہمارا قبضہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ افولش کا شکست خوردہ لشکر یقیناً بھاگ کر اس سمت جائے گا جہاں ان دنوں افولش نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا ہے۔“

اتنا کہنے کے بعد دم لینے کے لئے زکریا بن ادریس رکا، پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز بھائیو! میں نے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا۔ اب تم اپنے تاثرات کا اظہار کرو۔“

جواب میں داؤد بن عائشہ نے پہلے ابن شیبہ، پھر زیدون بن مسلم، اس کے بعد باقی سالاروں کی طرف دیکھا۔ ان کا جائزہ لینے کے بعد وہ زکریا بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس معاملہ میں ہم سب کے نہ کوئی تاثرات ہیں اور نہ ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ میرے عزیز بھائی! جو کچھ تم نے کہا ہے یوں جانو یہی حرفِ آخر ہے اور اسی پر عمل کیا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ ایسا کر کے ہم افونش کے لشکر کو وہ سبق سکھائیں گے جو ان کے لئے مدتوں یادگار رہے گا۔“

چنانچہ اس فیصلے کے بعد اپنی تیاریوں کو آخری شکل دی گئی۔ جہاں پڑاؤ قائم تھا، وہاں جگہ جگہ بانس اور دوسری لکڑیاں زمین میں گاڑ کر ان کے ساتھ مشعلیں باندھ دی گئی تھیں اور سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد غیر در بن شیب نے کچھ دستے پڑاؤ کے اطراف میں لگا دیئے تھے اور ان دستوں نے یہ کارروائی کی کہ اطراف میں جس قدر افونش کے لشکر کے مخبر اور طلا یہ گر پھیلے ہوئے تھے، ان کا کام تمام کر کے رکھ دیا۔ یوں عشاء کے بعد پڑاؤ کو بالکل خالی کر دیا گیا تھا۔ پورے لشکر کو لے کر زکریا بن ادریس، داؤد بن عائشہ اور ان کے ساتھی کر مونا شہر سے ذرا فاصلہ پر جنوب کی سمت چلے گئے تھے۔



وقت طویل رات کے گھنے اندھیروں میں خواہشوں کو تہہ و بالا کرتا بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ وقت کے بے رحم سناٹے ویران شاہراہوں پر ناچ اٹھے تھے۔ تھکی تھکی آوازوں سے آتے جاتے لمحے اپنے پھیلے دامن کو سمیٹتے چلے جا رہے تھے۔ لگتا تھا چاروں سمت زمانے کی وحشتیں پھیل گئی ہوں۔

رات آدمی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ ایسے میں افونش کے سالار لوکاس، پلا یوس اور لیوٹس ناچتے موت کے ہیولوں، تعبیروں کے دکھ کھڑے کرتے سینوں میں اُلجھتے کھولتے لمحوں کے نشتروں، فنا کی تختیاں لکھتے پر آشوب اندھیواؤ اور خود ستم پرور عناصر کی طرح اپنے لشکر کو حرکت میں لائے اور بڑی رازداری کے ساتھ اس سمت انہوں نے پیش قدمی شروع کی تھی جہاں زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔

زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے لشکر کے لگ بھگ دو میل دور رہنے کے بعد لوکاس کے حکم پر خوابیدہ تیرگی اور روشنی کے دروازوں پر دستک دیتے اندھیروں میں چلتے پروں کا ایک تیر بلند کیا گیا اور یہ تیر کر مونا شہر کے اندر جو بنو عباد کا لشکر تھا اس کے

سالار کو اشارہ تھا کہ اب وہ شہر سے باہر نکل کر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ پر شب خون مارنے کے لئے تیار ہو جائے۔

چنانچہ فضاؤں میں اڑتے جلتے پروں کے اس تیر کو دیکھ کر بنو عباد کا لشکر اپنے سالار کی کمانداری میں شہر سے نکلا، عذابِ مسلسل کی طرح بیدار ہوتے بدی کے ہولناک عناصر، سیلِ وقت کے مقیاس میں تند بلا کے جھکڑوں، خیالوں کے گلابوں کو وہموں کے عذابوں میں تبدیل کرتے دکھ کے اڑتے غول کی طرح زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کی طرف بڑھا تھا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ ایک طرف سے لوکاس اور اس کے ساتھی سالار، دوسری سمت سے کرمونا کا سپہ سالارِ اعلیٰ بنو عباد کے لشکر کو لے کر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے لشکر پر شب خون مارنے کے لئے بڑی تیزی سے بڑھا تھا۔

ایک طرف سے لوکاس، پلاپوس اور لیوٹس دندناتے ہوئے آئے تھے، دوسری طرف سے بنو عباد کا لشکر کرمونا شہر سے جھکڑوں کی طرح نکلا تھا۔ جب وہ زکریا بن ادریس کے پڑاؤ کے قریب آئے اور پڑاؤ کے اندر انہوں نے کوئی آواز نہ سنی تب انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ وہ یہی سمجھے کہ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کا لشکر گہری نیند سویا ہوا ہے۔ لہذا نیند کی حالت میں جب وہ ان پر شب خون ماریں گے تو ان کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

چنانچہ دونوں لشکر ایک ساتھ شب خون مارنے کے لئے پڑاؤ میں داخل ہوئے تو دنگ رہ گئے۔ اس لئے کہ پڑاؤ تو خالی پڑا تھا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر سب کی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ لوکاس، پلاپوس، لیوٹس اور بنو عباد کا سپہ سالار ایک جگہ جمع ہوئے، پھر بنو عباد کا سپہ سالار لیوٹس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ کیا معاملہ ہے؟ یہاں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ خیموں کے اندر سامان بھی نہیں اور خیمے بھی پورے نہیں ہیں۔“

بنو عباد کے اس سالار کے جواب میں لوکاس دکھ بھری آواز میں کہنے لگا۔

”لگتا ہے یہ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ بڑے چالاک سالار ہیں۔ ان کا اپنے لشکر سمیت اپنے پڑاؤ سے غائب ہو جانا دو باتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اول یہ کہ انہیں ہمارے شب خون مارنے کی دیر سے اطلاع ملی اور وہ خیمہ گاہ یہیں چھوڑ کر اپنی

ضروریات کا سامان سمیٹ کر بھاگ گئے ہیں۔ دوئم یہ کہ وہ کسی مناسب جگہ چلے گئے ہیں تاکہ ہم اگر ادھر کا رخ کریں تو وہ اچانک ہم پر حملہ آور ہو کر اپنی کامیابی کو یقینی بنائیں۔“ یہاں تک کہنے کے بعد لوکاس جب خاموش ہوا تب بنو عباد کا سالار بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”لوکاس! میں تمہاری ان دونوں تجویزوں سے اتفاق نہیں کرتا۔ اگر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کو خبر ہوگئی تھی کہ ہم ان پر شب خون مارنے والے ہیں اور وہ اپنا پڑاؤ اٹھا کر یہاں سے بھاگ گئے تو تم لوگوں نے جو اپنے مخبر اور جاسوس مقرر کر رکھے تھے انہوں نے اس واقعہ کی تم لوگوں کو بروقت اطلاع کیوں نہ کی؟ دوسری بات یہ کہ اگر یہاں سے اٹھ کر وہ کہیں گھات میں چلے گئے ہوتے تب بھی تمہارے طلا یہ گر اس کی خبر تمہیں کرتے۔ چونکہ ایسا نہیں ہے لہذا معاملہ کچھ اور ہی لگتا ہے۔ کہیں وہ ہمارے لئے تباہی کا کوئی ایسا گھاٹ تو نہیں تعمیر کرنا چاہتے جس سے ہمارا ٹکنا ہی مشکل اور محال ہو جائے؟“

یہاں تک کہنے کے بعد بنو عباد کا سالار جب رکاب لوکاس کہنے لگا۔
”اب تمہارے خیال میں ہمیں کیا کارروائی کرنی چاہئے؟ کیا ہمیں زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے ان خیموں پر قبضہ کر کے، خیموں کو اکھاڑ کر انہیں اپنی ملکیت بنا لینا چاہئے؟“

جواب میں بنو عباد کا سالار طنزیہ انداز میں کہنے لگا۔
”اگر ہم ایسا کریں گے تو پھر ہماری طرف سے یہ بہت بڑی حماقت ہوگی۔ اگر تو وہ کہیں نزدیک ہی اپنے لشکر کے ساتھ گھات لگائے بیٹھے ہیں تو پھر یاد رکھنا یہ خیمے انہوں نے جان بوجھ کر یہاں نصب رہنے دیئے ہیں تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں۔“
”کیسا فائدہ؟“ تیز نگاہوں سے لوکاس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
جواب میں بنو عباد کا وہ سالار دوبارہ بول اٹھا۔

”میرے عزیز! وہ اس طرح کہ انہوں نے خیمے یہیں نصب رہنے دیئے ہوں گے اور یہ سوچتے ہوں گے کہ جب ہم اپنے شب خون کو ناکام ہوتا دیکھیں گے تو غصہ میں آ کر خیمے اکھاڑنا شروع کر دیں گے جس سے فائدہ اٹھا کر وہ ہم پر ضرب لگائیں گے۔ لوکاس! یاد رکھنا، اگر ہم نے ان خیموں کو اکھاڑنا شروع کیا اور خیموں کو اکھاڑنے میں

معروف ہو گئے تو زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ اچانک ہم پر حملہ آور ہو کر ہم سے اکثر کولاشوں میں تبدیل کر دیں گے اور ہم میں سے کسی کو بھی خیمے اکھاڑنا نصیب نہیں ہوگا۔ لوکاس! تم شاید زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کو نہیں جانتے۔ میں ان دونوں سالاروں اور ان کی کارروائیوں اور ان کی ہنرمندی کو خوب جانتا ہوں۔ انہوں نے یہ خیمے یونہی خالی نہیں چھوڑے، ان کے پیچھے یا اس کے پس منظر میں یاد رکھنا کہیں نہ کہیں چھپی بیٹھی تباہی ہماری منتظر ہے۔“

جس وقت لوکاس اور بنو عباد کا سالار زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے پڑاؤ میں یہ ساری گفتگو کر رہے تھے، اسی وقت زیدون بن مسلم اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا، شہر کے شرقی دروازے سے شہر میں داخل ہوا، شہر پناہ کے اس دروازے کے محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اس کے بعد شہر کے اندر جن چھوٹے چھوٹے گروہوں نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی، ان کا بھی خاتمہ کرنے کے بعد شہر پناہ کے اس دروازے پر اپنے محافظ مقرر کر دیئے۔ اس کے بعد اپنے لشکریوں کو شہر کے دوسرے دروازوں کی طرف روانہ کیا۔ وہاں بھی شہر پناہ کے محافظوں کا خاتمہ کر دیا گیا اور زیدون بن مسلم نے اپنے محافظ وہاں مقرر کر دیئے۔ اس کے بعد زیدون بن مسلم نے فصیل کے اوپر بھی برجوں کے اندر اپنے محافظ مقرر کر دیئے تھے۔

یہ کارروائی اتنی خاموشی اور اتنی رازداری سے ہوئی تھی کہ لوکاس اور بنو عباد کے سالار کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ دوسری طرف ابن شیبہ اپنے حصہ کے لشکر کو لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ لوکاس کے پڑاؤ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شہر پر اپنی گرفت مکمل کرنے کے بعد زیدون بن مسلم کے حکم پر اس کے لشکری برجوں کے اندر کھڑے ہو کر زور زور سے شہر پر اپنا قبضہ ہونے کا اعلان کرنے لگے تھے۔ یہ آوازیں جب لوکاس، اس کے ساتھیوں اور بنو عباد کے سالار نے سنیں تب ان کے کان کھڑے ہو گئے۔

اس موقع پر بنو عباد کا سالار لوکاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”لوکاس! ان آوازوں کو سنتے ہو؟ یہ آوازیں کہہ رہی ہیں کہ کرمونا شہر پر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ان دونوں نے ہمیں عجیب و غریب حکم دیا ہے۔ میں یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ اس لئے خیمے خالی کر کے چلے گئے ہیں کہ جب ہم خیموں

پر قبضہ کرنے میں مصروف ہوں گے تو وہ اچانک ہم پر حملہ آور ہو کر ہمارا قتل عام شروع کر دیں گے۔ لیکن انہوں نے ہمارے لئے ایک نیا ہی مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ میرے خیال میں شہر پناہ کے مشرقی دروازے سے جب میں نکلا ہوں تو زکریا بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ اپنے لشکر کے ساتھ کہیں قریب ہی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب میں ان کے پڑاؤ کی طرف آیا تو وہ اسی وقت دروازے سے شہر میں داخل ہو گئے جس سے میں نکلا ہوں۔ اور اب انہوں نے شہر پناہ کے محافظوں کو قتل کر کے اپنے محافظ مقرر کر دیئے ہیں اس لئے کہ شہر کے اوپر سے جو لگاتار آوازیں آرہی ہیں وہ یہی بتاتی ہیں کہ شہر پر نہ صرف زکریا بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ کا قبضہ ہو گیا ہے بلکہ انہوں نے فصیل کے اوپر بھی برجوں کے اندر اپنے لشکری بٹھا دیئے ہیں اور شہر پناہ کے سارے دروازوں پر اپنے محافظ مقرر کئے ہیں اور پہلے سے ہمارے مقرر کردہ محافظوں کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بنو عباد کا سالار رکا، پھر پہلے کی نسبت زیادہ دکھ بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

”اب میرے لئے تو مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔ زکریا بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ یقینی بات ہے کہ وہ شہر میں داخل ہو چکے ہیں اور شہر پر انہوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ میرے خیال میں گھات انہوں نے اسی مقصد کے لئے لگائی تھی کہ جونہی میں کرمونا کے شہر کے جس دروازے سے نکلوں اسی دروازے سے وہ شہر میں داخل ہو کر شہر پر اپنی گرفت کر لیں اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب میں اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں واپس تو نہیں جاسکتا۔ میرے لئے تو بڑے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔“ اس پر چھاتی تانتے ہوئے لوکاس کہنے لگا۔

”یہ زکریا بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ نے حماقت کی ہے بلکہ یہ ان کا غیر ذمہ دارانہ اقدام ہے۔ ٹھیک ہے میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ وہ شہر میں اپنے لشکر کے ساتھ داخل ہو چکے ہیں اور شہر پر انہوں نے قبضہ کر لیا ہے لیکن صبح کا سورج نمودار ہونے کے ساتھ ہی جب ہم کرمونا شہر کا محاصرہ کر لیں گے۔ شہر سے نہ کوئی چیز باہر نکلنے دیں گے نہ ہی کوئی چیز شہر میں داخل ہونے دیں گے۔ تو پھر دیکھنا ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ باہر سے ہم ان پر تابڑ توڑ حملے کریں گے اور اندر سے کرمونا شہر کے

لوگ ان کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے، ان کے خلاف بلوے کھڑے ہوں گے۔ ایسی صورت میں زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ اپنے لشکر کے ساتھ زیادہ دن نہ ہمارا مقابلہ کر سکیں گے نہ کرمونا شہر میں قیام کر سکیں گے۔ اور اگر کرمونا شہر کے لوگوں نے ان سے تعاون نہ کرتے ہوئے موقع ملتے ہی ان کے لشکریوں پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کرنا شروع کر دیا تو پھر شہر پر قبضہ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کو بڑا مہنگا پڑے گا۔ میرے خیال میں ایسی صورت میں وہ محصور ہو جائیں گے اور اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔“

لوکاس یہیں تک کہنے پایا تھا کہ اچانک ایک طرف سے رزم گاہوں کے مقتل میں پختہ کاری کو خام کاری، خیابانوں کے نگر کو بنجر پن میں تبدیل کرتے درد بھرے سایوں، دل و جان کی راحت کو وقت کی بے ثباتی کے قصوں کو سکون لمحوں کے سکوت کو غموں کے اندھے نزول، نگاہوں کی تسکین کو زرد حزیٹوں میں تبدیل کرتے سراہوں، عذابوں کی نارسائی کی طرح زکریا بن ادریس نمودار ہوا تھا اس کے بعد وہ لوکاس کے لشکر پر وحشتوں کے ان گنت باب کھولتے، بل کھاتی مرگ کی دستکوں، خونی حسد کے نگار خانے میں زندگی کو تلخ کرتی قضا کی کھلی اعلانیہ دعوت، جسموں کی رگوں میں موت کا زہر بن کر اتر جانے والی کراہتی بنجر پیاس اور غموں کی طغانیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

زکریا بن ادریس کی طرف سے یہ حملہ بڑا شدید اور ہلا دینے والا تھا۔ چنانچہ لوکاس کے لشکری اس کا مقابلہ کرنے لگے تھے۔ اس سلسلے میں کرمونا کے بنو عباد کا سالار اپنے لشکر کے ساتھ زکریا بن ادریس کے خلاف حرکت میں آنا ہی چاہتا تھا کہ ایک اور انقلاب اٹھ کھڑا ہوا۔ داؤد بن عائشہ ایک طرف سے کڑکتی برق گرجتے بادل کی طرح تکبیریں بلند کرتے برقی تب و تاب اور خوفناک حرارت کے رقص کی طرح موت کا پیغام دیتا ہوا نمودار ہوا۔ اس کے بعد وہ کرمونا کے بنو عباد کے لشکر پر موت کے پانیوں سے ابھرتی پیاس، بد عنوانیوں کے ہجوم پر نزول کرتی سلگتی قیامت، آگ اور تیزاب کی بارش کرتے جلتے کھولتے عذاب اور جستجو کو ویران، جدوجہد کو مضطرب کرتی قضا کی ہولناک تمازت کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یوں کرمونا شہر کے نواح پر لوکاس کے شہر پر زکریا بن ادریس اور کرمونا کے بنو عباد کے لشکر پر داؤد بن عائشہ دونوں عذاب اور قیامت بن کر نزول کرنے لگے تھے۔

کچھ دیر تک کرمونا کے نواح میں گھمسان کا رن پڑا۔ آخر اس کے نتیجے میں لوکاس اور بنو عباد کے سالار کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

چونکہ دونوں کو خبر ہو چکی تھی کہ کرمونا شہر پر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے لشکر کے ایک حصہ کا قبضہ ہو چکا ہے۔ لہذا لوکاس نے بڑی تیزی سے اپنے پڑاؤ کا رخ کیا تھا جبکہ کرمونہ کا سپہ سالار اعلیٰ بھی اپنے بچے کچھ لشکریوں کے ساتھ ہولیا تھا۔

لوکاس کے اپنے اتحادی لشکر کے ساتھ بھاگ جانے کے بعد زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ اپنے سالاروں کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوئے۔ دونوں گھوڑوں سے اتر کر پہلے ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور اس شاندار فتح پر ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کی۔ پھر دونوں گفتگو کا آغاز کرنے ہی لگے تھے کہ ایک گھڑسوار کرمونا شہر کی طرف سے رات کی تاریکی میں اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا، جہاں زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کھڑے ہوئے تھے، وہاں آ کر رکا، اپنے گھوڑے سے اتر، پھر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”مجھے آپ کی طرف غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم دونوں نے بھیجا ہے۔ زیدون بن مسلم تو پہلے ہی شہر کے مشرقی دروازے سے شہر میں داخل ہو چکا تھا اور شہر پر ایک طرح سے اس نے اپنی گرفت کر لی تھی۔ جو خبر آپ تک پہنچانے کے لئے مجھے بھیجا گیا ہے وہ یہ کہ آپ کی منصوبہ بندی کے تحت ابن شیب بھی حرکت میں آئے۔ رات کی تاریکی میں وہ لوکاس کے لشکر کی طرف گئے۔ لشکر کی ہر چیز کو سمیٹ کر وہ بھی بحفاظت اپنے شہر میں داخل ہو چکے ہیں۔ اب لوکاس کے شہر میں صرف خیمے ہیں۔ ان کے اندر کوئی سامان نہیں ہے۔ آپ کو شاید یہ خبر سن کر بھی خوشی ہوگی کہ لوکاس نے اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر ایک لشکر چھوڑا تھا اور اس لشکر کا سالار ہسپانہ تھا۔ اس لشکر کی اکثریت کو تو ابن شیب نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے تاہم ہسپانہ اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر بھاگنے اور اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس وقت شہر پر ہمارا قبضہ ہے اور لوکاس کے پڑاؤ میں صرف خیمے ہیں، سامان کوئی نہیں۔ بس میں یہی آپ دونوں سے کہنے کے لئے آیا تھا۔“

جواب میں زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں نے پہلے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر داؤد بن عائشہ اس آنے والے سوار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز! اب تو واپس جا۔ زید بن شیب اور زیدون بن مسلم سے کہنا کہ ہم سب ابن دونوں کی کارروائی سے بالکل خوش اور مطمئن ہیں۔ ہم ابھی شہر میں داخل نہیں ہوں گے، لوکاس کے پڑاؤ کا رخ کریں گے۔ لوکاس اب ہم سے نکلنے کے لئے تو نہیں آئے گا لیکن ہم خود اس کا رخ کریں گے۔ اس کے پڑاؤ میں جو خیمے ہیں وہ بھی ہم اسے واپس نہیں لے جانے دیں گے۔ میرے عزیز! اب تو واپس جا اور ہمارا پیغام ابن شیب اور زیدون بن مسلم سے کہہ دے۔“

اس کے ساتھ ہی وہ آنے والا سوار اپنے گھوڑے پر سوار ہوا تھا اور رات کی تاریکی ہی میں اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا واپس کر مونا شہر کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی، پھر زکریا بن ادریس داؤد بن عائشہ اور وہاں کھڑے دیگر سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز! ساتھ ہی لوکاس اور کر مونا کا سپہ سالار جب اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر کر مونا شہر کے شمال میں لوکاس کے پڑاؤ میں داخل ہوں گے تو ان کے تعجب، فکر مندی اور حیرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ اس لئے کہ وہاں صرف خیمے ہوں گے یا ادھر ادھر بکھری لاشیں ہوں گی۔ خیموں کے اندر کوئی سامان نہیں ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریا بن ادریس رُکا، پھر کہنے لگا۔

”داؤد بن عائشہ میرے بھائی! میرے خیال میں ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے، لوکاس اور اس کے لشکری اب تک اپنے پڑاؤ کا جائزہ لے چکے ہوں گے۔ جائزہ لینے کے بعد وہ دو طرح کے رد عمل کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر وقت ضائع کئے بغیر انوش کی طرف بھاگ جائیں گے۔ دوم یہ کہ وہ اپنے نصب شدہ خیموں کو اکھاڑیں گے اور خیمے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کریں گے۔“

میرے عزیز بھائی! میرے خیال میں ہمیں اب وقت ضائع کئے بغیر پھر حرکت میں آنا چاہئے۔ لوکاس کے بچے کھچے لشکر پر ضرب لگانی چاہئے۔ اس کے پڑاؤ میں جو خیمے ہیں، اب تو ہم انہیں وہ خیمے بھی واپس نہیں لے جانے دیں گے۔ میرے بھائی! بولو اب ہمارا کیا خیال ہے؟“

جواب میں داؤد بن عائشہ مسکرایا، کہنے لگا۔

”میرا وہی خیال ہے جو خیال میرے بھائی کا ہے۔ اب چلو حرکت میں آتے ہیں۔ لوکاس پر ضرب لگاتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں وہ کیسے خیمے اُکھیڑ کر جانے کی کوشش کرتا ہے؟“

زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے فیصلے سے باقی سارے سالاروں نے بھی اتفاق کیا تھا، اس کے بعد دونوں اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے اور اس سمت بڑھے جہاں لوکاس کے لشکر کا پڑاؤ تھا۔ بچے کھچے لشکر کو لے کر لوکاس اور کرמוنا کا سالار جب پڑاؤ میں پہنچے تو سب دنگ رہ گئے۔ اس لئے کہ پڑاؤ کے اندر جگہ جگہ لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ پڑاؤ خالی تھا، صرف خیمے نصب تھے۔

لوکاس اور کرمونا کا سالار کچھ دیر تک خیمہ گاہ کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر اپنے چھوٹے سالاروں کے ساتھ ایک جگہ رک گئے۔ یہاں تک کہ لوکاس بے پناہ کرب کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس کا مطلب ہے ہم پر ایک ساتھ کئی لشکر حملہ آور ہوئے، ہمارے پڑاؤ پر بھی حملہ کیا گیا۔ پڑاؤ کی ہر چیز سمیٹ کر وہ لے گئے ہیں۔ صرف خیمے رہ گئے ہیں۔“
یہاں تک کہتے کہتے لوکاس کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کا ساتھی سالار لیوٹس بول اٹھا تھا، کہنے لگا۔

”محترم لوکاس! میں سمجھتا ہوں بہ یک وقت چار لشکر حرکت میں آئے۔ دو لشکر ہم پر اس وقت حملہ آور ہوئے جب ہم ان کے پڑاؤ پر شب خون مارنے کے لئے گئے تھے۔ ایک لشکر رات کی تاریکی میں شہر پناہ کے حسن دروازے سے کرمونا کا سالار نکلا تھا، اسی دروازے سے شہر میں داخل ہو کر شہر پر قابض ہو گیا تھا۔ چوتھا لشکر میرے خیال میں ہمارے اس پڑاؤ کی طرف آیا۔ پڑاؤ کے ہمارے محافظوں کا خاتمہ کرنے کے بعد ہر چیز کو سمیٹ کر وہ لے گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشعلوں کی روشنی میں بہت سے مرنے والوں کا جائزہ لیا ہے۔ ان میں مجھے کہیں اپنے سالار ہسپانہ کی لاش نظر نہیں آئی جس سے میں یہ امید لگائے بیٹھا ہوں کہ ہسپانہ زندہ ہے۔ میرے خیال میں جب اس نے دیکھا ہوگا کہ اب وہ حملہ آوروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے تو بچے کھچے لشکر کو لے کر بھاگ گیا ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد لیوٹس جب خاموش ہوا تب بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے

لوکاس کہنے لگا۔

”اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“

جواب میں لیوٹس بڑی تیزی سے کہنے لگا۔ ”میرے خیال میں ہمیں اب وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ فوراً اپنے خیمے اکھاڑ کر اور انہیں اپنے ساتھ لے کر واپس ہو لینا چاہئے۔ اسی میں ہماری خیریت و عافیت ہے۔“

لوکاس نے اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ خیمے اکھاڑنا شروع کر دیں تاکہ واپسی کا سفر شروع کیا جاسکے۔

لوکاس اور اس کے لشکری ابھی خیموں کو اکھاڑ ہی رہے تھے کہ لوکاس کے کچھ لشکری زور زور سے شور کرنے لگے اور اپنے ساتھیوں کو حملہ آوروں کی آمد سے مطلع کرنے لگے۔ اس لئے کہ فضاؤں میں ابھی تاریکی ہی تھی اور تاریکی میں گھوڑوں کی ٹاپیں زمین کے سینہ کو دہلا رہی تھیں۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے لوکاس اور اس کے ساتھی سالاروں نے اپنے لشکر کو سنبھالا دیا۔ اتنی دیر تک اندھیرے کی چادر کو پھاڑتا ہوا زکریا بن ادریس اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا پھر وہ لوکاس کے پڑاؤ کی ایک سمت سے طوفانوں کے کسماتے سمندر میں لاوارثی کے کرب ناک درد، راحتوں کی چھاؤں پر نزول کرتی موت کی تمازت، حوصلوں کے شباب کو ناتمام خواہشوں اور کچی مٹی کے ٹیلوں کو بے شمار غبار میں بدلنے والی عدم کا راستہ دکھاتی قضا کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

لوکاس اور اس کے لشکری زکریا بن ادریس کے اس حملے سے ابھی سنبھلے بھی نہ تھے کہ دوسری طرف سے داؤد بن عائشہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ آگ اُگلتی راہیں استوار کرتے بے چہرگی کے ہیولوں، اپنی ذات سے خائف کر دینے والی کرب برساتی تیزابی آتش اپنے ہونے کے غم میں مبتلا کرتی بھرتی کڑکتی گرتی برق کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

لحہ بہ لحہ کم ہوتے اندھیرے میں ایک بار پھر لوکاس کے ساتھ زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کا گھمسان کارن پڑ گیا تھا۔ خیموں کے بیچ میں لڑی جانے والی اس جنگ کے دوران لوکاس کے سالاروں ہی نہیں، اس کے لشکریوں کی حالت بھی بڑی تیزی سے برکتوں سے محروم بستیوں، رحمتوں سے عاری مسکنوں، چاہتوں سے خالی گہواروں، امن و آشتی، روشنی سے دور زندانوں، منزل کی تلاش سے بے بہرہ عسکریوں، مقام آدم سے

گرے ہوئے لشکر، شفق سے محروم کہکشاں، شب کے اداس آنکھوں میں زرد چٹوں کی کہانیوں اور ہست و بود سے محروم زیت سے بھی زیادہ بری ہونا شروع ہو گئی تھی۔ پھر لمحہ بہ لمحہ ختم ہوتی تاریکی سے لوکاس اور اس کے لشکریوں نے فائدہ اٹھایا اور شکست اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جبکہ کرمونا شہر کے جن لشکریوں نے ان سے تعاون کیا تھا انہوں نے امان طلب کرتے ہوئے معافی مانگی اور آئندہ کسی دشمن قوت کا ساتھ نہ دینے کا عہد کیا جس پر انہیں معاف کر دیا گیا۔ اس طرح افونش کا لشکر ناکام اور نامراد واپس افونش کی طرف بھاگ گیا تھا جبکہ کرمونا شہر کا نظم و نسق درست کرنے کے بعد زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ اپنے لشکر کو لے کر قرطبہ شہر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔



زکریا بن ادریس ایک روز قرطبہ شہر کے بازار سے مستقر کی طرف جا رہا تھا کہ ایک دم اس نے اپنے گھوڑے کی بائیں کھینچ کر اسے روک لیا۔ اس لئے کہ ایک طرف سے اچانک افونش کی بیٹی مغربتا اس کے سامنے آ گئی تھی۔ مغربتا نے جب گھوڑے کو روکا تب زکریا بن ادریس اپنے گھوڑے سے اتر گیا اور مغربتا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خاتون! اس سے پہلے میں نے تمہیں کہیں دیکھ رکھا ہے۔“

جواب میں مغربتا نے پہلے اپنے چہرے پر ذل فریب تبسم بکھیرا، زکریا بن ادریس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں، پھر زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میں تو یہ خیال کر رہی تھی کہ آپ مجھے بھولے نہیں ہوں گے۔ اس سے پہلے میری اور آپ کی ملاقات غرناطہ کے بازار میں ہو چکی ہے.....“

مغربتا یہیں تک کہنے پائی تھی کہ اسے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے زکریا بن ادریس بول اٹھا۔

”اگر میری اور تمہاری ملاقات غرناطہ کے بازار میں ہوئی تھی، جسے میں تسلیم کرتا ہوں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں تم قرطبہ شہر میں کیسے پہنچ گئیں؟“

اس پر مغربتا نے پھر اپنے چہرے پر زہد شکن مسکراہٹ بکھیری، کہنے لگی۔

”آپ جانتے ہیں ہم کلیسا کے لوگ ہیں۔ ہماری راہنمائی مرکز نام کا ایک پادری کر رہا ہے۔ ہماری زندگی کا مقصد مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانا اور آپس میں اتفاق و یکجہتی کو بڑھانا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہمارا کردہ ایک شہر

سے دوسرے شہر کی طرف اکثر و بیشتر سفر کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہمارے گروہ کا غرناطہ سے قرطبہ آنا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ہم نے قرطبہ کے ایک کلیسا میں قیام کیا ہوا ہے۔ میرے خیال میں آپ کے کرمونا سے قرطبہ میں داخل ہونے سے دو دن پہلے ہمارا گروہ قرطبہ شہر میں داخل ہوا ہے۔ یقیناً آپ کے دل میں یہ ہیوے اٹھتے ہوں گے کہ آخر میں یوں آپ نے سامنے کیوں آتی ہوں۔ غرناطہ میں آپ سے کیوں ملاقات کی اور یہاں بھی میں آپ کی کیوں راہ روک کھڑی ہوئی۔ دیکھتے میں جھوٹ نہیں بولوں گی اور نہ ہی جھوٹ بولنے کی عادی ہوں۔ یہ تو میں بتا چکی ہوں کہ ہم ایک گروہ کی صورت میں مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان تعلقات بہتر بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں لیکن میں ایک ذاتی معاملہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہوں۔“

”کیسا معاملہ؟“ زکریا بن ادریس نے بڑے غور سے مغربا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”امیر زکریا بن ادریس! میں چاہتی ہوں آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو میں اسلام قبول کر لوں گی اور میرا جو گروہ اس وقت میرے ساتھ کام کر رہا ہے، میں اسے بھی متاثر کر کے دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کروں گی۔ امیر! شادی تو آپ نے کہیں نہ کہیں کرنی ہے۔ اب آپ یہ بھی سوچیں گے کہ آخر میں خود کو آپ کے ساتھ شادی کرنے کے لئے کیوں پیش کر رہی ہوں جبکہ کسی لڑکی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے اور یہ عمل معیوب بھی ہے۔ لیکن میں جیسا کہ پہلے بتا چکی ہوں، جھوٹ کہنے کی عادی نہیں، سچ کہوں گی۔ میں ایک عرصہ ہوا آپ کو پسند کرنے کی ابتداء کر چکی تھی۔ غرناطہ میں آپ سے ملاقات سے پہلے میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا لیکن آپ کی کارروائیاں، آپ کے کارنامے جب لوگوں کی زبان سے سنتی تھی تو میرا دل از خود آپ کی طرف مائل ہو جاتا تھا۔ یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہا اور جب میرے جذبات کا یہ سفر اپنے عروج پر پہنچ گیا تو میری خوش قسمتی کہ انہی دنوں ہمارے گروہ نے غرناطہ میں قیام کیا ہوا تھا اور آپ بھی امیر سیر بن ابی بکر کے ساتھ غرناطہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ میں نے اسے غنیمت جانا اور اس تاک میں رہی کہ کہیں آپ طیں اور آپ سے ملاقات کروں۔ میں چاہتی تو اس وقت بھی اپنی محبت کا اظہار آپ سے کر سکتی تھی لیکن میں نے پہلی ملاقات میں ایسا کرنا اچھا خیال نہ کیا۔“

دراصل میں آپ کی شخصیت کا جائزہ لینا چاہتی تھی۔ سو آپ کی شخصیت کو پرکھنے کے بعد ہی میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر آپ مجھے زندگی کا ساتھی بنانا قبول کریں تو میں آپ کی ایسی خدمت کروں گی کہ لوگ میرے ایک مثالی بیوی ہونے کو بطور نمونہ پیش کرتے رہیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مغربیتا جب خاموش ہوئی تب زکریا بن اور لیس غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”دیکھ خاتون! جو پیش کش تُو نے کی ہے، اسے میں اچھا نہیں سمجھتا، معیوب خیال کرتا ہوں۔ ظاہر ہے تم تنہا نہیں ہو، تمہارا کوئی نہ کوئی والی وارث، کوئی نہ کوئی نگہبان یا رشتہ دار ہوگا۔ اگر کوئی ایسا معاملہ ہے تو پھر تمہیں یہ معاملہ اپنے کسی بڑے، اپنے کسی عزیز و اقارب، رشتہ دار کے ذریعے کرنا چاہئے تھا۔ بہر حال یہ معاملہ اگر تم نے خود شروع کر ہی دیا ہے تو میں تم سے کہوں کہ تمہیں اگر یہ بتایا گیا ہے کہ میں غمخیز شادی شدہ ہوں تو تمہیں کسی نے غلط اطلاع دی ہے۔ میرا نکاح ہو چکا ہے۔ میری بیوی ہے لیکن یہ علیحدہ بات ہے کہ ابھی تک اس کی رخصتی نہیں ہوئی لیکن بہر حال وہ ایک ایسی لڑکی ہے جو مجھے پسند کرتی ہے اور میں اسے چاہتا ہوں اور اس کی موجودگی میں، میں کسی لڑکی کی طرف دیکھنا پسند نہیں کروں گا۔ اور تم جانتی ہو، وہ رواندہ ہے۔“

اس موقع پر مغربیتا نے ایک مصنوعی لمبا سانس لیا، پھر کہنے لگی۔

”ہاں۔ وہ لڑکی اتنی ہی خوب صورت ہے کہ اس کی موجودگی میں آپ کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنا تو ایک طرف، اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔“

”ہاں! کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔“ مسکراتے ہوئے زکریا بن اور لیس نے کہا تھا۔

”کیا رواندہ مجھ سے بھی زیادہ خوب صورت ہے؟“ اس بار مغربیتا نے جستجو بھرے

انداز میں پوچھ لیا تھا۔

”ہاں۔ وہ تم سے بھی کہیں زیادہ خوب صورت ہے اور میرے خیال میں اندلس

میں کوئی لڑکی خوبصورتی اور حسن میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔“

زکریا بن اور لیس کے یہ الفاظ سن کر مغربیتا بظاہر تو مطمئن رہی لیکن باطنی طور پر وہ

اپنے حسن، اپنی خوبصورتی کی توہین کئے جانے پر بڑا کرب محسوس کر رہی تھی۔ تاہم اس

نے اپنے آپ کو سنبھالا اور دوبارہ گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے زکریا بن اور لیس کو

مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”یقیناً ایسا ہی ہے۔ اسے ہسپانیہ کے تقریباً سب ہی لوگ جانتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر ہی کشتالیہ کے حکمران افونش نے اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہا جس کی بناء پر وہ لڑکی افونش کے حرم کو نظر انداز کرتے ہوئے بھاگ گئی اور شاید بھاگ کر.....“

مغربیتا یہیں تک کہنے پائی تھی کہ زکریا بن ادریس بول اٹھا۔

”تمہارا اندازہ درست ہے۔ یہ وہی رواندہ ہے جو انتہا درجہ کی خوبصورت ہے۔ خاتون! اگر وہ خوب صورت نہ بھی ہوتی اور میرا نکاح اس سے ہو چکا ہوتا تو اس کی موجودگی میں دوسری شادی کے لئے میں کسی اور لڑکی کی طرف نہ دیکھتا۔ میں بنیادی طور پر معاشرے کے ایک تیسرے درجے کا آدمی ہوں اور صرف ایک بیوی کے ساتھ نباہ کر سکتا ہوں۔ خاتون! میں نہ کسی حکمران کا بیٹا ہوں نہ کسی صاحبِ ثروت اور امیر ترین شخص کا فرزند ہوں۔ میں ایک غریب انسان ہوں، اپنی محنت شاقہ اور اپنے خداوند قدوس کے کرم کے باعث اس مقام تک پہنچا ہوں اور اس مقام تک پہنچنے کے بعد میں صرف اپنی بیوی رواندہ کو اپنی زندگی کا سنگِ میل اور ہدف بنا چکا ہوں۔ اس کے علاوہ میں کسی اور لڑکی سے شادی کرنا پسند نہیں کروں گا۔ اگر اس سلسلے میں تمہاری دل شکنی ہوئی ہو تو اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ دیکھو خاتون! قرطبہ کے علاوہ کئی دیگر شہروں میں شادی کے لئے تمہیں امیر و کبیر اشخاص مل سکتے ہیں جو تمہاری خوبصورتی سے بھی متاثر ہوں گے اور تم سے شادی کرنا اپنے لئے فخر سمجھیں گے، بی بی! میں نے تمہیں کافی وقت دے دیا۔ اب تم اپنے کلیسا کی طرف جاؤ۔ اس لئے کہ مجھے مستقر کی طرف جانا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی زکریا بن ادریس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کی اس گفتگو نے مغربیتا کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ وہاں کھڑی ہو کر اس وقت تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ ایک شاہراہ کا موڑ کاٹتے ہوئے اس کی نظر سے اوجھل نہ ہو گیا۔ اس کے بعد وہ قرطبہ کے کلیسا کی طرف جا رہی تھی۔

زکریا بن ادریس جو نہی مستقر میں داخل ہوا، ایک چھوٹا سا لار تقریباً بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا، پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ اپنے گھوڑے کی باگ مجھے دے دیں اور سیر بن ابی بکر کی طرف جائیں۔ انہوں نے آپ کو بلایا ہے۔ میرے خیال میں انہیں کوئی انتہائی اہم کام ہے۔“

زکریا بن ادریس اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ گھوڑے کی باگ اسے تھما دی، پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف ہولیا۔ جب وہ مستقر کی عمارت کے ایک کمرے میں داخل ہوا تو اس کمرے میں سیر بن ابی بکر، داؤد بن عائشہ، غیر در بن شیب، زیدون بن مسلم اور کچھ دیگر سالار بیٹھے ہوئے تھے۔ جب وہ اس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا تب سیر بن ابی بکر نے اپنے پہلو میں ہاتھ مارتے ہوئے زکریا بن ادریس کو وہاں بیٹھنے کے لئے کہا۔ زکریا بن ادریس آگے بڑھا، سیر بن ابی بکر کے پہلو میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد گفتگو کا سلسلہ سیر بن ابی بکر نے شروع کیا اور کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! تھوڑی دیر پہلے ہمارے کچھ مخبروں نے اطلاع دی ہے کہ اشبیلیہ کے حکمران معتمد نے اپنے قاصد ہمارے خلاف مدد حاصل کرنے کے لئے افونش کی طرف روانہ کئے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی بد قسمتی ہے کہ اُندلس کے حکمران افونش کے خلاف اتفاق و یکجہتی اور تعاون کا اظہار نہیں کر رہے۔ کم از کم معتمد سے مجھے اس رویے کی امید نہیں تھی۔ یہ ہسپانیہ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے مسلمان حکمران ایسے غیر ذمہ دار ہیں کہ ہم سے تعاون کرنے کی بجائے ہمارے ہی خلاف افونش سے مدد مانگ رہے ہیں حالانکہ ہم نے ان لوگوں کو اس سے پہلے افونش کی تباہی و بربادی اور اس کے ظلم و ستم سے نجات دی۔ یہ اپنی موجودہ حالت کا جائزہ بھی نہیں لیتے۔ ان کی غیر ذمہ داریوں اور دین سے ان کی دُوری نے انہیں تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اس کے باوجود یہ سنبھلنے کا نام نہیں لیتے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیر بن ابی بکر جب خاموش ہوا تب بے حد دکھ اور الم کا اظہار کرتے ہوئے زکریا بن ادریس کہنے لگا۔

”ابن ابی بکر! میرے بھائی! اشبیلیہ کے حکمران معتمد نے اگر اپنے نمائندے اور قاصد ہمارے خلاف مدد کے لئے افونش کی طرف روانہ کئے ہیں تو یہ معتمد کی بد قسمتی نہیں بلکہ یہاں کے مسلمانوں کی بھی بد قسمتی ہے۔ یہ وہی معتمد ہے جو اس سے پہلے دو بار مراکش میں امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں حاضر ہو کر افونش کے خلاف مدد کی استدعا کر چکا ہے اور اسی کی استدعا پر امیر اپنا لشکر لے کر ہسپانیہ میں داخل ہوئے

اور تین بار افونش کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ اب شاید معتمد یہ سمجھنے لگا ہے کہ ہسپانیہ میں اس کی نسبت امیر یوسف بن تاشفین اور اس کے نمائندوں کی عزت اور ان کا احترام زیادہ ہو گیا ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ حالات کا تقاضا ہے۔ اس لئے کہ ہسپانیہ کے چھوٹے چھوٹے حکمران اپنی غیر ذمہ داریوں، اپنی نازیبا حرکات، دن رات عیش و عشرت اور شباب و شراب میں مصروف رہنے کی بناء پر حکمرانی کے سارے ہی خواص کھو چکے ہیں۔ لہذا ان کا ہسپانیہ میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا حکمران رہنا نہ صرف ہسپانیہ بلکہ دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی موجب شرمندگی اور اندیشوں کا باعث ہے۔ چنانچہ ان کا ختم کیا جانا ہی بہتری کا باعث بنے گا۔“

اتنا کہنے کے بعد زکریا بن ادریس رکا، کچھ سوچا، دوبارہ وہ سیر بن ابی بکر اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”پہلے اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کیا معتمد کے قاصد واقعی افونش سے مدد لینے کے لئے روانہ ہوئے ہیں؟ اور پھر ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں افونش کا کیا رد عمل ہے۔ اس کے بعد ہم اپنے کام کی ابتداء کریں گے۔ میرے خیال میں اگر یہ خبر سچ ثابت ہو تو پھر اشبیلیہ کا محاصرہ کر لینا چاہئے اور ہر صورت میں بلکہ میں کہوں گا کہ وقت ضائع کئے بغیر معتمد کو اشبیلیہ کی حکمرانی سے محروم کر کے ہسپانیہ کے اندر مسلمانوں کی ایک مضبوط اور مربوط حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔“

زکریا بن ادریس یہیں تک کہنے پایا تھا کہ ایک دم خاموش ہو گیا اور سب اس کمرے کے دروازے کی طرف دیکھنے لگے تھے اس لئے کہ دروازے پر سیر بن ابی بکر کا ایک قابل ذکر اور قابل لحاظ طلائیہ گر اور جاسوس نمودار ہوا تھا۔ جب وہ دروازے پر آ کر رکاب ہاتھ کے اشارے سے سیر بن ابی بکر نے اسے اندر آنے کے لئے کہا۔ چنانچہ سیر بن ابی بکر کے کہنے پر ہی وہ طلائیہ گر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے قریب بیٹھ گیا۔ پھر سیر بن ابی بکر نے اسے مخاطب کیا۔

”میرے عزیز! کیا تو کوئی اچھی خبر لے کر آیا ہے؟“

جواب میں اس شخص نے ایک غائر نگاہ سیر بن ابی بکر پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”امیر! میں یہ تو نہیں جانتا کہ وہ خبر اچھی ہے یا بری لیکن میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں

کہ وہ خبر ہے بڑی اہم۔“

”کیسی خبر؟“ غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سیر بن ابی بکر نے پوچھ لیا تھا۔
جواب میں اس نے آنے والے طلائیہ گرنے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔ ”خبر یہ ہے کہ افونش نے اپنے بہت سے گروہ ترتیب دیئے ہیں اور ان گروہوں کو مسلمانوں کے مختلف شہروں کی طرف روانہ کیا ہے۔ ان گروہوں میں حسین و خوبصورت نصرانی لڑکیاں بھی ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں کو افونش کی طرف مائل کیا جائے اور امیر یوسف بن تاشفین کے خلاف کیا جائے۔ اس کے علاوہ ایک خاص گروہ ایسا بھی ترتیب دیا گیا ہے جس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا ہے کہ وہ ہمارے سالاروں میں سے زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کا خاتمہ کرے۔ اس لئے کہ ہسپانیہ میں ہمارے ان ہی دو سالاروں کے ہاتھوں نصرانیوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ طلائیہ گر کا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔ ”حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ایسے گروہ جو افونش نے ترتیب دیئے ہیں اور ان گروہوں میں جو حسین ترین لڑکیاں شامل کی گئی ہیں، ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی افونش کی بیٹی بھی شامل ہے۔ پہلے افونش کی بیٹی کا یہ گروہ غرناطہ میں داخل ہوا تھا۔ اس گروہ کا ہدف امیر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ تھے۔ اب چونکہ یہ دونوں حضرات غرناطہ سے قرطبہ آگئے ہیں، لہذا افونش کا وہ گروہ بھی غرناطہ سے قرطبہ منتقل ہو چکا ہے اور انہوں نے قرطبہ کے کلیسا میں قیام کر رکھا ہے۔ گزشتہ کئی دن سے میں اور میرے ساتھی ان پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔“

اس طلائیہ گر کے اس انکشاف پر سیر بن ابی بکر ہی نہیں، سب سالار بھی چونکے تھے۔ یہاں تک کہ اس طلائیہ گرنے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔ ”امیر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ! سب سے زیادہ خطرہ آپ دونوں کو ہے اور میں آپ سے متعلق یہ بھی کہوں کہ جس لڑکی کا میں نے ذکر کیا ہے، وہ خود افونش کی بیٹی ہے۔ وہ آپ سے دو بار ملاقات بھی کر چکی ہے۔ ہم نے ان پر گہری نگاہ رکھی ہوئی ہے لیکن آپ لوگوں کے فیصلے سے پہلے ہم ان لوگوں کے خلاف حرکت میں نہیں آنا چاہتے تھے۔ میں یہاں یہ بھی کہتا چلوں کہ ہمارے کچھ مخبروں نے زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کی حفاظت کا سامان بھی کر لیا ہے اور ان گروہوں میں سے اگر کوئی گروہ

امیر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کو اپنا ہدف بنانے کی کوشش کرتا تو یقیناً ہم انہیں ایسا نہ کرنے دیتے۔ آج بھی جب وہ لڑکی قرطبہ کے بازار میں امیر زکریا بن ادریس سے ملی تو میں اور میرے کچھ ساتھی بھی اطراف میں کھڑے تھے صرف اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ لڑکی یا اس کے کچھ ساتھی کسی کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس لڑکی کے سارے ساتھیوں پر ہی ہماری نگاہ ہے اور وہ ہم سے بچ کر بھاگ بھی نہیں سکتے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ طلائیہ گر جب رکاب حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے زکریا بن ادریس کہنے لگا۔

”تمہارا مطلب ہے آج تھوڑی دیر پہلے جس لڑکی نے قرطبہ کے بازار میں میرے گھوڑے کے سامنے آ کر میری راہ روکی، وہ افونش کی بیٹی مغربیتا ہے؟“

طلائیہ گر مسکرایا اور کہنے لگا۔ ”امیر! واقعہ کچھ ایسا ہی ہے۔ وہ لڑکی افونش کی بیٹی مغربیتا ہے۔ پر آپ جانتے ہیں اس سے پہلے وہ ایک بار غرناطہ کے بازار میں بھی آپ سے ملاقات کر چکی ہے۔ میرے خیال میں وہ آپ ہی کو اپنا ہدف بنانے کے لئے غرناطہ سے قرطبہ میں منتقل ہوئی ہے۔ اس پر اور اس کے ساتھیوں پر اور ان کے سربراہ پادری مرکس پر بھی ہماری گہری نگاہ ہے۔“

وہ طلائیہ گر یہیں تک کہنے پایا تھا کہ غصہ اور غضب ان کی میں زکریا بن ادریس اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور امیر سیر بن ابی بکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”امیر! ابھی اور اسی وقت ایسے گروہ سے متعلق حرکت میں آنا چاہئے اور ان سے دوسرے گروہوں سے متعلق بھی معلومات حاصل کرنی چاہئیں اور تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے جہاں جہاں ہمارے لشکر اور سالار ہیں ان کے لئے یہ پیغام بھیجا جانا چاہئے کہ ایسے سارے گروہوں کا خاتمہ کرتے چلے جائیں۔“

زکریا بن ادریس کے ان الفاظ پر سیر بن ابی بکر کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، کہنے لگا۔

”ابن ادریس! میرے عزیز بھائی! میں تمہاری اس تجویز سے مکمل اتفاق کرتا ہوں۔ میں یہ معاملہ تم پر اور داؤد بن عائشہ پر چھوڑتا ہوں۔ دونوں اپنے کچھ مسلح ساتھی لے کر جاؤ اور اس گروہ کو اپنی گرفت میں کرو۔ جو سزا تم انہیں دو گے، میری طرف سے وہ آخری ہوگی۔ ساتھ ہی تم دونوں ان سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد دوسرے شہروں کی

طرف بھی قاصد بجاو تا کہ افونش کے جو گروہ دوسرے شہروں میں ہمارے خلاف کام کر رہے ہیں ان کا بھی قلع قمع کیا جاسکے۔“

اس پر زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں اس کمرے سے نکل گئے تھے۔ چند دستے انہوں نے اپنے ساتھ لئے، اس کے بعد وہ بڑی تیزی سے قرطبہ کے کلیساء کا رخ کر رہے تھے۔ وہ طلائیہ گرجو یہ خبر لے کر آیا تھا وہ بھی ان کے ساتھ ان کی راہ نمائی کر رہا تھا۔“





زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں قرطبہ کے اس کلیسا کے پاس پہنچے۔ سب سے پہلے انہوں نے کلیسا کے اطراف میں اپنے مسلح جوان مقرر کر دیئے تھے، ایک طرح سے کلیسا کا محاصرہ کر لیا تھا۔ پھر چند مسلح جوانوں کے ساتھ داؤد بن عائشہ اور زکریا بن ادریس کلیسا میں داخل ہوئے اور تھوڑا سا ہی آگے گئے ہوں گے کہ کلیسا کا بڑا پادری باہر نکلا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں نے اس سے پہلے آپ دونوں کو اور آپ کے پیچھے آنے والے جوانوں کو قرطبہ شہر میں نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ آپ دونوں میرے لئے نا آشنا ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کس غرض کے تحت کلیسا میں داخل ہوئے ہیں۔ کیا میں آپ لوگوں کے نام اور آنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟“

جواب میں بڑی شائستگی، بڑی نرمی میں زکریا بن ادریس کلیسا کے پادری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرا نام زکریا بن ادریس ہے۔ میں امیر یوسف بن تاشفین کے لشکر کا ایک سالار ہوں۔ آپ کے کلیسا میں ایک لڑکی رہتی ہے بس میں اس سے ملنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس سے پہلے میری اس سے دو ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ ایک غرناطہ میں اور ایک آج ہی قرطبہ شہر ہے۔“

زکریا بن ادریس یہیں تک کہنے پایا تھا کہ کلیسا کے اندرونی حصہ سے مغربیتا اور اس کا ساتھی پادری مرکس، کچھ لڑکیاں اور ان کے ساتھ کچھ مرد بھی باہر نکل آئے تھے۔ زکریا بن ادریس کو کلیسا کے پادری کے ساتھ جو گفتگو دیکھتے ہی مغربیتا کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا تھا۔ بڑی رازداری سے اس نے اپنے پہلو میں کھڑے پادری مرکس سے کچھ کہا، پھر

دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھے۔ دوسری لڑکیاں اور مرد بھی ان کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔

مقامی کلیسا کے پادری کے پاس جا کر مغربیا اور پادری مرکس دونوں رکے، پھر اپنے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے مغربیا، زکریا بن اور لیس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میں آپ کو اس کلیسا میں خوش آمدید کہتی ہوں۔“

داؤد بن عائشہ یہ سارا معاملہ بڑے غور، بڑے انہماک اور جستجو بھرے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ جس وقت زکریا بن اور لیس کو مغربیا نے خوش آمدید کہا تھا تو جواب میں زکریا بن اور لیس بھی بڑی ملائمت اور مسکراہٹ میں مغربیا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خاتون! تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔ تمہارے اس فعل پر مجھے بے حد دکھ اور صدمہ ہوا۔ کم از کم تمہیں تو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

زکریا بن اور لیس کے ان الفاظ پر مغربیا چونکی تھی، دھیمے سے لہجے میں کہنے لگی۔

”کیسا دھوکا؟..... کیسا قریب؟“

زکریا بن اور لیس نے پھر پہلے جیسے لہجے میں مغربیا کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”خاتون! تیری میری ملاقات پہلے غرناطہ شہر میں ہوئی، اس وقت بھی تو نے مجھ سے اپنا مکمل تعارف نہ کرایا۔ بس تم نے مجھے ایک جھلک سی دکھائی اور معاملہ ختم ہو گیا۔ اب آج پھر میری تمہاری ملاقات قرطبہ شہر میں ہوئی۔ بقول تمہارے تم میری منتظر تھیں اور اس تلاش میں تھیں کہ میں اکیلا ملوں اور تم مجھ سے گفتگو کرو۔ اس وقت میں تمہیں اکیلا ملا لیکن اس دوسری ملاقات میں بھی تم نے صحیح طرح سے اپنا تعارف نہیں کرایا۔ بس اسی کا مجھے دکھ اور صدمہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا مطلب اور مقصد تم سمجھ گئی ہوگی۔“

جواب میں مغربیا بڑے مطمئن انداز میں کہنے لگی۔

”امیر زکریا بن اور لیس! جو کچھ آپ نے کہا ہے، میں اس کا مقصد اور مطلب بالکل نہیں سمجھی۔ کھل کر کہو۔“

زکریا بن اور لیس اچانک سنجیدہ ہو گیا تھا اور چہرے پر سختی پھیل گئی تھی۔ اس کے چہرے کی یہ تبدیلی دیکھتے ہوئے خود مغربیا ہی نہیں، مرکس بھی پریشانی کا اظہار کر رہا

تھا۔ پھر کسی قدر سخت لہجے میں مغربیا کو مخاطب کرتے ہوئے زکریا بن ادریس کہنے لگا۔
 ”سن مغربیا! افونش کی بیٹی ہو کر تم نے اپنا تعارف مکمل طور پر نہیں کرایا، نہ ہی تم
 نے اپنا صحیح نام بتایا۔ اپنے آپ کو تم تبلیغی جماعت کا ایک رکن ثابت کرتی رہی ہو اور تم
 نے مجھے یہ بھی کہا کہ پادری مرکس کی رہنمائی میں تمہارا ایک گروہ ہے جو شہر شہر گھوم کر
 مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان غلط فہمیاں دور کر کے یکجہتی اور امن کے لئے کام کر
 رہا ہے۔ کیا یہی وہ یکجہتی ہے؟ کیا یہی امن کا وہ پیغام ہے جو تم، تمہاری ساتھی لڑکیاں
 اور پادری مرکس کر رہے ہو؟

سنو مغربیا! مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے تمہارے پاس دو مقاصد تھے۔ پہلا یہ
 کہ تم مجھے اپنی طرف مائل کر سکو، مجھے اپنی محبت میں مبتلا کر کے مجھے اپنے پیچھے پیچھے
 آنے پر مجبور کرو تا کہ تم مجھے اپنی اصل راہ سے ہٹا سکو۔ ان علاقوں کی طرف آنے کا
 تمہارا دوسرا مقصد یہ تھا کہ اگر تم مجھے اپنی محبت میں مبتلا نہ کر سکو تو پھر پہلے میرا کام تمام کیا
 جائے، اس کے بعد داؤد بن عائشہ کو اس کی زندگی اور زیست سے محروم کر دیا جائے۔

سنو مغربیا! تم افونش کی بیٹی ہو اور افونش نے اپنے خاص آدمیوں کے مختلف گروہ
 مقرر کئے تھے۔ ان گروہوں میں لڑکیاں بھی شامل تھیں اور ان گروہوں کو اس نے
 مسلمانوں کے مختلف شہروں کی طرف روانہ کیا تا کہ مسلمان حکمرانوں میں رہ کر وہ امیر
 یوسف بن تاشفین کے خلاف غلط تاثر اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اسی
 بناء پر تمہارا گروہ پہلے غرناطہ گیا۔ غرناطہ سے تم لوگوں نے قرطبہ کا رخ کیا۔ میں جانتا
 ہوں، تمہارے پاس صفائی میں کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اگر میں نے جو کچھ کہا ہے،
 یہ جھوٹ ہے تو پھر اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کرو۔“

زکریا بن ادریس کے اس انکشاف پر مغربیا کا رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ مرکس بھی پیلا
 ہو گیا تھا، کپکپا رہا تھا۔ زکریا بن ادریس پھر بولا۔

”سن افونش کی بیٹی! تیرے چہرے کا رنگ بتاتا ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے،
 درست وہی ہے۔“

اس کے بعد مغربیا کو نظر انداز کرتے ہوئے زکریا بن ادریس نے مرکس کو مخاطب
 کیا۔ ”پادری مرکس! یہ تمہارے گروہ کے وہ افراد جو تمہارے پیچھے کھڑے ہیں یہ سب
 جاسوسی کی غرض سے ہمارے علاقوں میں داخل ہوئے۔ تم جاسوسوں کے اس گروہ کے

راہنما ہو۔ قبل اس کے کہ میں تمہارے خلاف کوئی غلط فیصلہ کروں اور تم میری طرف سے وہ غلط فیصلہ سن کر کپکپانے لگو اور تم پر موت کی غشی طاری ہونے لگے، پہلے یہ بتاؤ کہ تم جیسے مزید گروہ کہاں کہاں اور کس کس شہر میں ہیں؟“

زکریا بن ادریس کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ وہ سدھائے ہوئے طوطے کی طرح فی الفور بولنے لگا اور جس جس شہر میں وہ گروہ گئے تھے ان گروہوں کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے محل وقوع سے بھی آگاہ کرتا چلا گیا تھا۔

مرکس جب ساری تفصیل کہہ چکا تب زکریا بن ادریس نے داؤد بن عائشہ کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! امیر سیر بن ابی بکر نے ہم دونوں کو ان سب کا معاملہ طے کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اب تک میں ہی ان سے گفتگو کرتا رہا ہوں۔ میں نے ان کا جرم اگلا دیا ہے۔ میری اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو میرے بھائی! تم سن چکے ہو۔ لہذا ان سے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے میں تمہارے حق میں دست بردار ہوتا ہوں اور تم سے استدعا کرتا ہوں کہ اپ تم ہی ان کا فیصلہ کرو۔“

داؤد بن عائشہ مسکرایا، اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، کچھ سوچا، اس کے بعد زکریا بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے اہمیت دی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان سے تحقیق کرنے کے بعد تم خود ہی ان کا فیصلہ بھی کرتے لیکن چونکہ تم معاملہ مجھ پر پھینک رہے ہو اس لئے میں ان کا فیصلہ کرتا ہوں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد داؤد بن عائشہ رکا، پھر اس نے مغرب کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”افونش کی بیٹی! میں اور زکریا بن ادریس کچھ اتنے سستے بھی نہ تھے کہ تو ہم دونوں کی جانوں کے درپے ہو گئی۔ زکریا بن ادریس اتنا ہلکا بھی نہیں تھا کہ تم دو بار اسے جھلک دکھاتیں اور وہ تمہاری محبت میں مبتلا ہو جاتا۔“

سنو! جس لڑکی کے ساتھ زکریا کا نکاح ہو چکا ہے، جو اب اس کی بیوی ہے، تمہارا حسن، تمہاری خوب صورتی، تمہاری جسمانی کشش اس کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ سن افونش کی بیٹی! ہم مسلمان، عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے لیکن وہ عورتیں جو

تمہاری طرح عالم اسلام کے خلاف کارروائیاں کرتی ہیں، انہیں عبرت ناک سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ لیکن میں تمہیں اور تمہاری ساتھی لڑکیوں کو معاف کرتا ہوں۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ آج شام تک یہاں سے نکل جاؤ۔ کل تم میں سے اگر کوئی لڑکی یہاں اسلامی حدود میں دکھائی دی تو قتل کر دی جائے گی۔“

داؤد بن عائشہ کا یہ فیصلہ سن کر مغربیتا اور دوسری لڑکیاں لرز کانپ گئی تھیں۔ اس کے بعد داؤد بن عائشہ نے پادری مرکس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”پادری مرکس! تم جانتے ہو ماضی میں اس افونش نے ہمارے کئی آدمیوں کو پکڑ کر ان پر جاسوسی کا الزام لگایا اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سو ہم افونش کی رسم کی ہی ادائیگی کرتے ہوئے تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو افونش ہمارے ساتھیوں کے ساتھ کرتا رہا ہے۔ میں تمہیں اور تمہارے ساتھ بدی کا کام کرنے والے سارے ساتھیوں کے قتل کا حکم دیتا ہوں۔“

اپنے متعلق یہ فیصلہ سن کر مرکس کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا۔ جسم پر رعشہ طاری ہو گیا تھا اور اس کے پیچھے جو اس کے ساتھی مرد کھڑے ہوئے تھے ان کی حالت بھی قابل رحم اور قابل دید تھی۔ سب پھٹی پھٹی نگاہوں سے کچھ اس انداز میں مغربیتا کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے وہ اپنے بادشاہ افونش کی بیٹی سے رحم کی بھیک مانگ رہے ہوں یا یہ کہ اس سے یہ کہہ رہے ہوں کہ جس طرح تیری جان بچ گئی ہے ہماری جان بھی بچانے کی کوشش کر۔

مغربیتا کسی رد عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتی تھی کہ مرکس کے پیچھے کھڑی لڑکیوں میں سے جو ایک کچھ زیادہ ہی نڈر اور گستاخ لگتی تھی، داؤد بن عائشہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اگر ہم تمہارا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیں تب؟“

داؤد بن عائشہ نے گھورنے کے انداز میں اس لڑکی کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”ذرا انکار کر کے دیکھو۔ دوسرے لمحے مرکس اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ تمہاری گردن بھی کاٹ دی جائے گی۔“

وہ لڑکی عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی یہاں تک کہ داؤد بن عائشہ نے پھر اسے مخاطب کیا۔

”میں نہیں جانتا کہ تیرا کیا نام ہے؟ میں پھر تم سے پوچھتا ہوں کہ جو فیصلہ میں نے

دیا ہے تجھے قابل قبول ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں تو پھر سب سے پہلے تیری ہی گردن کاٹی جائے گی۔“

وہ لڑکی کپکپاتے ہوئے جھٹ سے بول پڑی۔

”نہیں مجھے آپ کا فیصلہ قبول اور منظور ہے۔“

اس موقع پر طنزیہ سی مسکراہٹ داؤد بن حائشہ کے چہرے پر نمودار ہوئی پھر اس کا اور زکریہ بن ادریس کا اشارہ پا کر مرکس اور اس کے ساتھیوں کو مسلح جوان ایک طرف نلے گئے اور ان کا کام تمام کر دیا۔ اس کارروائی کی تکمیل کے بعد زکریہ بن ادریس پھر مقامی کلیساء کے پادری کے پاس آیا اور اسے کہنے لگا۔

”اگر مرکس کے ساتھیوں میں سے کوئی اور بھی آپ کے ہاں جاسوسی کی غرض سے قیام کیے ہوئے ہے تو ابھی بتا دو بعد میں اگر ہمیں پتہ چلا کہ آپ نے کچھ لوگوں کو ہم سے بچانے کے لیے کلیساء میں چھپا دیا تھا تو جس طرح آج ان لوگوں کا خاتمہ کیا گیا ہے بالکل ویسے ہی تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بھی موت کی گہری نیند سلا دیا جائے گا۔“

پادری جواب میں کپکپاتی آواز میں کہنے لگا۔

”اس وقت میں نے کلیساء میں کسی کو نہیں چھپا رکھا۔ یہ جو لوگ ہیں میں ان کی اصلیت سے بھی واقف اور آگاہ نہیں تھا۔ یہ ایک تبلیغی جماعت کی صورت میں کلیساء میں داخل ہوئے اور میں نے انہیں کلیساء میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ افونش کے جاسوس ہیں۔ آپ نے جو ان سے متعلق حکم نامہ جاری کیا ہے، وہ عین میری مرضی اور خواہش کے مطابق ہے۔ آنے والے دور میں اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ میرے کلیساء میں ان کے علاوہ بھی کوئی ایسا شخص ہے جو مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرتا ہے تو آپ اس کے ساتھ ساتھ میری گردن بھی کاٹ سکتے ہیں۔“

کلیساء کے پادری کا جواب سن کر زکریہ بن ادریس اور داؤد بن حائشہ دونوں مطمئن تھے۔ اس کے بعد زکریہ بن ادریس نے افونش کی بیٹی مغریتا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”افونش کی بیٹی! مجھے بے حد افسوس اور دکھ ہے کہ تم اپنے دونوں مقاصد میں ناکام ہو کر واپس جا رہی ہو۔ نہ مجھے اپنی محبت اور چاہت میں مبتلا کر سکی اور نہ ہی مجھے اور

داؤد بن حائشہ کو موت کے گھاٹ اتار سکی ہو۔ اب تو اپنی ان ساتھی لڑکیوں کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جا۔ اس لئے کہ کل کا دن تم سب کے لئے موت کا دن ثابت ہوگا۔ لہذا تم میں سے کسی کو بھی کل تک یہاں نہیں رہنا چاہئے۔ ایک بات اور یاد رکھنا اس کلیساء سے نکل کر پھر تم میں سے کسی نے مسلمانوں کی حدود میں کسی اور سمت جانا چاہا تو راستے میں ہی قتل کر دیا جائے گا۔ اس لئے کہ جب تم یہاں سے روانہ ہوگی تو تمہارے تعاقب میں تمہارے دائیں بائیں اور تمہارے پیچھے ہمارے مسلح جوان ہوں گے۔ اگر تم نے پھر کہیں رک کر مسلمانوں کے خلاف کام کرنے کی کوشش کی تو وہ مسلح جوان ہی تم لوگوں کا قتل عام کر دیں گے۔ اس وقت بھی دیکھو تمہارے کلیساء کے ارد گرد میرے مسلح جوان کھڑے ہیں۔ اگر تم میں سے اس گفتگو کے دوران کوئی باغی پن کا اظہار کرتا ہے تو ختم کر دیا جائے گا۔ اب میں اور داؤد بن حائشہ جاتے ہیں۔ تم سب لڑکیاں تیاری کرو اور یہاں سے بھاگنے والی بات کرو۔“

اس کے ساتھ ہی داؤد بن حائشہ اور زکریا بن ادریس اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ واپس مستقر کی طرف جا رہے تھے۔



قرطبہ شہر کے مستقر میں زکریہ بن ادریس و داؤد بن حائشہ، غیر در بن شیب، زیدون بن مسلم اور کچھ دوسرے بڑے سالار بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک طرف سے سیر بن ابی بکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دیکھتے ہی سب اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کی اس حرکت پر سیر بن ابی بکر مسکراتا ہوا ان کے قریب آیا اور پھر بڑی اپنائیت میں ان سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! میں پہلے بھی دو ایک بار تم لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ جب تم لوگ بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے ہو اور میں آؤں تو کھڑے نہ ہوا کرو۔“

اس پر زکریہ بن ادریس کہنے لگا۔

”سیر بن ابی بکر ہمارے محترم بھائی! ایسا ہم آپ کی عزت افزائی اور تحریم اور تکریم کے لئے کرتے ہیں.....“

زکریہ بن ادریس یہیں تک کہنے پایا تھا کہ سیر بن ابی بکر نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے بٹھایا۔ خود بھی وہاں بیٹھ گیا تھا۔ باقی سب بھی اپنی

نشستوں پر ہو بیٹھے تھے۔ پھر سیر بن ابی بکر سنجیدہ ہو گیا اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”میں تمہارے لئے ایک انتہائی اہم خبر لے کر آیا ہوں اور میرے خیال میں
 مسلمانوں کے لئے یہ ایک انتہائی بری خبر اور ناشائستہ حرکت ہے۔“

سیر بن ابی بکر کے ان الفاظ پر وہاں بیٹھے سارے سالار ایک ساتھ فکر مند اور پریشان
 سے ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ سیر بن ابی بکر نے اپنی گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھاتے
 ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے کچھ مخبر آئے تھے۔ انہوں نے اشبیلیہ کے حاکم معتمد
 سے متعلق انتہائی ناپسندیدہ خبریں دی ہیں۔“

سیر بن ابی بکر کے یہاں تک کہنے کے بعد زکریہ بن ادریس بڑی فکر مندی میں بول
 اٹھا۔ ”کیا اشبیلیہ کا معتمد ہمارے خلاف کوئی محاذ تو نہیں کھول رہا؟“

سیر بن ابی بکر نے مسکرا کر زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔
 ”ابن ادریس میرے عزیز بھائی! تمہارا اعمازہ تمہارا کہنا درست ہے۔ غرناطہ اور اس
 کے بعد قرطبہ پر ہماری گرفت اور ہمارے قبضہ کے بعد اس معتمد نے غیر ذمہ داری کا
 مظاہرہ کیا ہے۔ اس نے اپنے تیز رفتار قاصد شمال کے نصرانی حکمران افونش کی طرف
 بھجوائے تھے اور افونش سے اس نے ہمارے خلاف مدد طلب کی ہے۔ افونش اس پر
 رضامند بھی ہو گیا ہے اور اس نے اپنا بہت بڑا اور ایک جرار لشکر اپنے سپہ سالار اعلیٰ فائز
 کی سرکردگی میں معتمد کی مدد کے لئے روانہ کر دیا ہے۔“

میرے عزیز بھائیو! اسی موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔
 اب بولو کیا کرنا ہے؟“

سیر بن ابی بکر جب خاموش ہوا تب کچھ دیر سب گہری سوچوں میں ڈوبے رہے۔
 پھر زکریہ بن ادریس کہنے لگا۔

”میرے محترم! یہ اشبیلیہ کے حکمران معتمد کی طرف سے ایک نہایت گھناؤنا فعل اور
 انتہا درجہ کی بری حرکت ہے۔ اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ معتمد نے یہ طے کیا ہوگا
 کہ افونش جب اس کی مدد کے لئے تیار ہو جائے گا تو وہ افونش کے لشکر کے ساتھ اپنا
 لشکر ملا کر قرطبہ کی طرف پیش قدمی کرے گا اور ہم سے ٹکرانے کی کوشش کرے گا۔ اب
 ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ افونش کے سپہ سالار اعلیٰ فائز اور معتمد کی قوت کو یکجا نہ

ہونے دیں۔ فانیز کو ہم اشبیلیہ سے دور ہی نمٹ کر مار بھگانے میں اگر کامیاب ہو جائیں تو پھر معتمد کو اپنے سامنے زیر کرنا ہمارے لئے چنداں مشکل نہیں رہے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریہ بن ادریس جب رکاب سیر بن ابی بکر اُسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن ادریس! جو کچھ تم نے کہا ہے میں اس سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ اب ہم کو بھی اپنی عسکری طاقت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہوگا۔ ایک حصہ یہیں کہیں آس پاس ہی رہے گا تاکہ اگر معتمد اپنے لشکر کے ساتھ اشبیلیہ شہر سے نکل کر شمال کا یا قرطبہ کا رخ کرے تو لشکر کا جو حصہ یہاں مقیم ہو اس سے نمٹ سکے جبکہ لشکر کے دوسرے حصہ کو مانیز کی پیش قدمی کو روکنا ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیر بن ابی بکر جب رکاب اس بار داؤد بن عائشہ سیر بن ابی بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن ابی بکر! لشکر کے دو حصے کر دیئے جائیں ایک حصہ میرے اور میرے عزیز بھائی زکریہ بن ادریس کو دے دیا جائے ہم دونوں کو لشکر کے اس حصہ کے ساتھ افونش کے سپہ سالار اعلیٰ فانیز کی راہ روکنے کے لئے روانہ کر دیں۔ خداوندِ قدوس نے چاہا تو میں اور میرا بھائی زکریہ بن ادریس دشمن کی قوت کی راہ روک کر اور اسے شکست کی ذلت پسائی کی رسوائی سے دو چار کر کے واپس بھاگ جانے پر مجبور کر دیں گے۔

اتنی دیر تک اگر اشبیلیہ کا حکمران معتمد کوئی کارروائی کرتا ہے تو آپ بڑی آسانی سے اس کے ساتھ نمٹ سکتے ہیں۔ آپ کے پاس غیر در بن شیبیب ہے۔

زیدون بن مسلم ہے اس کے علاوہ دیگر چھوٹے سالار بھی ہیں اور یہ بڑی آسانی کے ساتھ معتمد کی طاقت اور قوت سے نمٹ سکتے ہیں۔

معتمد کو جب خبر ہوگی کہ افونش نے اس کی مدد کے لئے اپنے سپہ سالار اعلیٰ فانیز کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر روانہ کیا ہے تو معتمد کی طرف سے دو طرح کے ردِ عمل کا اظہار ہو سکتا ہے۔

اول یہ کہ معتمد اپنے لشکر کے ساتھ اشبیلیہ سے نکل کر شمال کا رخ کرے تاکہ فانیز کے لشکر سے جا ملے۔ دوسرا قدم وہ یہ اٹھا سکتا ہے کہ اشبیلیہ سے نکل کر وہ قرطبہ کا رخ کرے۔ ایسا وہ اس لئے سمجھ کر کر سکتا ہے کہ ہمارا لشکر اگر سارے کا سارا فانیز کی راہ

روکنے کے لئے جائے تب معتمد اچانک قرطبہ پر حملہ آور ہو کر دوبارہ قرطبہ پر گرفت کر سکتا ہے لیکن اگر ہمارے لشکر کا حصہ قرطبہ میں مقیم رہے اور آس پاس کے علاقوں پر بھی نگاہ رکھے تو مجھے امید ہے کہ معتمد اپنے لشکر کے ساتھ اشبیلیہ سے نہیں نکلے گا نہ وہ شمال کا رخ کرے گا۔ وہ قرطبہ کی طرف آئے گا بلکہ اپنے آپ کو وہ اشبیلیہ شہر کے اندر محصور رکھ کر ہی اپنی حفاظت اور اپنے تحفظ کا سامان کرے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد داؤد بن عائشہ جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک سیر بن ابی بکر بڑے غور اور انہماک سے زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھتا رہا شاید اس کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگا رہا تھا اور اس کے اس انداز کو زکریہ بن ادریس نے بھی بھانپ لیا تھا۔ لہذا زکریہ بن ادریس مسکرا دیا کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے سیر بن ابی بکر بول اٹھا اور زکریہ بن ادریس کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

”زکریہ بن ادریس میرے بھائی! جو کچھ داؤد بن عائشہ نے کہا ہے اس سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

زکریہ بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”ابن ابی بکر میرے بھائی! داؤد بن عائشہ سے متعلق جو خیال آپ کا ہے وہی میرا ہے۔“

سیر بن ابی بکر مسکرا دیا کہنے لگا۔

”میرا تو یہ خیال ہے کہ داؤد بن عائشہ درست کہتا ہے اور اگر تم دونوں لشکر کا ایک حصہ لے کر شمال کا رخ کرو تو تم دونوں بڑی آسانی سے فانیز کی راہ روک سکتے ہو۔“

سیر بن ابی بکر ابھی مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بیچ میں زکریہ بن ادریس بول اٹھا کہنے لگا۔

”آپ درست کہتے ہیں جو کچھ میرے بھائی داؤد بن عائشہ نے کہا ہے میں اس سے حرف بحرف اتفاق کرتا ہوں۔ میں اپنی طرف سے اور اپنے بھائی داؤد بن عائشہ کی طرف سے بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم فانیز کو جہاں ہمارا اس سے ٹکراؤ ہو گا وہیں سے اسے مار بھگائیں گے۔ فانیز کے ساتھ اس سے پہلے میرے کئی ٹکراؤ ہو چکے ہیں وہ میرے کام کو جانتا ہے اور میں اس کی کارگزاری سے خاصا مانوس ہوں اور مجھے امید ہے کہ جب ہم اس پر شدید اور کاری ضرب لگائیں گے تو فانیز کے پاس سوائے اپنے لشکر

کو لے کر واپس افونش کی طرف جانے کے کوئی دوسرا راستہ نہیں رہے گا۔“
 زکریہ بن ادریس کے ان الفاظ سے جہاں داؤد بن عائشہ مسکرا رہا تھا سیر بن ابی بکر
 بھی اپنے اطمینان اور خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس کے بعد سیر بن ابی بکر نے اپنا رخ
 موڑا۔ ایک گہری نگاہ اپنے سامنے بیٹھے غیر در بن شیبہ اور زیدون بن مسلم پر ڈالی پھر
 دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! اب میں تم دونوں اور تمہارے ساتھ بیٹھے دوسرے سالاروں
 سے پوچھتا ہوں کہ جو گفتگو اب تک میرے، زکریا بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے
 درمیان ہوئی ہے کیا تم سب اس سے اتفاق کرتے ہو؟“

اس موقع پر زید بن شیبہ نے زیدون بن مسلم اور وہاں بیٹھے دیگر سالاروں کی
 طرف دیکھا اور جب سب نے اپنی نگاہوں کے اشارے سے غیر در بن شیبہ کو اثبات
 کا اشارہ دے دیا تھا تو غیر در بن شیبہ مسکرا دیا اور سیر بن ابی بکر کی طرف دیکھتے
 ہوئے کہنے لگا۔

”محترم ابن ابی بکر! ہم اس گفتگو سے پوری طرح متفق ہیں اور ہم یہ امید بھی رکھتے
 ہیں کہ زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ یقیناً فائز اور اس کے جرار لشکر کو مار بھگانے میں
 کامیاب ہو جائیں گے۔ اس دوران اگر اشبیلیہ کے حکمران معتمد نے کوئی حرکت ہماری
 مرضی اور ہمارے مفاد کے خلاف کی تو ہم اس سے خوب نمٹیں گے۔“

سیر بن ابی بکر اس ساری گفتگو سے خوش ہو گیا تھا پھر اس کے کہنے پر سب اٹھ
 کھڑے ہوئے۔ مستقر کے اندرونی حصوں کی طرف گئے اور لشکر کی تقسیم کا کام سرانجام
 دینے لگے تھے۔ اسی رات زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ ایک لشکر لے کر شمال کی
 طرف چلے گئے تھے جبکہ سیر بن ابی بکر دو بڑے سالاروں غیر در بن شیبہ اور زیدون
 بن مسلم کے علاوہ دوسرے سالاروں کے ساتھ قرطبہ شہر میں مستعد ہو گیا تھا تاکہ اگر اس
 دوران معتمد کوئی غلط قدم اٹھائے تو اس سے نمٹا جاسکے۔



حسین اور خوبصورت رواندہ کا باپ انیش ایک روز شام کے قریب دوکان بند کر
 کے گھر آیا اس وقت رواندہ تو مطبخ میں کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی جبکہ انیش کی
 بیوی اور رواندہ کی ماں اموسیہ دیوان خانہ میں بیٹھی ہوئی تھی لہذا انیش بھی سیدھا دیوان

خانہ میں گیا اور اُموسیہ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔
اس موقع پر اُموسیہ کچھ دیر تک بڑے غور سے ایتیش کی طرف دیکھتی رہی پھر مخاطب
ہوئی۔

”گلتا ہے کوئی خاص معاملہ ہوا ہے۔ آج چہرہ آپ کا اُترا ہوا ہے۔“

ایتیش نے اس موقع پر لمبا سانس لیا کہنے لگا۔

”چہرہ تو نہیں اُترا ہوا بس ایک پریشانی سی لاحق ہو گئی ہے“

”کیسی پریشانی؟“ فکر مندی سے ایتیش کی طرف دیکھتے ہوئے اُموسیہ نے پوچھ لیا

تھا۔

”اُموسیہ دیکھ! اشبیلیہ کے حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ یوسف بن
تاشفین کے لشکر نے غرناطہ اور قرطبہ شہروں کو تو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ ہمارے
حالات اس وقت ٹھیک ہوں گے جب وہ اشبیلیہ کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیں گے اس
دوران معتمد نے ایک بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اس نے سیر بن ابی بکر اور اس کے
لشکریوں کے خلاف نصرانی حکمران افونش سے مدد طلب کی ہے۔ یہ ایک ایسا جرم ہے
جو ایک طرح سے ناقابلِ معافی ہے اب سنا یہ ہے کہ افونش سپہ سالارِ اعلیٰ فائز ایک
بہت بڑا لشکر لے کر معتمد کی مدد کے لئے روانہ ہوا ہے اور یہ بھی خبریں آئی ہیں کہ زکریہ
بن اوریس اور داؤد بن عائشہ دونوں ایک لشکر لے کر فائز کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ
ہو گئے ہیں جب کہ سیر بن ابی بکر، غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم نے دوسرے
سالاروں کے ساتھ مل کر قرطبہ ہی میں قیام کر رکھا ہے تاکہ معتمد اگر اس دوران کوئی
کارروائی کرنے کی کوشش کرے تو اُس سے نمٹا جاسکے۔

اُموسیہ! ان حالات نے مجھے پریشان اور فکر مند کر دیا ہے اور اب میں نے یہ ٹھان
لی ہے کہ اس بار جب بھی زکریہ بن اوریس اشبیلیہ میں آیا میں رواندہ کو اس کے ساتھ
رخصت کر دوں گا۔ امانت اُس کے پاس ہی محفوظ رہتی ہے جس کی ہو۔ رواندہ اب
زکریہ بن اوریس کی بیوی ہے اس لئے کہ دونوں کا نکاح ہو چکا ہے۔ لہذا میں چاہوں گا
کہ رواندہ ہمارے پاس سے رخصت ہو کر زکریہ بن اوریس کے ساتھ رہے۔ اسی میں
اس کی حفاظت اور اس کا تحفظ ہے۔ اس کے علاوہ اگر یہاں کے حالات خراب بھی
ہوں اور جب رواندہ یہاں سے نکل کر زکریہ بن اوریس کے پاس چلی جائے گی تو ہم

دونوں میاں بیوی بھی آسودہ اور مطمئن ہو جائیں گے کیونکہ.....“
یہاں تک کہتے کہتے انیتش رُک گیا اس لئے کہ دروازے پر رواندہ نمودار ہوئی تھی۔
رواندہ نے جب دیکھا کہ اس کا باپ گفتگو کرتے کرتے خاموش ہو گیا ہے۔ تب وہ
آگے بڑھی اور اپنے باپ انیتش کے پاس بیٹھ گئی۔ اپنا ہاتھ بڑے پیارے انداز میں
اس کے شانے پر رکھا پھر پوچھا۔

”بابا! میں دروازے پر جب نمودار ہوئی تو آپ نے جو گفتگو کا سلسلہ شروع کیا ہوا
تھا اسے آپ نے روک دیا۔ کیا آپ اماں کے ساتھ کوئی ایسی گفتگو کر رہے تھے جس
میں آپ مجھے شریک نہیں کرنا چاہتے تھے یا اس بات کو مجھ سے مخفی رکھنا چاہتے تھے؟“
جواب میں انیتش نے مسکراتے ہوئے ہلکی سی ایک چپت اس کے سرخ گال پر لگائی
پھر کہنے لگا۔

”تو میری بیٹی ہی نہیں بیٹا بھی ہے۔ بچی میں اور تمہاری ماں تم سے کیا چیز چھپا سکتے
ہیں۔ دراصل میں اور تمہاری ماں تمہارے ہی متعلق گفتگو کر رہے تھے لہذا جب تم
دروازے پر نمودار ہوئیں تو میں خاموش ہو گیا۔“

”کیسی گفتگو؟“ دلچسپی لیتے ہوئے رواندہ نے پوچھ لیا تھا۔ انیتش مسکرایا اور کہنے لگا۔
”بیٹے! میں تیری ماں کے ساتھ تمہارے متعلق یہ گفتگو کر رہا تھا کہ اس بار جب
زکریہ بن اور لیس اشبیلیہ آیا تو میں تمہیں اس کے ساتھ رخصت کر دوں گا۔ میرے بیٹے!
تم اپنے شوہر کے ساتھ ہی رہتی اچھی لگتی ہو۔ اور پھر تم دونوں کا نکاح ہو چکا ہے۔ تم
دونوں اب ایک دوسرے کی زندگی کے ساتھی ہو۔“

اس کے بعد انیتش نے گفتگو کا رخ موڑا اور رواندہ کی آمد سے پہلے جو گفتگو اس نے
اموسیہ سے کی تھی وہ اُس نے رواندہ سے بھی کہہ دی تھی۔
رواندہ کچھ دیر خاموش رہ کر سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔

”بابا! لگتا ہے حالات مزید خراب ہو رہے ہیں معتمد نے اگر اپنی مدد کے لئے افونش
سے مدد طلب کی ہے تو یہ معتمد کی بہت بڑی حماقت اور غلطی ہے۔ بابا! مجھے اُمید ہے کہ
میرے شوہر زکریہ بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ دونوں خداوندِ قدوس نے چاہا تو افونش
کے سپہ سالار فانیز کو بدترین شکست دے کر مار بھگائیں گے۔ اس دوران اگر معتمد نے
کوئی اور غلط قدم اٹھایا تو سیر بن ابی بکر اپنے ساتھی سالاروں کے ساتھ اُسے وہ سبق

سکھائے گا کہ معتمد اُسے زندگی بھر یاد رکھے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رواندہ رُکی کچھ سوچا پھر پہلے کی نسبت زیادہ تفکرات بھرے انداز میں وہ اپنے باپ انیتش کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اس موقع پر بابا میرے ذہن میں کچھ وسوسات بھی اُٹھتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں امیر یوسف بن تاشفین اور اُن بھتیجے سیر بن ابی بکر میرے شوہر زکریہ بن ادریس کو کس قدر چاہتے ہیں اور آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ امیر یوسف بن تاشفین نے ایک موقع پر انہیں اپنا بیٹا اور فرزند بھی کہا تھا اس کے علاوہ امیر یوسف بن تاشفین کے سالار داؤد بن عائشہ انہیں اپنا بھائی خیال کرتے ہیں اب جبکہ سیر بن ابی بکر کے خلاف یہ معتمد افونش سے امداد کا طالب ہے اور افونش نے اسے اچھا اور غنیمت موقع جان کر اپنے سپہ سالار کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر معتمد کی مدد کے لئے بھیجا ہے اور اُس کا مقابلہ کرنے کے لیے زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں ایک لشکر لے کر گئے ہیں۔ بابا! یہ تو مجھے اُمید ہے کہ میرے شوہر اور داؤد بن عائشہ افونش کے سالار فانیز کو مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے پر اس موقع پر جو خدشات میرے ذہن میں اُٹھتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کے بعد کیا معتمد ہمارا اور میرے شوہر کا بدترین دشمن نہیں ہو جائے گا اور کیا ہمارے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کرے گا۔“

اس موقع پر انیتش نے گھونرے کے انداز میں رواندہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔
 ”بیٹی! کیا تو یہی کہنا چاہتی ہے کہ ان حالات میں معتمد کے مقابلے میں زکریہ بن ادریس کو سیر بن ابی بکر کا ساتھ نہیں دینا چاہیے“
 جواب میں رواندہ نے فوراً اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑ لیے پھر سنجیدہ لہجے میں کہنے لگی۔

”بابا! میری توبہ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ بابا! جو راستہ میرے شوہر نے اپنایا ہے یوں جانیں اس میں میری مکمل طور پر رضا مندی اور خوشی شامل ہے۔ بابا! اس کے باوجود میں ڈرتی ہوں کہ ان حالات کے بعد جب میرے شوہر مجھ سے ملنے یا مجھے لینے کے لیے آئیں گے تو یہ معتمد کہیں اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر بیٹھے۔ بابا! اگر ایسا ہوا تو پھر ہم تو جیتے جی ہی جاتے رہیں گے۔“

رواندہ جب خاموش ہوئی تب انیتش بھی بڑی سنجیدگی میں کہنے لگا۔

”میری بچی! تیرے اندازے دُرست ہیں لیکن معتمد کا کوئی فیصلہ حرفِ آخر تو نہیں ہے اور پھر یہ طاقت اور قوت کا سرچشمہ بھی نہیں ہے۔ اگر یہ کسی موقع پر زکریہ بن ادریس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کرے گا تو ایسی کارروائی کرتے ہوئے بھی یہ بات اُس کے ذہن میں رہے گی کہ زکریہ بن ادریس اکیلا نہیں اول تو اشبیلیہ کے دوسرے دونوں بڑے سالار غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم بھی زکریہ بن ادریس کے حمایتی ہیں۔

اس کے علاوہ زکریہ بن ادریس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے معتمد کئی بار یہ بھی سوچے گا کہ زکریہ بن ادریس کی پشت پر سیر بن ابی بکر اور داؤد بن عائشہ بھی ہیں اور اُس نے اگر کسی موقع پر زکریہ بن ادریس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو سیر بن ابی بکر داؤد بن عائشہ جو الامکھی کی طرح معتمد کے خلاف پھٹ پڑیں گے اور جب ایسا ہوگا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں نہ معتمد رہے گا اور معتمد کی یہ سلطنت اور نہ ہی اس کی یہ حکومت۔“

یہاں تک کہنے کے بعد انیتش زکا پھر رواندہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
 ”رواندہ میری بیٹی میں سمجھتا ہوں یہ معتمد اب شیطانی کہاں کھیلنے لگ گیا ہے اور میرا دل کہتا ہے کہ عنقریب اسے اس کے اعمال کی سزا ضرور مل کر رہے گی۔ میری بیٹی! بھوک لگی ہے پہلے کھانا لاؤ۔ میرا دل کہتا ہے کہ حالات معتمد کے خلاف ہی جائیں گے۔“

اس پر رواندہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اُس کی ماں اُموسیہ بھی اٹھی دونوں ماں بیٹی نے مل کر دیوان خانہ میں کھانا لگایا اور اس کے بعد تینوں بیٹھ کر پُرسکون ماحول میں کھانا کھا رہے تھے۔





مخبروں نے جو اطلاع سیر بن ابی بکر کو دی تھی اُس کے مطابق افونش کے لشکریوں کا سپہ سالارِ اعلیٰ فانیز ایک بہت بڑا لشکر لے کر شمال سے جنوب کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا اور وہ اس شاہراہ پر سفر کر رہا تھا جو شاہراہ بحریتا کے کوہستانی سلسلوں سے نکل کر دریائے تاجہ کو عبور کر کے تلپیرہ اور وہاں دریائے آنہ پر جو کشتیوں کا پل تھا اس کے اوپر سے گزر کر جبل مورینہ میں سے گزرتی ہوئی وادی الکبیر اور اشبیلیہ شہر کی طرف جاتی تھی اور وہاں سے دریائے کبیر کو پار کرتی ہوئی رندہ اور پھر آگے اس کی ایک شاخ قادس اور دوسری جبل الطارق کی طرف نکل گئی تھی۔

زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ چونکہ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ شمال کی طرف بڑھ رہے تھے لہذا انہوں نے جبل مورینہ اور دریائے آنہ کے درمیان جو کھلے میدان تھے وہاں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا اس لئے کہ جو مخبر دشمن پر نگاہ رکھنے کے لئے ان دونوں نے مقرر کیے تھے ان مخبروں نے زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کو بتا دیا تھا کہ افونش کا سپہ سالارِ اعلیٰ اپنے جوار لشکر کے ساتھ دریائے آنہ کو عبور کرنے کے بعد جبل مورینہ کا رخ کر رہا ہے اس بناء پر دریائے آنہ اور جبل مورینہ کے درمیان ایک مناسب جگہ زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد اپنا پڑاؤ کر لیا تھا۔

جس وقت پڑاؤ قائم ہو رہا تھا زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ ایک جگہ کھڑے ہوئے اس موقع پر زکریہ بن ادریس داؤد بن عائشہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”ابن عائشہ میرے بھائی! جو کچھ ہمارے مخبروں نے بتایا ہے اس کے مطابق شاید آج دن کے کسی حصہ میں افونش کا سپہ سالار فانیز اپنے لشکر کو لے کر ہمارے سامنے ان

میدانوں میں نمودار ہوگا۔ میرے بھائی میں چاہتا ہوں اس کی آمد سے پہلے پہلے ہم اپنے لشکر کی تشکیل اور اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کی اپنی منصوبہ بندی کو آخری شکل دے لیں۔ اس موقع پر کچھ تجاویز میرے بھائی! تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں اگر تم تبدیلی کے لئے کہو گے تو تبدیلی کر دی جائے گی۔“

اس موقع پر داؤد بن عائشہ نے مسکراتے ہوئے زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! میں جانتا ہوں جو کچھ تم کہو گے اسی میں ہماری بہتری اور بھلائی ہوگی۔ بہر حال کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس لئے کہ جو تجویز تم نے سوچ رکھی ہے اسے سننے کے لئے اب میرا دل بے چین اور بے تاب ہو گیا ہے۔“

داؤد بن چائشہ جب خاموش ہوا تب زکریہ بن ادریس نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

”بھائی! میں چاہتا ہوں پہلے لشکر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ میری کمانداری میں اور دوسرا حصہ تمہارے ماتحت کام کرے گا جیسا کہ ماضی میں ہم کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد ان دونوں حصوں کو دو مزید حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور وہ حصے اپنے دوسرے سالاروں کی کمانداری میں دے دیئے جائیں گے۔ اب جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں یا کہنا چاہتا ہوں غور سے سننا۔

ہم اپنے لشکر کو دشمن کے سامنے پھیلا کر نہیں رکھیں گے بلکہ اپنے لشکر کا پھیلاؤ اپنی پشت کی جانب رکھیں گے۔ لشکر کے جو مزید دو حصے کئے جائیں گے ایک حصہ میری پشت پر دوسرا تمہاری پشت پر رہے گا۔ جب دشمن ہم سے ٹکرائے گا تو سب سے پہلے دشمن پر ہمارا یہ تاثر پڑے گا کہ ہم ان کے مقابلے میں چھوٹا سا لشکر لے کر آئے ہیں جسے وہ لمحوں کے اندر پسپا کر کے رکھ دیں گے۔ جب جنگ کی ابتدا ہوگی تو پہلے میں اور تم اپنے حصے کے ساتھ دشمن سے ٹکرائیں گے اور ان کو روکنے کی کوشش کریں گے جارحیت اختیار نہیں کریں گے۔

جنگ کے شروع ہونے کے بعد لشکر کے دو حصے جن میں سے ایک حصہ تمہاری پشت پر دوسرا میرے پیچھے کام کر رہا ہوگا وہ اپنے اپنے سالاروں کے ساتھ حرکت میں آئے گا۔ میں چونکہ دائیں جانب ہوں گا لہذا جو حصہ میری پشت پر ہوگا وہ مزید پیچھے

سے نکل کر دائیں جانب ہو گا اور دائیں جانب سے نکل کر فائیز کے لشکر کے پہلو کو اپنا ہدف بنائے گا۔ اسی طرح لشکر کا وہ حصہ جو تمہاری پشت پر کام کر رہا ہو گا وہ بائیں جانب ہو گا اس لئے کہ تم میرے بائیں جانب کام کر رہے ہو گے۔ وہ مزید بائیں جانب ہونے کے بعد تھوڑا سا آگے بڑھے گا اور دشمن کے لشکر کے بائیں پہلو پر ضرب لگائے گا۔

داؤد بن عائشہ میرے بھائی! اس طرح جنگ کی ابتدا کے وقت دشمن کے سامنے ہماری طرف سے دو ہی محاذ ہونگے ایک میری صورت میں اور دوسرا تمہاری طرف سے اب جب ہمارے لشکر کے دوسرے دو حصے بھی پشت سے ہٹ کر سامنے آئیں گے اور دشمن کے پہلو کو اپنا ہدف بنانے کی کوشش کریں گے تب چار محاذ کھل جائیں گے۔ داؤد بن عائشہ میرے عزیز بھائی! جس کام کی ہم ابتداء کریں گے اس کے لئے ہم تو خود ہی تیار ہوں گے اس لئے کہ ہمیں پتہ ہو گا کہ دو کی بجائے چار محاذوں کی جنگ شروع کی جانی ہے اور ہمارے لشکر بھی بالکل تیار ہو جائیں گے چونکہ ہم پہلے سے انہیں اس مقصد کے لئے تیار کر دیں گے۔

رہی بات دشمن کی تو میرے بھائی جیسا کہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں افونش کا سپہ سالار فائیز اپنے لشکر کو چاہے کتنے ہی حصوں میں تقسیم کر لے لیکن ہم نے اپنی منصوبہ بندی کے تحت کام کرنا ہے۔ شروع میں جب وہ ہمارے خلاف اپنے حملوں کی ابتداء کرے گا تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے بھائی میں اور تم اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھیں گے اور جب ہمارے دو حصے پشت کی جانب سے دائیں بائیں سرکتے ہوئے فائیز کے لشکر کے پہلو پر ضرب لگائیں گے تب فائیز کے لشکر میں ایک انقلاب اور تبدیلی رونما ہوگی اس لئے کہ فائیز، اس کے سالار، اس کے لشکر کی اپنی پوری توجہ اپنے سامنے دے رہے ہوں گے کسی اور سمت کسی اور جہت سے انہیں کسی کے حملہ آور ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ چنانچہ جب ہمارے دو لشکر ان کے پہلو پر ضرب لگانا شروع کریں گے تو ظاہر ہے فائیز کوئی الفور اپنے لشکر کی نہ صرف ترتیب بدلنا ہوگی بلکہ لشکر کے ایک خاصے بڑے حصہ کا دو مقامات پر رخ بھی تبدیل کرنا ہو گا اور اس رخ کے لئے اسے خاص طور پر سالار بھی مقرر کرنا ہوں گے جو اس رخ سے ہمارے دو لشکروں کے حملوں کو روک سکیں۔

جب ہمارے دونوں لشکر فائز کے لشکر کے پہلو پر ضرب لگا دیں گے اور فائز اور اس کے سالار اپنی ترتیب درست کر رہے ہوں گے کہ پہلو سے نمٹنے کے لئے یعنی دوئی مہموں پر پورا اترنے کے لئے جس وقت وہ سالار اور ان کے نائب مقرر کر رہے ہوں گے اس وقت یقیناً ان کے لشکر کے اندر ایک ابتری اور افراتفری کا عالم ہوگا۔

”داؤد بن عائشہ میرے بھائی! اس موقع پر میں اور تم پوری طاقت و قوت و پوری شدت سے حملہ آور ہوں گے۔ دفاع پر کمر توڑ دیں گے اور پوری غضبناکی کے ساتھ جارحیت پر اتریں گے۔ میرے بھائی! اگر ہم ایسا کریں تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اپنے پہلے ہی حملے میں ہم دونوں بھائی فائز کے لشکر کی اگلی صفوں کا صفایا کر سکتے ہیں اور جب ہم ایسا کر چکے تو یاد رکھنا پہلوؤں کی طرف پہلے ہی افراتفری ہوگی۔ لہذا ہم فائز کے لشکر کے اندرونی اور وسطی حصہ میں موت کا کھیل شروع کر دیں گے۔ اتنی دیر تک پہلوؤں سے حملہ آور ہونے والے ہمارے سالار بھی اپنا دباؤ بڑھاتے ہوئے وسطی حصہ کا رخ کر رہے ہوں گے۔ ایسی صورت میں فائز کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہوگا اور وہ یہ کہ شکست قبول کر کے واپس بھاگنے پر مجبور ہو جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریہ بن ادریس جب خاموش ہوا تب تیز نگاہوں اور انتہائی غائر انداز میں داؤد بن عائشہ زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ زکریہ بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! اس طرح مجھے گھور نہیں اپنی زبان سے کچھ کہو۔“

”زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے میرے بھائی! جو کچھ تم نے طے کیا ہے وہ مجھ داؤد بن عائشہ کے لئے بالکل آخری ہے۔“

میرے بھائی! اب آؤ اسی منصوبہ بندی پر عمل کرنے کے لئے اپنے اپنے لشکر کی ترتیب کو آخری شکل دیتے ہیں ساتھ ہی سارے معاملے کی تفصیل اپنے سالاروں اور لشکریوں کو بھی سمجھا دیتے ہیں۔“ چنانچہ زکریہ بن ادریس نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے سالاروں اور لشکریوں کو سارا معاملہ سمجھانے لگے تھے۔

دوسرے روز شام سے کچھ پہلے فائز اپنے لشکر کے ساتھ دریائے آنہ اور جبل مورینا کے درمیان کھلے میدانوں میں بالکل زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے لشکر کے سامنے پڑاؤ کر گیا۔ شاید اس نے ان میدانوں کی طرف آگے بڑھتے ہوئے اپنی رفتار

ست کردی تھی ہو سکتا ہے وہ جنگ کی ابتداء ہی نہ کرنا چاہتا ہو یا وہ اس جنگ کو ٹالنے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن جب اس کے مخبروں نے یہ خبر دی کہ دشمن کا ایک لشکر تو جبل مورینا کے سامنے اس کا منتظر ہے تب اسے مجبوراً ان میدانوں کا رخ کرنا پڑا ہوگا۔ بہر حال فائز اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے سامنے آ کر پڑاؤ کر گیا۔

دونوں لشکروں کے درمیان رات بھر خاموشی طاری رہی تاہم دونوں جانب کچھ لشکری رات کو چاق و چوبند رہے تاکہ کسی پر کوئی شب خون نہ مار سکے۔ اگلے روز جس وقت سورج طلوع ہوا زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے اپنے لشکر کی ترتیب درست کرتے ہوئے صف بندی شروع کر دی تھی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے فائز بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگا تھا۔ اور ساتھ ہی اس کے لشکر میں بڑی بڑی دھیں بڑے بڑے طبل بج اٹھے تھے۔

کچھ دیر تک ایسا ہی سماں رہا دراصل داؤد بن عائشہ اور زکریہ بن ادریس دونوں ہی یہی چاہتے تھے کہ جنگ کی ابتداء فائز کی طرف سے ہو۔ اس بناء پر جب تک طبل بجتے رہے وہ اپنے لشکر کے سامنے بالکل خاموش رہے۔ چنانچہ اس وقفہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فائز نے جنگ کی ابتداء کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکر کو طبقہ داری کی نفرت رکھتے بستیوں میں قضاء کا زہر گھولتے ستم درازی کرنے والوں اور ایمان کے سوداگروں کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اس کے بعد وہ وحدانیت پر بت پرستی کا غلاف چڑھانے والوں، خیر میں خباثوں کی گہرائیاں، نیکی میں گناہوں کی تمازت بھرنے والوں کی طرح زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔ فائز کا یہ حملہ بڑا شدید تھا وہ، اس کے سالار اور لشکری خون کے شعلے بھڑکاتے عذابوں، کاسہ تقدیر میں محرومیوں کی آتش، بد بختیوں کے قصے، تاریک شب کی خونی داستانیں بھرتے بخرپن اور بد بختیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

داؤد بن عائشہ اور زکریہ بن ادریس نے صرف فائز کے حملوں کو روکنے پر اکتفاء کیا تھا۔ فائز کے حملہ آور ہونے سے شادمانی کی ساعتیں غموں کی اندھی یلغار میں تبدیل ہونا شروع ہو گئیں تھیں۔ سوچوں کے آنگن میں خون آلود کرتے بگولے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

کچھ دیر تک ایسا ہی سماں رہا اس کے بعد ایک تبدیلی اور ایک انقلاب رونما ہونا شروع ہوا۔

داؤد بن عائشہ اور زکریہ بن ادریس کے پشتی حصے میں لشکر کے جو حصے تھے انہوں نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ انہوں نے آہستہ آہستہ دائیں بائیں سرکنا شروع کیا۔ سب سے پہلے وہ لشکر حرکت میں آیا جو زکریہ بن ادریس کے پشتی حصہ میں تھا وہ ایک دم دائیں جانب کو ہٹا پھر آگے بڑھا اور فائز کے لشکر کے ایک پہلو پر وہ وقت کی سلگتی صداؤں میں اپنی شمشیر کی نوک سے قہر برساتی داستاںیں رقم کرتے عذابوں ہر شے کی سانسوں کو زہر آلود کر دینے والے شکست و ریخت کے قاصدوں اور زندگی کی آوازوں تک کو نا تمام کرتے تباہی کے طلاطم کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

دائیں طرف کے اس لشکر کے تھوڑی ہی دیر بعد بائیں جانب بھی انقلاب رونما ہوا اور بائیں جانب کا حصہ بھی کھسک کر سامنے آ گیا اور وہ فائز کے لشکر کے دوسرے پہلو پر ایک دم زرد صحرا کی کوکھ میں خونی کہانیوں کو جنم دیتے سیاہ گھناؤنے عزائم وقت کی اڑتی گرد میں تلخ حقیقتوں کے گہرے زخم دیتی اذیتوں اور ذہن تک کی شیرازہ بندی بکھیر دینے والے موت و قضاء کے جھکڑوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یہ صورت حال فائز کے لیے یقیناً پریشانی کا باعث تھی سامنے کی طرف سے زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ برابر اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھے ہوئے تھے جبکہ اس وقت فائز نے اپنی پوری طاقت و قوت کو داؤد بن عائشہ اور زکریہ بن ادریس پر مرکوز کر رکھا تھا۔ اب جبکہ مسلمانوں کے لشکر کے دو حصے اس کے دائیں بائیں کے پہلوؤں پر حملہ آور ہوئے تب فائز کو بڑی تیزی سے اپنی ترتیب کو تبدیل کرنا پڑا لشکر کے کچھ حصے علیحدہ کرنے پڑے ان پر سالار مقرر کرنے پڑے۔ اس نئی ترتیب میں لشکر کے اندر جہاں بے ترتیبی اور بد نظمی پھیلی وہاں تھوڑی سی افراتفری کا سماں بھی برپا ہوا تھا اور اسی سے زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا تھا۔

چنانچہ یہ فائدہ اٹھانے کے لیے پہلے ابتداء زکریہ بن ادریس نے کی۔ زکریہ بن ادریس نے بڑے زور دار انداز میں تکبیریں بلند کیں شاید یہ اس کا اشارہ تھا کہ وہ اپنے کام کی ابتداء کرنے لگا ہے۔ اس کے بعد وہ رات کے بجھتے الاؤ میں سلگتی بربادیوں کی طرح ہر شے کو ویران کر دینے والے آتش کے جوار بھائے صحرا کے قرطاس پر پھیلی

وحشت بھری تنہائیوں میں نمودار ہو کر ہر شے کی سلوٹیں نکالتی آندھیوں اور جسم کے ہر ریشہ و مو کی کانٹ چھانٹ کی ابتداء کرتی چبھتی بریلی ہواؤں موسموں کے شدائد اور سوچ و گمان کو خون آلود کرتی فناء کی قہر مانیت کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

زکریہ بن ادریس کے ساتھ ہی ساتھ داؤد بن عائشہ نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ بھی وقت کے بیابانوں میں ریاکاری کی بستیاں برباد کرتی احساس کی بھڑکتی آتش، دلوں میں کرب، ذہنوں میں آگ بھڑکا کر اسیری کی نفرت کا شکار کرتی بے انت کڑوی داستانوں اور لفظوں میں حدت، تن من میں زہر بھر دینے والے خون آلود خیالات کے اندیشوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

لڑائی اب اپنے زوروں پر آگئی تھی قضاء چاروں طرف رقص کرتے ہوئے جذبات میں تھکاوٹ و احساسات میں بیزاری و دلولوں میں اکتاہٹ و عزائم میں زوال و سیری بھرنے لگی تھی۔ انا پرستی کے نقوش مدہم پڑنے لگے تھے زمستانی ہواؤں کی طرح سرا سیمنا کر دینے والی اذیتیں موت کی شدت کو اپنے کاندھوں پر لادے چار سو ناچ اٹھی تھیں۔ ہر گھمنڈ ہر بے نیازی کی ردا پھاڑتے جبر و جور کے لمحات زیست پر گھٹن اور اعضاء شکنی طاری کرنے لگے تھے۔ فائیز اور اس کے لشکری شروع میں بڑے خوش اور مطمئن تھے۔ اس لئے کہ زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھا تھا لہذا وہ یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ ان کے دشمن جارحیت پر نہیں اتریں گے اور عنقریب کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

لیکن اب جو تبدیلی آئی تھی اس تبدیلی کی وجہ سے حالت یکسر تبدیل ہونا شروع ہو گئی تھی۔ فائیز اور اس کے لشکریوں کے سامنے اب گہرے اندھیروں کی بکھری پنہائیوں میں گردش کرتے آتش فشانی لاوے دکھائی دینے لگے تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ مسلمان لشکری جو اس سے پہلے ان کے سامنے اپنے آپ کو بالکل دفاع تک محدود رکھے ہوئے تھے وہ اب تاریکیوں کو ریزہ ریزہ کرتے کھولتے آتش فشانی دھاروں کی طرح ان پر ضربیں لگانے لگے تھے۔ پہلے وہ صرف سامنے کی طرف متوجہ تھے۔ اب ان کے دائیں بائیں سے بھی وقت کے پاؤں مثل کرتے درد کے طوفان اٹھے تھے اور سامنے جو پہلے صرف دفاع ہی دفاع تھا وہاں اب زیست کے بادلوں پر المناک عذابوں کو طاری کرتی شوریدگی سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

فانیز کے لشکر کی حالت اب آہستہ آہستہ گناہوں کے دلدل میں ڈوبتے مجرموں، ذات کی الجھنوں کا شکار ہوتے گنہگاروں و ندامت کی بلندیوں میں کھو جانے والے بُرے مقاصد رکھنے والے بھیڑیوں اور بھاگتے زمانے کی دہلیز پر درد و فرقت کے بگولوں سے بھی زیادہ ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

کچھ دیر تک جب مزید جنگ جاری رہی تب فانیز اور اس کے تحت کام کرنے والے سالاروں نے اندازہ لگا لیا کہ اب تھوڑی دیر تک بدترین شکست ان کا مقدر بننے والی ہے اور اگر انہوں نے پسپائی اختیار نہ کی تو مسلمان سالار اور لشکری چاروں طرف سے ان کا قتل عام شروع کر دیں گے۔ لہذا فانیز نے اس موقع پر اپنے لشکر کے اندر پسپائی کے سگھ پھونکوا دیئے تھے۔ سگھ کی آواز بلند ہونا تھی کہ فانیز اور اس کے لشکری بھاگ کھڑے ہوئے۔ داؤد بن عائشہ اور زکریہ بن ادریس نے اپنے لشکر کے ایک حصہ کو پیچھے اپنے پڑاؤ کی حفاظت کے علاوہ دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کرنے کے لیے چھوڑا خود وہ فانیز کے بھاگتے لشکر کے تعاقب میں لگ گئے تھے۔

یہ تعاقب لگ بھگ دریائے آنہ تک رہا اور وہاں تک جاتے جاتے داؤد بن عائشہ اور زکریہ بن ادریس نے فانیز کے لشکر کی تعداد کافی حد تک کم کر دی تھی جب فانیز بچے کھچے لشکر کو لے کر دریائے آنہ کے کشتیوں کے پل کو پار کر کے تلخیرہ کی طرف چلا گیا تب زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے تعاقب ترک کرتے ہوئے اپنے لشکر کو روک دیا۔

اس موقع پر دونوں اپنے گھوڑوں سے اترے ایک دوسرے کی طرف بھاگے گلے ملے پھر دونوں ایک دوسرے کو اس شاندار فتح پر مبارک باد دے رہے تھے اتنی دیر تک چھوٹے سالار بھی وہاں آگئے وہ بھی گلے ملنے لگے تھے پھر سارے لشکریوں کے اندر گھوم پھر کر زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ انہیں اس فتح مندی پر مبارک باد اور شاباش اور تحسین دے رہے تھے پھر ایک جگہ سب کھڑے ہوئے اور داؤد بن عائشہ، زکریہ بن ادریس اور باقی سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے بے پناہ خوشی کے اظہار میں کہہ رہا تھا۔

”آج افونش کے سالار اعلیٰ فانیز کو شکست دینے کا لطف آ گیا۔ زکریہ بن ادریس میرے بھائی! میں دل سے تسلیم کرتا ہوں کہ اس فتح مندی کا سہرہ تمہارے سر جاتا ہے

اس لئے کہ جس تجویز اور جس منصوبہ بندی کے تحت ہم نے دشمن کے حملوں کو پہلے روکا پھر جوابی اور جارحیت کی کارروائی کی یہ ساری تمہاری تدبیر اور منصوبہ بندی تھی۔ میں تمہیں سلام پیش کرتا ہوں۔“

اس موقع پر داؤد بن عائشہ نے جب اپنا ہاتھ اپنی پیشانی کی طرف سلام کرنے کے لئے لے جانا چاہا تب آگے بڑھ کر ایک دم زکریہ بن ادریس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔

”جس طریقے سے ہم نے دشمن کو شکست دی ہے میرے بھائی! اس منصوبہ بندی میں ہم دونوں برابر کے شامل ہیں۔ اس لئے جہاں تم میری تدبیر کو سلام پیش کرتے ہو وہاں میں تمہاری جرأت مندی و دلیری، تمہاری جانثاری اور ساتھ دینے کو بھی سلام پیش کرتا ہوں۔“

اس کے بعد لشکر نے وہاں سے سیدھا سفر شروع کیا اس جگہ آیا جہاں افونش کے سپہ سالار فائیز کے ساتھ ٹکڑاؤ ہوا تھا۔ لشکر کا جو حصہ وہاں متعین کیا تھا اس نے اپنے پڑاؤ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ فائیز کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا تھا۔ فائیز کے پڑاؤ سے ملنے والی اشیاء میں سے اکثریت لشکریوں میں تقسیم کر دی گئی تھی۔ دو دن لشکریوں کو وہاں سستانے کا موقع فراہم کیا گیا اس کے بعد لشکر وہاں سے قرطبہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

شبیلیہ شہر کے قصر میں ایک روز معتمد ایک کمرے میں سر جھکانے خاموش و اداس اور افسردہ بیٹھا ہوا تھا کہ اسی لمحہ قصر کے اس کمرے میں اس کی ہر دل عزیز بیوی رمیکیا داخل ہوئی۔ اس کی آمد پر معتمد چونکا تھا رمیکیا کچھ دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی اس کے بعد قدرے دھیمے لہجے اور مدہم آواز میں وہ معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میں نے سنا ہے کوئی بڑی اور ناپسندیدہ خبر آئی ہے؟“

جواب میں معتمد نے ایک لمبا سانس لیا پھر اپنی بیوی رمیکیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”تمہارا اندازہ درست ہے میں نے سوچ رکھا تھا کہ میں نے یوسف بن تاشفین کے لشکر کے خلاف افونش سے مدد طلب کی ہے تو اس کے خاطر خواہ نتائج نکلیں گے۔“

اس وقت میری خوشی کی کوئی انتہاء نہ تھی جب میری عرضداشت کو قبول کرتے ہوئے افونش نے ایک جرار لشکر اپنے سپہ سالار فانیز کی سرکردگی میں میری مدد کے لئے روانہ کیا تھا اور میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ جب فانیز یہاں اشبیلیہ کی حدود میں پہنچے گا تو میں شہر سے نکل کر شاندار انداز میں اس کا استقبال کروں گا اور پھر فانیز کو اپنے ساتھ لے کر میں پہلے قرطبہ کا رخ کروں گا جہاں یوسف بن تاشفین کے بھتیجے سیر بن ابی بکر نے قیام کر رکھا ہے اور وہاں اس سے نمٹنے کے بعد غرناطہ اور پھر دوسرے علاقوں کا رخ کروں گا۔ جہاں جہاں بھی یوسف بن تاشفین کے لشکریوں نے اپنی گرفت مضبوط اور مستحکم کی ہے۔

لیکن اب جو خبر آئی ہے اس کے مطابق افونش کا سپہ سالار جب دریائے آنہ کو عبور کرنے کے بعد جبل مورینہ کی طرف آیا تو وہاں ہمارے سالار زکریہ بن ادریس اور یوسف بن تاشفین کے سالار داؤد بن عائشہ نے اس کی راہ روکی دونوں لشکروں میں گھمسان کا رن پڑا جس کے جواب میں زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے افونش کے سپہ سالار اعلیٰ فانیز کو بدترین شکست دی ہے اور اب جو میرے مخبر خبریں لے کر آئے ہیں ان کے مطابق فانیز شکست اٹھا کر واپس افونش کی طرف بھاگ گیا ہے جب کہ اس کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کرنے کے بعد زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ قرطبہ شہر کی طرف چلے گئے ہیں۔

اب کسی بھی سمت سے کسی مدد کی کوئی امید نہیں ہے۔ اب مجھے ان تفکرات نے گھیر رکھا ہے کہ یوسف بن تاشفین کے بھتیجے سیر بن ابی بکر تک یہ خبر ضرور پہنچ گئی ہوگی کہ میں نے اپنے قاصد بھیج کر افونش سے اس کے خلاف مدد طلب کی تھی۔ اب ان اندیشوں نے مجھے گھیر رکھا ہے کہ افونش کا لشکر شکست اٹھا کر بھاگ گیا ہے لہذا میرا دل کہتا ہے کہ اب سیر بن ابی بکر قرطبہ سے نکل کر اشبیلیہ کا رخ کرے گا اور جس طرح انہوں نے غرناطہ اور اس کے بعد قرطبہ پر قبضہ کیا ہے اس طرح وہ اشبیلیہ پر بھی حملہ آور ہو کر مجھے اور میرے لواحقین کو قید کریں گے اور اشبیلیہ شہر پر قبضہ کر لیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد معتمد خاموش ہوا اس کی اداسی اور فکر مندی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا یہاں تک کہ رمیکیا نے کچھ سوچا پھر کھنکتی ہوئی آواز میں وہ معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”یہ کوئی بڑا معاملہ اور فکر مندی کی بات نہیں اور اسے رفع بھی کیا جاسکتا ہے۔“
 رمیکیا کے ان الفاظ پر معتمد چونکا غائر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔
 ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ یہ بڑا اہم معاملہ ہے اور اسی معاملہ نے مجھے تفکرات میں ڈال رکھا ہے۔“

”آپ کے یہ تفکرات لمحوں کے اندر ختم ہو سکتے ہیں“ رمیکیا نے بھی بڑے غور سے معتمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

معتمد پھر چونکا۔ حیرت زدہ سے لہجے میں رمیکیا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟“

”ہاں! میں جانتی ہوں میں کیا کہہ رہی ہوں۔ پھر کہتی ہوں کہ یہ معاملہ بہت جلد ختم ہو سکتا ہے اور آپ کے تفکرات اور پریشانیاں بھی جاتی رہیں گی۔“
 ”وہ کیسے؟“ رمیکیا کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے معتمد نے پوچھ لیا تھا۔
 رمیکیا نے کچھ سوچا پھر معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”ابھی آپ کھل کڑ اور فائیز کا ساتھ دے کر سیر بن ابی بکر کے خلاف حرکت میں نہیں آئے۔ اب آپ اپنے چند امراء کے ساتھ اشبیلیہ سے نکلیں قرطبہ کا رخ کریں وہاں سیر بن ابی بکر کی خدمت میں حاضر ہوں اور اس سے کہیں کہ میں نے نہ کوئی قاصد افونش کی طرف بھیجا کہ وہ آپ کے خلاف میری مدد کرے نہ ہی میں نے کسی بھی موقع پر اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ آپ کے خلاف میں کسی دوسری قوت کا استعمال کروں نہ آپ لوگوں نے ابھی میرے معاملات میں دخل اندازی کی ہے اس لئے میں آپ کے خلاف کیوں بولوں گا۔“

اس پر معتمد کہنے لگا۔

”دخل اندازی تو کی ہے اس لئے کہ قرطبہ پر ہمارا تسلط تھا اب وہ قرطبہ ان کے پاس ہے۔“

رمیکیا پھر بولی اور کہنے لگی۔

”جو میں کہتی ہوں وہ کریں۔ اگر آپ اپنے کچھ سرکردہ امراء کے ساتھ اشبیلیہ سے نکل کر قرطبہ کا رخ کرتے ہیں اور وہاں سیر بن ابی بکر کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہتے ہیں کہ آپ ان کے مخلص اور وفادار ہیں اور افونش سے آپ کا کوئی تعلق نہیں تو میں آپ

کو یقین دلاتی ہوں کہ سیر بن ابی بکر آپ کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرے گا اور اشبیلیہ پر آپ کی حکومت کو برقرار رہنے دے گا۔

”جب ایسا ہو جائے گا تو پھر آپ ایک قدم اٹھا سکتے ہیں“

”وہ کونسا؟“ مزید دلچسپی لیتے ہوئے معتمد نے پوچھ لیا تھا۔

”وہ قدم انتہائی اہم ہو گا جب سیر بن ابی بکر آپ کو معاف کر دے تو آپ جانتے

ہیں کہ حالات کسی قدر درست ہو جائیں گے۔ اشبیلیہ کے تین بڑے سالار ہیں زکریہ

بن ادریس، غیر در بن شیبب اور زیدون بن مسلم۔ گزشتہ کئی ماہ سے افونش سے سیر بن

ابی بکر کے خلاف مدد طلب کی ہے۔ اب آپ نے اس بات کو افواہ ہی ثابت کرنا ہے

اور اس بات پر زور دینا ہے کہ آپ نے افونش سے کوئی مدد طلب نہیں کی۔ جب آپ کا

معاملہ سیر بن ابی بکر کے ساتھ صاف ہو جائے تو یاد رکھنا زکریہ بن ادریس، زید بن

شیبب اور زیدون بن مسلم اپنے لواحقین اپنے رشتہ داروں سے ملنے اشبیلیہ شہر میں آئیں

گے۔ چنانچہ جب وہ ایسا کریں تو آپ ان سے ملیں پہلے ان پر یہ زور ڈالیں کہ وہ آپ

کے لشکر کا ایک حصہ ہیں لہذا اشبیلیہ کے لشکر میں شامل ہوں اور انہیں یہ بھی ترغیب دیں

کہ اگر وہ سیر بن ابی بکر کے لشکر سے نکل کر آپ کے لشکر میں شامل ہوتے ہیں تو انہیں

کئی گنا زیادہ فوائد مہیا کئے جائیں گے اگر وہ تینوں مان جائیں تو یوں سمجھئے گا آپ کا

کام بن جائے گا۔ اس لئے کہ وہ تینوں مل کر آپ اس لشکر کی طاقت اور قوت میں بڑا

اضافہ کر سکتے ہیں اور اس اضافے کو دیکھتے ہوئے میرے خیال میں آنے والے دور

میں سیر بن ابی بکر یا اس کے دوسرے سالار کبھی اور کسی بھی وقت اشبیلیہ پر اپنی گرفت

کرنے سے متعلق نہیں سوچیں گے۔

اور اگر وہ تینوں آپ کے لشکر میں شامل نہیں ہوتے انکار کرتے ہیں تب بھی آپ فی

الفور ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کرنا چیلے و بہانوں سے مختلف جہتوں سے

انہیں اشبیلیہ میں روکے رکھیں۔ اگر وہ واپس سیر بن ابی بکر کی طرف جانا چاہیں تو نہ

جانے دیں۔ کسی نہ کسی بہانے انہیں یہاں روکے رکھیں۔ پھر بھی نہ مانیں تو پھر جارحانہ

روئیہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اور جب ان کے خلاف جارحانہ روئیہ اختیار ہو گا تو آپ

سے آپ مانیں گے۔ انہیں پتہ ہو گا کہ اگر وہ نہیں مانیں گے تو اپنی جانوں سے ہاتھ دھو

بیٹھیں گے۔ لہذا ہر صورت میں وہ آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اور جب

ایسا ہوگا تو اشبیلیہ کی عسکری طاقت اور قوت موجودہ طاقت سے مختلف ہو کر رہ جائے گی۔“

رمیکیا جب خاموش ہوئی تب ہلکا سا تبسم اس موقع پر معتمد کے چہرے پر نمودار ہوا تھا کچھ دیر تک یہی کیفیت رہی اس کے بعد اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی ساتھ ہی اس نے رمیکیا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”رمیکیا! تم اکثر مواقع پر میرے کام آئی ہو اور اس موقع پر بھی جو تدبیر تم نے بتائی ہے میرے خیال میں اگر اس پر عمل کروں تو میرے لئے بھلائیاں ہی بھلائیاں اٹھ کھڑی ہوں گی۔ اس وقت اس سے بہتر کوئی اس مسئلہ کا حل نہیں ہے سو میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔ کل ہی اپنے کچھ عمائدین کے ساتھ یہاں سے نکلوں گا قرطبہ کا رخ کروں گا اور سیر بن ابی بکر سے اس سارے معاملے کو صاف کر کے پھر واپس اشبیلیہ آؤں گا۔ میرے خیال میں جب یہ معاملہ صاف ہو جائے گا تو یقیناً زکریہ بن ادریس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم اشبیلیہ آئیں گے۔ اس کے بعد میں ان کے خلاف اپنے کام کی ابتداء کروں گا۔ بالکل وہی طریقہ اپناؤں گا جس کی تفصیل تم نے مجھ سے کہی ہے۔“

معتمد کا جواب پا کر رمیکیا بھی خوش ہو گئی تھی اور اگلے روز معتمد اپنے کچھ امراء کے ساتھ اشبیلیہ سے نکل کر قرطبہ شہر کا رخ کر گیا تھا۔



ایک روز خوبصورت رواندہ کا باپ انیتش بہہ پہر کے وقت بڑی تیزی سے حویلی میں داخل ہوا اس وقت رواندہ اور اس کی ماں اُموسیہ دونوں ماں بیٹی دیوان خانہ میں بیٹھی ہوئی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ بڑی تیزی سے مسکراتے ہوئے انیتش صحن سے دیوان خانہ میں داخل ہوا تھا اسے اس حالت میں دیکھتے ہوئے اُموسیہ اور رواندہ دونوں ماں بیٹی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کے اشارے سے انیتش نے اُموسیہ اور رواندہ دونوں کو بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ یہ اشارہ پا کر دونوں ماں بیٹی پھر اس جگہ بیٹھ گئیں جہاں سے وہ اٹھی تھیں۔ انیتش ان کے سامنے ہو بیٹھا پھر قبل اس کے اُموسیہ یا رواندہ میں سے کوئی اس سے پوچھتا انیتش خود ہی بول اٹھا کہنے لگا۔

”آج میں بے حد خوش ہوں“

اپنے باپ کے ان الفاظ پر رواندہ بھی مسکرائی کہنے لگی۔

”بابا! کیا آپ کو کوئی بڑا خزانہ مل گیا ہے جو آج آپ خود ہی خوشی کا اظہار کر رہے

ہیں یا یہ کہ آپ کا کاروبار غیر معمولی طور پر کہیں چل نکلا ہے۔“

انتہش مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میری بیٹی! نہ مجھے کہیں سے خزانہ ملا ہے اور نہ میرا کاروبار اچانک کہیں چل نکلا

ہے۔ میری یہ خوشی میری بیٹی! تیری ذات کی وجہ سے ہے۔“

”بیٹی! یہ ساری خوشیاں تیری وجہ سے ہیں۔ میں اس وقت بڑا فکر مند تھا جس وقت

میں نے یہ سنا تھا کہ افونش کا سپہ سالار فائیز ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ اشبیلیہ کا

رخ کر رہا ہے۔ اس وقت میرے تفکرات اور فکر مندی میں مزید اضافہ ہو گیا جب میں

نے یہ خبریں سنیں کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ

چلے گئے ہیں میری فکر مندی کی وجہ یہ تھی کہ زکریہ بن ادریس جب داؤد بن عائشہ کے

ساتھ مل کر فائیز کو شکست دے گا تو معتمد زکریہ بن ادریس کو اپنا بدترین دشمن خیال

کرنے لگے گا۔ زکریہ بن ادریس کے ساتھ اب ہمارا ایک رشتہ ہے۔ تو اب اس کے

نکاح میں ہے اور اس کی بیوی ہے۔ بے شک رخصتی نہیں ہوئی بہر حال وہ تیری زندگی کا

ساتھی ہے اور اس کی خبر سب کو ہے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ زکریہ بن ادریس سے نفرت کی

بناء پر معتمد ہمارے خلاف بھی حرکت میں آسکتا ہے لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔“

”اب ایسا کیوں نہیں ہوگا؟“ رواندہ نے جستجو بھرے انداز میں پوچھ لیا تھا۔

جواب میں انتہش کے چہرے پر مسکراہٹ میں اضافہ ہو گیا کہنے لگا۔

”اب یقیناً ایسا نہیں ہوگا اور اس وجہ سے مجھے دو خوشیاں میسر آ رہی ہیں۔ بیٹی! پہلی

خوشی تو یہ ہے کہ زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں نے مل کر افونش کے سپہ

سالار فائیز کو بدترین شکست دی ہے اور وہ ذلت آمیز شکست اٹھا کر افونش کی طرف

بھاگ گیا ہے۔ یہ میرے لئے پہلی شاندار اور ایک بہت بڑی خوشخبری ہے۔

میری بیٹی! دوسری اچھی خبر بھی اس سے کم اہمیت کی حامل نہیں ہے اس لئے کہ آج

معتمد اپنے چند سرکردہ امراء کے ساتھ اشبیلیہ سے قرطبہ کی طرف روانہ ہو گیا ہے جہاں

وہ یوسف بن تاشفین کے بھتیجے سیر بن ابی بکر کی خدمت میں حاضر ہوگا اور اس پر یہ

ثابت کرنے کی کوشش کرے گا کہ افونش سے سیر بن ابی بکر کے خلاف اس نے کوئی مدد طلب نہیں کی۔ یہ ساری افواہیں ہیں وہ سیر بن ابی بکر کا وفادار اور مخلص ہے اور یہ کہ افونش نے اپنی طرف سے یہ افواہیں اڑائی ہوں گی کہ میں نے اس سے مدد طلب کی ہے اور اپنے طور پر ہی اس نے اپنے سپہ سالار کو ایک جرار لشکر دے کر اشبیلیہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

اس طرح معتمد سیر بن ابی بکر کے ساتھ اپنے تعلقات کو بہتر بنانا چاہتا ہے اور جب ایسا ہوگا تو میری بیٹی! اس سے ہماری بھی بہتری ہوگی۔ اس کے ہمیں دو بڑے فائدے ہوں گے۔

پہلا یہ کہ اس طرح معتمد زکریہ بن ادریس کی وجہ سے ہمارے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کرے گا اور دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ زکریہ بن ادریس اچھے اشبیلیہ آنا شروع ہو جائے گا اور جب بھی جس وقت بھی وہ آیا میری بیٹی! میں تجھے اس کے ساتھ وداع کر دوں گا۔ اس لئے کہ اب تو اس کے ساتھ ہی رہتی اچھی لگتی ہے۔ اس لئے کہ تم دونوں ایک دوسرے کی زندگی کے ساتھی ہو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد انیتش جب خاموش ہوا تب مسکراتے ہوئے اموسیہ کہنے لگی۔

”کیا آپ دوکان بند کر کے آرہے ہیں؟“

اس پر انیتش اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا کہنے لگا۔

”کہاں بند کر کے آیا ہوں بس جس وقت آج میں نے یہ خبریں سنیں میرا دل چل گیا۔ دوکان پر بیٹھنے کو دل نہیں کر رہا تھا یہی جی چاہتا تھا کہ فوراً گھر پہنچوں اور تم دونوں ماں بیٹی کو یہ خبریں پہنچاؤں۔ اب چونکہ میں تفصیل کے ساتھ تمہیں بتا چکا ہوں لہذا اب میرا دل اور ذہن دونوں ہلکے ہو گئے ہیں میں واپس دوکان کی طرف جاتا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی اموسیہ اور رواندہ کے جواب کا انتظار کئے بغیر انیتش حویلی سے نکل گیا تھا۔





افونش ایک روز اپنی ملکہ لیتہ و بیٹی مغربتا اور بیٹے برگز کے ساتھ بیٹھا مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح شکست دینے اور نیچا دکھانے کے متعلق گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا ایک مخبر نمودار ہوا۔ افونش نے اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ مخبر آگے بڑھا افونش کو اس نے تعظیم دی پھر افونش نے اسے مخاطب کیا۔

”کیا کوئی اہم خبر لے کر آئے ہو؟“

اس مخبر نے پہلے اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگا۔

”میں ایک انتہائی اہم خبر لے کر آیا ہوں اور یہ خبر ہمارے لئے یقیناً اچھی نہیں

ہے۔“

”کیا یہ خبر میرے سالارِ اعلیٰ فائز سے متعلق ہے؟“

قاصد پھر بھاری سی آواز میں بول اٹھا۔

”مالک آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں فائز سے متعلق ہی خبر لے کر آیا ہوں اور

خبر یہ ہے کہ فائز کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اور وہ اپنے بچے کھچے لشکر کو لے

کر اب یہاں سے قریب ہی ہے۔“

یہ خبر سن کر افونش ہی نہیں اس کی بیٹی اور بیٹا بھی اداس اور افسردہ ہو گئے تھے یہاں

تک کہ افونش نے پھر خبر لانے والے کو مخاطب کر کے پوچھا۔

”یہ ٹکراؤ کہاں ہوا؟“

”دریائے آنہ اور جبلِ مورینہ کے درمیان جو کھلے میدان ہیں وہاں مسلمانوں کے

ساتھ فائز کے لشکر کا ٹکراؤ ہوا اور اس ٹکراؤ میں فائز شکست اٹھا گیا۔“

”ٹکراؤ کس سے ہوا؟“ افونش نے پھر لہسا سانس لیتے ہوئے دکھ بھری آواز میں

پوچھا تھا۔

”فائز کا ٹکراؤ زکریہ بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ سے ہوا اور ان دونوں نے فائز کو شکست دی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا تب ہاتھ کے اشارے سے افونش نے اسے جانے کے لئے کہا۔ اس خبر پر افونش اس کی ملکہ، بیٹی، بیٹا سارے پریشان اور فکر مند ہو گئے تھے۔ کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی پھر اس افسردہ خاموشی اور سکوت کو افونش کی خوبصورت بیٹی مغربیتا نے توڑا تھا۔ وہ افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”کیا یہ ہماری بد قسمتی نہیں ہے کہ ہمیں بار بار مسلمانوں کے ہاتھوں شکست اور زک اٹھانا پڑ رہی ہے۔ میں تو اب ایک عرصہ سے اس بات کے لئے بھی ترس گئی ہوں کہ کسی موقع کسی مقام کسی ٹکراؤ کسی رن میں ہمارے لشکریوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف کامیابی اور کامرانی نصیب ہوگی اور پھر میں نے تو یہ بھی اندازہ لگایا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کے سالار جہاں زکریہ بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ ہوتے ہیں وہاں کامیابی اور فتح مندی مسلمانوں کی، ناکامی و پرہیزگاری اور ذلت آمیز شکست ہمارا ہی مقدر بنتی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مغربیتا جب خاموش ہوئی تب دکھ بھرے انداز میں افونش کہنے لگا۔

”بیٹی! تیرا کہنا درست ہے اس لئے کہ آج تک مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیں ان گنت شکستوں اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ان ناکامیوں اور شکستوں کو دیکھتے ہوئے اگر ہم جی چھوڑ بیٹھیں تو پھر بیٹی بات بنتی نہیں ہے۔ ہم اپنے کام میں لگے رہیں گے۔ اور ایک نہ ایک روز ہمیں مسلمانوں کے خلاف کامیابی ضرور ہوگی اور جس روز ایسا ہوا میں سمجھوں گا ہماری فتح مندی ہماری کامیابیوں کے درکھل گئے ہیں اور اس روز سے ہم ان سرزمینوں میں مسلمانوں کا رہنا تنگ کر دیں گے اور ان کا بوریا بستر سمیٹ کر رکھ دیں گے۔“

افونش جب خاموش ہوا تب دکھ بھرے انداز میں مغربیتا کہنے لگی۔

”جس رفتار سے جس انداز سے اور جس منصوبہ بندی سے ہم مسلمانوں کے خلاف کام کر رہے ہیں یا ان کے خلاف حرکت میں آئے ہیں ان منصوبہ بندیوں سے تو ہمیں

کہیں بھی مسلمانوں کے خلاف کامیابی ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ بابا! اس سے پہلے ہم نے اپنے مختلف گروہ مسلمانوں کے مختلف شہروں کی طرف روانہ کئے ان میں خوبصورت لڑکیاں بھی شامل کیں لیکن ہماری وہ منصوبہ بندی بھی ناکام رہی۔ میں خود بھی ناکام رہی۔ اس لئے کہ میں نہ زکریہ بن اور لیس کو اپنی طرف مائل کر سکی اور نہ ہی زکریہ بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ کو کسی طرح موت کے گھاٹ اتار سکی تاہم اب میرے ذہن میں ایک ترکیب ایسی ہے جس پر عمل کر کے ہم اپنی کامیابی اور فتح مندی کا درکھول سکتے ہیں اور ایک بار فتح اور فوز مندی نے ہمارے قدم چومے تو پھر آنے والے دور میں فتح مندی کا پرندہ ہماری طرف ہی رہے گا اور ناکامی و بربادی اور تباہی کے طور مسلمانوں کی طرف پرواز کرتے رہیں گے۔“

مغربی تا جب رکی تب بڑے شوق سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے انفونش نے پوچھ لیا۔

”بیٹی! تیرے پاس وہ کون سی تدبیر ہے جس پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنی کامیابی اور اپنی کامرانی اور فتح کو یقینی بنا سکتے ہیں؟“

جواب میں مغربیتا نے کچھ سوچا کہنے لگی۔

”بابا! آئندہ جہاں کہیں بھی ضرورت پڑے یا ہسپانیہ کی کسی مسلمان ریاست کے حاکم کو ہماری ضرورت پڑے تو ہم اس کی مدد کے لئے جائیں تو اس موقع پر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ابتداء کرنے سے پہلے اب آپ اپنے علاقوں میں یہ اعلان کر دیں کہ ہمیں کچھ نایاب اور عمدہ تیغ زنوں کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کے ساتھ ٹکراؤ اور جنگ کے دوران ان سوراؤں اور ان تیغ زنوں میں سے جو بھی زکریہ بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ سے انفرادی مقابلہ کرے گا اور ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتارے گا اس شخص سے انفونش کی بیٹی مغربیتا کو بیاہ دیا جائے گا۔“

بابا! جب آپ یہ اعلان کریں گے تو دیکھئے گا اس کے دو فائدے ہوں گے۔ پہلا یہ کہ جنگجو جوق در جوق آپ کے لشکر میں شامل ہونا شروع ہو جائیں گے اس طرح آپ کے لشکر میں اضافہ ہوگا۔ دوسرا یہ کہ کئی نایاب تیغ زن اس پیش کش کو قبول کریں گے اور زکریہ بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ کے ساتھ انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ بابا! شادی تو میری کہیں نہ کہیں ہونی ہے اور اگر ہمارا کوئی

سورما تیغ زنی میں زکریہ بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ کو مات کر دیتا ہے تو پھر اس شخص سے اگر میری شادی کر دی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہوگی۔“

مغربیتا کے ان الفاظ کا جواب افونش دینے ہی والا تھا کہ اس سے پہلے افونش کی بیوی یوستہ بول اٹھی۔

”مغربیتا ٹھیک کہتی ہے۔ اس کی شادی ہم نے کہیں نہ کہیں تو کرنی ہے۔ اگر کوئی ایسا سورما سامنے آتا ہے جو انفرادی مقابلے میں زکریہ بن اور لیس اور داؤد بن عائشہ کو زیر کر سکتا ہے اور انہیں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے تو مغربیتا کی شادی اس کے ساتھ کرنے میں ہم فخر محسوس کریں گے۔“

اپنی بیوی یوستہ کے یہ خیال جان کر افونش نے خوشی اور طمانیت کا اظہار کیا تھا پھر کہنے لگا۔

”آئندہ جو بھی مسلمانوں کے ساتھ ٹکراؤ ہو اس میں ایسا ہی کیا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ میری بیٹی کی یہ تجویز کامیاب بھی ہوگی اور اس طرح ہم مسلمانوں کے خلاف اپنی کامیابی کا دکھولنے میں کامران اور کامیاب رہیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد افونش جب خاموش ہوا تب کسی قدر طمانیت اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مغربیتا بول اٹھی۔

”بابا! اس کے لئے ابھی سے ہمیں کام شروع کر دینا چاہئے۔ اپنے سارے صوبوں اور شہروں میں اس بات کا اعلان کر دینا چاہئے تاکہ سارے شہروں اور صوبوں میں اس سلسلے میں تیغ زنی کے مقابلے کرائے جائیں اور جو چیدہ چیدہ تیغ زن سرفہرست ہیں ان کا پھر آپس میں مقابلہ کرایا جائے اور ان میں سے صرف دو کا انتخاب کیا جائے ان دو میں سے ایک کو پہلے زکریہ بن اور لیس کے خلاف آزمایا جائے گا وہ کامیاب رہے تو میرے باپ! ہمارے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اس کے بعد دوسرے کو داؤد بن عائشہ کے ساتھ ٹکرا دیا جائے۔ اگر ہمارے ایک تیغ زن نے زکریا بن اور لیس کو نیچا دکھا دیا تو مجھے قوی امید ہے کہ ہمارا دوسرا تیغ زن داؤد بن عائشہ کو بھی زیر کر لے گا۔ اس طرح ہمارے دو تیغ زن فاتح کی حیثیت سے سامنے آئیں گے اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کے لشکر کے اندر بددلی پھیل جائے گی یہی بددلی آنے والے دور میں ہماری کامیابیوں کے درکھولتی چلی جائے گی۔ چنانچہ جن دو تیغ زنوں کی وجہ سے زکریہ بن

اور لیس اور داؤد بن عائشہ کا خاتمہ ہوگا اور ان کی وجہ سے ہمیں کامیابی کا درجہ ملے گا ان دو میں سے پھر میں انتخاب کروں گی کہ مجھے کس کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانا ہے۔“

مغربیوں کی اس تجویز کو افونش، اس کے بیٹے اور بیوی تینوں نے پسند کیا تھا۔ لہذا اسی روز اس سلسلے میں افونش نے احکامات جاری کرنا شروع کر دیئے تھے۔

قرطبہ شہر کے مستقر میں ایک روز سیر بن ابی بکر، زکریہ بن اور لیس، داؤد بن عائشہ، زید بن شیب، زیدون بن مسلم اور کچھ دیگر سالار بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ ایک چھوٹا سا سالار دروازے پر نمودار ہوا اور سیر بن ابی بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر! اشبیلیہ کا حاکم معتمد کسی اہم کام کے سلسلے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ وہ ابھی ابھی یہاں داخل ہوا ہے اور ابھی آپ سے ملاقات کا خواہاں ہے۔“

اس موقع پر سوالیہ سے انداز میں سیر بن ابی بکر نے وہاں بیٹھے اپنے سارے ساتھیوں کی طرف دیکھا اس کے بعد دروازے پر کھڑے ہونے والے چھوٹے سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”وہ اکیلا ہے یا اس کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں؟“

جواب میں وہ سالار کہنے لگا۔

”امیر! اس کے ساتھ اشبیلیہ کے شہر کے کچھ زعماء بھی ہیں۔“

سیر بن ابی بکر نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”اچھا! انہیں اندر بھیج دو۔“

وہ چھوٹا سالار وہاں سے ہٹ گیا تھا تھوڑی دیر بعد اس کمرے میں معتمد اور اس کے

زعماء داخل ہوئے۔ سیر بن ابی بکر اور اس کے سارے ساتھیوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر

معتمد کا استقبال کیا۔ معتمد آگے بڑھا سب سے پُر جوش انداز میں اس نے مصافحہ کیا۔

سیر بن ابی بکر نے اپنے قریب ہی اسے ایک نشست پر اپنے قریب بیٹھنے کے لئے کہا۔

اس کے بعد اس کے ساتھی بھی خالی نشستوں پر ہو بیٹھے تھے۔ سیر بن ابی بکر اسے مخاطب

کر کے گفتگو کا آغاز کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی معتمد بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت آپ سب لوگ اکٹھے بیٹھے ہیں دراصل میں

ایک غلط فہمی دور کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ گزشتہ دنوں میں یہ افواہ اڑ گئی تھی کہ

میں نے افونش کی طرف قاصد بھیجوائے ہیں اور آپ کے خلاف اس سے مدد طلب کی

ہے۔ میں سمجھتا ہوں میں نے ایسا کوئی قدم نہ اٹھایا ہے اور یہ افواہ میرے دشمنوں نے آپ کی نگاہوں میں مجھے حقیر اور ذلیل کرنے کے لئے چاروں طرف پھیلائی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کارروائی افونش کی ہو اور اس کے مخبروں نے یہ اطلاع پھیلا دی ہو کہ میرے قاصد افونش کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ لوگوں کے خلاف میں نے مدد چاہی۔ میں ایسا ہرگز نہ کر سکتا ہوں نہ کروں گا۔

سیر بن ابی بکر! اس وقت جو اندلس کے حالات ہیں وہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ اندلس کے اندر مسلمانوں کا اتحاد و یکجہتی دینی چاہئے جب تک میں زندہ ہوں میں اس یکجہتی کی بہتری کے لئے کام کرتا رہوں گا۔ کبھی میں مسلم اُمہ کے اتفاق اور اتحاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد معتمد زکا کچھ سوچا ہونٹوں پر زبان پھیری دو بارہ وہ سیر بن ابی بکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ اشبیلیہ سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس غلط فہمی کو دور کروں کہ میں نے افونش سے کوئی اتحاد کیا ہے۔ ان افواہوں میں نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ کوئی سچائی اگر میں نے ایسا کرنا ہی ہوتا تو مجھے تو اس واقعہ کی اطلاع ہی اس وقت ملی جب اشبیلیہ شہر کے اندر خوشیاں منائی گئیں اور اس بات کا کھلے عام اظہار کیا گیا کہ اندلس کے دو بہترین سالاروں زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے دریائے آنہ اور جبل مورینہ کے درمیان پڑنے والے میدانوں کے اندر بدترین شکست دی ہے۔ اس فتح کی خبر سن کر اشبیلیہ کے لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی خبریں پھیل چکی تھیں کہ افونش نے اپنے سپہ سالار اعلیٰ فانیز کو میرے کہنے پر ایک لشکر دے کر جنوب کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں اس کے ساتھ مل کر آپ لوگوں کے خلاف کارروائی کروں۔ ان ساری باتوں میں سچائی نہیں ہے اگر میں نے ایسا کرنا ہی ہوتا تو جس وقت افونش کا سپہ سالار فانیز اپنے لشکر کے ساتھ نکلا تھا میں اس سے کوئی رابطہ قائم کرتا اور جب اس نے دریائے آنہ کو پار کر کے جبل مورینہ کا رخ کیا تھا تب میں بھی اشبیلیہ سے نکل کر کم از کم آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرتا اور اس کے ساتھ مل کر جس کے خلاف کارروائی کرنی تھی اس کے خلاف کارروائی کی ابتداء کرتا لیکن آپ نے دیکھا ہو گا کہ اس سلسلے میں

اشبیلیہ کی طرف سے کسی لشکر کے حرکت میں آنے یا ایسی کوئی ہلچل برپا ہونے کی اطلاع نہیں ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد معتمد جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے سیر بن ابی بکر کہنے لگا۔

”معتمد! اگر یہ سب کچھ سچ اور درست ہے جو آپ کہہ رہے ہیں اور آپ عالم اسلام کی یکجہتی اور اتفاق قائم رکھنے کے خواہاں ہیں اور چاہتے ہیں کہ اندلس کے اندر ہم یکجان ہو کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کریں تو پھر آپ دیکھیں گے کہ ہم آپ کے پہلو بہ پہلو اپنے دشمنوں کے خلاف کام کریں گے۔ آپ کی طرف سے ہم اب مطمئن ہیں اور آنے والے دور میں بھی ہم آپ کی بہتری اور بھلائی کے لئے کام کریں گے۔ اس موقع پر میں آپ کا اور آپ کے ان سارے زعماء کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے ایک خاص مقصد کے تحت اشبیلیہ سے یہاں میرے پاس آنے کی زحمت اٹھائی۔ اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ چند روز میرے ہاں معزز مہمان کی حیثیت سے رہیں۔ ہمیں خدمت کا موقع دیں تاکہ.....“

جواب میں معتمد مسکرایا اور کہنے لگا۔

”اس کے لئے میں آپ کا ممنون اور شکر گزار ہوں پر میں یہاں قیام نہیں کروں گا۔ آپ جانتے ہیں قرطبہ پر پہلے میرے بیٹے کی حکومت تھی۔ قرطبہ میرے زیر نگیں علاقوں میں شامل تھا اب اگر میں یہاں قیام کرتا ہوں تو میرے قیام کے دوران یا میرے یہاں سے جانے کے بعد کوئی ناخوشگوار واقعہ نمودار ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی جائے گی۔ اس طرح ہمارے درمیان ایک نا اتفاقی اور نفاق پیدا ہو گا اور میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں پیچھے ایک منزل پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرام کر چکا ہوں۔ اب میں آپ سب لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہاں سے اشبیلیہ کے لئے کوچ کرنا چاہوں گا۔“

اس کے ساتھ ہی معتمد اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے ساتھی اور سیر بن ابی بکر اور اس کے سارے سالار بھی اٹھ کھڑے ہو گئے تھے۔ معتمد پھر سب سے باری باری گلے ملا جب وہ زکریہ بن ادریس سے گلے ملا تب اس کی پیشانی چومی۔ اس کا گال تھپتھپایا اور کہنے لگا۔

”زکریہ بن ادریس! تمہاری بہترین کارروائیاں، تمہاری شجاعت و جرأت مندی کی

داستانیں میرے پاس پہنچتی رہتی ہیں اور میں تمہاری ذات پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ میری دلی دعا ہے کہ خداوندِ قدوس آنے والے دور میں تمہیں اس سے بھی زیادہ کامیابیاں عطا کرے۔“

زکریہ بن ادریس سے ملنے کے بعد اسی انداز میں معتمد، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم سے ملا تھا اس کے بعد وہ باقی سالاروں سے بھی گلے ملا پھر وہ اپنے ساتھیوں اور زعماء کے ساتھ اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد تک خاموشی رہی یہاں تک کہ بڑے رازدارانہ انداز میں سیر بن ابی بکر زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
”ابن ادریس! یہاں تمہاری موجودگی میں جو کچھ معتمد نے کہا ہے اس سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

زکریہ بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”سیر بن ابی بکر میرے بھائی! معتمد ناقابلِ اعتبار شخص ہے اس کی کسی بھی بات پر اعتماد اور اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ میرے خیال میں اس نے جب دیکھا ہے کہ افونش کے سپہ سالار فائز کو بدترین شکست ہوئی ہے اور اب افونش کی طرف سے کوئی اس کی مدد کے لئے نہیں آئے گا تو یہ یہاں چلا آیا ہے تاکہ اپنی صفائی پیش کرے اور معاملے کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کرے۔ معتمد اس سانپ کی مانند ہے جو کسی بھی موقع پر مناسب وقت دیکھ کر ڈس سکتا ہے۔ یہاں بیٹھ کر یہ صاف انکار کر گیا ہے کہ اس نے اپنا کوئی قاصد مدد کے لئے افونش کی طرف نہیں بھیجا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے مخبر جو خبریں لے کر آئے تھے وہ بڑے قابلِ اعتبار ہیں اور انہوں نے بڑے وثوق کے ساتھ یہ خبر دی تھی اور پھر اس معتمد کا ماضی بھی کوئی اچھا نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں میں اتفاق و یکجہتی کی باتیں کرتا ہے لیکن ایسی کوئی صفت اس میں ہے نہیں۔“

زکریہ بن ادریس جب خاموش ہوا تب باری باری زید بن شیب اور زیدون بن مسلم کی طرف دیکھتے ہوئے سیر بن ابی بکر نے پوچھ لیا۔

”تم دونوں بھائیوں کا معتمد کے متعلق کیا خیال ہے؟“

اس بار غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم نے آپس میں مشورہ کیا اور اس کے بعد زیدون بن مسلم سیر بن ابی بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جو کچھ ہمارے بھائی زکریہ بن اوریس نے معتمد سے متعلق کہا ہے اس سے ہم سو فیصد متفق ہیں۔ معتمد یقیناً ایسا ہی ہے اور پھر کسی بھی حالت میں اس پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔“

زیدون بن مسلم جب خاموش ہوا تب کچھ دیر خاموشی رہی سیر بن ابی بکر سوچتا رہا پھر زکریہ بن اوریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابن اوریس میرے بھائی! تم غیر در اور زیدون تینوں کل اشبیلیہ چلے جاؤ وہاں سے اپنے اہل خانہ کو نکال کر قرطبہ لانے کی کوشش کرو۔ ابن اوریس میرے بھائی! روانہ سے تمہارا نکاح ہو چکا ہے وہ اب تمہاری بیوی ہے اور اس کے ماں باپ ایک طرح سے تمہارے اہل خانہ ہیں۔ تم غیر در اور زیدون سب اپنے اپنے لواحقین کو جا کر قرطبہ لے آؤ اور اگر معتمد ناقابل اعتماد ہے تو پھر یاد رکھنا آنے والے دور میں یہ پھر کوئی ایسی حرکت کرنے کی کوشش کرے گا اگر سانپ ہے تو ڈسے گا ضرور اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ یہ کوئی ایسی اچھی حرکت کرتا ہے آپ لوگ اپنے لواحقین کو وہاں سے نکال لیں اس لئے کہ کسی دوسری حرکت کے موقع پر وہ آپ کے لواحقین کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ اس نے اپنے ذہن میں یہ بھی بات بٹھا رکھی ہوگی کہ وہ افونش سے مدد طلب کر رہا ہے جب کہ اس کے اپنے اشبیلیہ کے تین سالار افونش کے خلاف ضربیں لگا کر اس کے لشکر کو شکست سے دو چار کر رہے ہیں۔ لہذا میں چاہوں گا کہ تم کل معتمد کے پیچھے پیچھے اشبیلیہ چلے جاؤ دو چار روز وہاں قیام کرو اور پھر اپنے لواحقین کو وہاں سے نکال کر قرطبہ لے آؤ۔ ابھی بات نئی نئی ہے معتمد اپنی صفائی پیش کر کے گیا ہے۔ اس لئے یہ تم تینوں کے لئے سنہری موقع ہے بعد میں ایسا کوئی اور حادثہ پیش آ گیا تو معتمد تم تینوں کو ہمارا ساتھ دینے کی وجہ سے تمہارے لواحقین کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔“

زکریہ بن اوریس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم نے سیر بن ابی بکر سے اتفاق کیا تھا۔ لہذا اگلے روز وہ قرطبہ سے اشبیلیہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔





رواندہ اور اس کی ماں دونوں مطبخ میں کھانا تیار کر کے فارغ ہوئی ہی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس پر رواندہ فوراً دروازے کی طرف لپکی اور اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”لہاں! بابا آگئے ہیں اچھا ہو وقت پر ہم نے کھانا تیار کر لیا ہے۔“

رواندہ نے جب آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تب اس کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ تھی اس لئے کہ دروازے کے سامنے اس کا باپ انیتش کھڑا تھا اور انیتش کے ساتھ زکریہ بن اور لیس بھی اپنے گھوڑے کی باگ پکڑنے مسکراتے ہوئے رواندہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رواندہ نے پورا دروازہ کھول دیا اندر داخل ہوتے ہوئے زکریہ بن اور لیس نے جب سلام کہا تب اس وقت تک اُموسیہ بھی وہاں پہنچ گئی تھی دونوں ماں بیٹی نے خوشی میں ڈوبی ہوئی آوازوں میں سلام کا جواب دیا۔ زکریہ بن اور لیس جب اندر داخل ہوا تب رواندہ نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے گھوڑے کی باگ جب اس سے لیتا چاہی تو زکریہ بن اور لیس نے گھوڑے کی باگ نہیں چھوڑی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی رواندہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اس سے پہلے جب آپ مجھے گھوڑے کی باگ نہیں دیا کرتے تھے تو میں خاموش ہو جاتی تھی اس لئے کہ اس وقت آپ کا اور میرا وہ رشتہ نہ تھا جو اب ہے۔ اب میرا آپ سے نکاح ہو چکا ہے میں آپ کی بیوی ہوں لہذا آپ کے گھوڑے کو پکڑ کر اصطبل میں باندھنا اب میرے فرائض میں شامل ہے۔“

رواندہ کے ان الفاظ پر اس کا باپ انیتش اور ماں اُموسیہ دونوں مسکرا رہے تھے۔ اس موقع پر زکریہ بن اور لیس بھی مسکراتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

”رواندہ! جو کچھ تم نے کہا ہے وہ درست ہے پر یوں جانو تم نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ میں گھوڑے کو اصطبل میں باندھتا ہوں پھر دیوان خانہ میں بیٹھتا ہوں۔“

رواندہ نے نفی میں گردن ہلائی کہنے لگی۔

”اس بار میں ماننے کی نہیں۔ گھوڑے کو اصطبل میں ہی باندھوں گی۔“

زکریہ بن ادریس پھر جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اُمویہ بڑی شفقت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹے! تم گھوڑے کی باگ چھوڑ دو۔ اسے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے جانے دو۔“

اُمویہ کے کہنے پر زکریہ بن ادریس نے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور مسکراتے ہوئے رواندہ گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے گئی۔ ایتیش اور اُمویہ دونوں زکریہ بن ادریس کو لے کر دیوان خانہ کی طرف گئے اور نشستوں پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک رواندہ بھی دیوان خانہ میں داخل ہوئی اور زکریہ بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”گھوڑے کا دہانہ اور زین میں نے اتار دی ہے۔ اس کے دانے و چارے کا بھی اہتمام کر دیا ہے۔“ ساتھ ہی اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی دو چرمی خرچینیں آگے بڑھ کر زکریہ بن ادریس کے پاس رکھیں اور کہنے لگی۔

”یہ خرچینیں ہیں جو گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی تھیں“

زکریہ بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”رواندہ! ان دونوں خرچینوں کو اپنے پاس رکھو ایک میں میرے کپڑے ہیں دوسرے میں نقدی اور دوسرا سامان ہے جو مجھے مال غنیمت میں حصہ کے طور پر ملتا رہا ہے۔“

زکریہ بن ادریس کے کہنے پر رواندہ نے دونوں خرچینیں سنبھال لی تھیں اور اس کے پہلو میں جو خالی نشست تھی وہاں ہو بیٹھی تھی۔

گفتگو کا آغاز زکریہ بن ادریس نے کیا اور تینوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم آج ہی اشبیلیہ میں داخل ہوئے ہیں۔ میں آپ تینوں کو لینے آیا ہوں۔ ہم اب یہاں نہیں قرطبہ میں جا کر رہیں گے۔ اسی طرح غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم بھی اپنے اپنے اہل خانہ کو لے کر اشبیلیہ سے نکلیں گے اور قرطبہ کا رخ کریں گے۔“

میں زیادہ سے زیادہ ایک یا دو دن یہاں آپ کے پاس قیام کروں گا اس کے بعد ہم چاروں یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ بابا! جہاں تک آپ کی دوکان کا تعلق ہے تو کل اس کی نگرانی کسی کے حوالے کر دیجئے گا جو آپ کی دوکان میں کام کرتے ہیں اسے سامان گنوا کر اس کے حوالے کیجئے گا اسے کہہ دیجئے گا کہ آپ کچھ دنوں کے لئے یہاں سے قرطبہ جا رہے ہیں واپس آ کر اس سے حساب کر لیں گے۔“

اس موقع پر رواندہ اور اموسیہ دونوں فکر مند ہو گئیں تھیں دوسری طرف انیتش نے بھی فکر گیر آواز میں پوچھ لیا۔

”بیٹے! پہلے یہ انواہیں اڑی تھیں کہ معتمد نے اپنے قاصد افونش کی طرف بھجوائے ہیں اور آپ لوگوں کے خلاف اس نے افونش سے مدد طلب کی ہے پھر یہ انواہیں آئیں کہ معتمد کے کہنے پر افونش نے ایک لشکر بھیجا ہے جسے بیٹے تم نے اور داؤد بن عائشہ نے شکست دے دی ہے۔ اس کے بعد یہ عجیب و غریب خبر اشبیلیہ میں پھیلی کہ معتمد کسی اہم مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے قرطبہ سیر بن ابی بکر کی طرف جا چکا ہے۔ وہاں کیا گفتگو ہوئی اس کا تو مجھے علم نہیں پر بیٹے.....“

اس موقع پر بیچ میں ذکر یہ بن ادریس بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”معتمد اپنے کچھ امراء کے ساتھ سیر بن ابی بکر کی خدمت میں قرطبہ میں حاضر ہوا تھا۔ وہاں جا کر اس نے اپنی حالت کو واضح کرنے کی کوشش کی اس نے کہا کہ اس نے کوئی قاصد مدد کے لئے افونش کی طرف نہیں بھجوایا۔ سیر بن ابی بکر کو اپنی باتوں میں اس نے یقین دلایا کہ یہ مسلمانوں میں اتفاق اور یکجہتی چاہتا ہے اور آنے والے دور میں سیر بن ابی بکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی بہتری اور بھلائی کے لئے یہ کام کرتا رہے گا۔ پر بابا! آپ جانتے ہیں معتمد قابل اعتماد اور قابل بھروسہ نہیں ہے۔“

جس وقت یہ خبر پھیلی تھی کہ اس نے افونش سے مدد طلب کی ہے اور جب میں اور داؤد بن عائشہ افونش کے سپہ سالار فانیز کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے تھے تو میں بڑا فکر مند تھا۔ مجھے آپ تینوں سے متعلق خدشات لاحق ہو گئے تھے کہ کہیں میرے اس عمل سے معتمد آپ تینوں کے خلاف حرکت میں نہ آجائے۔ میرے خیال میں فانیز کی شکست کے باعث یہ معتمد کسی کے خلاف انتقامی کارروائی نہیں کر سکا لیکن چونکہ یہ ناقابل اعتبار شخص ہے لہذا آنے والے دور میں یہ سیر بن ابی بکر سے کسی نہ کسی موقع پر

نکرائے گا لہذا آپ لوگوں کا یہاں رہنا مناسب نہیں اسی بناء پر میں چاہتا ہوں آپ تینوں میرے ساتھ جائیں گے اور عارضی طور پر ہم قرطبہ میں رہیں گے میرا دل کہتا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب بہت جلد اشبیلیہ پر بھی سیر بن ابی بکر کی حکومت قائم ہو جائے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریہ بن ادریس جب خاموش ہوا تب رواندہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کہنے لگی۔

”پہلے آپ اٹھیں ہاتھ منہ دھوئیں لباس تبدیل کریں گھر میں آپ کے لئے نئے لباس کافی بنا کر رکھے ہوئے ہیں۔ اتنی دیر تک میں مزید کھانا تیار کرتی ہوں اس کے بعد سب بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں باقی باتیں کھانے کے بعد ہوں گی۔“

رواندہ کے کہنے پر زکریہ بن ادریس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا رواندہ نے پہلے اسے نیا لباس نکال کر دیا اور وہ طہارت خانہ کی طرف چلا گیا تھا۔ رواندہ مطبخ میں داخل ہوئی۔ زکریہ بن ادریس کے لئے بھی اس نے کھانا تیار کر لیا اتنی دیر تک زکریہ بن ادریس بھی طہارت خانہ سے نکل کر دیوان خانہ میں آ گیا تب وہ سب خاموشی سے دیوان خانہ میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد رواندہ نے اپنے باپ اور زکریہ بن ادریس کے ہاتھ دھلوائے پھر اس نے زکریہ کو ہاتھ پونچھنے کے لئے انگوچھا دیا۔ زکریہ ابھی ہاتھ صاف ہی کر رہا تھا کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

دستک کی آواز سن کر رواندہ چونکی کہنے لگی۔
 ”اس وقت دستک کون دے سکتا ہے میں دیکھتی ہوں“
 زکریہ نے ہاتھ بڑھا کر رواندہ کا بازو پکڑ لیا اور کہنے لگا۔
 ”تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں کون ہے؟“

اس کے ساتھ ہی زکریہ بن ادریس دیوان خانہ سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف گیا۔ دروازہ جب اس نے کھولا تو دروازے پر ایک مسلح جوان کھڑا تھا اسے دیکھتے ہی زکریہ بن ادریس مسکرایا دونوں ایک دوسرے سے گلے ملے۔ آنے والا کبھی کسی دور میں معتمد کے لشکر میں زکریہ بن ادریس کے تحت چھوٹے سالار کی حیثیت سے کام کرتا رہا تھا۔ حویلی کے صحن میں جلتی ہوئی مشعل کی روشنی میں آنے والے اس چھوٹے سالار کا

چہرہ دیکھتے ہوئے زکریہ بن ادریس کہنے لگا۔

”تمہارے چہرے کا اندازہ لگاتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم کسی علت کی وجہ کے بغیر نہیں آئے؟“

آنے والے اس جوان نے انتہائی ذہیمے لہجے اور رازداری میں کہنا شروع کیا۔
”آپ کا کہنا درست ہے جو گفتگو میں کرنا چاہتا ہوں اس کے لئے دروازے پر کھڑے ہو کر بات کرنا اچھا نہیں ہے۔“

زکریہ بن ادریس اس کی بات کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ دیوان خانہ سے باہر برآمدے سے رواندہ کی آواز سنائی دی تھی۔

”آپ باہر دروازے پر کھڑے ہو کر کس سے گفتگو کرنے لگے ہیں؟“

اس پر زکریہ بن ادریس نے اس کا بازو پکڑ کر اندر کھینچا پھر دروازہ اس نے بند کر لیا۔ اسے لے کر دیوان خانہ میں داخل ہوا رواندہ، انیش اور اُموسیہ بھی نشستوں پر بیٹھ گئیں تھیں پھر بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے زکریہ بن ادریس کہنے لگا۔

”اب کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

وہ چھوٹا سالار دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”تھوڑی دیر تک معتمد آپ کو بلائے گا۔ پہلے اس نے اپنا ایک قاصد غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کی طرف بھجوایا تھا اور انہیں اپنے پاس بلایا تھا۔ ان دونوں نے یہ جواب دیا ہے کہ تم جاؤ ہم زکریہ بن ادریس کو اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں۔“

چونکہ معتمد نے آپ کو بھی بلایا ہے اگر معتمد کا آدمی آپ کو بلانے کے لئے نہ آیا تب غیر در بن شیب اور زیدون مسلم تھوڑی دیر تک یہاں آئیں گے میں ان سے بھی مل کر آ رہا ہوں اور جو گفتگو میں آپ سے کرنے لگا ہوں وہی میں ان سے بھی کر کے آیا ہوں۔ معتمد آپ کو اس لئے بلائے گا تاکہ آپ تینوں سے یہ عہد لے کہ آئندہ یعنی آنے والے دور میں آپ سیر بن ابی بکر کے لشکر میں نہ شامل ہوں گے نہ اس کے حق میں کسی کارروائی کی ابتداء کریں گے اور نہ ہی اس کی خاطر اس کے کسی دشمن سے جنگ کریں گے۔“

اس سالار کے ان الفاظ پر رواندہ، انیش اور اُموسیہ تینوں اداس اور افسردہ ہو گئے تھے یہاں تک کہ زکریہ بن ادریس نے اسے مخاطب کیا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟“

وہ سالار سنبھلا اور کہنے لگا۔

”ابنِ ادریس! حالات بڑے خراب ہو جائیں گے ابھی تھوڑی دیر تک معتمد آپ تینوں کو بلائے گا اور آپ تینوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گا کہ آئندہ آپ صرف معتمد کے لشکر میں رہتے ہوئے کام کریں گے۔ اور سیر بن ابی بکر کی طرف نہیں جائیں گے۔ اگر تو آپ نے معتمد کی اس بات کو قبول کر لیا تو پھر معتمد آپ کے خلاف حرکت میں نہیں آئے گا۔ آپ کو حویلی میں واپس آنے کی اجازت دے دے گا۔ تاہم اپنے آدمیوں کے ذریعہ آپ تینوں پر نگاہ ضرور رکھے گا تاکہ کہیں چوری چھپے آپ یہاں سے نکل کر سیر بن ابی بکر کی طرف جانے کی کوشش نہ کریں۔“

اور اگر آپ اور آپ کے دونوں ساتھی غیر در بن شیبیب اور زیدون بن مسلم نے اس کا کہنا نہ مانا تو میں ابھی سے آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ وہ آپ کو زندان میں ڈال دے گا۔ جو گفتگو میں نے معتمد اور اس کے لواحقین اور اس کے جانثاروں کی سنی ہے اس مقصد کے تحت وہ آپ کو زندان میں ڈالے گا اور زندان میں بھی صرف تین دن کی مہلت دے گا اور تین دن کے بعد وہ آپ تینوں کے خلاف کوئی خطرناک کارروائی بھی کر سکتا ہے۔

ابنِ ادریس! ہم ایک عرصہ تک آپ کے تحت کام کرتے رہے ہیں اور آپ کے لئے ہم اپنی جان بھی قربان کر سکتے ہیں۔ اب میں اکیلا نہیں میرے ساتھ اور بھی سالار اور لشکری ہیں جو آپ کی حفاظت کے لئے سرگرم ہیں۔ اب جو چیز رونما ہوگی اس کی میں پہلے سے آپ کو اطلاع کر دیتا ہوں۔ بہت سی ایسی خبریں ہیں جو آپ کو دینی ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلی خبر یہ ہے کہ آپ لوگوں سے متعلق یہ فیصلہ کہ جب آپ تینوں واپس آئیں تو آپ کو یہاں سے نہ نکلنے دیا جائے۔ معتمد نے کل کیا تھا اس لئے کہ اسے خبر ہوگئی تھی کہ اس کے پیچھے پیچھے ایک دن کا وقفہ ڈال کر آپ بھی اشبیلیہ آ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے بھی احتیاط سے کام لیا اور ہم نے اپنے دو جانثاروں کو سیر بن ابی بکر کی طرف روانہ کر دیا اور اسے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے سیر بن ابی بکر اب قرطبہ سے لشکر لے کر اشبیلیہ کا رخ کرے گا۔ اشبیلیہ کا محاصرہ کرے گا اور معتمد کو اس کے گندے عزائم کی سزا دینے کی کوشش کرے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ سالار رُکا دوبارہ اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”ابنِ ادریس! جواب میں کہنے لگا ہوں وہ غور سے سنیں آپ کی وجہ سے ہماری بہن رواندہ اماں اُموسیہ اور بابا انیتش کو بھی خطرہ ہے۔ لہذا ان تینوں کے لئے ہم نے ایک انتہائی محفوظ جگہ کا اہتمام کر دیا ہے۔ میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ کی طرف آنے سے پہلے غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم بھی اپنے اہل خانہ کو اسی محفوظ جگہ کی طرف روانہ کر دیں گے۔ اور انہیں ہمارے کچھ ساتھی ساتھ لے کر ادھر جائیں گے۔ اب میری آپ سے گزارش یہ ہے کہ آپ محتاط رہیں۔ ابھی اسی وقت ہماری بہن رواندہ، اماں اُموسیہ اور بابا انیتش تینوں کو محفوظ مقامات کی طرف روانہ کر دیں ابھی تھوڑی دیر تک میرے دو ساتھی آئیں گے وہ ہماری بہن اور اماں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ یہ شہر کے وسطی حصہ میں ہمارا ایک محفوظ تہہ خانہ ہے اس کے اندر رہیں گے۔ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کے اہل خانہ کو بھی ادھر ہی منتقل کیا جا چکا ہے۔

زکریہ بن ادریس میرے بھائی! ابھی تھوڑی دیر تک اگر معتمد کا آدمی آپ کو بلانے کے لئے آئے تو میرا کسی سے ذکر نہ کیجئے گا۔ بلانے والے کو اندر نہ لائیے گا۔ دوسری بات یہ کہ اگر معتمد کا آدمی نہ آئے غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم دونوں آپ کو لینے کے لئے آئیں تب آپ بے شک انہیں اندر بلانا چاہیں تو بلا سکتے ہیں اس لئے کہ جو گفتگو میں آپ سے کر رہا ہوں وہ میں ان سے پہلے ہی کر کے آ رہا ہوں۔

میں مزید آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ پیش کش معتمد آپ سے کرتا ہے تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟“

زکریہ بن ادریس بپھر گیا کہنے لگا۔

”اس معتمد پر میں لعنت بھیجتا ہوں میں تو کبھی بھی اس کا کہا نہیں مانوں گا۔ معتمد کا کہا ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ملت اپنی قوم سے غداری کی جائے۔

ایسا کرنے سے بہتر ہے کہ انسان اپنی جان پر کھیل جائے۔“

زکریہ بن ادریس کے ان الفاظ پر رواندہ رونے والی ہو گئی تھی۔ انیتش اور اُموسیہ کی گردنیں بھی جھک گئی تھیں یہاں تک کہ وہ چھوٹا سالار خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”یہ الفاظ ادا کر کے امیر آپ نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اب میں آگے آپ سے کہتا ہوں جو کہنا چاہتا ہوں۔

اگر آپ تینوں معتمد کے سامنے انکار کرتے ہیں کہ آپ معتمد کے ساتھ کام نہیں کریں گے اور سیر بن ابی بکر کے ساتھ رہتے ہوئے کام کریں گے تو لازم ہے کہ معتمد آپ تینوں کو تین دن کی مہلت دے گا ساتھ ہی زندان میں ڈال دے گا۔
اب آگے کیا ہونا ہے میری بات غور سے سنیں۔

آج ہی رات جس وقت معتمد آپ کو زندان میں ڈالے گا صبح اور آدھی رات کے درمیان زندان میں بغاوت اٹھے گی۔ اس لئے کہ زندان میں بھی ہمارے ہم نوا لوگ موجود ہیں جو یوسف بن تاشفین اور اس کے بھتیجے اور سالاروں کو اندلس کے لئے نجات دہندہ خیال کرتے ہیں اور ان کے خیالات کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ جب زندان میں بغاوت اٹھے گی تو وہاں جو معتمد کے ہم نوا ہیں ان میں سے اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ زندان کے اندر پہلے سے جتنے قیدی ہیں سارے باہر نکال دیئے جائیں گے۔ ان کے ساتھ آپ بھی زندان سے نکلیں گے۔ اس موقع پر ہمارے کچھ لشکری آپ تینوں کی راہنمائی کریں گے اور آپ تینوں کو بھی انہی تہہ خانوں کی طرف لے کر جائیں گے جہاں آپ کے اہل خانہ کو رکھا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ یہ ایک دو دن کی بات ہے اتنی دیر تک امیر سیر بن ابی بکر بھی اپنا لشکر لے کر یہاں پہنچ جائیں گے اور اشبیلیہ شہر کا محاصرہ کر لیں گے۔ جب ایسا ہو جائے گا تو معتمد اور اس کے جانثار اپنی توجہ کو آپ تینوں اور آپ کے اہل خانہ کی طرف مبذول کرنے کی بجائے اپنی ساری قوتوں اپنی ساری سوچوں اور تفکرات کو سیر بن ابی بکر کی طرف منتقل کر دیں گے چونکہ شہر کا محاصرہ کرنے کے بعد امیر سیر بن ابی بکر اور داؤد بن عائشہ شہر میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ یہ معتمد اور اس کے حمایتی زیادہ دن تک سیر بن ابی بکر اور داؤد بن عائشہ کے سامنے اپنا دفاع نہیں کر سکیں گے اور اشبیلیہ شہر فتح ہو جائے گا۔ فتح ہونے کے بعد معتمد کو گرفتار کر لیا جائے گا اس کے بعد اس سے متعلق جو فیصلہ سیر بن ابی بکر کریں گے اسی پر عمل کیا جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ سالار رزکا پھر بڑی انہماک سے زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھ لیا۔

”اب بولیں آپ کیا کہتے ہیں؟“

زکریہ بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میں نے کیا کہنا ہے سب کچھ تو تم نے کہہ دیا ہے اب میرے کہنے کے لئے تم نے

کچھ چھوڑا ہی نہیں جو تم نے کہا ہے وہ درست ہے اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زکریہ بن ادریس رُکا پھر رواندہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے

لگا۔

”رواندہ! اپنا سارا ضروری سامان اور اپنا جو قیمتی سرمایہ ہے سمیٹ لو۔“ پھر زکریہ بن

ادریس نے انیتش کو مخاطب کیا۔

”بابا! آپ بھی اماں کے ساتھ مل کر جس چیز کی ضرورت ہے وہ تیار کر لیں۔

ابھی تھوڑی دیر تک آپ تینوں محفوظ مقام کی طرف چلے جائیں گے جہاں تک آپ کی

دوکان کا تعلق ہے.....“

یہاں تک کہتے کہتے زکریہ بن ادریس کوزک جانا پڑا اس لئے کہ وہ آنے والا سالار

پھر بول اٹھا۔

”دوکان کی آپ فکر نہ کریں اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے“

انیتش مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر زکریہ بن ادریس کے کہنے پر انیتش، رواندہ اور اُموسیہ تینوں

اٹھے اور اپنا سامان سمیٹنے لگے تھے۔ جسے لے کر انہوں نے تہہ خانہ کی طرف منتقل ہونا

تھا۔

رواندہ، اُموسیہ اور انیتش جس وقت سامان سمیٹ رہے تھے حویلی کے دروازے پر

پھر دستک ہوئی تھی۔

اس موقع پر وہ سالار زکریہ بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”دستک دینے والے اگر زیدون بن مسلم اور غیر در بن شیب ہوں تو انہیں بے شک

اندر لے آئیے گا دروازے پر کھڑے ہو کر بات نہ کیجئے گا اگر معتمد کا کوئی آدمی آپ کو

بلانے کے لئے آئے تو اسے دروازے پر ہی فارغ کر دیجئے گا اور اسے یہ کہئے گا کہ تم

جاؤ میں تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔“

اس سالار کی اس گفتگو پر زکریہ بن ادریس مسکرایا دیوان خانہ سے باہر نکلا جب اس

نے حویلی کا بیرونی دروازہ کھولا تو دروازے پر غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم

کھڑے تھے۔

زکریہ بن ادریس ایک طرف ہٹا اور دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”اندر آ جاؤ!“

وہ دونوں اندر آئے زکریہ بن ادریس نے دروازے کو اندر سے زنجیر لگا دی پھر ان دونوں کو لے کر دیوان خانہ کی طرف گیا۔ رواندہ، اُموسیہ اور انیتش نے بھی ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا لہذا وہ بھی دیوان خانہ میں آگئے تھے۔ اس موقع پر انیتش، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے بچو! یہ کیا ہو رہا ہے؟“

جواب میں زیدون بن مسلم مسکرایا اور کہنے لگا۔

”بابا! کچھ نہیں ہو رہا آپ بالکل بے فکر رہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ لٹاں اور ہماری بہن رواندہ یہاں سے تہہ خانے کی طرف منتقل ہونے والی بات کریں۔ اس لئے کہ ہمارے اہل خانہ ادھر جا چکے ہیں۔ آپ لوگ وہاں محفوظ رہیں گے۔ ہم دونوں زکریہ بن ادریس کو لینے کے لئے آئے ہیں۔ معتمد کے آدمی نے زکریہ بن ادریس کو بلانے کے لئے آنا تھا لیکن ہم نے اسے منع کر دیا۔ اس سے کہا کہ تم جاؤ زکریہ کو ہم اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں۔ آپ ایسا کیجئے گا کہ حویلی کے صدر دروازے کو اندر سے زنجیر لگا کر پشتی دروازے سے ہمارے اس سالار کے ساتھ نکل جائیے گا یہ آپ کو محفوظ جگہ لے جائے گا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اب زکریہ بن ادریس کو ساتھ لے کر جاتے ہیں۔“ ہمارے اس سالار کے دو ساتھی آپ لوگوں کو لینے کے لئے آئے تھے لیکن اب وہ نہیں آئیں گے۔

اس موقع پر رو دینے والے انداز میں رواندہ نے زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی حالت کو زکریہ بن ادریس نے بھانپ لیا تھا۔

کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی غیر در بن شیب بول اٹھا۔

”رواندہ میری بہن! آپ اکیلی نہیں ہیں یہ بھی مت خیال کرنا کہ آپ کے شوہر زکریہ بن ادریس کو کوئی نقصان پہنچائے گا۔ جس نے ایسا کرنے کی کوشش کی وہ خود اس دنیا میں نہیں رہے گا۔ میری بہن! تم مطمئن ہو کر جاؤ۔ پھر دیکھو! اشبیہ کے شہر کے اندر کیسا انقلاب اٹھتا ہے۔“

ہم پہلے نکلتے ہیں ہمارے جانے کے بعد صدر دروازے کو زنجیر لگا کر پشتی دروازے سے نکل جائے گا۔ ساتھ ہی زیدون بن مسلم نے زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھا کہنے لگا۔

”بھائی اٹھو اب چلیں!“ زکریہ بن ادریس کھڑا ہو گیا۔ رواندہ بچاری رونے لگی تھی۔ دیوان خانہ سے نکلتے ہوئے زکریہ بن ادریس نے اس کا گال اس کا شانہ تھپتھپایا کہنے لگا۔

”پریشان نہ ہو! فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ حالات ہمارے ہی حق میں کروٹ لیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی تینوں باہر نکلے۔ آنے والے سالار نے صدر دروازے کو اندر سے زنجیر لگائی تھی پھر وہ بھی رواندہ، انیتش اور اُموسیہ کو لے کر پشتی دروازے سے نکل گیا تھا۔

زکریہ بن ادریس، غیرور بن شیبب اور زیدون بن مسلم تینوں اشبیلیہ کے قصر میں داخل ہوئے۔ قصر کا ایک محافظ ان تینوں کو ایک ایسے کمرے میں لے گیا جہاں معتمد اور اشبیلیہ کے کچھ اس کے سرکردہ ساتھی اور مصاحب بیٹھے ہوئے تھے۔

ہاتھ کے اشارے سے معتمد نے ان تینوں کو خالی نشستوں پر بیٹھنے کے لئے کہا جب وہ تینوں بیٹھ گئے تب بڑے خوشگوار انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے معتمد کہنے لگا۔

”سب سے پہلے تو میں تم تینوں کو اشبیلیہ شہر میں خوش آمدید کہتا ہوں ساتھ ہی یہ امید رکھتا ہوں کہ آنے والے دور میں تم تینوں اشبیلیہ کی بہتری اور بھلائی کے لئے کام کرو گے اور اسی سلسلے میں میں نے تم تینوں کو آج یہاں بلایا ہے۔“

معتمد کی طرف دیکھتے ہوئے زکریہ بن ادریس بول اٹھا۔

”کیسی بہتری اور بھلائی؟“

معتمد نے بھی ایک غائر نگاہ زکریہ بن ادریس پر ڈالی پھر کہنے لگا۔

”میں نے آج تم تینوں کو اس لئے بلایا ہے کہ تم میرے ساتھ عہد کرو کہ آنے والے دور میں تم تینوں صرف اشبیلیہ کے لشکر کے لئے کام کرو گے۔ میں یہ بھی چاہوں گا کہ تم واپس سیر بن ابی بکر کے لشکر میں نہ جاؤ۔“

دیکھو! تم تینوں کا تعلق اشبیلیہ سے ہے اور تمہیں اشبیلیہ کے لشکر میں رہ کر ہی کام

کرنا چاہئے۔ اس میں میری اور تم تینوں کی بہتری اور بھلائی ہے۔“
 معتمد جب خاموش ہوا تب زکریہ بن ادریس پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ بذاتِ خود دو بار افریقہ گئے
 دونوں بار امیر یوسف بن تاشفین کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اور دونوں بار اس
 سے استداء اور التجاء کی کہ وہ اپنا لشکر لے کر اندلس کا رخ کریں اور اندلس کے مسلمانوں
 کو افونش کے ظلم اس کے جبر اور اس کی بربریت سے نجات دیں۔ آپ ہی کے کہنے پر
 یوسف بن تاشفین یہاں آئے اور انہوں نے افونش کو ایک نہیں کئی بار بدترین شکستیں
 دے کر اندلس کے مسلمانوں کی جان اور عزت کو محفوظ کر دیا۔ اب جب کہ امیر یوسف
 بن تاشفین واپس جا چکے ہیں اور ان کی جگہ یہاں ان کا بھتیجا سیر بن ابی بکر کام کر رہا
 ہے اور وہ دن بدن ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جاتے ہوئے مسلمانوں کے
 سارے علاقوں کو محفوظ کرتا جا رہا ہے اور اگر وہ اسی طرح کی کوششیں جاری رکھتا ہے تو
 اندلس کے سارے مسلمانوں کی حفاظت کا سامان ہو جائے گا اور ان مسلمانوں میں
 اشبیلیہ کے لوگ بھی آتے ہیں لہذا اگر ہم صرف اشبیلیہ میں رہتے ہیں اور اشبیلیہ کے
 لشکر میں کام کرتے ہیں تو اس سے بقول آپ کے صرف اشبیلیہ کی خدمت ہو سکتی ہے۔
 اشبیلیہ ہی محفوظ ہوگا اور اگر ہم سیر بن ابی بکر کے لشکر میں رہتے ہوئے کام کرتے ہیں تو
 اس سے اندلس کے سارے ہی مسلمان محفوظ ہوں گے اور ان میں اشبیلیہ شہر اور اس
 کے باشندے بھی آجاتے ہیں۔“

زکریہ بن ادریس جب خاموش ہوا تب کسی قدر اپنا لہجہ تبدیل کرتے ہوئے اس میں
 سختی اور اپنی آواز میں کڑھکی پیدا کرتے ہوئے معتمد کہنے لگا۔

”اگر میں اس عمل کو پسند نہ کروں تب.....“

زکریہ بن ادریس پھر پہلے جیسے لہجے میں کہنے لگا۔

”محترم معتمد! ہم آپ کی پسند اور ناپسند کے مطابق تو کام نہیں کرتے ہم تو سیر بن
 ابی بکر کے لشکر میں اندلس کے مسلمانوں کی بہتری اور بھلائی کے لئے شامل ہوئے تھے
 اگر آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے تو پھر ہم یہ سمجھیں گے کہ ہماری خواہش ہمارے
 شعور ہمارے دل ہمارے ارادوں ہمارے فیصلوں پر قدغن اور پابندی لگانا چاہتے ہیں
 اور کوئی بھی ذات، شخص ایسی پابندیوں کو قبول نہیں کرتا۔“

معمد نے شاید زکریہ بن ادریس کے ان الفاظ کو پسند نہ کیا تھا لہذا کسی قدر خفگی اور بیزاری میں کہنے لگا۔

”ابن ادریس! تمہارا یہ انداز گفتگو یقیناً ناپسندیدہ ہے۔ تم وہ شخص ہو جو ایک معمولی حیثیت میں اشبیلیہ کی ایک نواحی سرائے میں زندگی کے دن گزارتے رہے ہو۔ یہ اشبیلیہ ہی ہے جس نے آج تمہیں اس مقام پر پہنچایا ہے جو الفاظ تم نے ادا کئے ہیں تو تمہارے الفاظ سے مجھے بغاوت اور سرکشی کی بو آتی ہے۔“

معمد کے ان الفاظ کے جواب میں زکریہ بن ادریس پھر بول اٹھا۔

”ہم نے اندلس کے مسلمانوں کے اتفاق ان کی یکجہتی ان کے تعاون اور اتفاق کی بات کی ہے تاکہ اپنے متحدہ دشمن کے سامنے اندلس کے مسلمان یکجا اور یک جان ہو جائیں۔ اسی کا اظہار آپ نے قرطبہ شہر میں سیر بن ابی بکر کے سامنے کیا تھا اور آج آپ اسی سے انکار کر رہے ہیں۔“

گھورنے کے انداز میں معمد نے زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔
”دیکھو! تم نہ میرے محتسب ہو نہ میوے حاکم یہ میرا اپنا فیصلہ ہے کہاں اور کس جگہ میں نے کون سے الفاظ استعمال کرنے ہیں اور اشبیلیہ کے حاکم کی حیثیت سے ایسا کرنا میرا حق بنتا ہے۔“

جواب میں زکریہ بن ادریس بھی اسی کے لہجے میں کہنے لگا۔
”ہم بھی آزاد ہیں اور آزاد شخص کی حیثیت سے ہم بھی یہ حق رکھتے ہیں چاہے آپ کے لشکر میں رہتے ہوئے کام کریں چاہے سیر بن ابی بکر کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دیں۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے“ اس بار معمد دھاڑا اور گرجا تھا۔
”ہم کسی کی دھونس، دھمکی کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہی کچھ کریں گے جو ہمارا دل ہمارا ذہن کہے گا۔“

”میری بات نہیں مانو گے تو تینوں کو زندان میں ڈال دوں گا“
اس دفعہ معمد نے بری طرح دھمکانے کے انداز میں کہا تھا۔
”زندان سے ڈرنے والے اور لوگ ہوں گے ہم آپ کی اس دھمکی میں آنے والے نہیں۔ رہا سوال آپ کا ساتھ دینے کا تو میں آپ کے منہ پر کہتا ہوں کہ ہم آپ کے

لشکر میں نہیں سیر بن ابی بکر کے لشکر میں رہتے ہوئے کام کریں گے۔“
اس موقع پر معتمد نے کھا جانے والے انداز میں زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھا تھا
اس کے بعد وہ باری باری زید بن شیب اور زیدون بن مسلم کی طرف دیکھتے ہوئے
کہنے لگا۔

”کیا تم دونوں کے بھی یہی خیال ہیں؟“

جواب میں زیدون بن مسلم مسکرایا اور کہنے لگا۔

”آپ نے ہم سے غلط سوال کیا ہے ہم تینوں ہی یکجان ہیں بھائیوں کی طرح ہیں
اور پھر اپنی طرف سے گفتگو کے لئے ہم نے خود زکریہ بن ادریس کو مقرر کیا ہے۔ لہذا
آپ کی گفتگو، آپ کے جن سوالوں کا جواب دے رہا ہے تو اس کے ہر جواب سے ہم
دونوں متفق ہیں۔“

معتمد کچھ دیر تک غصہ میں ہونٹ کاٹتا رہا دوبارہ اس نے زکریہ بن ادریس کی طرف
دیکھا اور کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں جو فیصلہ تم کرو گے وہی غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم بھی
کریں گے اور تمہارے ہر ارادے سے یہ متفق رہیں گے۔ دیکھو! میں تمہیں غلط فیصلہ کی
طرف نہیں بلا رہا۔ میں تم تینوں کو صرف اشبیلیہ کے لئے مخصوص کرنا چاہتا ہوں۔ اس
لئے کہ.....“

معتمد کی بات کاٹتے ہوئے زکریہ بن ادریس بول اٹھا۔

”دیکھیں! مسلمان صرف اشبیلیہ میں نہیں رہتے ہم لوگ سیر بن ابی بکر کے ساتھ کام
کر رہے ہیں اور سیر بن ابی بکر سارے مسلمانوں کی بہتری و بھلائی اور فلاح چاہتے ہیں
اور اندلس کے اندر اشبیلیہ تک محدود رکھ کر ایک طرح سے یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ
آپ کو مسلمانوں کی یکجہتی، ان کے اتفاق اور آپس کے تعاون سے کوئی سروکار نہیں ہے
حالانکہ جو باتیں آپ نے قرطبہ میں ہماری موجودگی میں سیر بن ابی بکر سے کی تھیں وہ
آپ کے ان موجودہ خیالات سے بالکل مختلف تھیں۔“

زکریہ بن ادریس کے ان الفاظ سے معتمد فریڈتاؤ کھا گیا تھا۔ کہنے لگا۔

”ابن ادریس! میں آخری بار تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم اپنے دونوں ساتھیوں کے
ساتھ اب اپنے آپ کو اشبیلیہ تک محدود رکھنے کے لئے تیار ہو کہ نہیں؟“

”ہرگز نہیں“ زکریہ بن ادریس نے معتمد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

غصہ میں اس موقع پر معتمد کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں کہنے لگا۔

”زکریہ بن ادریس یہ بھی سوچو تمہاری ایک بیوی ہے نام اس کا رواندہ ہے ٹھیک ہے ابھی رخصتی نہیں ہوئی پر تمہارا اس سے نکاح ہو چکا ہے اس لحاظ سے وہ تمہاری بیوی ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کسی دور میں افونش نے اس کی خوبصورتی، اس کے حسن سے متاثر ہر کر اور اس کی شخصیت میں ڈوبتے ہوئے اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہا تھا لیکن اس رواندہ نے انکار کر دیا بھاگ کر یہاں آگئی۔ تم سے محبت میں مبتلا ہوئی اب اگر اسی رواندہ کو میں گرفتار کر کے افونش کی طرف بھیج دوں تب بھی تم اپنے ان دونوں ساتھیوں کے ساتھ اپنے آپ کو اشبیلیہ تک محدود کرنے کے لئے تیار نہیں ہو۔“

معتمد کے ان الفاظ پر غصہ میں زکریہ بن ادریس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا کہنے لگا۔

”ہرگز نہیں معتمد! تم ہمیں اپنی باتوں سے پگھلا کر اپنے ارادوں اپنے عزائم کے مطابق نہیں ڈھال سکتے۔ دیکھو! ہم سیدھے راستے پر چلنا چاہتے ہیں لیکن تم ہمیں انہی راستوں پر لے جانا چاہتے ہو جن پر ہم جانے سے انکار کرتے ہیں۔ ہمیں ہمارے اہل خانہ کی دھمکی دیتے ہو پر یاد رکھو! ہمارے اہل خانہ کو تم کاٹ کر رکھ دو تب بھی ہم اشبیلیہ تک محدود رہنے کے تمہارے اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔“

معتمد کے غصہ اور غضبناکی کی اب کوئی انتہاء نہ تھی اپنی نشست پر اچھل سا پڑا کہنے

لگا۔

”اچھا! اگر یہ معاملہ ہے تو میں ابھی اسی وقت تم تینوں کو زمان کی طرف بھیجتا ہوں فرید تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ ان تین دنوں کے دوران اگر تم تینوں نے میرا کہا ماننے کی حامی بھر لی تو باعزت طور پر تمہیں زمان سے نکالا جائے گا اور اپنے اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی جائے گی اور اگر پھر بھی تم نہ مانے تو نہ تم رہو گے نہ تمہارے اہل خانہ رہیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی معتمد نے تالی بجائی۔ تالی کا بجنا تھا کہ کچھ مسلح جوان اپنی تلواریں سونتے اس کمرے میں داخل ہوئے اور معتمد نے حکمانہ انداز میں انہیں مخاطب کر کے کہا۔

”ان تینوں کو زندان کی طرف لے جاؤ۔“

معمد کے ان الفاظ پر زکریہ بن ادریس، غیر در بن شیبہ اور زیدون بن مسلم اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور مسلح جوان انہیں زندان کی طرف لے گئے تھے۔
آدمی رات کے بعد اچانک معمد کی آنکھ کھل گئی اس لئے کہ اس کے کانوں میں شور کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ اس موقع پر جلدی جلدی وہ اپنے قصر سے نکلا۔ قصر میں کام کرنے والے سارے خدام اور خادما میں باہر جمع ہو چکے تھے۔ معمد کی بیوی رمیکیا کے علاوہ اس کی دوسری بیویاں بھی باہر نکل آئیں تھیں۔ اس موقع پر معمد نے اپنے دو خدام کو حکم دیا۔

”دیکھو! پتہ کر کے آؤ بہ شور و واویلا کیا اٹھا ہوا ہے؟“

دونوں خدام وہاں سے ہٹنا ہی چاہتے تھے کہ کچھ لوگ بھاگتے ہوئے قصر میں داخل ہوئے۔ وہ زندان کے محافظوں میں سے کچھ تھے۔ جب وہ معمد کے قریب آئے تو معمد نے بدحواسی میں انہیں مخاطب کر کے پوچھا۔

”یہ شہر میں شور اور غوغا کیسا اٹھا ہوا ہے؟“

اس پر ان آنے والوں میں سے ایک معمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آقا! یوں جانیں زندان کے اندر بغاوت ہو گئی ہے۔ کچھ قیدیوں نے سب سے پہلے بغاوت ہنگی اس کے بعد باہر سے کچھ مسلح جوان یلغار کرتے ہوئے زندان میں داخل ہوئے۔ زندان کے اکثر محافظوں کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور قیدیوں کی کونٹھریوں کو انہوں نے کھولنا شروع کر دیا ہے۔ ان کے اس حملے کی وجہ سے زندان کے سارے قیدی بھاگ گئے ہیں اور زندان کے محافظوں میں سے اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے اور ہم بڑی مشکل سے جانیں بچا کر آپ کی خدمت میں یہ اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔“

یہ خبر سن کر معمد کی حالت بہت بُری ہو گئی تھی پھر دھاڑتی ہوئی آواز میں اس نے آنے والوں کو مخاطب کیا۔

”کل رات کے پہلے حصہ میں میں نے زکریہ بن ادریس، زید بن شیبہ اور زیدون بن مسلم کو بھی زندان میں بھیجا تھا ان کا کیا ہوا؟“

اس پر ان آنے والوں میں سے ایک پھر بول اٹھا۔

”مالک! وہ بھی بھاگ گئے ہیں۔“ اس بار معتمد زور سے گرجا۔

”تم ابھی بھاگے بھاگے سب شہر پناہ کے سارے دروازوں کی طرف جاؤ۔ میری طرف سے شہر پناہ کے محافظوں کو حکم جاری کر دو کہ نہ اس وقت شہر سے کوئی نکلنے پائے اور نہ ہی باہر سے کوئی بندہ اندر آئے۔ شہر کے دروازے بند کر دیں۔ اس کے بعد تم یہ دیکھو کہ زکریہ بن ادریس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کے اہل خانہ تو اپنے اپنے گھر میں موجود ہیں۔“

معتمد کا حکم پا کر آنے والے واپس بھاگ گئے تھے۔

معتمد وہیں کھڑا ہو کر ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگا تھا وہ بڑا پریشان اور بڑا بے چین ہو رہا تھا یہاں تک کہ زندان کے وہ محافظ واپس آئے اور معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مالک! شہر پناہ کے سارے دروازے بند کر دیئے ہیں؟ شہر پناہ کے محافظوں نے کہا ہے کہ اس دوران کوئی بھی شہر سے باہر نہیں نکلا اور نہ ہی کوئی شہر میں داخل ہوا ہے۔“

اس پر معتمد نے خوشی کا اظہار کیا پھر کہنے لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر ہم اپنا گوبر مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تم نے زکریہ بن ادریس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کے اہل خانہ کا جائزہ لیا“ اس پر زندان کا محافظ معتمد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آقا! زکریہ بن ادریس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم تینوں کے اہل خانہ اپنے گھروں پر نہیں ہیں وہ بھی کہیں بھاگ گئے ہیں۔“

اس وقت معتمد کے غصہ کی کوئی انتہاء نہ تھی زمین پر پاؤں چٹختے ہوئے کہنے لگا۔

”جائیں گے کہاں؟ اگر شہر پناہ کے محافظ کہتے ہیں کہ کوئی بھی اس دوران شہر سے نہیں نکلا تو پھر وہ سچ کہتے ہیں۔ ان سب نے کہیں خفیہ جگہ یا کہیں تہہ خانہ میں پناہ لے رکھی ہوگی اور ہم عنقریب انہیں نکال باہر کریں گے۔“

اس کے ساتھ ہی معتمد مڑا اور پاؤں پٹختا ہوا قصر کے اندر چلا گیا تھا۔ معتمد اور اس کے کارندے اور اس کے مخبر کئی روز تک زکریہ بن ادریس، زید بن شیب اور زیدون بن مسلم اور ان تینوں کے اہل خانہ کو تلاش کرتے رہے لیکن انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا

پھر معتمد کے لئے اس روزِ بد کی ابتداء ہو گئی جس کی وہ توقع اور امید بھی نہیں رکھتا تھا اسلئے کہ ایک روز اس کا بیٹا رشید انتہائی غصے اور مایوسی کی حالت میں اس وقت اس کے پاس آیا جس وقت معتمد، اس کی بیوی اور رشید کی ماں رمیکیا دونوں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ رشید آتے ہی بھڑک اٹھا اور بارود کی طرح پھٹ پڑا۔

”میں نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ امت کے اندر نفاق، مسلمانوں کے اندر انتشار پھیلانے کی کوشش نہ کریں لیکن آپ نے میری ایک بات نہیں مانی۔ میں نے خلوص کے ساتھ آپ کو مشورہ دیا تھا کہ زکریہ بن اور لیس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم جو سیر بن ابی بکر کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں انہیں مسلمانوں کی بہتری و بھلائی اور فوز مندی کے لئے کام کرنے دیں لیکن آپ نے میری ایک بات نہیں مانی۔ اب آپ اس برے وقت کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں جس کی میں نے پہلے سے آپ کو تنبیہ کر دی تھی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رشید جب خاموش ہوا تب اسے رکنا پڑا اس لئے کہ اس کی ماں رمیکیا اسی جیسے کھولتے انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”کھل کر کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟ کونسا برا وقت ہمارے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگا ہے۔“

اس پر رشید نے پھر پہلے جیسے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

”شہر کے اندر کھلی شہر کے اندر ایک بغاوت کی فضاء پھیلنے لگی ہے لوگوں کو یہ پتہ چل گیا ہے کہ آپ زکریہ بن اور لیس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کے خلاف حرکت میں آ رہے ہیں اور وہ شہر کے اندر کہیں روپوش ہو چکے ہیں اور شہر کے اندر اب یہ خبر بھی گردش کر رہی ہے کہ سیر بن ابی بکر ایک بہت بڑا لشکر لے کر آج اشبیلیہ پہنچ جائے گا اور شہر کا محاصرہ کر لے گا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ اشبیلیہ شہر کے سب لوگ نہ آپ کے ہمنوا ہیں نہ آپ کے حق میں ہیں۔ اشبیلیہ کے لوگ اندلس کے مسلمانوں کے اندر اتفاق و اتحاد اور یکجہتی چاہتے ہیں جبکہ آپ ایسے سارے کاموں کے خلاف حرکت میں آئے ہوئے ہیں۔ اب اس وقت کا اندازہ لگائیں جب آج سیر بن ابی بکر اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچے گا اور شہر کا محاصرہ کر لے گا۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ آپ اس کے سامنے شہر کا دفاع کر سکتے ہیں؟“

رشید کی یہ گفتگو سن کر معتمد بھڑک اٹھا کہنے لگا۔

”بالکل میں سیر بن ابی بکر کے سامنے اشبیلیہ شہر کا دفاع کروں گا۔ اگر وہ لشکر لے کر اشبیلیہ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو کیا ہم نہتے بیٹھے ہوئے ہیں؟ ہمارے پاس بھی لشکر ہے۔ شہر کی فصیل پر پہلے ہی ہمارے لشکری مستعد ہیں۔ شہر کے اندر جو لشکر ہے اسے بھی آج مستعد کر دیا جائے گا پھر میں دیکھتا ہوں سیر بن ابی بکر کیسے اشبیلیہ شہر کو فتح کرتا ہے اور کیسے شہر کے حصار کو توڑ کر شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد معتمد جب خاموش ہوا تب رشید عجیب سی مایوسی کے انداز میں کہنے لگا۔

”آپ اب بھی میری بات کو نہیں سمجھ رہے۔ سیر بن ابی بکر یونہی اپنا لشکر لے کر اشبیلیہ کا رخ نہیں کر رہا۔ میرے باپ! یاد رکھئے گا آپ جو اپنے تین نامور سالاروں اور ان کے اہل خانہ کے پیچھے پڑے ہیں تو ان تینوں کے بہت سے حمایتی شہر کے اندر بھی موجود ہیں اور میرا اپنا اندازہ ہے کہ ان ہی نے ساری صورتِ حات کی خبر سیر بن ابی بکر کو کر دی ہے اور سیر بن ابی بکر اب اپنا لشکر لے کر اشبیلیہ کا رخ کر رہا ہے۔ میرے باپ! اس معاملہ کو معمولی نہ سمجھنا۔ سیر بن ابی بکر اشبیلیہ کو فتح کئے بغیر نہیں جائے گا اور جب وہ شہر کو فتح کرے گا تو زکریہ بن ادریس، غیرور بن شیبب اور زیدون بن مسلم جو ابھی تک اشبیلیہ شہر کے اندر ہی روپوش ہیں اور ان کے اہل خانہ بھی چھپے ہوئے ہیں۔ سیر بن ابی بکر کے ہاتھوں شہر کی فتح ہونے کے بعد یقیناً وہ اپنی روپوشی سے باہر آ جائیں گے۔ اس لئے کہ انہی کی مدد کے لئے سیر بن ابی بکر آرہا ہے۔“

چنانچہ شہر کی فتح کے بعد میری، آپ اور ہمارے سارے لواحقین کی حالت قیدی اور اسیر کی سی ہوگی۔ یاد رکھنا! اس موقع پر سیر بن ابی بکر زکریہ بن ادریس اور اس کے دونوں ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد ہمارے لئے سزا تجویز کرے گا۔ آپ نے جو زکریہ بن ادریس کے ساتھ سلوک کیا ہے کیا اس سلوک کے بعد آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ زکریہ بن ادریس، سیر بن ابی بکر کو مشورہ دے گا کہ آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو معاف کر دیا جائے۔“

آپ نے ان تینوں کے خلاف انتقامی کارروائی کی ہے اور ویسی ہی انتقامی کارروائی اب ایک ابتلاء و عذاب اور اذیت کی صورت میں اشبیلیہ شہر کا رخ کئے ہوئے ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد معتمد کا بیٹا رشید جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ رمیکیا جو اس سے پہلے بھڑک اٹھی تھی بجھی ہوئی شمع کی طرح خاموش اور اداس ہو گئی تھی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آخر معتمد اپنے بیٹے رشید کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! میں نے تیرے ذمہ بھی یہ کام لگایا تھا کہ تو کسی نہ کسی طرح اشبیلیہ شہر میں زکریہ بن اور لیس اور اس کے دونوں ساتھی سالاروں کو تلاش کرنے کی کوشش کرو اور یہ بھی جانو کہ انہوں نے اب اپنے اہل خانہ کے ساتھ کہاں روپوشی اختیار کر رکھی ہے لیکن میرے بیٹے اس سلسلے میں تم بھی ناکام رہے۔ اگر ان تینوں کو ان کے اہل خانہ کے ساتھ ہم نے تلاش کر لیا ہوتا اور اس وقت وہ ہمارے پاس ہوتے اور سیر بن ابی بکر اپنے لشکر کے ساتھ اشبیلیہ شہر کا محاصرہ کر لیتا تو میں سیر بن ابی بکر کی طرف پیغام بھجواتا کہ اگر وہ شہر کا محاصرہ ترک نہیں کرے گا اور اپنا لشکر لے کر واپس نہیں جائے گا تو میں زکریہ بن اور لیس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم اور ان کے اہل خانہ کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا پھر میں دیکھتا سیر بن ابی بکر کیسے اپنا لشکر لے کر واپس نہ جاتا۔“

معتمد کے ان الفاظ پر رشید نے بیزاری کا اظہار کیا کہنے لگا۔

”اے میرے باپ! آپ وہ باتیں کرتے ہیں جو انہونی ہیں۔ آپ وہ منصوبہ بندی کرتے ہیں جن پر عمل ہی نہیں کیا جاسکتا۔“

اگر آپ سیر بن ابی بکر کو یہ دھمکی دیتے کہ اگر وہ لشکر کو واپس نہ لے کر گیا تو آپ ان تینوں سالاروں کو قتل کر دیں گے اور سیر بن ابی بکر نہ جاتا اور آپ انہیں قتل کر دیتے تو اے میرے باپ سیر بن ابی بکر تو بہت دور کی بات اشبیلیہ شہر کے لوگ بغاوت کر کے قصر پر چڑھ دوڑتے اور ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ میں اب بھی شہریوں کے اندر سے آرہا ہوں شہر کے اندر بغاوت کے شعلے آہستہ آہستہ اٹھنے بھڑکنے لگے ہیں اور اگر آپ نے حالات پر گرفت نہ کی تو میں آپ سے کہہ دیتا ہوں شہر میں داخل ہونے کے لئے سیر بن ابی بکر کو زیادہ تک و دو نہیں کرنا پڑے گی۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ شہر کے لوگ خود ہی اس کے لئے گھبر پناہ کا کوئی نہ کوئی دروازہ کھول دیں گے اور وہ جب اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوگا تو اس کے داخلہ کے ساتھ ہی زکریہ بن اور لیس اور اس کے دونوں ساتھی سالاروں اور ان کے اہل خانہ کے اچھے دنوں اور ہمارے بُرے دنوں کی ابتداء ہو جائے گی۔“

رشید کی اس گفتگو کا معتمد نے کوئی جواب نہ دیا اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا۔

”بیٹے! اس موضوع کو چھوڑ دو۔ آؤ اب شہر کی حفاظت اور اس کے تحفظ کا سامان کریں۔“ اس کے ساتھ ہی معتمد باہر نکلا رشید اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ رمیکیا گردن جھکائے اشبیلیہ کے قصر کے دوسرے حصہ کی طرف جا رہی تھی۔

ان دنوں جو معتمد کی حالت تھی اس سے متعلق مورخین کچھ اس طرح لکھتے ہیں۔

”کہتے ہیں جس وقت سیر بن ابی بکر، زکریہ بن ادریس اور اس کے ساتھی یکے بعد دیگرے شہروں پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی طاقت اور قوت کو بڑھا رہے تھے تب معتمد کی حالت بڑی نازک ہو گئی اسے بھی اپنا شہر چھن جانے کا خطرہ تھا اس لئے کہ اس سے پہلے اندلس میں مسلمانوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں اور ایک دوسرے سے بدمس پر یکا رہتے تھے۔ چنانچہ معتمد کی اس حالت سے متعلق مورخین لکھتے ہیں۔“

اس نازک وقت میں معتمد کو صرف ایک شخص سے کچھ امید باقی تھی جو اس کی مدد کر سکتا تھا اور یہ نصرانی بادشاہ افونش تھا۔ معتمد نے اس سے مدد چاہی اور مدد کے معاوضے میں بڑے بڑے انعاموں کا وعدہ کیا تب افونش نے مدد دینے کا اقرار کیا تھا اور وعدہ ایفاء بھی کیا یعنی اپنے سپہ سالار فانیز کو بہت بڑا لشکر دے کر روانہ کیا لیکن افونش اور اس کے سپہ سالار فانیز کی بد قسمتی کہ اسے شکست ہوئی اور شکست اٹھا کر فانیز بھاگ گیا۔“

فانیز کی شکست کے بعد جو حالات معتمد کے لئے پیش آئے اس سے متعلق مورخین مزید لکھتے ہیں۔

”اس شکست کی خبر معتمد کے لئے ایک عظیم صدمہ ثابت ہوئی لیکن پھر بھی ہمت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ دربار کے نجومی بھی اچھی خبریں اور اچھے خواب سنا کر ہمت بڑھاتے رہے۔ جب تک نیک فالیں نکلتی رہیں معتمد کو امید رہی کہ پردہ غیب سے کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا ہو جائے گی کہ اس کی سلطنت قائم دائم رہے گی۔

لیکن جب نجومیوں نے بُری فالیں اور خاتمہ کے قریب آنے کی خبریں سنائیں جن میں سے ایک خبر یہ بھی تھی کہ ایک شیر اپنے شکار پر جست لگانے کو ہے تو معتمد کے دل پر غم کی گھٹائیں چھا گئیں اور شہر کو مرابطین سے بچانے کا جس قدر کام تھا وہ اس نے اپنے بیٹے رشید کے سپرد کر دیا۔“

مورخین مقصد اور اس کے شہر اشبیلیہ سے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ اسی اثناء میں بدخواہوں نے جو ایک حکمران اور حاکم کی حیثیت سے معتمد کو پسند نہیں کرتے تھے شہر کو سیر بن ابی بکر کے حوالے کرنے کی سوچ رہے تھے۔ شہر کے لوگوں میں بغاوت کے آثار بھی نمودار ہو رہے تھے۔ معتمد کو ان لوگوں کا حال معلوم تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اگر وہ چاہتا تو انتقامی کارروائی کرتا لیکن اس سے حالات مزید خراب ہو جاتے بس اس نے صرف اس بات کو کافی سمجھا کہ ایسے لوگوں کو نظر میں رکھا جائے لیکن آخر میں معتمد کتنے لوگوں کی نگرانی کر سکتا تھا۔ چنانچہ ان حالات میں شہر کے لوگ مراہطین سے یعنی سیر بن ابی بکر سے رابطے قائم کرنے لگے۔

اسی دوران سیر بن ابی بکر بھی اپنا لشکر لے کر اشبیلیہ پہنچ گیا اور شہر کا اس نے محاصرہ کر لیا۔

پہلے دن کا حال لکھتے ہوئے مورخین مزید لکھتے ہیں کہ آتے ہی سیر بن ابی بکر نے شہر پر دھاوا بول دیا اسے معتمد پر بڑا غصہ اور غضب تھا۔ چنانچہ ایک جگہ سے ہمت کر کے سیر بن ابی بکر کے لشکر کے ایک حصہ نے شہر پناہ کے اندر سوراخ پیدا کر دیا لیکن جہاں سوراخ پیدا کیا گیا تھا وہاں ایک خاصہ بڑا لشکر معتمد کا موجود تھا۔ چنانچہ اس سوراخ سے جب سیر بن ابی بکر کے لشکر داخل ہوئے تو انہیں واپس جانا پڑا اور معتمد نے ہمت کر کے فصیل کے اندر پڑنے والے اس سوراخ کو بند کر دیا۔

دراصل سیر بن ابی بکر شہر پر کوئی بڑا حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایسا اگر وہ کرتا تو دونوں طرف سے مسلمانوں کا نقصان ہوتا اور سیر بن ابی بکر ایسا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ کچھ اس طریقے سے اشبیلیہ شہر کو فتح کرنا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کا نقصان بھی نہ ہو اور اشبیلیہ شہر بھی فتح ہو جائے۔ چنانچہ پہلی کارروائی کے طور پر سیر بن ابی بکر نے ایک قدم اٹھایا۔

اشبیلیہ شہر چونکہ دریائے کبیر کے کنارے تھا اور دریائے کبیر کے اندر اشبیلیہ کی حکومت کے جہاز کھڑے رہتے تھے۔ یہی اشبیلیہ کی حکومت کا ایک طرح سے بحری بیڑہ تھا۔ یہ بحری بیڑہ جو معتمد کا تھا دریائے کبیر میں سے ہوتا ہوا سمندر کی طرف بھی جاسکتا تھا۔

چنانچہ معتمد کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے لئے مجبور کرنے کے لئے سیر بن ابی بکر نے

سب سے پہلے اشبیلیہ کے وہ جہاز جو اس وقت دریائے کبیر کے اندر کھڑے تھے انہیں تباہ کر دیا۔

جہازوں کے تباہ ہونے کے بعد شہر کے اندر ایک بددلی اور سراسیمگی پھیل گئی اور شہر کے لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ اب شہر کو محفوظ رکھنا معتمد کے لئے کسی بھی صورت مناسب نہیں رہے گا۔ بہتر یہی ہے کہ وہ شہر کو سیر بن ابی بکر کے حوالے کر دے۔

کا دروائی کرنے کے بعد سیر بن ابی بکر اب پھر تیسرے پہر شہر پر حملہ آور ہوا۔ شہر کی فصیل کا ایک حصہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ توڑ پھینکا اور شہر کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح بغیر کسی کے قتل عام کے سیر بن ابی بکر شہر میں داخل ہوا تھا۔ شہر کے لوگ پہلے ہی معتمد کو پسند نہیں کرتے تھے اس سے نالاں تھے۔ لہذا شہر کے لوگوں نے سیر بن ابی بکر کے شہر میں داخل ہونے پر خوشیوں اور طمانیت کا اظہار کیا۔ اس موقع پر اشبیلیہ کے قصر کی حفاظت کے لئے اس کے گرد پہرہ لگا دیا گیا تھا اور شہر کے اندر منادی کرا دی گئی تھی کہ زکریہ بن ادریس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم جہاں کہیں بھی ہوں باہر آ جائیں۔ یہ اعلان ہونا تھا کہ وہ تینوں معتمد کے لشکر کے کچھ سالاروں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار اس سمت آتے دکھائی دیئے جہاں اس وقت سیر بن ابی بکر اور داؤد بن عائشہ کھڑے تھے قریب آ کر وہ گھوڑوں سے اترے۔ سب ایک دوسرے سے گلے ملے۔ اس موقع پر سیر بن ابی بکر، زکریہ بن ادریس اور اس کے دونوں ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مجھے بے حد افسوس ہے کہ تم لوگوں کو معتمد کی وجہ سے ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے کہ اپنے لواحقین کو لانے کے لئے میں نے ہی تم لوگوں کو بھیجا تھا۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ معتمد اس قدر وعدہ خلاف ثابت ہو گا اور مسلمانوں کی نا اتفاقی اور بے جہتی کے لئے کام کرے گا۔

بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو چکا پہلے یہ کہو کہ تم لوگوں کے اہل خانہ کہاں ہیں؟“

اس پر زکریہ بن ادریس کہنے لگا۔

”آپ بے فکر رہیں۔ معتمد کے لشکر کے اندر کچھ سالار جو اس سے پہلے ہمارے ساتھ کام کرتے رہے ہیں انہوں نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے۔“ ساتھ ہی اپنے قریب کھڑے کچھ سالاروں کی طرف زکریہ بن ادریس نے اشارہ بھی کیا تھا۔ انہوں

نے ہی ہماری سلامتی کا اہتمام تہہ خانوں میں کیا۔ اب ہم آپ کی طرف آئے ہیں اور ہمارے اہل خانہ اپنے گھروں کی طرف چلے گئے ہیں اس لئے کہ شہر کے اندر اب امن ہو گیا ہے۔

سیر بن ابی بکر نے سب سے پہلے ان سالاروں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ان تینوں کی سلامتی اور ان کے اہل خانہ کی حفاظت کے لئے کام کیا تھا اس کے بعد اپنے سارے سالاروں کے ساتھ مل کر سیر بن ابی بکر شہر کا نظم و نسق درست کرنے لگا تھا۔ ابھی تک قصر کے اندر معتمد موجود تھا اس کے ساتھ اس کے لشکر کا ایک حصہ بھی تھا۔ چنانچہ اس موقع پر اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں۔

”معتمد اپنے قصر میں تھا اس کی بیگمات بھی اس کے ساتھ تھیں اور وہ رو رہی تھیں۔ ان کے دوست اور ان کے ہوا خواہ انہیں سمجھا رہے تھے کہ وہ قصر سے نکل کر سیر بن ابی بکر کی طرف جائیں اور اطاعت قبول کر لیں مگر معتمد ایسا ضدی ایسا ہٹ دھرم تھا کہ ہر ایک کے سمجھانے کے باوجود انکار کرتا رہا۔ چونکہ شاعر تھا لہذا نامرادی و ناکامی اور بدبختی کے اس موقع پر بھی اس نے کچھ اشعار کہے اور ان اشعار کا ترجمہ کچھ اس طرح تھا۔

”جب میرے آنسو بہنے بند ہوئے اور دکھتے ہوئے دل کو سکون ہوا تو لوگوں نے کہا۔ رضا قضاء مبتدائے سیاست ہے لہذا تیری جانب سے مرہطین کے لئے اطاعت ظاہر ہونی چاہئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس جامِ ذلت سے زہر ہلاہل میرے لئے شیریں ہے۔“

اگر دشمن نے میری قلمرو مجھ سے چھین لی ہے اور لشکریوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے تو کیا ہوا میرا دل تو ہنوز پہلو میں ہے۔ پسلیوں نے ابھی تک دل کو تو نہیں چھوڑا۔ فطری شرافت تو مجھ سے چھینی نہیں گئی۔ کیا شرافت جو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے چھینی جاسکتی ہے؟ جس روز میں نے دشمن پر حملہ کیا تو میں نے زرہ نہیں پہنی تھی۔ میں نے اس شان سے مقابلہ کیا کہ بجز گرتے کے اور کوئی چیز جسم کو ڈھکنے والی نہ تھی۔ میں اپنی جان پر کھیل گیا تاکہ جسم سے خون نکلنے کے بعد جان بھی نکل جائے۔ میری موت میں تاخیر ہو گئی مگر میری خواہش کبھی نہ تھی کہ ذلت و اطاعت قبول کروں۔“

بہر حال اشبیلیہ میں حالت یہی تھی کہ اشبیلیہ شہر پر سیر بن ابی بکر اور اس کے سالاروں کا قبضہ ہو گیا تھا اور معتمد کی حکومت اس کے قصر تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

معمد نے شروع میں اپنے ہی خواہوں اور اپنے ساتھیوں کا یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ سیر بن ابی بکر کی اطاعت قبول کرے لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کی طاقت و قوت تو صرف قصر تک محدود ہے اور یہ کہ اب اس کے پاس کچھ نہیں رہا اور یہ جو کچھ اس نے نکھویا ہے اس کی حماقتوں اور اس کی غداری کی وجہ سے ہوا ہے تب اس نے اپنے بیٹے رشید کو سیر بن ابی بکر کے پاس اس امید کے ساتھ بھیجا کہ شاید صلح کی کچھ شرطیں منظور کی جائیں لیکن معمد کی یہ امید بھی بے کار ثابت ہوئی۔ چنانچہ اپنے باپ کے کہنے پر رشید پھر سیر بن ابی بکر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت سیر بن ابی بکر کے پاس اس کے سارے سالار بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ اپنے باپ کا پیغام رشید نے سیر بن ابی بکر کے سامنے پیش کیا۔

رشید کی اس استدعاء کے جواب میں سیر بن ابی بکر نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”تم نے مسلمانوں اور عالم اسلام کے خلاف اپنے باپ کا رویہ دیکھا بظاہر مسلمانوں کی یکجہتی و اتفاق، تعاون اور اتحاد کی باتیں کرتا تھا لیکن جب میری طرف سے زکریہ بن اور لیس، غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم اپنے اہل خانہ کو یہاں لینے کے لئے آئے تو انہیں زندان میں ڈال دیا اور یہ دھمکیاں دیں کہ وہ میرے لشکر سے نکل جائیں اور اس کے لشکر میں شامل ہو جائیں جب انہوں نے انکار کر دیا تو ان کو تین دن کی مہلت دی کہ تین دن بعد تمہیں تمہارے اہل خانہ سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

اب وہ کس منہ سے صلح کی شرائط میرے پاس بھیجتا ہے کیا وہ اس قابل ہے کہ اس سے صلح کی جائے؟ کیا اپنے آپ کو اس نے اب اپنے کردار اور اخلاق کے باعث اس قابل چھوڑا ہے کہ اسے دوبارہ اشبیلیہ کا حاکم مقرر کر دیا جائے؟“

سیر بن ابی بکر کی یہ باتیں سچائی پر منحصر تھیں معقول تھیں۔ رشید بے چارہ شرمندہ ہو گیا تھا اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ جو حرکتیں اس کے باپ نے کی ہیں۔ ان سے اس نے منع کیا تھا لیکن وہ باز نہیں آیا۔ لہذا اس موضوع پر وہ سیر بن ابی بکر سے زیادہ گفتگو نہ کر سکا۔ جس کے جواب میں سیر بن ابی بکر نے رشید کو پیغام بھیجا۔

”اپنے باپ سے کہہ دو کہ وہ بلا کسی شرط کے اطاعت قبول کرے“

رشید جب واپس اپنے باپ معمد کے پاس گیا اور اسے سیر بن ابی بکر کا پیغام دیا تب

معمد نے اب مشیت کے سامنے سر جھکا دیا۔ چنانچہ اپنے اہل و عیال اور لواحقین کے ساتھ اس نے سیر بن ابی بکر کی اطاعت قبول کر لی۔ اشبیلیہ شہر پر مرابطین یعنی سیر بن ابی بکر کا قبضہ ہونے کے بعد سیر بن ابی بکر نے اپنے سارے سالاروں سے مشورہ کیا آخر یہ طے پایا کہ معمد کا اندلس میں رہنا درست نہیں ہے ایک تو وہ آنے والے دور میں ساز باز کرے گا دوسرے جن لوگوں کے ساتھ وہ ماضی میں زیادتیاں کرتا رہا ہے اس سے وہ انتقام لے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ افریقی شہر طنجہ کی طرف روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ معمد کو اس کے اہل و عیال سمیت جس میں اس کی بیویاں بیٹے سب شامل تھے جہاز میں سوار کر دیئے گئے جو اشبیلیہ کے دریائے الکبیر میں لاکھڑا کیا گیا تھا۔ آخر افریقہ کی طرف جانے کے لئے معمد اس میں سوار ہو گیا۔ معمد کا ایک ذاتی دوست اور شاعر ابن لوبانہ تھا جس وقت افریقہ کی طرف جانے کے لئے دریائے کبیر میں کھڑے جہاز میں معمد اپنے اہل خانہ کے ساتھ سوار ہوا تو معمد کے اس شاعر دوست نے اس موقع پر ایک نظم کہی تھی۔ اس نظم کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے۔

”شجاعت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے شہزادے مغلوب ہوئے پھر ان کو جہاز تک لائے۔ دریا کے کنارے پر خلقت کا ہجوم تھا عورتیں بے نقاب تھیں ان کے چہروں سے رنج و الم ٹپک رہا تھا جس وقت جہاز چلا اور مفارقت ہوئی تو وہ کون سی پر درد آہیں تھیں کہ زبان سے نہ نکلیں ہوں اور کون سے آنسو تھے جو آنکھوں سے جاری نہ ہوئے ہوں۔ افسوس ہمارے لئے یہاں کیا رہ گیا ہے۔ اے اجنبی! اب یہاں سے تو بھی جا اپنا سامان سمیٹ جو دوسخا کا مسکن اجڑ گیا۔ اے لوگو جو کبھی شوق سے یہاں آنا چاہو گے۔ معلوم رکھو کہ جس خاندان کو تم تلاش کرو گے وہ پہلے ہی یہاں سے چلا گیا۔ افسوس کششِ باراں نے ہماری کھیتیاں جلا دیں اور اے شاہسوار! جس کے جلو میں زرق برق سپاہی ہیں اپنے ہتھیار رکھ دے اب وہ ہتھیار بے کار ہیں چونکہ تجھے نکلنے کے لئے شیر نے اپنے جڑے کھول دیئے ہیں۔“

بہر حال سیر بن ابی بکر کے حکم سے معمد اپنے اہل خانہ کے ساتھ افریقی شہر طنجہ پہنچا جہاں اسے کچھ دن مہمان کی حیثیت سے رکھا گیا اس کے بعد امیر یوسف بن تاشفین جنہوں نے اس وقت مراکش میں قیام کر رکھا تھا ان کی طرف سے معمد کے لئے یہ حکم آیا کہ معمد کو مقناہ شہر کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ جب امیر یوسف بن تاشفین

کا یہ حکم آیا تو معتمد کو طنز سے مقناسہ محافظوں کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ راستے میں معتمد اور اس کے اہل خانہ کو لوگوں کا ایک انبوه دکھائی دیا جو بارش کی دعا مانگنے کے لئے مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس موقع پر معتمد نے ان لوگوں کو دیکھ کر فی البدیہہ جو اشعار کہے ان کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے۔

”جب لوگ جو مینہ کی دعا مانگنے والے تھے مجھے ملے تو میں نے کہا کہ میرے آنسو مینہ کی جھڑی کا کام دے سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے جواب دیا یہ تو درست ہے کہ آپ کے آنسو ضرور کافی ہوں گے لیکن مشکل یہ ہے کہ ان میں خون ملا ہوا ہے۔“

دراصل معتمد سے متعلق امیر یوسف بن تاشفین کا آخری فیصلہ یہ تھا کہ معتمد کو مستقل طور پر اغماد شہر میں رکھا جائے گا لیکن چونکہ معتمد کے ساتھ اس کے اہل خانہ تھے لہذا اسے طویل سفر کی زحمت نہیں دی جا رہی تھی چنانچہ طنز سے معتمد کو مقناسہ ہمیں منتقل کیا گیا۔ وہاں چند ماہ تک اس کی مہمان نوازی کی گئی اس کے بعد اسے اغماد پہنچایا گیا جو مراکش کا ایک نامور اور مشہور شہر ہے۔ اس موقع پر معتمد کے بیٹے رشید نے اپنے باپ کا بہت خیال رکھا حالانکہ مورخین لکھتے ہیں کہ معتمد اس کے ساتھ کسی وجہ سے ناراض تھا اس لئے کہ رشید کے خیالات عموماً اپنے باپ سے نہیں ملتے تھے۔

اب معتمد کی اپنے اہل خانہ کے ساتھ مستقل رہائش ایک طرح سے افریقی شہر اغماد ہی میں تھی۔ اغماد میں معتمد کا بہت خیال رکھا گیا حالانکہ اندلس میں مسلمانوں کے اتفاق و تعاون اور یکجہتی کو نقصان پہنچانے کے لئے اس معتمد نے کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے ہر وہ بُرا فعل کیا جس سے مسلمانوں کی یکجہتی پارہ پارہ ہو سکتی تھی اس کے باوجود اغماد میں اس سے کوئی باز پرس نہ کی گئی اور امیر یوسف بن تاشفین کی طرف سے اسے مراعات فراہم کی گئیں۔

یہاں تک مورخین لکھتے ہیں کہ اغماد میں قیام کے دوران رمیکیا جو معتمد کی ہر دل عزیز بیوی تھی سخت بیمار ہو گئی اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اب اغماد میں جو اس وقت طبیب تھے انہوں نے رمیکیا کا علاج کیا لیکن تندرست نہ ہوئی۔ اس وقت افریقہ میں امیر یوسف بن تاشفین کے پاس جو سب سے بڑا طبیب تھا وہ ابن زہرہ تھا اس کا پورا نام ابولعل ابن زہرہ تھا۔ وہ مراکش میں امیر بن تاشفین یوسف کے پاس قیام رکھتا تھا لیکن معتمد نے اس کے ساتھ ایسی زیادتی اور بددیانتی کی کہ معتمد نے اس طبیب کے

دادا کی جائیداد ضبط کر لی تھی جب امیر یوسف بن تاشفین کے بھتیجے سیر بن ابی بکر نے اشبیلیہ فتح کیا تب امیر یوسف بن تاشفین کے حکم پر طبیب ابولعلیٰ زہرہ کی وہ ساری جائیداد و اگزاہت کرتے ہوئے اسے واپس کر دی گئی تھی۔

اب معتمد کی غیرت، اس کی حمیت اور شرمندگی یہ گوارہ نہ کرتی تھی کہ امیر یوسف بن تاشفین سے گزارش کرے کہ طبیب ابولعلیٰ کو اس کی بیوی کے علاج کے لئے بھیجے اس لئے کہ لوگ کہتے تھے کہ اس کا علاج ابولعلیٰ ہی کر سکتا ہے۔

چنانچہ جب یوسف بن تاشفین کو خبر ہوئی کہ معتمد کی بیوی رمیکیا سخت بیمار ہے اور ابولعلیٰ کا علاج چاہتی ہے تب امیر یوسف بن تاشفین نے اپنے طبیب ابولعلیٰ کو معتمد کی بیوی رمیکیا کا علاج کرنے کے لئے مراکش سے اغمداروانہ کیا۔ ابولعلیٰ کے ساتھ حالانکہ معتمد کی سخت دشمنی تھی۔ ابولعلیٰ معتمد کو پسند بھی نہیں کرتا تھا لیکن یوسف بن تاشفین نے ابولعلیٰ کو بھیجا اور ابولعلیٰ نے بڑی محنت سے رمیکیا کا علاج کیا اور رمیکیا تندرست ہو گئی تب معتمد ایک طرح سے امیر یوسف بن تاشفین اور طبیب ابولعلیٰ زہرہ کا معتقد ہو گیا تھا۔ بہر حال معتمد نے اپنی بقیہ زندگی کے دن اب اپنے اہل خانہ کے ساتھ افریقی شہر اغمداد میں گزار دیئے تھے۔





اشبیلیہ شہر کا انتظام درست کرنے کے بعد ایک روز اپنے سارے سالاروں کا اس نے اجلاس طلب کیا جب سارے سالار جمع ہو گئے تب سیر بن ابی بکر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! میرے ساتھیو! ہماری خوش قسمتی ہے کہ اشبیلیہ کو ہم نے اندلس کے اتحاد میں شامل کر لیا ہے ہمارے اس فعل سے اندلس میں مسلمانوں کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہو گا لیکن ابھی ہم نے بہت کچھ کرنا ہے۔ معتمد افریقہ جا چکا ہے اشبیلیہ میں جو اس کی باقیات ہے وہ اطاعت قبول کر چکی ہے لیکن ابھی اس کے دو بیٹے ہیں جو بغاوت اور سرکشی پر آمادہ ہو سکتے ہیں ایک راضی جو ان دونوں رندہ کا حاکم ہے اور یہ بڑا باغی اور بڑا تمرد اور گھمنڈ رکھنے والا انسان ہے۔ معتمد کا دوسرا بیٹا معتمد مر تلا کے علاقے کا حاکم ہے اور یہ دونوں آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ اس سلسلے میں میں چاہتا ہوں دو لشکر تیار کئے جائیں ایک راضی کا رخ کرے گا دوسرا معتمد کے بیٹے معتمد کی طرف جائے گا۔ میں چاہتا ہوں غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم دونوں رندہ کا رخ کریں اگر تو راضی لڑے بغیر اطاعت قبول کرے تو اسے کچھ نہ کہا جائے اسے اس کے باپ کی طرف افریقہ روانہ کر دیا جائے اور اگر مقابلہ کرنے پر اترے تو پھر جو اس کی قسمت میں لکھا ہے وہ اسے مل کر رہے گا۔

دوسرا لشکر میں چاہتا ہوں زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کی سرکردگی میں مر تلا کا رخ کرے وہاں معتمد سے مقابلہ کیا جائے اگر وہ بھی بغیر لڑے اپنے علاقے سے دستبردار ہو کر اندلس میں مسلمانوں کی ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کرنے کا حامی ہو

جائے تو اسے بھی اس کے باپ کی طرف افریقہ روانہ کر دیا جائے کچھ نہ کہا جائے اور اگر لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو جائے تو پھر اس کا مقابلہ کیا جائے۔

یہاں میں یہ بھی کہوں گا کہ داؤد بن عائشہ نے اپنی بیوی کو جزیرۃ الخضر سے یہاں بلا لیا اور اس وقت وہ اس کے ساتھ اشبیلیہ ہی میں قیام کئے ہوئے ہے میں چاہوں گا کہ زکریہ بن ادریس بھی اس مہم میں اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے اس لئے کہ اس لڑکی نے زکریہ بن ادریس کے لئے بڑے دکھ دیکھے ہیں اب اس کے سکھ اس کے سکون کا دور شروع ہوگا۔

لشکر کا تیرا حصہ یہاں میرے پاس اشبیلیہ میں رہے گا اور تیز رفتار قاصدوں اور مخبروں کے ذریعہ میرے تم چاروں کے ساتھ روابط اور تعلقات رہیں گے اور جہاں کہیں بھی ضرورت ہوئی میں رسد او کمک کا اہتمام اور انتہا کرتا رہوں گا اور کسی بھی سالار کو کسی شے کی کمی نہیں محسوس ہونے دوں گا اور جہاں میں دیکھوں گا کہ دشمن زیادہ زور کر رہا ہے تو وہاں لشکر لے کر خود بھی پہنچوں گا۔ میرے خیال میں کل سے ہمیں اپنی مہموں کی ابتداء کر دینی چاہیے۔“

سیر بن ابی بکر کے ان خیالات سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر منصوبہ بندی ہوتی رہی اس کے بعد وہ اجلاس ختم کر دیا گیا تھا۔

اس اجلاس کے بعد زکریہ بن ادریس حویلی میں داخل ہوا اس وقت انیتش، اموسیہ اور رواندہ تینوں دیوان خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی سیدھا دیوان خانہ کی طرف گیا اور رواندہ کے قریب جو ایک خالی نشست تھی اس پر ہو بیٹھا۔ اس موقع پر زکریہ بن ادریس کو مخاطب کرتے ہوئے رواندہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ انیتش پہلے بول پڑا۔

”بیٹے! سیر بن ابی بکر نے سارے سالاروں کو بلایا تھا کیا کوئی اہم فیصلہ ہوا ہے؟“ انیتش کے اس سوال پر مختلف سمتوں کی طرف جو لشکر بھیجنے کی منصوبہ بندی کی گئی تھی اس کی تفصیل کہہ دی تھی۔

یہاں تک کہنے کے بعد زکریہ بن ادریس رُکا ایک غائر نگاہ اپنے پہلو میں بیٹھی رواندہ پر ڈالی پھر انیتش اور اموسیہ دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں آپ دونوں سے ایک انتہائی اہم امر کی اجازت لینا چاہتا ہوں اور وہ.....“ زکریہ بن ادریس یہیں تک کہنے پایا تھا کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے انیتش بڑی

شفقت میں بول اٹھا۔

”بیٹے! یہ تم کس قسم کی گفتگو کرتے ہو؟ تم اب اس گھر کے فرد ہو۔ تم اس گھر کے لئے فیصلہ کرنے کے مجاز ہو جو فیصلہ تم کرو وہ ہمارے لئے آخری ہوا کرے گا۔“

انیش کے ان الفاظ پر زکریہ بن اوریس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی پھر کہنے لگا۔

”بابا! بات دراصل یہ ہے اگر آپ اجازت دیں تو اس مہم میں میں رواندہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ یہ سیر بن ابی بکر کی بھی خواہش ہے۔ اس لئے کہ داؤد بن عائشہ نے بھی اپنی بیوی کو جزیرۃ الخضراء سے یہاں منگا لیا ہے اور اس کی بیوی بھی اس کے ہمراہ ہوگی۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ رواندہ کے جانے سے آپ کو کسی قسم کی.....“

زکریہ بن اوریس کے ان الفاظ پر جہاں رواندہ بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی وہاں انیش نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔

”بیٹے! تم آخر اس سلسلے میں معصوم کے معصوم ہی رہے۔ اپنا معاملہ پیش کرنے کے لئے تم نے میرے بچے الفاظ درست استعمال نہیں کئے۔ بچے! تمہیں یہ نہیں کہنا چاہئے تھا کہ میں رواندہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں کہ نہیں؟ یہ کہنا چاہئے تھا کہ میں اس مہم میں رواندہ کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں جہاں تک ہم دونوں کی تکلیف کا تعلق ہے تو میرے بچے تم رواندہ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہو تو اس میں ہماری خوشی اور طمانیت کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔“

ہم تم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ بس اس کے علاوہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔“

انیش کا جواب سن کر زکریہ بن اوریس خوش ہو گیا تھا پھر اس نے اپنے پہلو میں بیٹھی رواندہ کی طرف دیکھا کہنے لگا۔

”رواندہ! اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“

رواندہ نے مسکراتے ہوئے اور کسی قدر گھورنے کے انداز میں زکریہ بن اوریس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

”میرا اس سلسلے میں کیا خیال ہونا ہے؟ کیا مجھے آپ کے ساتھ رہتے ہوئے ڈر لگتا ہے؟ آپ کے ساتھ رہنا ہی تو میری زندگی کا مقصد ہے۔“

رواندہ کے اس جواب پر زکریہ بن اوریس کچھ دیر مسکراتا رہا پھر کہنے لگا۔

”اچھا یہ بات ہے تو پھر اٹھو! کھانا کھائیں اور اس کے بعد اپنی تیاری کر لو۔ لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔“

اس پر رواندہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر وہ دونوں ماں بیٹی دیوان خانہ میں کھانا لگا رہی تھیں۔



طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم نے رندہ کے علاقے کا اور ذکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے اپنے لشکر کے ساتھ مُرتلا کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

جہاں تک رندہ شہر کا تعلق ہے تو یہ اسپین کے موجودہ صوبہ مالقہ میں اس کی مغربی سرحد کے قریب جبل رندہ کی ایک چوٹی پر واقع ہے اور ایک پرانا شہر شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں زراعت بہت کثرت سے ہوتی تھی اور شہر کے نیچے ایک دریا بھی بہتا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ہجری 138ھ میں جس وقت عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام اندلس میں داخل ہوئے تو ان علاقوں پر بَر بَر کا قبیلہ بنو الخلی آباد ہو چکا تھا۔ چنانچہ رندہ کے جنوب میں ایک چھوٹا سا شہر بنو خلی نے آباد کیا تھا جو اب تک موجود ہے اور جو اس قبیلہ کی بودو باش کی وجہ سے انہی کے نام پر مشہور ہو گیا۔

جغرافیہ دان لکھتے ہیں کہ رندہ کا شہر بالکل پہاڑی علاقہ میں واقع تھا جس کی کیفیت مشہور مغربی پروفیسر ڈوچی نے تفصیل کے ساتھ لکھی ہے وہ کہتا ہے۔

”ایک سیاح جو قرطبہ سے مالقہ کا سفر اختیار کرتا ہے اس شوق میں کہ ایک نہایت خوبصورت گو خطرناک ملک دیکھنے میں آئے گا اس کا کچھ خیال نہیں کرتا کہ دشوار و ناہموار راستوں پر گاڑی کے جھٹکے اور ہچکولے گھوڑوں کی سست روی اور سفر کی خستہ حالی کیا حالت کرے گی۔ جب قرطبہ سے چلتا ہے تو وادی شنیل تک اسے ایسی زمین ملتی ہے جو اونچی نیچی ضرور ہوتی ہے لیکن ہر طرف لہلہاتی کھیتیاں اور ہرے بھرے کھیت نظر آتے ہیں۔“

جب دریائے شنیل سے اتر لیتا ہے تو شہر قنبل تک ایک مسطح زمین ملتی ہے۔ اس ہموار قطعہ سے نکل کر وہ رندہ اور مالقہ کے پہاڑوں میں داخل ہوتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ خوشنما حصہ اس ملک کا ہے۔ یہاں جگہ جگہ پر پہاڑیاں اور پہاڑ بلند و خوشنما عجیب

نمونہ خدا کی قدرت کے نظر آتے ہیں۔ شاہ بلوط اور کاک کے سرسبز جنگلوں نے پہاڑوں کے دامن ڈھک رکھے ہیں۔ ندیاں اور نالے گہرے اور تاریک جگہ جگہ ملتے ہیں اور ان کا پانی اپنی گزرگاہوں میں اونچی اونچی چٹانوں سے نشیب میں اس زور سے گرتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

جا بجا پہاڑوں کی چوٹیوں پر برباد قلعے اور شکستہ برج نظر آتے ہیں کہیں کہیں پہاڑوں کی ڈھلانوں پر چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں پہاڑوں کی چوٹیاں بالکل بے برگ و بار ہیں اور کہیں کہیں پہاڑوں کے کچھ حصے بالکل سیاہ اور خاکستر رنگ کے ہیں جن کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ہزار ہا برس بھلیوں نے گر گر کر اس کو کچھ جلا دیا ہے۔

جبکہ انہی کے دوسروں حصوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پھولوں میں پڑے ہنس رہے ہیں۔ جگہ جگہ تانستان اور باغات ہیں جو بادام اور ترنج و انار کے درختوں سے پٹے پڑے ہیں۔ چتہ چتہ پر نہریں سیب و ناشپاتیوں کے باغوں میں سے ہوتی ہوئی چاروں طرف کی زمین کو شاداب کرتی ہیں۔ کھیت ہر طرف دکھائی دیتے ہیں جن میں سن کے علاوہ ہر قسم کا غلہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ غلہ وہ ہوتا ہے جس کی روٹی بہت ہی اجلی پکتی ہے۔

طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کی ابتدائی فتوحات کے سلسلے میں رندہ اور اس کے سرسبز اور شاداب علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تھا اور اس وقت سے طوائف الملوکی کی ابتداء تک یہ شہر اور اس کا علاقہ مسلمانوں کے تسلط میں رہا۔

تاہم امیر عبداللہ کے زمانہ میں یعنی ہجری 275ھ اور 888ء میں البتہ ایک باغی ابن حسون نے رندہ کے علاقوں پر تسلط کر لیا تھا لیکن اس کے بعد اندلس کے عظیم خلیفہ عبدالرحمن الناصر کے زمانہ میں جب ابن حسون کی بغاوت اور حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا تو یہ علاقہ پھر بدستور مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا تھا۔

اور اب اس علاقے پر معتمد کے بیٹے رضی کی حکومت تھی۔ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم جب دونوں اپنے لشکر کو لے کر رندہ پہنچے تو سب سے پہلے انہوں نے معتمد کے بیٹے رضی کو پیغام بھجوایا کہ وہ مقابلہ کرنے یا جنگ کی ابتداء کرنے سے بہتر ہے کہ رندہ ان کے حوالے کر دے وہ ایسا کرتا ہے تو اسے خیر و عافیت کے ساتھ اپنے باپ کے پاس افریقہ روانہ کر دیا جائے گا۔ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم کے بار

بار سمجھانے کے باوجود رضی نہ مانا تہمرد اور سرکشی پر اڑا رہا اور مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ دراصل رندہ کا قلعہ ایک کوہستانی سلسلے کے اوپر تھا بڑا مضبوط اور مستحکم تھا اور رضی کا خیال تھا کہ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم اسے فتح نہیں کر پائیں گے اور اسی قلعے میں اپنی قوت اور طاقت کو بڑھاتے ہوئے وہ اپنی عملداری کو مزید علاقوں تک پھیلاتا چلا جائے گا۔

لیکن غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم نے ہر صورت میں اسے فتح کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس شہر پر غیر در بن شیب کے حملے سے متعلق مسلمان مورخین لکھتے ہیں۔

”رضی کا خیال تھا کہ رندہ کا قلعہ حملہ آوروں سے مدت تک فتح نہ ہو سکے گا۔ غیر در بن شیب مرابطن کا سپہ سالار جو رندہ کی فتح کے لئے مقرر کیا گیا تھا قلعہ سے کچھ دور رہتا تھا۔ آخر طویل جدوجہد کے بعد جب رضی کی ہمت ہار گئی اور اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ اب زیادہ مدت تک قلعہ کا دفاع نہیں کر سکے گا تو اس نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اس لئے کہ اب اس کے پاس رسہ اور کمک دونوں کی کمی تھی جسے وہ کہیں پورا نہیں کر سکتا تھا چونکہ بار بار سمجھانے کے باوجود رضی نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے قلعہ غیر در بن شیب کے حوالے نہیں کیا تھا۔“ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ غیر در نے اس جرم میں رضی کو معاف نہیں کیا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دوسری طرف زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ مرتلا کی طرف بڑھے۔ مرتلا کو جغرافیہ دانوں مارتلہ بھی لکھا ہے۔ اس کا اپنی نام مورتلہ بھی ہے عربی میں زیادہ تر اسے مرتلہ ہی لکھا گیا اور یہ مشرقی اندلس میں صوبہ مرسید کا ایک مشہور شہر تھا۔ اس شہر کا قدیمی رومن نام مٹلس تھا۔ اس شہر کی نسبت مورخین اور جغرافیہ دان شریف ادریسی لکھتے ہیں۔

”یہ اپنے استحکام اور مضبوطی میں مشہور تھا یہاں کے گرم چشمے جہاں مریض صحت حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ اب تک مشہور ہیں۔ ابتدائی فتوحات کے زمانہ یعنی پہلی صدی ہجری کے آخری دہم میں مسلمانوں کی حکومت اس شہر پر ہوئی۔ پہلے ملوک بنو امیہ اندلس کی حکومت رہی اس کے بعد زمانہ طوائف الملوکی میں ایک شخص ابن طیفور نے یہاں ایک خود سر حکومت قائم کر لی تھی جس کو اشبیلیہ کے حکمران معتضد نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا یہ معتضد معتد کا باپ تھا اور اب اس شہر پر معتد کا بیٹا معتد

حکومت کر رہا تھا۔“

جو شرائط غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم نے معتمد کے بیٹے رضی کو رندہ شہر میں پیش کی تھیں وہی زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے مرتلہ کے حاکم معتمد کو پیش کیں۔ معتمد جانتا تھا کہ اگر اس نے باغیانہ رویہ اختیار کیا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تو اسے زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے ہاتھوں اپنی شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہذا اس نے بغیر لڑے بھڑے خاموشی اور رضامندی سے شہر زکریہ بن ادریس کے حوالے کر دیا اور زکریہ بن ادریس سے اس نے کوئی تعرض نہ کیا اور اسے امان دے کر اپنی مرضی سے جہاں چاہے چلے جانے کے لئے کہہ دیا تھا۔

اس کے بعد زکریہ بن ادریس، داؤد بن عائشہ غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم چاروں نے اب اپنے دونوں لشکروں کو یکجا کر لیا تھا۔ رندہ اور مرتلہ کی شاندار فتوحات کے بعد آخر انہوں نے پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے مطابق دوسرے علاقوں کا رخ کیا۔ پہلے المریہ پر ان کا قبضہ ہوا اس لئے کہ المریہ کی فتح مان کے لئے بڑی آسان ثابت ہوئی۔ المریہ کے پہلے حاکم کا جب انتقال ہونے لگا تو اس نے اپنے بڑے فرزند عزى الدین سے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر سیر بن ابی بکر اشبیلیہ کو فتح کر لے تو تم افریقہ میں بجایہ کے بادشاہ کے پاس چلے جانا اور المریہ کو سیر بن ابی بکر کے لئے چھوڑ دینا۔ ایسا ہی ہوا المریہ پر بڑی آسانی سے قبضہ ہو گیا۔

المریہ کا انتظام سنبھالنے کے بعد چاروں پھر حرکت میں آئے اس کے بعد انہوں نے مریہ و دانیہ اور شادماں پر بھی فتح کے پرچم لہراتے ہوئے ان پر قبضہ کر لیا تھا اب چاروں اپنے لشکر کو لے کر بطلیوس کی طرف بڑھے۔

بطلیوس پر اس وقت متوکل کی حکومت تھی اس کے پاس بڑی عسکری طاقت بھی تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ سیر بن ابی بکر کے چاروں سالار اس کے ارد گرد کے سارے علاقوں کو فتح کر چکے ہیں تب اسے اپنے متعلق خدشات ہوئے اور بطلیوس کے حاکم متوکل نے اپنی عسکری تیاریوں کو زور و شور کے ساتھ عروج پر لانے کے انتظامات کر لئے تھے۔

جہاں تک بطلیوس شہر اور اس کی حکومت کا تعلق تھا تو یہ شہر دراصل مسلمانوں کا بسایا ہوا تھا۔ بطلیوس خود عربی لفظ نہیں ہے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہاں پہلے کوئی ایسا شہر آباد

ہوگا جس کا نام عربی کے علاوہ کسی اور زبان کا ہوگا اس کو عربوں نے معرب کر کے بطلیوس بنا لیا ہوگا لیکن باوجود کوشش کہ یہ نہیں دریافت ہو سکا کہ اس شہر کے موقعہ پر پہلے کوئی شہر آباد تھا اور اگر آباد تھا تو اس کا نام کیا تھا؟

بطلیوس شہر کے گرد مسلمانوں کی بنائی ہوئی شہر پناہ بھی تھی اور شہر پناہ کے گرد تین خندقیں تھیں جن میں سے ایک کی سطح دوسری سے اونچی بنائی گئی تھی۔ ان میں دو خندقیں خشک رہتی تھیں اور ایک میں پانی بھرا رہتا تھا اس خندق کے بھرنے کے لئے پانی کا ایک خزانہ بنا ہوا تھا جس سے اب تک شہر میں آب رسانی کا کام لیا جاتا ہے۔

یہ تمام تعمیرات مسلمانوں کے وقت کی اب تک کچھ نہ کچھ چلی آتی ہیں مسلمانوں کے وقت کا ایک قلعہ بھی شکستہ حالت میں اب تک موجود ہے۔ اس کی دیواروں اور برجوں کے بلند کنگرے اب تک شہر کی پیشانی کا تاج معلوم ہوتے ہیں۔ بطلیوس کو عربی لفظ نہیں لیکن مسلمانوں کا رکھا ہوا نام ہے اسی بطلیوس سے اس کا موجودہ نام بیڈہ جیوس رکھ دیا گیا ہے۔

بنو امیہ کے دور سلطنت میں ایک نو مسلم خاندان کا شخص ابن مروان جلیکی خلافت قرطبہ سے باغی ہو گیا تھا اور اس نے اپنا صدر مقام بطلیوس کو قرار دے دیا تھا۔ تقریباً 56 برس تک یہ شہر اور اس کا علاقہ دولت بنو امیہ سے بغاوت اور سرکشی پر آمادہ رہا لیکن خلیفہ عبدالرحمن الناصر کا زمانہ جب آیا تو وہ سلطنت قرطبہ کا بالکل مطیع ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں محمد بن ابی عامر المنصور کے خاندان کا ایک آزاد غلام شاہ پور نامی بطلیوس میں خود مختار حاکم بن بیٹھا تھا اور المنصور حاکم خلیفہ ہشام ثانی کے نام کا سکہ اس نے اپنی طرف سے جاری کیا اور اسے اسی شہر پر متوکل حکومت کر رہا تھا۔

جس وقت زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ اپنے ساتھی سالاروں کے ساتھ دوسرے شہروں کو فتح کر رہے تھے اس وقت بطلیوس کے حاکم متوکل نے کوئی اہمیت نہ دی لیکن جب وہ شہر پر شہر فتح کرتے چلے گئے تب متوکل کچھ پریشان ہوا پہلے تو اس نے جنگی تیاریوں کو اپنے عروج پر پہنچا دیا لیکن جب اس کے امراء اور مشیروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ کسی بھی صورت زکریہ بن ادریس اور اس کے ساتھی سالاروں کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور وہ بڑی آسانی سے بطلیوس شہر کو فتح کر لیں گے۔ لہذا اس کے سامنے

دو ہی راستے ہیں۔

اول یہ کہ مسلمانوں کے اتحاد اور تعاون کی خاطر بطلیوس کی حکومت سے دستبردار ہو کر شہر سیر بن ابی بکر کے سالاروں کے حوالے کر دے۔

دوئم یہ کہ کسی کو اپنی مدد پر آمادہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر اگر بطلیوس شہر کا دفاع کر سکتا ہے تو کر لے۔

متوکل نے دوسری صورتِ حال کو ترجیح دی چنانچہ اس نے سیر بن ابی بکر کے لشکر سے چھٹکارہ حاصل کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے دو تیز رفتار قاصد افونش کی طرف روانہ کئے تھے اور سیر بن ابی بکر کی طاقت اور قوت کے خلاف افونش سے مدد طلب کی تھی۔ اس طرح بطلیوس کے حاکم متوکل نے بھی وہی کام کیا جو اس سے پہلے اشبیلیہ کا حاکم معتمد کرچکا تھا اور جسے اس کی سزا بھی مل چکی تھی۔



افونش ایک روز اپنی بیوی بستہ بیٹی مغربتا اور بیٹے برگنزا کے ساتھ بیٹھا سلطنت کے امور سے متعلق گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا چوہدار آیا اور افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مالک! بطلیوس کے حاکم متوکل کی طرف سے دو قاصد آئے ہیں اور فی الفور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔“

ان الفاظ پر افونش چونکا تھا کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”دونوں کو میرے پاس بھیجوتا کہ میں جانوں وہ کس مقصد کے تحت میری طرف آئے

ہیں؟“

چوہدار پیچھے ہٹا پھر دو اشخاص کو وہ لے کر آیا اور انہیں افونش کے سامنے کھڑا کر دیا۔

افونش نے پہلے غور سے ان کا جائزہ لیا پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے چوہدار نے مجھے بتایا ہے کہ تمہیں حاکم بطلیوس متوکل نے میری طرف بھیجا

ہے کہو! میرے نام اس کی طرف سے کیا پیغام لے کر آئے ہو؟“

اس پر ایک قاصد بولا اور کہنے لگا۔

”اے شمال کے عظیم بادشاہ! بطلیوس کو اس وقت سیر بن ابی بکر کے لشکر سے انتہاء

درجہ کا خطرہ ہے۔ ہمارے آس پاس اور ارد گرد جتنے شہر تھے ان پر سیر بن ابی بکر کے لشکر

کا قبضہ ہو چکا ہے اب اس کا لشکر یقیناً ہمارے مرکزی شہر بطلیوس کی طرف بڑھے گا۔

چنانچہ بطلیوس کے حاکم متوکل نے ہم دونوں کو آپ کی خدمت میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ سیر بن ابی بکر کے لشکر کے مقابلے میں حاکم بطلیوس متوکل کی مدد کریں۔“

قاصد جب خاموش ہوا تب غائر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے افونش کہنے لگا۔

”اگر سیر بن ابی بکر کے لشکر کے مقابلے میں متوکل کی مدد کرتے ہیں تو اس کے حصہ میں متوکل ہمیں کیا دے گا؟“

اس پر قاصد جو سارا معاملہ پہلے سے متوکل کے ساتھ طے کر کے آیا تھا فوراً افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر آپ سیر بن ابی بکر کے مقابلہ میں ہمارے حاکم متوکل کی مدد کرتے ہیں تو متوکل نے ہمیں یہ کہلا کر بھیجا ہے کہ اس صلہ میں آپ متوکل کے تین شہروں کو اپنی سلطنت میں شامل کر سکتے ہیں پہلا شہر اشبونہ دوسرا شہر شترہ اور تیسرا شہر شترین ہیں۔ متوکل کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر آپ سیر بن ابی بکر کے لشکر کے مقابلے میں ہماری مدد کے لئے تیار ہو جائیں تو بھلے ابھی سے ان تینوں شہروں کو آپ اپنی مملکت میں شامل کر لیں۔“

قاصد کے اس جواب پر افونش خوش ہو گیا تھا پھر کہنے لگا۔

”تم دو دن یہاں میرے مہمان خانہ میں قیام کرو ان دو دنوں میں اپنے لشکر کی ترتیب دے لیتا ہوں اس کے بعد میں لشکر لے کر تمہارے ساتھ ہی متوکل کی مدد کے لئے روانہ ہوں گا۔“

افونش کا جواب سن کر متوکل کے قاصد خوش ہو گئے تھے پھر افونش کے کہنے پر اس کا چوہدار ان دونوں قاصدوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

دونوں قاصدوں کے جانے کے بعد افونش کی بیٹی مغریتا بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے افونش کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بابا! اس سے بہتر اور شاندار موقع مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لئے ہمیں نہیں ملے گا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔

(i) پہلی یہ کہ اب ہم نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے لشکر کی تیاری کو آخری شکل دے رکھی ہے اور ہمارا لشکر اب پہلے کی نسبت کئی گنا بڑا بھی ہے۔

(ii) دوسری وجہ یہ کہ ہم نے تیغ زنی کا مقابلہ کرنے کے لئے دو بہترین تیغ زنوں کا انتخاب بھی کر لیا ہے جن سے ہم نے زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کا مقابلہ کرنے کے مسلمانوں کے ان دونوں سالاروں کو موت کے گھاٹ اتروانا ہے۔

بابا! میں سمجھتی ہوں کہ متوکل کی مدد کرنے میں ہمیں بالکل تاخیر سے کام نہیں لینا چاہئے۔ فوراً ایک لشکر لے کر جنوب کا رخ کرنا چاہئے اور متوکل کے ساتھ مل کر سیر بن ابی بکر کے لشکر کو شکست دینی چاہئے۔

بابا! شروع میں جب انفرادی مقابلے ہوں گے تو اس بار میرا دل کہتا ہے کہ ہم نے اپنے جن دو نامور تیغ زنوں کا انتخاب کیا ہے وہ یقیناً زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ دونوں کو انفرادی مقابلے میں زیر کرنے اور موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بابا! میں آپ سے کہوں کہ اگر مسلمانوں کے یہ دونوں مہالار انفرادی مقابلے میں مارے گئے تو پھر مسلمانوں پر بددلی چھا جائے گی۔ ان کے لشکریوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور فتح ہماری ہوگی۔ ایک بار ہم نے مسلمانوں کے خلاف شاندار فتح حاصل کر لی تو پھر لکھ رکھے آنے والے دور میں ہماری فتوحات اور سیر بن ابی بکر کی شکستوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

”بابا! اس کے علاوہ جن دو تیغ زنوں کا ہم نے انفرادی مقابلے کے لئے انتخاب کیا ہوا ہے ان پر آپ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اگر وہ دونوں جیت گئے تو ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ آپ کی بیٹی مغربیا شادی کر لے گی اور ان دو میں سے میں خود انتخاب کروں گی کہ کسے میں نے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا ہے۔ بابا! وقت نہیں ضائع کرنا چاہئے۔ اس سے بہتر موقع پھر ہمیں کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مغربیا جب خاموش ہوئی تب اس کا بھائی برگزرا انوش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بابا! اس سلسلے میں میں بھی اپنی بہن مغربیا سے اتفاق کرتا ہوں اس کا کہنا درست ہے۔ ہم ابھی سے اٹھ کھڑے ہوں اپنے لشکر کی تیاری کو آخری شکل دیں اور اس کا فوری سامان تیار کریں اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہو جائیں۔ اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ عام مسلمان حاکموں کی نسبت متوکل کے پاس بڑا لشکر ہے اور اس کے ساتھ مل کر یقیناً ہم سیر بن ابی بکر کے لشکر کو شکست دینے میں کامیاب ہو

جائیں گے۔“

افونش نے اس سے اتفاق کیا تھا لہذا اپنے لشکر کی تیاریوں کو آخری شکل دینے کے لئے افونش اور اس کا بیٹا برگنزا دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے تاکہ اس مہم سے متعلق اپنے سالاروں کو آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ لشکر کی تیاری کو بھی آخری شکل دیں۔ اس طرح افونش نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے اپنے نامور سالاروں کو اس میں رکھا۔ اس کی بیٹی مغریتا اور بیٹا برگنزا بھی لشکر میں شامل تھے پھر شاہانہ انداز اور عجیب سی کردار اور شان و شوکت کے ساتھ افونش بڑے تندر اور گھمنڈ کے ساتھ بطلیوس کے حاکم متوکل کی مدد کے لئے روانہ ہوا تھا۔ اس لئے کہ متوکل نے اسے تین شہر دینے کا لالچ جو دیا تھا۔

دوسری طرف زکریہ بن ادریس، داؤد بن عائشہ، غیردر بن شیبیب اور زیدون بن مسلم چھوٹے بڑے سارے شہروں کا صفایا کرنے اور ان پر قبضہ کرنے اور وہاں کے انتظامات اور انصرام کرنے کے بعد بطلیوس کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے کہ راستے میں انہیں ان کے مخبر آن ملے۔ چنانچہ لشکر کو روک دیا اس وقت چاروں لشکر کے آگے تھے۔ مخبر ان کے قریب آئے ان میں سے ایک زکریہ بن ادریس اور اس کے ساتھی سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ہم آپ کے لئے ایک انتہائی اہم خبر لے کر آئے ہیں ہم یہ تو نہیں دعویٰ کرتے کہ یہ خبر اچھی ہے یا بُری لیکن اس کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے اور اگر ہم بروقت قدم اٹھائیں تو فوائد بھی حاصل کر سکتے ہیں۔“

قاصد جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے زکریہ بن ادریس بول اٹھا۔

”میرے عزیز! کھل کر کہو کیا معاملہ ہے؟“

اس پر آنے والا مخبر بولا۔

”پہلے تو بطلیوس کے حاکم متوکل نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے لشکر سے آپ کا مقابلہ کرے گا لیکن جب اس کے امراء اس کے سالاروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تب اس نے اپنے تیز رفتار قاصد افونش کی طرف روانہ کیے اور افونش سے اس نے مدد طلب کی ہے۔ اس مدد کے صلہ میں متوکل نے افونش کو یہ پیش کش کی

ہے اگر وہ سیر بن ابی بکر کے لشکر کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا ہے تو متوکل اپنے تین بڑے شہر اشبونہ، شمرہ اور شترین تینوں افونش کے حوالے کر دے گا اور افونش اس بات کا مجاز ہوگا کہ وہ ان تینوں شہروں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لے یہ ایک خبر ہے۔

اس خبر کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ افونش نے اب اپنے لشکر میں بے پناہ اضافہ کر لیا ہے۔ اس کا لشکر اب پہلے سے کئی گنا بڑا ہے۔ اس لئے کہ اس کی اب سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح ایک بار مسلمانوں کے خلاف اپنی فتح کا درکھولے اس کے بعد اس کی فتوحات کا سلسلہ آپ سے آپ شروع ہو جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قاصد رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ ”افونش، اس کی بیٹی اور اس کے سارے سالاروں اور بیٹے تک کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی شکست کا باعث آپ چاروں سالار ہیں خصوصیت کے ساتھ زکریہ بن اوریس اور داؤد بن عائشہ آپ دونوں کو تو وہ اپنا بدترین دشمن خیال کرتے ہیں۔ لہذا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ دونوں کا خاتمہ کر دیا جائے تو افونش کی فتوحات کا سلسلہ کھل جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ساری مملکت سے دو عمدہ قسم کے سالاروں کا چناؤ کیا ہے اور یہ چناؤ گزشتہ کئی ہفتوں کے تیج زنی کے مقابلے کرانے کے بعد عمل میں آیا ہے اب انہوں نے دو بہترین تیج زنیوں کا جو انتخاب کیا ہے وہ تیج زن آنے والے ٹکراؤ میں زکریہ بن اوریس اور داؤد بن عائشہ آپ دونوں کو باری باری انفرادی مقابلے کی دعوت دیں گے اور ان کا دعویٰ ہے کہ اس انفرادی مقابلے میں وہ آپ دونوں کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ لہذا آپ دونوں محتاط رہئے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ قاصد رکا پھر کہنے لگا۔

”نی الحال ہمارے پاس یہی خبریں ہیں ہم پھر اپنی منزل کی طرف جاتے ہیں اور اگر کوئی مزید تبدیلی ہوتی ہے تو بروقت اس سے آپ کو آگاہ کریں گے۔“

اس کے ساتھ ہی وہ مخبر جدھر سے آئے تھے ادھر چلے گئے۔ زکریہ بن اوریس، داؤد بن عائشہ، غیرور بن شیبب ابو زیدون بن مسلم چاروں نے اپنے لشکر کی پیش قدمی شروع کی۔ اب انہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔ چنانچہ اپنے مخبروں سے ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں چاروں بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ حرکت میں آئے۔ سب سے پہلے انہوں نے تینوں بڑے شہروں اشبونہ، شمرہ اور شترین کا رخ کیا۔ ان پر

قبضہ کرنے کے بعد وہاں اپنا انتظام اور انصرام کر لیا۔ تاکہ وہ شہر افونش کی طرف نہ جا سکیں۔ اس کے بعد افونش کی آمد سے پہلے پہلے وہ بطلیوس پر حملہ آور ہوئے۔ متوکل نے مقابلہ کیا لیکن بدترین شکست کھائی اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں اسے گرفتار کر لیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ متوکل کے پاس بہت خزانے تھے جو اس نے مستور رکھے ہوئے تھے چھپائے ہوئے تھے اور اس کی خبریں زکریہ بن ادریس سے داؤد بن عائشہ اور ان کے ساتھی سالاروں کو بھی ہو چکی تھیں۔ چنانچہ جب متوکل پر سختی کی گئی تو اس نے سارے خزانوں کا راز اگل دیا اور سب پر ان چاروں سالاروں نے قبضہ کر کے خزانوں کا بڑا حصہ اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیا تھا اس طرح لشکریوں کے حوصلے مزید بلند ہو گئے تھے۔ اسی ٹکراؤ کے نتیجے میں متوکل کی بد قسمتی کہ وہ اپنے دو جوان بیٹوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا جو مارے گئے تھے۔

اس ساری کارروائی تک افونش بھی اپنے لشکر کی تیاری کر چکا تھا چنانچہ اب اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ ٹکرائے گا اور اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کرے گا۔ چنانچہ وہ جنوب کی طرف بڑھا تو اشبونہ شہر کے نواح میں کھلے میدانوں کے اندر زکریہ بن ادریس و داؤد بن عائشہ نے اپنے ساتھی سالاروں اور لشکریوں کے ساتھ افونش کی راہ روک لی تھی اور وہیں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

دوسری طرف افونش نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان کے سامنے پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

ایک دن اور ایک رات دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کیے رہے۔ اس سے اگلے روز جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے صبح ہی صبح افونش نے اپنے لشکر میں طبل اور دفین پینے کا حکم دے دیا تھا۔

چنانچہ اس کے ساتھ ہی افونش کے لشکر کی صفیں درست ہونے لگی تھیں۔ دوسری طرف زکریہ بن ادریس، داؤد بن عائشہ، زید بن شیبہ اور زیدون بن مسلم بھی اپنے لشکر کو استوار کر رہے تھے اور اپنے لشکر کے سامنے آن کھڑے ہوئے تھے اتنے میں افونش کے لشکر سے ایک سوار نکلا دونوں لشکروں کے درمیانی حصہ میں آیا۔ پھر زکریہ بن ادریس کا نام لے کر اس نے انفرادی مقابلے کے لئے لاکارا تھا۔

اس موقع پر اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگا کر داؤد بن عائشہ زکریہ بن ادریس کے پاس آیا

اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن ادریس میرے بھائی! تم اس سے پہلے میرے ساتھ زیادتی کر چکے ہو۔ تیغ زنی کا مقابلہ جس نے مجھ سے کرنا تھا تم نے اس کو بھی میدان کے اندر موت کی نیند سلا دیا۔ اب جو خبریں ہمارے مخبر دے چکے ہیں ان کے مطابق افونش نے اب اپنے دو بہترین تیغ زنوں کا انتخاب کیا ہے ان میں سے ایک میرے ساتھ دوسرا تمہارے ساتھ انفرادی مقابلہ کرے گا۔ لہذا ایک سے انفرادی مقابلہ کرنے کے بعد میرے بھائی واپس آ جانا دوسرے سے میں خود نمٹوں گا۔“

جواب میں زکریہ بن ادریس نے مسکراتے ہوئے داؤد بن عائشہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! میں مقابلہ کے لئے میدان میں اترتا ہوں۔ اپنے لشکر کو تیار اور استوار رکھنا اس کے ساتھ ہی زکریہ بن ادریس نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور آگے بڑھا تھا۔

اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا زکریہ بن ادریس جب انفرادی مقابلہ کرنے والے کے سامنے گیا اور اپنے گھوڑے کو روکا تب اس نے اپنے سامنے اپنی تلوار لہرائی اور پھر کھا جانے والے انداز میں زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”کیا تمہارا ہی نام زکریہ بن ادریس ہے؟“

زکریہ بن ادریس مسکرایا کہنے لگا۔

”جب تو نے زکریہ بن ادریس کا نام لے کر انفرادی مقابلے کی دعوت دی ہے تو یقینی بات ہے کہ مقابلے پر زکریہ بن ادریس ہی آئے گا۔“

اس نے پہلے کی نسبت پھر زیادہ بھیانک انداز میں زکریہ بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”تو اب تک میری قوم کے خلاف محرومیوں کے زخم و درد کی تعبیریں سجاتا رہا ہے۔ جلتی رُتوں کے اندر یہ شورِ ماتم ٹو نے بہت برپا کیا لیکن اب تاریخ کے قافلے میں مقابلے کے اس میدان میں تیری ساری جرأت مندی دکھ کے آسیب اور تیری تیغ زنی کا سارا ہنر و آہ و فغاں اور تیری ساری بے باکی اُجڑے گلستانوں سے بھی بدتر بنا کر رکھوں گا اب تک ٹو نے جنگوں میں بہت سوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہوگا اس لئے کہ تیرے

متعلق مجھے بڑی تفصیل سے بتا دیا گیا ہے لیکن اب شاید یہ میدان تیری زندگی میں مقابلے کا آخری میدان ہو۔ اس میدان میں تیری روح کی تڑپ تیرے کرب کی حرارت کو ٹھنڈا کروں گا اور مقابلہ شروع ہونے کے ساتھ ہی تنہائیوں حدت میں بے کل نفس کی طرح تجھے تڑپانا شروع کر دوں گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ شخص رکا پھر زکریہ بن اور لیس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”میں نے تیرا نام پوچھا ہے لیکن جواب میں تو نے نام نہیں پوچھا۔“

اس موقع پر زکریہ بن اور لیس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی کہنے لگا۔

”تیرا نام پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ تیرا نام میں پہلے ہی جانتا ہوں۔“

تیرا نام منو کش ہے اور تیرے بعد جو آئے گا اس کا نام برزیل ہے۔ دیکھ! یہ موت

کا میدان اس میں بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اب تم مجھ سے

یہ پوچھتے ہو کہ میں نے تمہارا نام نہیں پوچھا تو موت جب آتی ہے اور جس پر وارد ہوتی

ہے تو اس کا نام تو نہیں پوچھتی سو مجھے بھی تیرا نام پوچھنے اور جاننے کی ضرورت نہ تھی

جہاں تک تیرا یہ کہنا ہے کہ مقابلے کا یہ میدان شاید میری زندگی کا آخری میدان ہو تو یہ

بھی تو نے سچ ہی کہا۔ اس لئے کہ شاید اس کے بعد کسی اور کو میرے مقابلے آنے کی

جرات اور جسارت ہی نہ ہونے پائے۔ سن منو کش! یہ مقابلے کا میدان ہے شادی بیاہ کا

معاملہ نہیں ہے۔ تجھے یہ لالچ دے دیا گیا ہے کہ اگر تو یہ مقابلہ جیت گیا تو افونش کی

بٹی کو تم سے بیاہ دیا جائے گا۔ ظالم کے بچے! اس میدان سے بچ کر جاؤ گے تو شادی اور

بیاہ کی امید رکھو گے۔ میں تو بھر بھری زمین کے ان میدانوں میں تیری نس نس میں آگ

تیرے تن من میں زخم تیرے ذہن و شعور میں بھبھوکا چنگاریاں بھر کر رکھ دوں گا۔ تو مجھے

دھمکی دیتا ہے کہ تو میرے نفس کو بے کلی کا شکار کر دے گا۔ کیا تو خوف نہیں کھاتا کہ

تھوڑی دیر تک تو ایک کڑے سفر کی طرف روانہ ہونے والا ہے اور اس سفر کی منزل پر پہنچ

کر کوئی بھی اس دنیا میں واپس نہیں آتا۔ آ! ایک دوسرے سے ٹکرائیں پھر دیکھیں

قبرستان کا رخ کون کرتا ہے اور اپنے لشکر کی طرف واپس کون جاتا ہے؟“

زکریہ بن اور لیس کے ان الفاظ پر منو کش تاؤ کھا گیا تھا۔ لہذا ایک دم اس نے اپنے

گھوڑے کو ایڑھ لگائی اس کے بعد وہ امیدوں کے ساحلوں کو درد و الم کی شرح سے

ڈھانپتے طوفانوں و دھواں دھواں شام کے الاؤ میں لہو میں بھانپتی خواہشوں کو عناد و

عداوت و عقوبت و عذاب کا شکار کرتے بگولوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔
 زکریہ بن ادریس نے اپنا وہی پرانا طریقہ استعمال کیا شروع میں اس نے اپنے
 آپ کو بالکل دفاع تک محدود رکھا۔ گھوڑے کی باگیں دائیں بائیں کرتا پینترے بدلتا
 مختلف انداز و مختلف جہت و سمتوں سے اس کے حملوں کو روکتا رہا۔ اس طرح حرکتیں کر
 کے گویا زکریہ بن ادریس نے منوش کے ذہن میں ایک ہیجان برپا کر کے رکھ دیا تھا۔
 منوش یہ سمجھنے لگا تھا کہ وہ کیسا بھی کسی بھی قسم کا سخت یا جس سمت یا جس جہت سے بھی
 خوفناک حملہ کرے زکریہ بن ادریس اسے روکنے اور اپنا دفاع کرنے کی خوب مہارت
 رکھتا ہے۔

کچھ دیر تک ایسا ہی سماں رہا پھر زکریہ بن ادریس نے اپنے گھوڑے کو ذرا پیچھے ہٹایا
 اور اس کے بعد اپنے کھولتے لہجے میں وہ منوش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”منوش! تیری نیت کی ساری خرابی تیرے مقاصد کی مکمل خباثت تیرے ارادوں کی
 ساری ناپاکی کو میں نے اچھی طرح بھارتیہ لیا ہے۔ تو کس انداز میں حملہ آور ہوتا ہے
 تیرے وار کرنے کا انداز کیا ہے؟ دیکھ! لمب تک میں نے تیرے خلاف جوابی کارروائی
 نہیں کی۔ کی ہوتی تو اب تک تیرے جسم کے مختلف حصوں پر زخم بولتے۔ حریمت کے غم
 کراہتے اور تیری جان پر اعصابی دورے پڑتے۔

سن! میں نے اب تک اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھا ہوا تھا منوش میں دفاع
 ترک کرنے لگا ہوں۔ جارحیت پر اترتا ہوں۔ میں نے اتنی دیر تیرے سامنے دفاع کا
 بندھ باندھا۔ اپنا دفاع کیا تیرے حملوں کو روکا۔ تو میرے جسم پر ایک معمولی سا زخم بھی
 نہ لگا سکا۔ اب میں دیکھتا ہوں تو میرے جارحانہ حملوں کو کیسے اور کس طرح روکتا ہے۔“
 یہاں تک کہنے کے بعد زکریہ بن ادریس رک گیا تھا۔ دو ایک بار اس نے اپنے
 گھوڑے کی گردن تھپتھپائی جس کے جواب میں گھوڑا نتھنے پھڑپھڑانے لگا تھا۔ بڑی
 تیزی سے کنوتیاں بدلتے ہوئے اپنے مالک کے اشاروں کا جواب دینے لگا تھا۔ اس
 کے ساتھ ہی زکریہ بن ادریس نے اپنے دائیں پاؤں سے بندھی مہمیز جب گھوڑے کی
 پھلی ٹانگ کے حصہ پر لگائی تب گھوڑا بری طرح وحشیانہ انداز میں ہنہنایا اور اس کے
 ساتھ ہی اس نے اپنی دونوں ٹانگیں اٹھائیں اور فضا کے اندر الف ہو گیا تھا۔ اس کے
 ساتھ ہی اسی کے سے پر جوش انداز میں زکریہ بن ادریس حرکت میں آیا اور ضبط کے

آنچلوں سے نکل کر خون آشنا کرتی وقت کی بدترین عقوبت گاہوں، حلقہ در حلقہ کرب جاں سے مضمرات بڑھتے قضاء کے بے عکس مناظر اور صداؤں کے اندر خون چاٹتی خواہشوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک زکریہ بن ادریس وحشیانہ انداز میں منوش پر حملہ آور ہوتا رہا۔ منوش کو اتنی مہلت ہی نہ مل رہی تھی کہ وہ دفاع سے نکل کر جارحیت پر اترتا یا زکریہ بن ادریس کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی کرتا۔ زکریہ بن ادریس نے سر سے لے کر پاؤں تک اسے بری طرح دفاع پر محدود رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

کچھ تک ایسا ہی سماں رہا۔ پھر اچانک زکریہ بن ادریس نے ایک چکمہ منوش کو دیا اور اپنی تلوار کی نوک کی ایک گہری خراش اس نے منوش کی گردن پر لگائی تھی۔ اس کے بعد زکریہ بن ادریس نے پھر اپنے گھوڑے کو پیچھے ہٹایا اور منوش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”منوش! میں نے تجھے کافی موقع دیا اور اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھا لیکن تو میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ دیکھ! میں نے تیری گردن پر اپنی ایک نشانی لگا دی ہے جس سے خون بری طرح بہ رہا ہے جس نے تیرے لباس کو رنگین کرنا شروع کر دیا ہے۔ منوش! مجھے بے حد دکھ اور صدمہ ہو رہا ہے کہ تو اس میدان سے بچ کر واپس نہ جانے پائے گا اور انوش کی بیٹی مغربیتا سے شادی نہ کر پائے گا۔“

اس کے ساتھ ہی پھر وحشیانہ انداز میں اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگاتے ہوئے زکریہ بن ادریس آگے بڑھا اور منوش پر دوبارہ وہ زیست کی ساری تمکنتوں، نمود تشخص کے سارے وجود اور بے نیازی پر زوال و فنا طاری کرتی بربادی کی لامتناہی پر چھائیوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ کچھ دیر تک زکریہ بن ادریس بڑے تیز حملے کرتا رہا۔ اس کے مقابلے میں اب منوش کی حالت رقص کرتی تاریکیوں میں ہانپتی زیست کے بھیا تک کھنڈرات بہتے رنگوں کی نفرت کے سامنے روح کے درپہ موت کے حصار سے بھی زیادہ اتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

یہاں تک کہ ایک موقع پر زکریہ بن ادریس نے اسے اپنی تلوار کا چکمہ دیا۔ یہ بڑا خوفناک وار تھا جسے منوش روک نہ سکا اور اس کی تلوار اور ڈھال دیکھتی رہ گئی جبکہ زکریہ

بن اور لیس کی تلوار اس پر گری اور خون میں نہلاتی موت سے ہمکنار کرتی چلی گئی تھی۔
منو کش کا خاتمہ کرنے کے بعد زکریہ بن اور لیس نے اپنی تلوار صاف کی۔ اس کے
بعد اس نے افونش کے لشکر کی طرف منہ کیا اور دوسرے تیغ زن بزریل کا نام لے کر
اسے انفرادی مقابلے کی دعوت دے دی تھی۔

اس موقع پر افونش کی بیٹی مغربتا اور اس کی ماں یستہ اپنے لشکر کے پشتی حصہ میں یہ
انفرادی مقابلہ بڑے شوق اور انہماک سے دیکھ رہی تھیں، جب زکریہ بن اور لیس نے
منو کش کو اپنے سامنے زیر کر دیا اور اس کا خاتمہ کر دیا۔ تب مغربتا کچھ دیر تک گہری
سوچوں میں ڈوبی رہی۔ اس کے بعد بڑی سنجیدگی میں اپنی ماں یستہ کی طرف دیکھتے
ہوئے کہنے لگی۔

”اماں! کاش یہ زکریہ بن اور لیس ہمارے لشکر میں ایک سالار کی حیثیت سے رہتا تو
ہم اس کی وہ قدر دانی کرتے کہ دنیا دیکھتی۔ اماں! کبھی کبھی میرے ذہن میں یہ بات
آتی ہے کہ کاش اس زکریا بن اور لیس سے میرا کوئی تعلق کوئی رشتہ کوئی واسطہ ہی ہوتا۔
کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ اس کی جرأت مندی، اس کی دلیری، اس کی شجاعت اور تیغ
زنی میں اس کی ہنرمندی کو ہمہ وقت سلام کرتی رہوں اور اماں! کبھی کبھی تو میں یہ بھی
خواہش کر جاتی ہوں کہ میں اس زکریہ بن اور لیس کی بیوی ہوتی۔ اماں! دیکھ اس نے
کیسی ہنرمندی سے منو کش کو اپنے سامنے آسانی کے ساتھ زیر کر دیا ہے حالانکہ منو کش کا
چناؤ ان گنت تیغ زنوں میں سے ہوا تھا اور زکریہ بن اور لیس نے بزریل کا نام لے کر
اسے پکارا ہے اور میرا دل کہتا ہے کہ منو کش سے بھی کم وقت میں یہ زکریہ بن اور لیس
بزریل کو اپنے سامنے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔“

یہاں تک کہتے کہتے مغربتا کو زک جانا پڑا اس لئے کہ اتنی دیر تک بزریل اپنے
گھوڑے کو دوڑاتا ہوا زکریہ بن اور لیس کے سامنے جا رہا تھا۔ زکریہ بن اور لیس نے
اسے مخاطب کیا۔

”میں جانتا ہوں کہ میرے مقابلے پر آتے ہوئے تو پریشان ہے اس لئے کہ تیرے
ذہن میں یہ بات ڈالی گئی تھی کہ تو داؤد بن عائشہ سے مقابلہ کرے گا۔ دیکھ! تیرا ساتھی
قبرستان کی طرف کوچ کر چکا ہے اور تیرے کوچ کا وقت تجھ پر منڈلا رہا ہے۔ میرے
پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ آ! مقابلے کی ابتداء کریں اور ایک دوسرے کو زمین میں دفن

کرنے کی تیاری کریں۔“

بزرگیل نے آؤ دیکھا نہ تاؤ نفرت کی کڑی دھوپ میں حرکت میں آتے بھولے
بسرے وحشی انسانوں، جراحوں کے لمحات کھڑے کرتے بیابانوں کے اجنبی وحشیوں اور
گھورا ماوس کے ماحول میں موت کا لاوہ پھیلاتے آگ کے حادثوں کی طرح زکریہ بن
ادریس پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

زکریہ بن ادریس بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے ہر شے کو شکست کا شکار کرتے
ہوئے بارش کی طرح برستے ہولناک عذابوں و اذیتوں کے حصار میں کھڑے ہو کر
جوان جذبوں کا اظہار کرتے طاقت و قوت کے شہہ سواروں اور نفرت کی ہولناک آگ
کا شکار کر دینے والی بے کنار ریاضتوں اور استقامت کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

زکریہ بن ادریس شاید اس مقابلے کو طول نہ دینا چاہتا تھا۔ لہذا شروع سے ہی وہ
بڑی بھیانک جارحیت پر اترا تھا۔ شاید وہ مقابلے کو جلد اپنے انجام تک پہنچانے کے
درپے تھا لہذا تھوڑی دیر کے ٹکراؤ کے بعد ہی بزرگیل کو اس نے اپنے سامنے زیر کر دیا
اور موت کے گھاٹ اتارا اور اس کے بعد اپنی تلوار صاف کرنے کے بعد اس نے تین
بار تکبیریں بلند کرتے ہوئے اپنی فتح مندی کا اظہار کیا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے کو موڑتا ہوا
اپنے لشکر کی طرف چلا گیا تھا۔

وہ اپنے لشکر کے سامنے داؤد بن عائشہ کے قریب گیا تب شکایت بھرے انداز میں
داؤد بن عائشہ سے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! میرے بھی سارے کام تم ہی نمٹا جاتے ہو اس لشکر کے سالار
اعلیٰ تم ہو لہذا میں تمہارے سامنے بولنے کی جرات اور جسارت نہیں کر سکتا پر تم سے یہ
کہتا ہوں کہ عزیز بھائی! کبھی کبھی انفرادی مقابلے میں اپنے اس بھائی کو بھی آزما لیا
کرو۔ جواب میں زکریہ بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”داؤد بن عائشہ! آزمائے ہوئے کو کیا آزمانا تمہاری جرات مندی، تمہاری ہنر
مندى پہلے سے طے شدہ ہے میرے بھائی میرا دل چاہ رہا تھا ان دونوں کو اپنے سامنے
زیر کروں پھر لشکر میں آؤں تو برا مت ماننا۔

میرے بھائی! یہ کام ہم دونوں کا سانجھا اور مشترک ہے۔
اب آؤ! اپنے لشکر کو تیار رکھیں کہ دشمن ہم پر ضرب لگانے کے لئے یہ اپنے لشکر کو

آگے بڑھائے گا۔ اس لئے کہ انفرادی مقابلے میں جو انکے دوسو مارے گئے ہیں۔ اس سے ان کے لشکر میں بددلی پھیلے گی اور اس بددلی کو دور کرنے کے لئے یقیناً وہ ہم پر حملہ آور ہونے میں پہل کریں گے۔“

زکریہ بن ادریس کی اس گفتگو سے داؤد بن عائشہ نے اتفاق کیا تھا اس کے بعد دونوں تیار اور مستعد ہو گئے تھے۔

زکریہ بن ادریس کا اندازہ درست ہوا اس لئے کہ افونش نے اپنے سالاروں کو لشکر آگے بڑھا کر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا جبکہ افونش اور اس کا بیٹا اپنے لشکر کے وسطی حصہ میں رہے تھے تاکہ اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھاتے رہیں پھر افونش کے کہنے پر اس کا لشکر حرکت میں آیا اور مسلمانوں پر کرب و فناء کے بگولوں کی بارش، اذیتوں کے رنگ بکھیرتی طوفانی یورش، نفس نفس کے بیابانوں اور زندگی کے کاروانوں میں قہر بکھیرتی ساعتوں اور آن کی آن ساعت کی ساعت میں آسمان سے برسی آگ اور بے چین شراروں کی اڑان کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف زکریہ بن ادریس، داؤد بن عائشہ، غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم نے اپنے حصہ کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ لشکر کا ایک حصہ زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ اور لشکر کا دوسرا حصہ غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم کی قیادت میں تھا۔ جب افونش کا لشکر حملہ آور ہوا تب مسلمانوں نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی سب سے پہلے جوابی کارروائی کے طور پر زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ فناء کی طرح ہر شے کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیرتے قضاء کے عذابی ریلے و قطرہ قطرہ پگھلاتی وزرہ زرہ سلگاتی عذابوں میں لپٹی صداؤں و زہریلی آندھیوں اور غم کے چڑھتے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ کے بعد غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ بھی درد کی بے انت راہوں پر وقت تک کو ساکت کرتے کرب کے کھولتے ریگزاروں، بے کراں آسماں تلے ہوش و حواس کے رخ پر دھوئیں کی طرح اٹھتی افسردہ لہریں طاری کر دینے والی صداؤں اور سوچوں کے طوفانوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے حص و ہوس کے کھولتے سمندر میں کھولتی کراہتی قضاء

کی سی آپیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ بیاضِ وقت کے اوراقِ خون آلود ہونا شروع ہو گئے تھے۔ زمین کے زندان میں لمحوں کو ویران کرتی گھنگھور گھٹاؤں کے اندر موت کی برق جوش مارنے لگی تھی۔ بڑے بڑے تیغ زن موت کے جزیروں میں ویران اور بے نام ہو گئے تھے۔ ہر کوئی اپنی تیغ زنی کی شعبدہ گری سے دوسرے پر سلگتی ریت کے صحرا کی طرح وارد ہونا شروع ہو گیا تھا۔

افونش اور اس کے لشکریوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح اپنی کامیابی کو یقینی بنائیں لیکن زکریہ بن ادریس اور اس کے ساتھی سالاروں نے ان کی ساری نفاست اور تازگی کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا اور پھر وقت کی آنکھ نے دیکھا افونش، اس کے سالاروں اور لشکریوں کی حالت اب آہستہ آہستہ روزِ زندان میں پتھر کی طرح اداس چپ زندگی کو اجاڑتی ان گنت خراشوں، رات کی دہلیز پر اترتی غم آلود شام و لطف ولذت کی نیرنگیوں سے محروم دوپہر اور بے نسب و بے گمان لمحوں سے بھی زیادہ اتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

یہاں تک کہ تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد افونش کے لشکر نے شکست قبول کی۔ لشکر کے اندر پسپائی کے بگل بچے پھر لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس موقع پر زیدون بن مسلم کو لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر چھوڑا گیا جبکہ زکریہ بن ادریس، داؤد بن عائشہ، غیردر بن شیب نے بھاگتے لشکر کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ یہ تعاقب کچھ دیر تک جاری رہا اس تعاقب کے دوران بھی افونش کے لشکر کی تعداد کافی حد تک کم کر کے اس کی طاقت اور قوت پر کاری ضرب لگا دی گئی تھی تاکہ آنے والے دور میں پھر کبھی وہ اس طرح مسلمانوں کے سامنے آکر مقابلہ کرنے کی جرات اور جسارت نہ کر پائے۔

کچھ دور تک تعاقب کرنے کے بعد زکریہ بن ادریس، داؤد بن عائشہ اور غیردر بن شیب واپس اس جگہ آئے جہاں جنگ ہوئی تھی۔ ان کی آمد تک زیدون بن مسلم نے افونش کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا تھا۔ ساتھ ہی اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال بھی کر لی تھی۔ اس موقع پر زکریہ بن ادریس جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ حسین اور خوبصورت رواندہ اس وقت خیمے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چہل قدمی کر رہی تھی شاید بڑی بے چینی اور بے تابی سے اسی کی آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ جونہی اس نے خیمے میں زکریہ بن ادریس کو داخل ہوتے دیکھا اس کی طرف بھاگی۔

زکریہ بن ادریس نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا کر اسے اپنے سے ذرا فاصلے پر ہی رکھا اور کہنے لگا۔

”میرے کپڑے خون آلود ہیں تمہارے کپڑے خراب ہو جائیں گے“ اس پر رواندہ نے کوئی پرواہ نہ کی آگے بڑھی۔ زکریہ بن ادریس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے باری باری دونوں ہاتھوں کو اس نے طویل بو سے دیئے پھر فخریہ اور تو صغنی انداز میں وہ زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”آج میں آپ کی ذات پر جتنا فخر کروں کم ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ میں دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہوں۔ جس وقت انفرادی مقابلہ شروع ہوا اور آپ نے پہلے تیغ زن کو اپنے سامنے زیر کیا تب ہمارے پڑاؤ کی جو حالت تھی وہ دیدنی تھی۔ عورتیں بھاگ بھاگ کر میرے خیمے کی طرف آتی تھیں اور مجھے مبارکباد دیتی تھیں۔ اس کے بعد جب آپ نے افونش کے دوسرے تیغ زن کو بھی اپنے سامنے زیر کر دیا تب پڑاؤ کی کیا حالت تھی وہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ اس وقت جہاں ہمارے لشکر میں تکبیریں بلند ہو رہی تھیں وہاں پڑاؤ کے اندر جس قدر عورتیں اور بچے تھے باہر نکل آئے تھے زور دار انداز میں تکبیریں بلند کرتے رہے تھے۔ کچھ عورتوں نے مجھے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا بے پناہ خوشی کا اظہار کرنے لگیں۔ ایسا کرنے والیوں میں داؤد بن عائشہ، غیرور بن شیب اور زیدون بن مسلم کی بیویاں پیش پیش تھیں وہ کبھی میری پیشانی چومتی تھیں کبھی میرے ہاتھ اور مجھے مبارکباد دیتی تھیں کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔“

اتنا کہنے کے بعد رواندہ رکی پھر پہلے کی نسبت زیادہ پیار بھرے انداز میں زکریہ بن ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”افونش کے خلاف یہ ہماری شاندار اور عظیم فتح ہے اور اس فتح کے علاوہ آپ کے انفرادی مقابلے میں کامیاب رہنے کی خبریں جب اشبیلیہ پہنچیں گی تو جہاں میرے ماں باپ کی خوشی کی کوئی انتہاء نہیں وہاں میرا دل کہتا ہے اشبیلیہ کے لوگ میرے ماں باپ کی ذات پر بھی فخر کریں گے کہ ان کی بیٹی رواندہ زکریہ بن ادریس کی بیوی ہے جس نے دشمن کے لشکریوں ہی نہیں بڑے بڑے تیغ زنوں کی چولیس ہلا کر رکھ دی ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رواندہ جب رکی تو زکریہ بن ادریس نے کہنا شروع کیا۔

”رواندہ! جو کچھ میں نے کیا ہے وہ میرے فرائض میں شامل ہے اس لئے کہ.....“

”زکریہ بن ادریس کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے رواندہ بول اٹھی تھی۔“

”ایسے خوشی کے موقع پر جب آپ گفتگو کیا کرتے ہیں تو عموماً آپ میرا گال تھپتھپایا کرتے تھے لیکن آج آپ نے ایسا نہیں کیا“
جواب میں زکریہ بن ادریس مسکرایا اور کہنے لگا۔

”آج میرا ہاتھ اس وقت خون آلود ہے چلو یہ کسر میں بعد میں کسی موقع پر نکال دوں گا۔“ اس پر رواندہ مسکرائی زکریہ بن ادریس کا ہاتھ جو خون آلود تھا دو تین بار اپنے گال پر ہلکے سے مارا پھر کہنے لگی۔

”اب کہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“
جواب میں زکریہ بن ادریس کھل کر مسکرا دیا کہنے لگا۔
”میں نے کچھ بھی نہیں کہنا پہلے میں طہارت خانہ جاتا ہوں نہاؤں گا لباس تبدیل کروں گا پھر بیٹھ کر بات کریں گے۔“

اس پر رواندہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔
”آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ طہارت خانہ میں اس وقت پانی گرم پڑا ہوا ہے۔ آپ کے لئے نیا لباس نکال کر میں نے باہر رکھا ہوا ہے۔ انگوچھا بھی میں نے طہارت خانہ میں رکھ دیا ہے۔ آپ نہا کر لباس تبدیل کریں اس کے بعد اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔“

رواندہ کے ان الفاظ پر زکریہ بن ادریس خوش ہو گیا تھا۔ پھر رواندہ کے کہنے پر وہ طہارت خانہ کی طرف چلا گیا تھا۔



زکریہ بن ادریس، داؤد بن عائشہ، غیردور بن شیبیب اور ریدون بن مسلم نے اپنے لشکر کے ساتھ ابھی تک وہیں قیام کر رکھا تھا۔ جہاں انفوس کے ساتھ جنگ ہوئی تھی۔ ایک روز چاروں سالار اپنے پڑاؤ میں دھوپ کے اندر اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ زکریہ بن ادریس نے کچھ سوچا پھر اپنے تینوں ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میرے عزیز بھائیو! اس وقت میرے ذہن میں ایک منصوبہ بندی ہے اگر تم لوگ میرا ساتھ دو اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ تو یاد رکھنا مسلمانوں کی طاقت

اور قوت شمال تک پھیل جائے گی اور آنے والے دور میں شمال کی کسی نصرانی قوت کو مسلمانوں کے علاقوں تک دیکھنے کی جرات اور جسارت نہیں ہو پائے گی۔“

زکریہ بن ادریس جب خاموش ہوا تب داؤد بن عائشہ، غیرور بن شیب اور زیدون بن مسلم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر داؤد بن عائشہ زکریہ بن ادریس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن ادریس میرے بھائی! تم کس قسم کی گفتگو کر رہے ہو؟ اگر کوئی منصوبہ بندی تمہارے ذہن میں ہے تو کھل کر کہو اس کے لئے تمہاری تجویز پر عمل نہ کرنا ہم تینوں گناہ خیال کریں گے۔ اس وقت جس تجویز یا منصوبہ بندی کے متعلق تم نے سوچ رکھا ہے کھل کر اس کا اظہار کرو تا کہ اس پر عمل کر کے مسلمانوں کی بہتری اور بھلائی کے لئے کام کیا جائے۔“

داؤد بن عائشہ جب خاموش ہوا تب اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے زکریہ بن ادریس کہنے لگا۔

”میرے بھائی! میں چاہتا ہوں یہاں سے کوچ کر کے بلنیا شہر پر حملہ آور ہوں جہاں اس وقت نصرانیوں کی حکومت ہے۔ یہ علاقہ افونش کے تحت بھی نہیں ہے وہاں نصرانیوں کی ایک خود مختار حکومت ہے جو گزشتہ آٹھ سال سے وہاں قائم ہے اور بلنیا کے نصرانی حکمرانوں نے مسلمانوں کو نقصانات بھی بہت پہنچائے ہیں اگر ہم یہاں سے کوچ کر کے بلنیا کا رخ کریں تو میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ بغیر کسی مزاحمت کے بلنیا پر ہم قابض ہو جائیں گے اور اگر بلنیا کو ہم نے فتح کر لیا تو پھر شمال کی طرف سے مسلمانوں کے لئے کوئی خطرہ نہیں اٹھے گا اور مسلمان محفوظ ہو جائیں گے اور اسلامی سلطنت میں وسعت بھی پیدا ہو جائے گی۔ اس وقت ہمارے پاس طاقت اور قوت بھی ہے۔ اندلس کے اندر ہماری فتوحات کی دھوم بھی ہے چنانچہ اندلس میں کوئی طاقت ہمارے سامنے دیوار نہیں بنے گی اور اگر بنے گی بھی تو اسے ریت کی سمجھ کر گراتے چلے جائیں گے۔ میرے بھائی! یہ کوئی مشکل مہم نہیں ہے۔“

زکریہ بن ادریس جب خاموش ہوا تب داؤد بن عائشہ کہنے لگا۔

”میرے بھائی! یہ بہترین تجویز ہے اگر یہ مشکل مہم ہو تب بھی میرے بھائی ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اب جو تجویز میرے بھائی! تم نے پیش کی ہے یہ بہترین ہے میں سمجھتا

ہوں اپنے لشکر کے ساتھ کل یہاں سے کوچ کریں۔ بے شک بلنسیا پر حملہ آور ہونے کے لئے ہمیں سیر بن ابی بکر نے نہیں کہا لیکن یہ مہم مسلمانوں کے لئے چونکہ بڑی سود مند ہے لہذا اسے سر کر لینا چاہئے۔ میرے بھائی! اگر ہم لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کریں تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟“

زکریہ بن ادریس ہی نہیں غیر در بن شیب اور زیدون بن مسلم نے بھی اس سے چونکہ اتفاق کیا تھا پھر اس سلسلے میں چھوٹے سالاروں سے بھی مشورہ کیا گیا۔ سب نے جب اپنی رضامندی کا اظہار کیا تب اگلے روز لشکر نے وہاں سے بلنسیا پر حملہ آور ہونے کے لئے کوچ کیا تھا۔

جہاں تک بلنسیا کا تعلق ہے تو یہ شہر بھی ہے اور صوبے کا نام بھی ہے۔ اس شہر کا پرانا نام والنسیا ہوا کرتا تھا۔ بقول مؤرخین یہ بہت پرانا شہر تھا آجکل بلنسیا کا دار الحکومت ہے اس سے پہلے بھی اور طوائف الملوکی کے دور میں یہ اس علاقے کا صدر مقام رہا۔ یہ شہر دریائے ابیض کے دائیں کنارے پر آباد ہے۔ بحیرہ متوسط کا ساحل وہاں سے تین میل کے فاصلے پر ہے ہوا معتدل اور خشک ہے۔ سمندر سے پُر و ا ہوا چلتی ہے تو بارش آتی ہے ورنہ مینہ کم ہی ہوتا ہے۔

شہر کی وضع قطع اب تک اسلامی نظر آتی ہے بُرج اور مینار بھی کثرت سے ہیں۔ سنہری اور سفید رنگ کی روغنی اینٹیں مسلمانوں کے زمانے کی طرح اب تک برج اور میناروں پر لگائی جاتی ہیں۔

مورخ اور جغرافیہ دان شریف ادریسی شہر سے متعلق لکھتا ہے۔

”شہر بلنسیا اندلس کا ایک مرکز ہے سطح زمین پر واقع ہے علاقہ آباد ہے تاجروں اور باہروالوں کی بڑی کثرت ہے۔ بازار بہت اور تجارت بے شمار ہے۔ مال بہت اترتا اور چڑھتا ہے۔ بلنسیا سے دریائے ابیض کے کنارے کنارے جاؤ تو سمندر تین میل طے کرنے کے بعد آ جاتا ہے۔ شہر دریائے ابیض کے کنارے واقع ہے۔ اس دریا سے یہاں کی زمینوں کو بڑا نفع پہنچتا ہے۔ کھیتوں میں آبپاشی اسی دریا سے ہوتی ہے۔ شہر کے گرد بازار اور عمارتیں مسلسل چلی گئیں ہیں۔“

مورخین مزید لکھتے ہیں کہ بلنسیا اندلس کے مشرقی حصہ میں واقع ہے اس کو مدینت

التراب بھی کہتے ہیں۔ یہاں زعفران پیدا ہوتی ہے اور ایک پھل ہوتا ہے جس کو ارض کہتے ہیں۔ یہ انگور کے برابر نہایت شیریں اور خوشبودار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اندلس کے تمام شہروں میں بلنسیا سب سے زیادہ روشن ہے یہاں سیرگا ہیں اور عمارتیں بہت ہیں۔ باغوں میں سب سے زیادہ مشہور رصافہ ابن ابی عامر ہے جن کے گلزار اور چمن، روشیں اور نہریں بڑی دلفریب ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پھولوں اور پھلوں کے باغ کثرت سے ہیں اور ہر وقت خوشبودار رہتی ہے۔

رصافہ جس باغ کا نام ہے وہ نہایت پُر فضا مقام ہے اور اس کے قریب صاف شفاف پانی کی ایک جھیل ہے آج کل اس جھیل کو الخیرہ کہتے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس جھیل سے آفتاب کی شعاعیں منعکس ہو کر اس طرح پڑتی ہیں کہ شہر میں روشنی بڑھ جاتی ہے۔

بعض سیاحوں نے لکھا ہے کہ یہاں مچھر اور مکھیوں کی کثرت ہے۔ ایک شاعر لکھتا ہے کہ بلنسیا میں مچھر بانسریاں بجاتے ہیں اور مکھیاں انگی لے پر ناچتی ہیں۔ شہر کے گرد ایک فصیل رومنوں کے زمانے کی مدت تک سلامت رہی مگر اب اس کے صرف دو دروازے اور چند برج باقی ہیں۔

دریا سے آبپاشی اس قدر ہوتی ہے کہ شہر کے قریب دریا میں پانی کم رہ جاتا ہے شہر کے کوچے اور بازار تنگ اور پیچیدہ ہیں۔

اس شہر میں آج کل جو سینٹ نکولس کا کلیسا ہے یہ عمارت کبھی مسلمانوں کی تھی۔ مصنوعات میں روغنی اینٹیں اور ریشمی کپڑے یہاں کے مشہور ہیں پھلوں میں یہاں کے باغوں میں کشمش و بادام و انجیر وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ گیہوں، چاول، زعفران بھی پیدا کی جاتی ہے۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کر کے ریشم بہت جمع کیا جاتا ہے۔

بلنسیا کے لوگ ایسے تھے جن کو رزم و بزم دونوں میں فضیلت تھی ان میں بڑے بڑے فہمیدہ و ادیب اور شاعر تھے اور بڑے بڑے مردان کارزار پیدا ہوئے جنہوں نے ہمیشہ بڑی ہمت سے نصرانیوں کا مقابلہ اور لڑائیوں کے خون آلود میدانوں میں تاج شان حاصل کیا۔

اہل بلنسیا بڑے متزین ہوتے تھے ان کا اخلاق اچھا تھا اور دین کی ہر بات کے بڑے پابند تھے۔ نہایت مہمان نواز تھے۔ اس شہر پر مسلمانوں کی حکومت صدیوں تک

رہی اور مسلمان مدت تک وہاں عیسائیوں کی حکومت میں آباد رہے۔

مورخین لکھتے ہیں جہاں تک اس شہر کی تاریخ کا تعلق ہے تو 413ء میں قوطیوں نے اسے رومنوں سے چھینا۔ 713ء مسلمانوں نے قوطیوں کی حکومت ہٹا دی اور خود اس شہر کے مالک بنے۔ بنو امیہ کی کچھ اور تین سو برس حکومت کے بعد جب طوائف الملوکی ہوئی تو عبدالعزیز بن عبدالرحمن نے جو منصور بن ابی عامر کے پوتے تھے یہاں ایک خود مختار حکومت قائم کر لی تھی جس کی شوکت کافی تھی۔

اس کے بعد ہجری 487ھ میں ایک عیسائی سالار نے جو کہ مسلمانوں کی ملازمت قبول کر کے کام کرتا رہا تھا ایسی قوت حاصل کی کہ بلنسیا پر قابض ہو گیا۔ نصرانی مورخین نے اس کا نام سد لکھا ہے جبکہ عربی مورخین نے اس کا نام کنبتور لکھا ہے۔

نصرانی مورخین کی زبان اس نصرانی سردار کی تعریف میں خشک ہوئی جاتی ہے۔ مسلمان اس کو ابن النخبیث یا کلب الجلیکیہ لکھتے ہیں اور اس کی دغا بازیاں اور مکاریاں پورے طور پر ثابت کرتے ہیں۔ کنبتور کی حکومت اس شہر پر آٹھ برس رہی تھی۔ اب جبکہ مسلمانوں کا لشکر بلنسیا پر حملہ آور ہونے کے لئے جا رہا تھا تو اس وقت تک کنبتور تو مر چکا تھا لیکن اس کا خاندان اس شہر پر حکومت کر رہا تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا لشکر جب بلنسیا کی طرف بڑھا تو بلنسیا کا جو حکمران نصرانی خاندان تھا اس نے تیز رفتار قاصد افونش کی طرف بھجوائے اور اس سے التجاء کی کہ مسلمان بلنسیا پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کے خلاف وہ ان کی مدد کرے۔

مورخین مزید لکھتے ہیں کہ بلنسیا کی اس التجاء کو افونش نے کوئی اہمیت نہ دی اس لئے کہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے افونش کی عسکری حیثیت پہلے ہی کچلی جا چکی تھی۔ اس کے لشکر کی کثرت موت کے گھاٹ اتر چکی تھی۔ لہذا جس وقت زکریہ بن ادیس اور داؤد بن عائشہ اپنا لشکر لے کر بلنسیا کی طرف بڑھے اور بلنسیا کے حکمرانوں نے افونش سے مدد طلب کی تو افونش نے مدد کرنے سے انکار کر دیا اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے بلنسیا والوں کی مدد کی تو مسلمان موت کی طرح اس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ لہذا اس نے بلنسیا والوں کی کوئی مدد نہ کی جس کے نتیجے میں بلنسیا میں جو حکمران اور نصرانی لشکر تھے وہ شہر خالی کر کے بھاگ گئے۔ اس طرح بلنسیا اور جس

علاقے کا بلنسیا مرکز تھا اس پر زکریہ بن ادریس اور داؤد بن عائشہ نے قبضہ کر لیا تھا۔ یہ شاندار فتح تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اس فتح کے بعد اندلس میں مسلمانوں کی حکومت مضبوط اور مستحکم ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے چھوٹے چھوٹے علاقوں پر مسلمان حاکم تھے۔ ہر ایک نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاست بنا رکھی تھی اور یہ مسلمان ریاستیں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہتی تھیں اور اکثر و بیشتر ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے نصرانی حکمران افونش سے مدد کے طالب رہتے تھے لیکن اب ان سارے چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں کا خاتمہ کر کے اندلس کے اندر ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کر دی گئی تھی اور اس حکومت کا سربراہ امیر یوسف بن تاشفین کا بھتیجا سیر بن ابی بکر تھا۔

بلنسیا پر قبضہ کرنے وہاں کا انتظام و انصرام اپنے حق میں درست کرنے کے بعد شہر اور اردگرد کی حفاظت کے لئے وہاں ایک لشکر رکھا گیا۔ اس کے علاوہ مقامی مسلمانوں کو تربیت دے کر علاقوں کی حفاظت پر مقرر کرتے ہوئے وہاں ایک حاکم بھی مقرر کیا۔ اس کے بعد لشکر نے واپسی کا کوچ کیا۔ حالت یہ تھی کہ لشکر کے آگے آگے زکریہ بن ادریس، داؤد بن عائشہ، غیردر بن شیب اور زیدون بن مسلم تھے اور اب یہ لشکر فتح و کامیابی اور فوز مندی کے گیت گاتا ہوا بلنسیا سے اشبیلیہ کا رخ کر رہا تھا۔

(تمت بالخیر)

تاریخ کے نامور مصنف اسلم راہی ایم اے کے تاریخی ناول

انگریزی مسافتیں

اسلم راہی ایم اے